مختصر سیرتِ طیبہ

ڈاکٹر طاہر صدیق

دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com

مختصر سیرتِ طیبہ

ڈاکٹر طاہر صدیق

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

DATA ENTERED

Marfat.com

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب : مختصر سیرت طیبہؐ

مؤلف : ڈاکٹر طاہر صدیق

نگران طباعت : آصف منیر بابر

سرورق : محمد طارق اعظم

کمپوزنگ وتزئین : محمد ظفر

طابع : ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد

اشاعت اوّل : ۲۰۱۸ء

تعداد اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : پیپربیک: ۶۵۰ روپے

مجلد: ۹۰۰روپے

ISBN.978-969-556-263-5

ناشر

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

297.99

Marfat.com

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیّد المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

سیرت کی مشہور کتاب "النبی الخاتم" کے مصنف سیّد مناظر احسن گیلانی مرحوم اپنی کتاب کے آغاز میں تحریر کرتے ہیں اور کیا خوب لکھا ہے:

"یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے ان میں جو بھی آیا جانے کے لیے آیا"۔

پر ایک اور صرف ایک، جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا، وہی جو آنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا چاہیے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا، جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لیے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے، جس کی روشنی بے داغ ہے"۔

واقعی یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نام، سیرت، تعلیمات، اخلاق بلکہ تمام زندگی امت مسلمہ کیا تمام انسانیت کے لیے قیامت تک روشنی کا مینارہ ہے، جو کبھی بجھ نہیں

Marfat.com

سکتا، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں، ہر زبان میں، ہر اسلوب میں، نثر ہو یا نظم ہر پیرائے میں آپ کی سیرت پر لکھا گیا اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا۔

یہ امت مسلمہ کے لیے کتنا بڑا فخر و اعزاز ہے کہ ہر مصنف پوری طرح محبت رسول میں ڈوب کر یہ تحریر لکھتا ہے اور ہر گوشے کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محبت رسول ﷺ کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالی نے خود فرمایا: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ ترجمہ: (کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ محبت رسول سے پہلے محبت الہی اور اس کے لیے ذریعہ اتباع مصطفی ﷺ ہے۔ اگر ہم واقعی اپنی فطری محبتوں سے بڑھ کر شعوری طور پر اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے اپنے دلوں کو معمور کرلیں تو یقیناً اس کے نتائج اللہ کی محبت اور مغفرت ذنوب کی شکل میں مل جائیں گے۔

دعوۃ اکیڈمی جہاں دعوتی میدان میں تصنیف و تالیف کا کام کر رہی ہے، وہاں مصادر دعوت کی اہمیت ہم سے پوشیدہ نہیں ہے، مصادر دعوت میں ایک اہم مصدر سیرت النبی ﷺ ہے۔

اس موضوع پر ہمارے رفیق کار ڈاکٹر طاہر صدیق نے قلم اٹھایا ہے، شروع میں محاضرات کی صورت میں یہ کام شروع ہوا اور پھر کتاب کی شکل میں ڈھل گیا، مکی اور مدنی دور کو الگ الگ شائع کرنے کی بجائے اب جامع شکل میں پیش کیا جارہا ہے، اُمید ہے کہ قارئین کرام اس صورت میں بھرپور فائدہ اٹھا سکیں گے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ مصنف اور ان کے معاونین کو بہترین جزا عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان کے لیے شفاعت و مغفرت کا سامان بنادے اور صدقہ جاریہ کی صورت میں ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے۔ آمین

ڈاکٹر سہیل حسن

ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

الحمد لله الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ وأفضل الصلوات وأتم التسليمات وأطيب التحيات على النبي الكريم الصادق الامين الذي حث على مكارم الاخلاق وأمرنا بأفضل الاعمال ونهانا عن سوء القول والعمل وعلى آله وصحبه وأتباعه أجمعين.

أما بعد

سیرۃ النبی علی صاحبہا الصلاۃ و السلام کے موضوع پر قرون اولی سے لکھا جا رہا ہے۔ مفسرین، محدثین، مغازی کے ماہرین، انساب و طبقات پر لکھنے والے ایسے ہزاروں محبانِ نبی ہیں جنہوں نے ابتدائی صدیوں میں وقیع کام کیا ہے۔ انہی میں عروہ بن زبیر، شعبی، زہری، وہب بن منبہ، ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد جیسے ان گنت نام نظر آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی گھٹاٹوپ اندھیروں میں سراج منیر کی حیثیت رکھتی ہے، آپ نور سرمدی ہیں، آپ منشائے ربانی ہیں، آپ نور مبین ہیں، آپ الہامی زندگی کا کامل و اکمل نمونہ ہیں۔ جس نے آپ کی حیات مبارکہ کو اول تا آخر خوب سوچ سمجھ کر پڑھ لیا، سمجھ لیا، اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی یقیناً وہ ہدایت پا گیا۔

سلف صالحین میں سیرت و مغازی کا بڑا اہتمام تھا۔ بچوں کو سیرت کے واقعات ازبر کرائے جاتے تھے۔ امام ثوری، امام زہری اور امام علی بن حسین سے منقول ہے کہ ہم خود اور ہمارے بچے سیرت طیبہ کو نصاب کے طور پر پڑھتے ہیں، ایک ایک واقعہ کا تکرار کرتے ہیں، مغازی اور سرایا کو حفظ کرتے ہیں۔

Marfat.com

۲۰۰۶ء میں راقم الحروف کی ذمہ داری لگائی گئی کہ دعوۃ اکیڈمی میں خط و کتابت کورس کے طور پر مطالعہ سیرت کورس تیار کیا جائے، جس میں بارہ یونٹ ہوں اور یوں بارہ ماہ میں شرکائے کورس کو حیات طیبہ کا مطالعہ کرا دیا جائے۔ اس سلسلے کے ابتدائی چار یونٹ تیار ہوئے تھے کہ دعوۃ اکیڈمی کے مختلف کورسز اور فیصل مسجد کے اعتکاف پروگرام میں سیرت طیبہ پر ایسے لیکچر دینے کا حکم دیا گیا جن میں اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کی پوری زندگی کو تاریخی ترتیب اور واقعاتی اور قصصی اسلوب میں بیان کیا جائے۔

ان لیکچرز کے لیے راقم الحروف اور محترم پروفیسر عبد الفرید بروہی صاحب کی ذمہ داری لگائی گئی۔ گزشتہ ۱۱ سال سے فیصل مسجد کے اجتماعی اعتکاف کے ساتھ ساتھ دعوۃ اکیڈمی کے تعلیمی و تربیتی پروگراموں میں سیرت طیبہ کے موضوع پر لیکچرز دیے جا رہے ہیں۔ ان محاضرات / لیکچرز کی تیاری کے لیے عربی کی امہات الکتب کے ساتھ ساتھ، سیرۃ النبی ﷺ از شبلی نعمانی، رحمۃ للعالمین از سلمان منصور پوری، سیرت سرور عالم از سید مودودی، الرحیق المختوم از صفی الرحمان مبارک پوری، نبی رحمت اور امن عالم از محمد اسلم گل اور دیگر کتب سے استفادہ کیا گیا، نیز انٹرنٹ میں سیرت طیبہ اور اسلامی تاریخ سے متعلق عربی اور اردو کی ویب سائیٹز سے استفادہ کیا گیا جس میں انتہائی اہم شبکۃ الدفاع عن النبی ﷺ، اطلس سیرت طیبہ اور مستند اسلامی تاریخ قابل ذکر ہیں۔ تعلیمی و تربیتی پروگراموں میں شریک ہونے والے بیشتر احباب کا تقاضا رہا کہ ان محاضرات کو کتابی شکل میں مہیا کیا جائے۔ اس سلسلے میں بعض احباب نے کتاب پر آنے والے اخراجات برداشت کرنے کی پیش کش بھی کی، نیز ان محاضرات کو سی ڈیز میں بھی ریکارڈ کیا گیا۔ مطالعہ سیرت کورس کے ابتدائی اجزاء بوجوہ یونٹ نہ بن سکے البتہ قسط وار "ماہنامہ دعوۃ" میں شائع ہوتے رہے نیز محاضرات کے لئے جو نوٹس لیے گئے تھے ان سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مربوط مضمون تیار ہو گیا جو نور سرمدی کے ابتدائی ۵۳ سالوں پر محیط ہے۔ یہ کتاب سن ۲۰۱۲ء میں

Marfat.com

دعوۃ اکیڈمی سے "مختصر سیرت طیبہ مکی دور" کے نام سے شائع ہوئی۔

مکی دور کی تکمیل کے بعد مجھے خود بھی یہ احساس ہوا کہ مدنی دور پر بھی کام کرنا چاہیے اور ادارے کی طرف سے ذمہ داری بھی لگادی گئی اور یہ خدمتِ سیرت کا سلسلہ جاری رہا، سیرت کے مضامین قسط وار "ماہنامہ دعوۃ" میں چھپتے رہے اور دوسر طرف مدنی دور پر مواد جمع ہوتا رہا۔ اسی عرصے میں مجھے توفیق ایزدی سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کا موقع بھی ملا اور پی ایچ ڈی کی شب وروز کی محنت کے سبب یہ کام تاخیر کا شکار ہو گیا، الحمد للہ ادھر پی ایچ ڈی مکمل ہوا اور ساتھ ساتھ مدنی دور کی تکمیل بھی عمل میں آئی۔

"مختصر سیرت طیبہ مکی دور" کو شائع ہوئے عرصہ سات سال بیت گئے ہیں اور اب اس کی دوسری جلد "مختصر سیرت طیبہ مدنی دور" کی تکمیل کے بعد دونون جلدوں کو ایک مکمل کتاب کی صورت میں قارئین کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سیرت طیبہ پر ہزاروں نہیں لاکھوں محبانِ نبی اپنی اپنی بساط کے مطابق لکھ چکے ہیں اور دنیا کی کئی زبانوں میں یہ کام تاحال جاری ہے اور ورفعنا لك ذكرك پر عمل ہو رہا ہے۔

"مدنی دور" دراصل اس سلسلے کا تکملہ ہے جو ۲۰۱۲ میں چھپ چکا ہے، مدنی دور میں اسلوب نگارش واقعاتی اور قصصی ہی رہا ہے۔ مدنی دور اگرچہ دس سال پر محیط ہے لیکن اس دور میں اس قدر کام ہوا ہے کہ انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے، ہر میدان میں کامل واکمل کام ہوا ہے وہ معاشرت ہو معاش ہو، سیاست ہو، عسکر ہو، بین الاقوامی معاملات ہوں، گھر ہو، بازار ہو، تجارت ہو، سب کا احاطہ کسی بھی سیرت نگار کے ہاں نہیں ہو سکا ہے، کئی مراجع اور امہات الکتب دیکھنے کے بعد بھی تشنگی اسی طرح رہی، اکثر سیرت نگار سیرتِ طیبہ بیان کرتے ہوئے دو ہجری سے جنگوں کے سلسلے کو شروع کرتے ہیں اور مغازی ہی کو سیرت قرار دے کر فتح مکہ اور حجۃ الوداع پر اختتام کر دیتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کے ضمن میں انتہائی اہم واقعات بیان ہوتے ہیں جو نمایاں یا واضح نہیں ہو سکتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس انداز کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ زیر نظر کاوش میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

Marfat.com

۱- ان واقعات کو بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے جن کا براہ راست تعلق جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات سے ہے۔

۲- دور حاضر میں مستشرقین اور شاتمین کی طرف سے آپ کی ذات گرامی پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں ان کا رد کیا گیا ہے۔

۳- غزوات و سرایا پر زیادہ بحث نہیں کی گئی البتہ الگ سے ایک باب میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی زندگی میں صرف قتال ہی کیا تھا یا اور بھی کام کیے تھے اور قتال کے نتائج کیا رہے۔

۴- آپ کے اہل خانہ و ازواجِ مطہرات کے بارے میں خاطر خواہ معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

۵- ممکنہ حد تک سیرت کے جن واقعات کا نزول قرآن سے تعلق تھا ان کی وضاحت کی گئی ہے، نیز انتہائی اختصار کے ساتھ تفسیر اور حدیث کی روشنی میں واقعات کے تحت دروس و اسباق اخذ کیے گئے ہیں۔

۶- اس بات کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے کہ قابل اعتماد مستند اور معروف مراجع اور مآخذ سے استفادہ کیا جائے۔ اور ان مراجع اور مآخذ کو حوالہ جات کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۷- دور حاضر میں سیرت طیبہ کے خلاف شائع کی گئی تحریروں اور اعتراضات کا مضبوط دلیل سے رد کیا گیا ہے۔

۸- زبان انتہائی سادہ اور عام فہم استعمال کی گئی ہے تاکہ ایک عام قاری اور کم پڑھا لکھا شخص اس سے بآسانی مستفید ہو سکے۔

۹- مختلف مقامات کے نقشے دیے گئے ہیں جن سے واقعات کو سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

۱۰- مکی دور پر ایک خوبصورت سلائیڈ بنائی گئی ہے جو بات کو سمجھانے کے لیے بہترین کاوش ہے، ان تیس سلائیڈز کو ضمیمہ کے طور پر کتاب میں عمومی

Marfat.com

فائدے کے لیے شامل کیا گیا ہے۔

جلد اول کی طرح دوسری جلد میں بھی اسلوب نگارش بڑی حد تک قصصی اور واقعاتی ہے تاکہ حالات زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کا ذہن ایک ترتیب سے پیغمبرانہ زندگی کے مراحل کے ساتھ ساتھ چلتا رہے اور کسی موقع پر اسے ربط کا فقدان محسوس نہ ہو۔ یہ کاوش "مختصر سیرت طیبہ مدنی دور" پر مشتمل ہے جو مضامین کی صورت میں پہلے ہی دعوۃ اکیڈمی کے ماہنامہ دعوۃ میں قسط وار چھپ رہے ہیں اور اب یہ دونوں جلدیں مکمل کتاب کی صورت میں "مختصر سیرت طیبہ" مکمل قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

میری کیا بساط کہ میں پاکیزہ الہامی زندگی کے موضوع پر قلم اٹھا سکوں، میری خوش قسمتی یہ ہے کہ ان دفتری ذمہ داریوں سے عہدہ برآء ہونے کی کوشش میں رشد و ہدایت کے سراج منیر کے انوار سے کچھ حصہ میرے نصیب میں بھی آگیا اور مجھے ذاتی طور پر سید الاولین والآخرین ﷺ کی حیات طیبہ کو مختلف مراجع سے پڑھنے، سمجھنے اور آگے بیان کرنے کا موقع ملا۔ سیرت کے موضوع پر لکھنے والوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے حالانکہ نبی آخرالزماں ﷺ کی ذات گرامی کی ایک زندگی ہے اور ہزاروں سیرت نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے جداگانہ اسباق و دروس اخذ و بیان کر دیے ہیں۔

سیرت طیبہ پر لیکچرز کے لیے ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی (۲۰۰۹-۲۰۱۳) جناب پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن صاحب نے آغاز کرایا اور انہی کے حکم پر یہ لیکچر کتابی شکل میں ماہنامہ دعوۃ میں شائع ہوتے رہے، نیز مکی دور کتابی شکل میں ۲۰۱۲ میں شائع ہوا، ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی جناب پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن صاحب کی ہدایت پر مکی دور کے بعد مدنی دور بھی مکمل ہو گیا اور اب یہ کتاب" مختصر سیرت طیبہ "مکمل شکل میں شائع ہو رہی ہے جس کے لیے جناب زبیر طارق ایڈیٹر ماہنامہ دعوۃ نے نظر ثانی اور اردو ادارت کا فریضہ انجام دیا نیز شعبہ مطبوعات میں حاجی محمد ظفر صاحب نے مکی دور کی طرح زیر نظر

Marfat.com

کتاب کی اشاعت میں بروقت تعاون کر کے اس کی اشاعت کو ممکن بنانے میں تعاون کیا۔ پروف کی غلطی یا کوئی خامی رہ گئی ہو تو یہ انتظار ہے کہ قارئین کی طرف سے اس کی نشان دہی ہو تو ان کی آراء کی روشنی میں آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ یہ ایک انسانی کاوش ہے اور اس میں غلطی کی گنجائش ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ غلطی پر معاف فرمائے اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور یہ بھی دعا ہے کہ وہ اس کو مرتب کرنے والے، کمپوز کرنے والے، اس کی اشاعت کا حکم دینے والے، کسی بھی انداز میں اس کار خیر میں حصہ ڈالنے والے اور اس کے ہر پڑھنے والے کو اجر عظیم عطا فرمائے اور راقم الحروف کو روز قیامت صاحب نور سرمدی ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

۳۰ نومبر ۲۰۱۷ء

ڈاکٹر طاہر صدیق

اسسٹنٹ پروفیسر

دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

بابِ اوّل

ولادت سے قبل دنیا کے حالات

Marfat.com

جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک

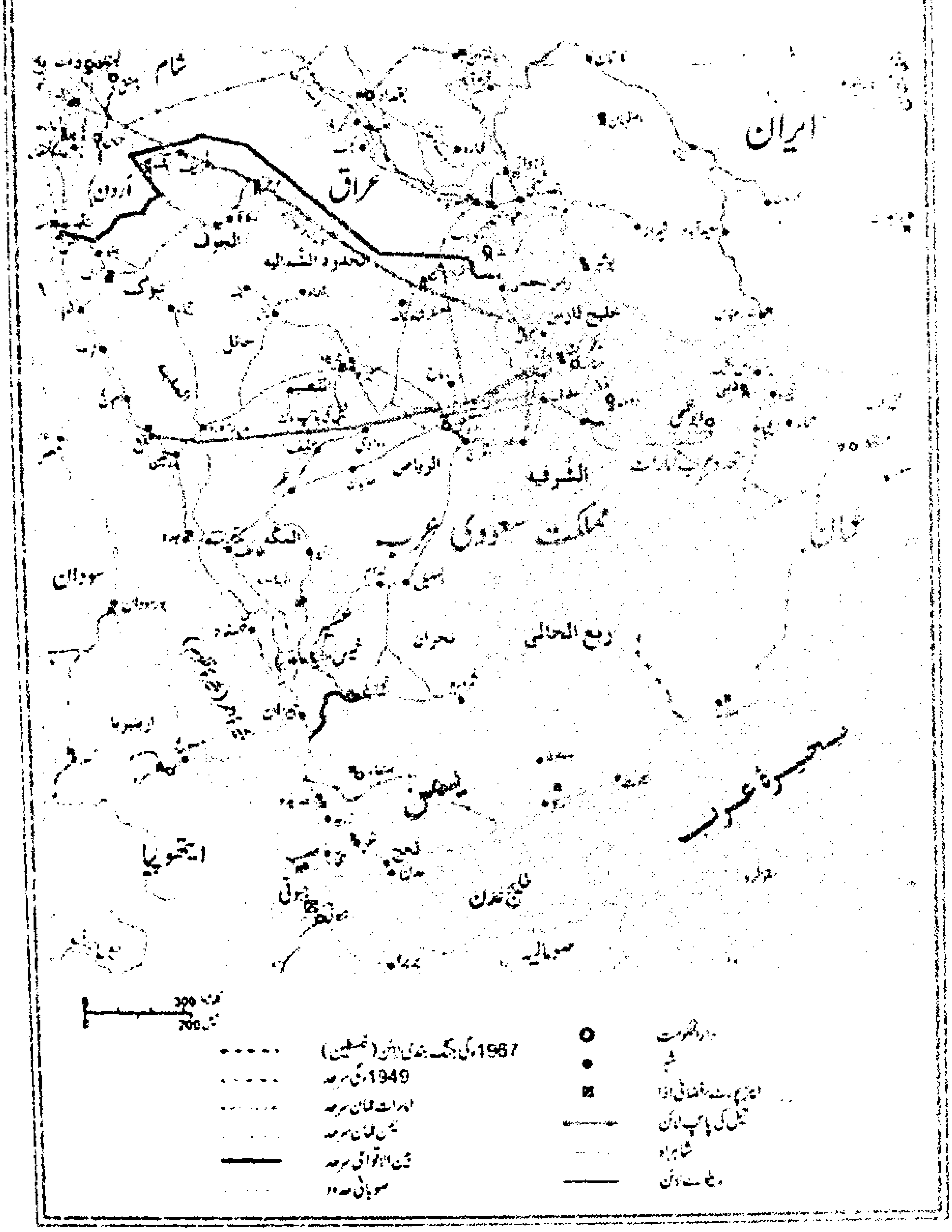

Marfat.com

در حقیقت سیرت نام ہے نبی کریم ﷺ کی عملی حیات طیبہ کا۔ جو حیات طیبہ آپؐ نے پیغام ربانی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اُمت کے سامنے پیش کی۔ سیرت پاک کے مطالعہ سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان حالات کا جائزہ لیں جو طلوع آفتاب نبوت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔ آپؐ کی بعثت سے پہلے عرب کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حالات اور خاندان نبوی کے بارے میں جاننا بھی مطالعہ سیرت کے لیے ممدو معاون ثابت ہوگا۔ چونکہ بعثت محمدی سے پہلے اور بعد کے حالات کا تقابل کیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اسلوب اور مقاصد کا سمجھنا مشکل ہے، اس لیے سیرت رسول ﷺ کے آغاز سے پہلے سابقہ دور یعنی دور جہالت کے حالات، عرب اقوام کے رسم و رواج، عادات وخصائل، عروج وزوال اور دیگر حالات کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

جزیرۃ العرب

عرب: لفظ عرب کے معانی اور وجہ تسمیہ میں مختلف آراء ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور نزول قرآن کے وقت اہل حجاز اپنی زبان دانی، شاعری، فصاحت وبلاغت اور ادب میں کوئی ثانی نہ رکھتے تھے۔ قرآن وحدیث کے بعد ان سے زیادہ فصاحت خود عربوں کی عربی میں بھی نہ پیدا ہو سکی۔ اس لیے انہوں نے اپنے لیے عرب اور دوسروں کے لیے عجم کا لفظ استعمال کیا، جس کا معنی عرب کا متضاد ہے۔ سامی زبانوں میں اس کا لغوی معنی دشت وصحرا ہے اور عرب کا زیادہ حصہ صحرا پر مشتمل ہے۔

محل وقوع: واضح ہونا چاہیے کہ جزیرہ نمائے عرب سے مراد موجودہ دور کے سعودی عرب کی سرزمین نہیں ہے بلکہ وہ خطہ زمین ہے جس کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے، مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب یعنی بحر ہند ہے۔ شمال میں شام اور شمالی عراق کا ایک حصہ ہے۔ ان حدود میں بھی اختلاف ہے۔ اس طرح کل رقبہ تقریباً دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک بنتا ہے۔

یہ جزیرہ ابتدائے آفرینش ہی سے متعدد حوالوں سے انتہائی اہمیت کا حامل رہا

Marfat.com

ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بسیرا اِس علاقے میں ہوا۔ اللہ کا پہلا گھر اسی خطہ میں بنا اور ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی علاقے میں اپنی اولاد کو آباد کیا۔ اس کے علاوہ دفاعی اور جنگی حکمت عملی کے تناظر میں دیکھا جائے تو زمانہ قدیم ہی سے یہ علاقہ جغرافیائی اور طبعی طور پر اپنا دفاع خود کرتا رہا ہے۔

چاروں طرف سے صحرا میں گھرا ہونے کے باعث یہ خطہ زمین ایک ایسا قلعہ بن گیا جس پر بیرونی دشمن کے لیے قبضہ کرنا آسان نہ تھا نیز یہ کہ ماضی قریب میں ٹیکنالوجی کی حیران کن ترقی سے پہلے تک دشمن نے بھی اس علاقے کو اقتصادی اور عسکری لحاظ سے وہ حیثیت نہ دی جو دیگر علاقوں کو دی گئی۔ اسی لیے یہاں کے باشندے دور قدیم سے اپنے تمام معاملات میں مکمل طور پر آزاد رہے۔

مکّہ مکرّمہ

مکّہ مکرمہ جزیرۃ العرب کے ایک علاقے حجاز میں واقع ہے جو بلند و بالا خشک پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک وادی ہے۔ مکہ کے مشرق میں ابو قبیس کے پہاڑ اور مغرب میں جبل قیقعان ہے جو پہلی تاریخ کے چاند کی سی صورت بنا کر وادیٔ مکہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس بستی میں بطحا نامی وادی ہے جس میں بیت اللہ واقع ہے (واضح رہے کہ یہ نقشہ بعثت محمدی سے پہلے کا ہے جب کہ آج کل مکہ شہر بہت پھیل چکا ہے)۔ مکہ شہر بیت اللہ کے ارد گرد واقع تھا جہاں قریش کے مختلف قبائل آباد تھے۔ قریش، مکہ کے زیریں علاقے میں آباد تھے اور یہ علاقہ شہر کہلاتا تھا جہاں لوگوں کی آمد و رفت اور تجارت ہوتی تھی۔ دوسری طرف قریش اور کنانہ کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے، قبیلہ کنانہ مکہ کے قریب ہی آباد تھا اور اس دوستی کی بنا پر مکہ دفاعی حکمت عملی کے لحاظ سے خاصہ محفوظ تھا۔ ان دونوں قبائل کے درمیان دوستانہ معاہدے بھی ہوتے رہتے تھے جن کی بنا پر ان کے تعلقات خاصے مستحکم ہو گئے تھے۔ ادھر جتنے قبائل بھی مکہ کے مضافات میں آباد تھے وہ اہل مکہ کے کاروانوں کی حفاظت اور نگرانی کی خدمت پر مامور تھے۔ اس طرح جغرافیائی طور پر مکہ مکرمہ ایک طرف تو بلند و بالا پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا اور دوسری طرف اس شہر کے مضافات میں دیگر قبائل آباد تھے

Marfat.com

جو مکہ کے ساتھ معاہدات کے پابند تھے۔[1]

روم اور فارس، دو عظیم طاقتیں

مکہ مکرمہ کو مذہبی و دینی اہمیت کی وجہ سے ایک مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور یہاں دنیا کے مختلف علاقوں سے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ جزیرۂ عرب ایک طرف سے براعظم افریقہ سے قریب تر ہے تو دوسری جانب ایشیا اور مشرق بعید کی طرف یہاں سے راستے کھلتے ہیں، علاوہ ازیں براعظم یورپ کے ساتھ بھی اس خطہ زمین کا تعلق بنتا ہے، چنانچہ روم جو اس وقت کی عظیم طاقت، اور ترقی یافتہ ملک تھا اور وہاں قانون، ثقافت، فنون لطیفہ، فلسفہ و علم کا دور دورا تھا، وہ لوگ بھی تجارت کے سلسلہ میں عربوں سے منسلک تھے چنانچہ ہاشم بن عبد مناف نے روم و فارس کے ساتھ تجارتی معاہدے کر کے برابری کی سطح پر ان کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ یہ علاقہ خشکی اور سمندری راستے سے جزیرۂ عرب کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ مغرب میں بحر احمر کے راستے سے یورپ میں عیسائیوں کے مرکز روم تک رسائی نسبتاً آسان ہے۔ بری راستے سے شمال کی طرف سے شام، لبنان اور ترکی کے راستے سے یورپ اور روم سے جغرافیائی تعلقات استوار کیے جاسکتے ہیں۔ اسی بنا پر بعثت سے قبل بھی قیصر روم کے ساتھ تعلقات و معاہدات ہوتے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ نے ۶ھ میں قیصر روم کی طرف نامہ مبارک بھی ارسال کیا تھا۔

فارس موجودہ ایران ہے اور بعض جغرافیہ دان اس کو ایران کا ایک صوبہ قرار دیتے ہیں جس کا اصل نام پارس تھا مگر عربی اثرات سے اسے فارس کہا جانے لگا (حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فارس کہا تھا)۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا نام فارس ہی پڑ گیا۔ یہ ایک وسیع مملکت تھی جو دور جاہلیت کی عظیم طاقت شمار ہوتی تھی۔ بری راستے کے ذریعے سے جزیرۂ عرب سے فارس جانے کے لیے عراق کے جنوب سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے مشرق میں موجودہ دمام شہر سے پار خلیج عربی کی پٹی کے بالکل سامنے سے یہ علاقہ

---

[1] دکتور جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۴/۳۶۱، ۳۵۱، دار الساقی، ۱۴۲۲ھ۔

Marfat.com

شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی وسعت تقریباً دس لاکھ مربع میل ہے اور اُس زمانے میں اس عظیم ملک کے بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس ملک میں سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بحرین کے راستے سے داخلے کا آغاز کیا۔ نبی کریم ﷺ کے جدِّ امجد ہاشم بن عبد مناف نے "ایلاف" کے تحت فارسیوں سے بھی معاہدے کیے تھے اور یہاں سے بھی عرب کی تجارت شروع ہو گئی تھی۔ اس طرح بعثت سے پہلے ہی اہل فارس اور اہل مکہ کے درمیان تعارف اور آمد و رفت پیدا ہو چکی تھی۔[1]

روم، ایران اور ہندوستان کی تہذیبی واخلاقی حالت

روم اُس زمانے کی سپر طاقت تھی جو فن، صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، معاشی ترقی اور عسکری قوت کے علاوہ علم کی دنیا میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ یونانی تہذیب کے بعد رومی تہذیب ہی نے دنیا میں علم و فلسفہ کے میدان میں شہرت پائی۔ عیسائیت وہاں کا سرکاری مذہب تھا۔ آج تک روم اور پاپائے روم ویٹی کن اور کلیسا کا مرکز وہی زمین سمجھی جاتی ہے۔ قانون کی دنیا میں جو ترقی بعثت سے قبل روم میں ہو چکی تھی دنیا میں اور کہیں نہ تھی۔ انہوں نے قانون کی تشکیل، حکومت سازی اور تہذیب و تمدن کو بحال رکھنے کے لیے نامور مفکرین پیدا کیے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس تہذیب میں جاہلیت، درندگی اور بربریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

روم کے کولوسیم (Clossium) کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جن میں ہزار ہا انسان شمشیر زنی کے کمالات اور رومی امراء کے شوقِ تماشا کی نذر ہو گئے۔ مہمانوں کی تفریح اور ضیافت اور دوستوں کی تواضع کے لیے غلاموں کو درندوں سے بھڑوا دینا، ان کو ایک جگہ باندھ کر مہمانوں سے ان پر تیر اندازی اور نشانہ بازی کے مقابلے کروانا اور انہیں زخمی ہوتا ہوا دیکھ کر تالیاں بجانا، ان کو آگ لگا کر جلتا دیکھنا اور پھر ان

---

1 عبدالعزیز بن صالح، تاریخ شبه الجزیرة العربیة فی عصورها القدیمة ۱/ ۱۹۹، مکتبة الانجلو المصریة۔

Marfat.com

کی بے بسی اور تکلیف پر شور و غوغا کرنا ان کے نزدیک کوئی معیوب کام نہ تھا۔ قیدی اور غلام کے ساتھ ان کا سلوک ہر قسم کی درندگی سے بدتر درندگی کا پتا دیتا ہے۔ جاہل اور خونخوار امراء و حکام تو درکنار یونان اور روم کے بڑے بڑے مصلح، مفکر اور حکماء بھی اس وحشیانہ سلوک کو جائز سمجھتے تھے۔ ارسطو اور افلاطون جیسے اساتذۂ اخلاق ماں کو یہ اختیار دینے میں کوئی قباحت نہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ یعنی جنین کو الگ کر دے۔ چنانچہ یونان اور روما میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا اور رومی قانون سازوں کو اپنی اس دستور سازی پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود تھے، ان ترقی یافتہ اور عظیم طاقتوں کے دانشوروں اور حکماء اور ادباء کے نزدیک خودکشی کوئی بری چیز نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسی عزت و افتخار کی بات تھی کہ لوگ جلسے منعقد کر کے بھری محفلوں میں خودکشی کا "کارنامہ" انجام دیتے تھے۔ افلاطون جیسا مصلح اور حکیم بھی اس فعل کو کوئی بری چیز یا معصیت نہ سمجھتا تھا۔ شوہر کے لیے بیوی کو قتل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے۔

ایران

اہل فارس کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی تھا۔ زرتشت کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں۔ اگرچہ اس نے اعلیٰ اخلاقی تعلیمات دی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عقائد، عبادات، معاملات، ثقافت، سماج اور ہر شعبہ زندگی زوال پذیر ہو چکا تھا۔ دنیوی ترقی، فنون حرب، عسکری قوت، فنون لطیفہ، صنعت و حرفت کے میدان میں معاصر تہذیبوں اور قوتوں میں فارس ایک عظیم مقام رکھتا تھا۔ دنیا میں کسریٰ کا طوطی بولتا تھا۔ قریبی ممالک، قوموں اور چھوٹی ریاستوں کو اس عظیم قوت نے باجگزار بنایا ہوا تھا۔

ہندوستان

ہندوستان اس زمانے کی پرانی تہذیبوں اور سیاسی و عسکری قوتوں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن یہ دوسری معاصر قوتوں سے کہیں زیادہ اخلاقی بے راہ روی کا شکار تھا۔ یہاں مردہ شوہر کی چتا کے ساتھ بیوی کو جلا دینا بالکل جائز تھا (کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عورتیں شوہروں کی چتا

Marfat.com

میں جلائی نہ جاتی تھیں بلکہ خود جلتی تھیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ مختلف طریقوں سے سوسائٹی کا دباؤ ہی ان کو یہ ہولناک خودکشی کرنے پر مجبور کرتا تھا اور مذہب میں اس کی تاکید تھی)۔ شودر کی جان کی کوئی قیمت نہ تھی اور صرف اس بنا پر کہ وہ غریب، برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے اس کا خون برہمن کے لیے حلال تھا۔ وید کی آواز سن لینا شودر کے لیے اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر اسے مار ڈالنا نہ صرف جائز، بلکہ ضروری تھا۔ ''جل پروا'' کی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں باپ اپنے پہلے بچے کو گنگا دریا کی نذر کر دیتے تھے اور اس کی قساوت کو اپنے لیے موجبِ سعادت سمجھتے تھے۔

جغرافیہ عالم میں جزیرۃ العرب کی حیثیت

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عرب جو ایشیا اور افریقہ کے وسط میں واقع ہے، جغرافیائی حیثیت اور اہمیت کے اعتبار سے اتنا منفرد ہے کہ اگر اسے ایک برصغیر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اسے بالعموم ایشیا کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ سینا کے ذریعے سے جو سیاسی طور پر مصر کا حصہ ہے لیکن اپنے طبعی ماحول اور اپنی انسانی زندگی کی نوعیت کے لحاظ سے جزیرۂ عرب سے قریب تر ہے۔ یہ افریقہ سے بھی جڑا ہوا ہے پہاڑیوں کے وجود میں آنے سے قبل یہ وادیاں بحیرۂ احمر کا حصہ تھیں۔ اس طرح مغربی عرب براعظم افریقہ کا ایک حصہ تھا۔ ایک طرف تو یہ دو براعظموں میں بیک وقت پھیلا ہوا ہے، دوسری طرف براعظم یورپ سے بھی بری اور بحری راستے سے قریب تر ہے۔ بعثت محمدیؐ سے پہلے روم اور حجاز میں ہاشم بن عبد مناف کے ذریعے سے تجارتی اور سفارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ ترکی یورپ کے دہانے پر واقعہ ہے اور شام کے راستے ترکی یورپ کی دہلیز پر پہنچا ہے۔ الغرض جزیرۂ عرب وہ مرکزی نقطہ ہے جہاں سے بیک وقت تین براعظموں تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کرۂ ارضی کا نقشہ دیکھا جائے تو بحری و بری راستوں پر جزیرۂ عرب دنیا کے تمام دیگر ممالک کی نسبت زیادہ مرکزی جگہ پر واقع ہے، اس کے علاوہ، خط استوا پر واقع ہونے کی وجہ سے موسمی اعتدال، دن رات کی آمد و رفت، آب و ہوا اور زندگی کی دیگر سہولتوں کی بنا پر بھی یہ خطہ انتہائی موزوں مقام کا حامل ہے۔ مشرق بعید ہو یا مغرب اقصیٰ، قطب شمالی ہو یا قطب

Marfat.com

جنوبی، کہیں گرمی زیادہ ہوتی ہے کہیں سردی، بعض مقامات پر دن اعتدال کی حد سے زیادہ لمبے ہوتے ہیں اور کہیں بہت چھوٹے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر ایسے خطہ میں بنایا جو ہر لحاظ سے حد اعتدال پر واقع ہے۔

جغرافیائے عالم میں مرکزی حیثیت کی بنا پر زمانۂ قدیم سے عرب اور باقی دنیا کے درمیان تجارت اور تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت میں جزیرۃ العرب اور خاص طور پر مکہ مکرمہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ پرانے زمانے میں چین، ہندوستان اور دوسرے مشرقی ممالک اور مشرقی افریقہ کی مصر، شام، ایشیائے کوچک، یونان اور روم کے ساتھ تمام تجارت عربوں کے واسطے سے ہوتی تھی۔ اس تجارت کے تین بڑے راستے تھے، ایک ایران (فارس) سے خشکی کا راستہ جو عراق اور شام سے گزرتا ہوا جاتا تھا اور دوسرا خلیج فارس کا بحری راستہ، جس سے تمام تجارتی سامان عرب کے مشرقی ساحلوں پر اترتا اور دومۃ الجندل یا تدمُر سے ہوتا ہوا آگے جاتا تھا۔ تیسرا بحر ہند کا راستہ جس سے آنے جانے والے تمام اموالِ تجارت حضر موت اور یمن سے گزرتے تھے۔ یہ تینوں راستے وہ تھے جن پر عرب آباد تھے۔ عرب خود بھی ایک طرف سے مال خریدتے اور دوسری طرف جاکر فروخت کرتے تھے۔ نقل و حمل اور ٹرانسپورٹ کا کاروبار بھی کرتے اور اپنے علاقے سے گزرنے والوں سے بھاری ٹیکس لے کر انہیں بحفاظت گزارنے کا ذمہ بھی لیتے تھے۔ ان تینوں صورتوں میں ہمیشہ بین الاقوامی تجارت سے عربوں کا گہرا تعلق رہا۔

پانچویں صدی سے قریش نے عرب کی تجارت میں غالب حصہ لینا شروع کر دیا اور نبی کریم ﷺ کے عہد تک ایک طرف یمن اور حبش، دوسری طرف عراق اور تیسری طرف مصر و شام سے ان کے نہایت وسیع تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ مشرقی عرب میں ایران کی جتنی تجارت یمن کے ساتھ تھی اس کا بہت بڑا حصہ حیرہ سے یمامہ (ریاض) اور پھر بنی تمیم کے علاقے سے گزرتا ہوا نجران اور یمن جاتا تھا۔ ان تاریخی واقعات سے جغرافیہ عالم میں جزیرۃ العرب کی اہم حیثیت کے بارے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ دنیا کے تین براعظموں سے جغرافیائی تعلق کے باعث یہ علاقہ تجارت، معاش، سیاست، معاشرت،

Marfat.com

عادات وخصائل اور ثقافت و تہذیب جیسے میدانوں میں ان سے منسلک رہا، اور دنیا کی اس وقت کی عظیم طاقتیں اور ترقی یافتہ تہذیبیں روم، یونان، فارس، ہندوستان اور چین تک عربوں سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہوئیں۔ اس طرح نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ وہاں کے باشندے بھی بین الاقوامی اہمیت اختیار کر گئے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں اس راہ گزر اور اس کے باشندوں کے بارے میں آئے روز معلومات کا اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آفاقی وعالمی نبی کے لیے بھی وہی خطہ زمین منتخب کیا جو جغرافیائی، تاریخی، علمی اور ثقافتی لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ موزوں تھا۔ آج بھی خانہ کعبہ اور سرزمین حجاز دنیا کا مرکز ہے۔

جزیرۃ العرب کے مذاہب

اس سے قبل کے کہ عربوں کے مذاہب اور ان کی اقسام بیان کی جائیں، دنیا میں آنے والی ان قوموں کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں انبیائے کرام تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوموں کو دعوتِ توحید دی، لیکن یہ قومیں بحیثیت مجموعی انبیاء کی اطاعت سے دستبردار ہوئیں اور ان کو اللہ کے عذاب نے پکڑ لیا۔ خود باری تعالیٰ نے ان قوموں کا ذکر قرآن کریم میں فرمادیا۔ سورۃ الشعراء میں تاریخ کی سات قوموں کے حالات پیش کیے گئے ہیں جنہوں نے اسی ہٹ دھرمی سے کام لیا تھا جس سے جزیرۃ العرب کے مشرکین لے رہے تھے۔ ہر زمانے میں کفار کی ذہنیت ایک ہی سی رہی ہے، ان کی حجتیں ایک ہی طرح کی تھیں، ان کے اعتراضات یکساں تھے۔ ایمان نہ لانے کے لیے ان کے حیلے بہانے بھی ایک ہی طرح کے تھے اور آخر کار ان کا انجام بھی ایک ہی رہا۔ اس کے برعکس ہر زمانے میں انبیاء کی تعلیم یکساں تھی اور ان کے سیرت واخلاق کا رنگ ایک جیسا تھا۔ ان سب کا موضوع دعوت توحید ورسالت اور آخرت تھا۔ اپنے مخالفین کے مقابلے میں ان کی دلیل وحجت کا انداز بھی ایک ہی طرح کا تھا اور ان سب کے ساتھ رحمت الٰہی کا معاملہ بھی ایک ہی رہا۔ تمام مشرکینِ عالم اور دشمنانِ انبیاء کا مرض ایک ہی تھا۔ شرک ایک عالم گیر روگ تھا، ہر نبی شرک کو ختم کرنے اور توحید کو قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان تمام اقوام کا ذکر دیا جو کسی نہ کسی لحاظ سے کفارِ مکہ اور جزیرۃ العرب کے لوگوں سے مماثلت رکھتے

۱۶۲۳۴۷

Marfat.com

تھے تاکہ ان پرانی اقوام سے عبرت حاصل کرتے ہوئے یہ لوگ وہ غلطی نہ دہرائیں جو سابقہ قومیں کرچکی ہیں۔ یہ وہ حالات تھے جب نبی آخر الزمان ﷺ کی ولادت ہوئی۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم سبا، قوم شعیب، اصحاب مدین، اصحاب الایکہ، قوم یونس، بنی اسرائیل کی طویل تاریخ، اصحاب الرس یہ ساری قومیں بدترین اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھیں۔ شرک، تکبر، ڈھٹائی، اللہ کی نشانیوں کا انکار، بدکرداری، فحاشی، دنیا پرستی، کم تولنا، ملاوٹ کرنا، وعدہ خلافی کرنا، اپنی مادیت پر اترانا، نبی کو بے وقوف اور گمراہ ٹھہرانا، قتل کرنا، حقیر سمجھنا، عہد و پیمان توڑنا وغیرہ، ان قوموں کی نمایاں خامیاں تھیں لیکن شرک، آخرت سے انکار اور نبی کو جھوٹا کہنے میں سب مشترک تھے۔[1]

نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے کے عرب معاشرے کو دور جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس زمانے میں عرب کے ریگستانوں سے اس پار عظیم طاقتوں کا مسکن تھا۔ روم، ایران اور مصر وغیرہ دنیا کے ترقی یافتہ ملک گنے جاتے تھے جہاں علوم و فنون نے خوب ترقی کی تھی۔ عرب ان کے ساتھ لین دین اور تجارت بھی کرتے تھے لیکن ان کے برعکس جزیرۃ العرب میں نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کتب خانہ، نہ لوگوں میں تعلیم کا چرچا تھا، اور نہ علوم و فنون ہی میں کوئی دلچسپی تھی۔ پورے علاقے میں پڑھنے لکھنے والے لوگ گنے چنے تھے اور وہ بھی محض لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اگرچہ عرب اپنے آپ کو فصیح، بلیغ، ادیب، شاعر اور خطیب کہتے تھے اور ان کی زبان دانی اور ادبی مذاق بام عروج پر تھا لیکن ان کا لٹریچر پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ادب اور زبان کی قوت تو تھی مگر علم نہیں تھا۔ تہذیب و تمدن کا درجہ نہایت پست اور اوہام کا غلبہ تھا۔ خیالات و عادات میں جہالت و وحشت تھی، اخلاقی تصورات اور کردار برے تھے۔ کوئی باقاعدہ قانونی حکومت نہ تھی، ہر طرف قبائلی نظام رائج تھا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خود مختار تھا۔ جنگل کے قانون کی پیروی کی جاتی تھی۔ طاقتور ہی کی

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، عبدالملک بن ہشام بن ایوب (۲۱۳ھ) السیرۃ النبویۃ، (سیرۃ ابن ہشام) : ۱/ ۸۹، ۹۰ مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۷۵ھ۔

Marfat.com

حکمرانی تھی، ہر جانب لاقانونیت تھی، جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ جو طاقت ور ہوتا دوسرے کو مار کر اس کے مال پر قبضہ کرلیتا۔ یہ بات ایک عرب بدو کے فہم سے بالاتر تھی کہ جو شخص اس کے قبیلے کا نہیں ہے اسے آخر وہ کیوں نہ مار ڈالے اور اس کے مال پر کیوں نہ قبضہ کرلے۔

رسم و رواج اور معاشرتی طور طریقے تہذیب و اخلاق کی پستی کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ پاک وناپاک، جائز وناجائز، شائستہ وناشائستہ کی تمیز سے ناآشنا تھے۔ زندگی نہایت گندی اور طریقے وحشیانہ تھے۔ زنا، جوا، شراب، چوری، رہزنی، قتل و خونریزی ان کی زندگی کے معمولات میں شامل تھے۔ لباس زیب تن کرنا یا نہ کرنا یکساں تھا۔ عورتیں بے لباس ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتیں بیٹا باپ کی موت کے بعد باپ کی بیوہ کا مالک بن جاتا اور اس سے وہ سارا معاملہ کرتا جو اس کا باپ کرتا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ رکھنا عار سمجھا جاتا تھا وجہ یہ تھی کہ اگر بیٹی زندہ رہی تو کوئی نہ کوئی اس کا شوہر بن جائے گا یا کوئی اس سے زیادتی کرے گا۔ لوگ سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ کھانے، پینے، پہننے، سونے، جاگنے وغیرہ کے آداب سے بالکل ناواقف تھے۔

مذہبی حالات

ان میں وہ تمام مذہبی بیماریاں پائی جاتی تھیں جن میں اس دور کے دیگر عوام و اقوام مبتلا تھیں۔ بت پرستی، ارواح پرستی، کواکب پرستی، الغرض ایک اللہ کی پرستش کے سوا ہر قسم کی ”پرستیاں“ ان میں در آئی تھیں۔ انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق کوئی درست علم ان کے پاس نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ان کے اجداد ہیں مگر یہ نہ جانتے تھے کہ ان کا دین کیا تھا اور وہ کس کی پرستش کرتے تھے۔ عاد و ثمود کے قصے ان میں مشہور تھے اور ان کی جو روایتیں عربوں نے نقل کی ہیں، ان کو وہ پڑھتے تھے۔ ان کے پاس حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام کی تعلیمات کا مستند حوالہ موجود نہ تھا۔ ان کے پاس یہودیوں اور عیسائیوں کے توسط سے انبیاء بنی اسرائیل کی کہانیاں بھی پہنچی تھیں مگر وہ جیسی بھی تھیں ان کا اندازہ کرنے کے لیے صرف ایک نظر ان اسرائیلی

Marfat.com

روایات پر ڈال لینا کافی ہے جو مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب اور خود بنی اسرائیل جن انبیاء سے واقف تھے وہ کیسے انسان تھے اور نبوت کے متعلق ان لوگوں کا تصور کس قدر گھٹیا تھا۔ یہ لوگ لات، عزیٰ اور مناۃ کے علاوہ جن بتوں کو پوجتے تھے ان میں عمرو بن لحي کے لائے ہوئے قوم نوح کے بت ودّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر، بعل اور ہبل بھی شامل تھے۔

مشرکین عرب اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی دن نکالتا ہے اور رات لاتا ہے، اسی نے آفتاب و مہتاب کو وجود بخشا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ کام لات، عزیٰ یا مناۃ کرتے ہیں۔ قرآن میں جگہ جگہ اللہ کے بارے میں مشرکین عرب کے عقیدہ کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ سورۃ زخرف آیت ۸۷ میں کہا گیا:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ [1]

اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اسی طرح سورۃ العنکبوت آیت ۶۱ میں فرمایا:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ [2]

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور سورۃ العنکبوت آیت ۶۳ میں ان کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ

---

1 سورۃ الزخرف: ۸۷۔

2 سورۃ العنکبوت: ۶۱۔

Marfat.com

مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (۱)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔

سورۃ المومنون کی آیات ۸۴ تا ۸۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط (۲)

ان سے کہو بتاؤ! اگر تم جانتے ہو کہ یہ ساری زمین اور اس کی آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے۔ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے۔ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔ ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ یہ ضرور جواب دیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے۔

سورۂ یونس آیت ۳۱ میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

---

۱ سورۃ العنکبوت: ۶۳۔

۲ سورۃ المومنون: ۸۴-۸۹۔

Marfat.com

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ [1]

ان سے پوچھو کہ کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں (جو تمہیں حاصل ہیں) کس کے اختیار میں ہیں؟اور کون زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ انہیں کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں۔

اسی سورہ یونس کی آیات ۲۰ تا ۲۳ میں ان کے ایمان کا تذکرہ ایک کشتی کے دورانِ سفر میں ہوا جب ہوا ان کی کشتی کو الٹا پھیر دیتی ہے تو اس حالت میں ان کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے کہ جب بھنور اور کہروں میں گھر جاتے ہیں تو اس خالق کو پکارتے ہیں مگر جب وہ انہیں بچا لیتا ہے تو پھر حق سے منحرف ہو کر دوبارہ بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ اور اسی بات کو سورۃ بنی اسرائیل میں یوں دہرایا گیا ہے کہ جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ فرمایا:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا [2]

جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو، انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نے خود ان مشرکین عرب کے عقائد بیان کر دیے کہ

---

[1] سورۃ یونس: ۳۱۔

[2] سورۃ بنی اسرائیل: ۶۷۔

Marfat.com

حقیقت میں وہ بھی ایک اللہ کو خالق، بادشاہ اور مالک مانتے تھے لیکن ان کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے بعض دوسرے شریک بنا لیے تھے جنہیں خدا کی طرح پوجتے تھے اور خدائی صفات میں شریک ٹھہراتے تھے بلکہ وہ اللہ کے حقوق میں زیادتی کرنا اتنا غلط نہ سمجھتے تھے مگر بتوں اور مصنوعی معبودوں سے کوئی زیادتی ہو جاتی تو ان کو راضی کرنے کے لیے بہت کچھ قربان کر دیتے تھے۔ اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

بتوں کے لیے مال خرچ کرنا اور صدقہ دینا

مشرکین عرب کا موقف یہ تھا کہ یہ زمین اللہ کی ہے، کھیت کھلیان اس نے سرسبز کیے ہیں۔ جانور اور چوپائے جو ان کی خدمت کے لیے ہیں اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی گمراہی اور انحراف یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان پر اللہ کا یہ فضل ان دیویوں، دیوتاؤں، فرشتوں، جنوں، ستاروں، بتوں اور بزرگوں کی ارواح کی برکت سے ہے، جو ان پر مہربان ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے کھیتوں اور جانوروں میں سے دو حصے نکالتے تھے، ایک حصہ اللہ کے نام کا، اس شکریہ کے ساتھ کہ اس نے یہ کھیت اور یہ جانور انہیں بخشے اور دوسرا حصہ اپنے قبیلہ یا خاندان کے سرپرست معبودوں کا۔

بڑی مذہبی بیماریاں

مشرکین عرب کی اس سے بھی بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو حصہ نکالتے تھے اس میں کمی کرتے رہتے تھے اور بہر صورت اپنے خود ساختہ معبودوں کا حصہ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو دلچسپی انہیں اپنے ان شریکوں سے ہے وہ اللہ سے نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب وہ فصل کاشت کرتے تو زمین میں پیڑ لگاتے اور سب کے حصے نکالتے۔ جب وہ اللہ کا حصہ نکالتے تو اگر کچھ گر جاتا تو اٹھا کر اس ڈھیر میں ڈال دیتے جو شریکوں کے لیے ہوتا اور اگر کچھ شریکوں کے حصہ میں سے گر جاتا یا گر کر اللہ کے حصہ میں تھوڑا بہت شامل ہو جاتا تو اس گرے ہوئے غلہ کو اٹھا کر واپس شریکوں والے حصے میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ معبودوں کے لیے زمین کا جو حصہ بطور نذر مختص کر دیا جاتا اگر اس میں سے دورانِ آبپاشی پانی اس حصے کی طرف پھوٹ پڑتا جو اللہ کے

Marfat.com

لیے خاص تھا تو اس حصے کی ساری پیداوار شریک معبودوں کے لیے وقف ہو جاتی۔ لیکن اگر اس کے برعکس صورت پیش آتی تو اللہ کے حصہ میں کچھ بھی نہ آتا۔ اگر خشک سالی یا قحط کی صورت بن جائے تو اللہ کا سارا حصہ خود ہڑپ کر جاتے مگر شریک معبودوں کے حصے کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے کہ مبادا کوئی بلا نہ نازل ہو جائے۔ اگر شریک معبودوں کے حصے میں کمی ہو جاتی تو اللہ کے حصے سے لے کر پوری کر دی جاتی اور اگر اللہ کے حصے میں کمی ہوتی تو معبودوں کے حصے سے کچھ نہ لیا جاتا۔ یہ جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے اور اس مال کو کس مقصد کے لیے خرچ کیا جاتا تھا۔ مشرکین عرب اپنے غلوں اور اموال میں سے جو حصہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے نکالتے تھے وہ فقیروں، مسکینوں، مسافروں اور یتیموں وغیرہ کے لیے صرف کیا جاتا۔ اس لیے اس میں کمی کر لیتے تھے البتہ جو حصہ اپنے دیگر معبودوں کے نام سے نکالتے تھے وہ یا تو براہ راست مذہبی طبقے کے پیٹوں میں جاتا یا آستانوں پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ مال مجاوروں، پجاریوں اور شرک کے مراکز پر بیٹھے ہوئے ٹھیکیداروں کی جیبوں میں چلا جاتا تھا۔ اس مذہبی طبقے نے لوگوں کے اموال کھانے کے لیے صدیوں سے عوام میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ اللہ کے مال میں بے شک کمی ہو جائے مگر اللہ کے چہیتوں کی ناراضی مول نہیں لینی چاہیے۔

مشرکین عرب کی ایک بڑی گمراہی یہ تھی کہ اللہ کا شکر کم ادا کرتے جب کہ خود ساختہ معبودوں سے خوف، رجاء اور محبت عروج پر تھے۔ اپنی زبان و عمل سے ان کا بھی شکریہ ادا کرتے تھے حالانکہ کسی بھی دلیل یا ثبوت کے بغیر انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرالیا تھا۔ یہی اللہ کے احسان کا انکار ہے جسے کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مشرکین عرب کا عقیدہ

اگرچہ مشرکین عرب انتہائی تعصب اور عقیدت کی حد تک بتوں کی پوجا کرتے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ شرک کی کوئی اصل اور جڑ نہیں اور نہ انسانی فطرت شرک کو پسند کرتی ہے۔ مشرکین عرب کے ذہنوں میں خالص توحید اور اللہ پرستی کی جڑیں انتہائی مضبوط تھیں۔ قرآنی آیات کا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا ہے، جس میں خود باری تعالیٰ شہادت دے

Marfat.com

رہا ہے کہ جب وہ سمندر کی لہروں اور تھپیڑوں میں گھر جاتے ہیں تو اسی کو پکارتے ہیں جو رب العالمین اور خالق الکون ہے، لیکن جب انہیں نجات مل جاتی ہے تو اپنے بتوں کو راضی کرنے پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے متعدد تاریخی واقعات بھی گواہی دیتے ہیں کہ مشرکین عرب دراصل چھوٹے چھوٹے معبودوں کو پوجنے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے اور حقیقی الٰہ کا تصور بھی رکھتے تھے جو ان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔ مثلاً ابرہہ کے حملہ کے وقت قریش کا بچہ بچہ یہ جانتا تھا کہ اس بدترین آفت سے انہیں خانہ کعبہ میں پڑے ہوئے بت نہیں بچا سکتے اور نہ وہ خود خانہ کعبہ کو ان ہاتھی والوں سے بچا سکتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ عبدالمطلب نے اس موقع پر خالق جل جلالہ کو پکار کر کہا تھا کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو خود اپنے گھر کی حفاظت کر۔ آج تک وہ اشعار اور قصائد محفوظ ہیں جو اصحاب الفیل کی تباہی پر اس دور کے شعراء نے کہے تھے جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ لوگ اس واقعہ اور تباہی کو صرف اور صرف قدرت الٰہی کا کرشمہ سمجھتے تھے اور اس بات کا کوئی گمان تک نہ تھا کہ اس واقعہ میں ان کے معبودوں کا بھی کوئی کردار ہے۔ دوسری بات یہ کہ قریش اور دیگر عرب اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو سمجھتے تھے اور اپنے بہت سے مذہبی و معاشرتی مراسم خصوصاً مناسک حج کو دین ابراہیمی ہی کے اجزا قرار دیتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے ہاں یہ روایات بھی تفصیل کے ساتھ موجود تھیں کہ عرب میں بت پرستی کہاں سے آئی اور کون سا بت کب آیا اور کون اسے کہاں سے لایا۔

عمرو بن لحیی اور بت پرستی کا آغاز

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کے نتیجے میں اصلی عرب توحید پر قائم تھے۔ دین ابراہیمی ان میں بدرجہ اتم راسخ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ دین سے دور ہوتے چلے گئے۔ بدعملی اور کج روی ان میں عام ہو گئی لیکن اس کے باوجود وہ توحید پر قائم رہے اور دین ابراہیمی کے شعائر ان میں رسوم کی طرح رچ بس گئے تا آنکہ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن لحیی کا ظہور ہوا۔ وہ اپنی نوعمری ہی سے بڑا پارسا، مذہبی، نیک، صالح، عالم اور

Marfat.com

دینی معاملات سے دلچسپی رکھنے میں مشہور تھا، اس لیے لوگ اس کی عزت وقدر کرتے تھے اور اسے اکابر علماء واولیاء میں سے خیال کرتے ہوئے اس کی رائے کو وزن دیتے تھے۔ جب وہ شام گیا تو اس کے دل میں اس ملک کی عقیدت تھی کہ وہاں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ اس نے سمجھا کہ یہی طریقہ بہتر ہے کیوں کہ انبیاء کی تعلیمات اور کتابیں رکھنے والے ان کے براہِ راست پیروکار یہ عبادت کر رہے ہیں اس لیے ہمیں بھی ان کی تعلیمات سے مستفید ہونا چاہیے چنانچہ وہ واپسی پر اپنے ساتھ ہبل نامی بت کو لے آیا اور خانہ کعبہ میں نصب کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس کی پوجا کرو۔ لوگوں نے اس پر فوراً عمل شروع کر دیا اور جلد ہی مکہ کے ساتھ ساتھ پورا حجاز اس پوجا میں شامل ہو گیا کہ قریش بیت اللہ کے متولی اور حرم کے باشندے تھے اور ان کی بات میں وزن تھا۔ اس طرح سارا عرب شرک کی لپیٹ میں آ گیا۔[1]

حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ

عمرو بن لحیی کی باطل اور مشرکانہ تعلیمات کے بعد رفتہ رفتہ شرک میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے باوجود مشرکین زمانہ جاہلیت میں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا سچا پیرو سمجھتے رہے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جس مذہب پر وہ قائم ہیں وہی درحقیقت سچا مذہب ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ بعد کی صدیوں میں مذہبی پیشوا، سردارانِ قبائل، خاندانوں کے بڑے بوڑھے اور مختلف لوگ طرح طرح کے عقائد، اعمال اور رسوم کا اضافہ کرتے چلے گئے، جنہیں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا جزو سمجھا اور عقیدت مندی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تاریخی روایات میں یا کسی کتاب میں ایسا کوئی ریکارڈ محفوظ نہ تھا جس سے معلوم ہوتا کہ اصل مذہب کیا تھا اور بعد میں اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی۔ اس کے باوجود یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انہوں نے دین ابراہیمی

---

1. صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عمرو بن لُحَیّ وہ پہلا آدمی ہے جس نے بت پرستی کے نام پر جانور چھوڑے تھے۔ صحیح بخاری: ۱/ ۴۹۹۔

Marfat.com

کو مکمل طور پر نہ چھوڑا تھا بلکہ اس کی کچھ باقیات ان کے مراسم میں شامل تھیں۔ وہ بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج، عمرہ، طواف، وقوف عرفات و مزدلفہ، ہدی کا جانور ذبح کرنا اور قربانی کرنا ان میں رائج تھا۔ ان کی متعدد بدعات میں سے درج ذیل زیادہ اہم ہیں جو دین ابراہیمی میں ان کے پیشواؤں نے گھڑلی تھیں۔

۱۔ ہم ابراہیم کی اولاد، حرم کے والی، مکہ کے باشندے اور اس کے پاسبان ہیں۔ کوئی ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ اسی بنا پر اپنا نام حُمس (بہادر، جذباتی) رکھتے تھے۔ لہٰذا ہمیں زیبا نہیں کہ حدود سے باہر جائیں۔ اسی لیے حج کے لیے یہ لوگ عرفات نہ جاتے تھے بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدعت کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا ثم أفیضوا من حیث افاض الناس یعنی تم لوگ وہیں سے افاضہ کرو جہاں سے سارے لوگ کرتے ہیں۔

۲۔ دین ابراہیمی میں دوسری تبدیلی یہ تھی کہ

(الف) قریش کے لیے حالت احرام میں گھی اور پنیر بنانا درست نہیں

(ب) کمبل اور اُونی خیمے میں داخل ہونا درست نہیں۔

(ج) چمڑے کے خیمے کے سوا کہیں اور سے سایہ لینا درست نہیں۔

۳۔ جو لوگ علاقہ حرم سے باہر کے علاقوں سے حج یا عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور اپنے ساتھ باہر سے کھانے کے لیے کچھ لے کر آئیں تو اسے خود ان کے لیے کھانا درست نہیں۔

۴۔ جب حدود حرم سے باہر والے لوگ کعبہ میں پہنچیں تو لازماً قریش سے کپڑے لے کر ان کپڑوں میں پہلا طواف کریں۔ اس طرح اگر قریش سے کپڑے نہ ملتے تو مرد ننگے طواف کرتے اور عورتیں بھی سارے کپڑے اتار کر ایک چھوٹا سا کرتا پہن کر طواف کرتیں۔ اور اگر کوئی شخص سردار یا بڑا آدمی اپنے ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان کپڑوں کو اتار پھینکتا اور نہ خود ان سے استفادہ

Marfat.com

کرتا نہ کسی اور کو پہننے کے لیے دیتا۔

۵۔ پانچویں تبدیلی یا بدعت یہ تھی کہ حالت احرام میں گھر کے دروازے سے اندر داخل نہ ہوتے بلکہ پچھواڑے سے ایک سوراخ کر لیتے اور وہیں سے آتے جاتے اور اس جہالت کو نیکی تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے منع فرمایا۔

اس طرح کے انحرافات، بدعات اور خرافات مشرکین عرب نے دین ابراہیمی میں کر لی تھیں البتہ شرک و بت پرستی کے معاملہ میں وہ کہیں آگے نکل چکے تھے۔ گزشتہ اوراق میں ان کی مذہبی حالت بیان کی گئی ہے یہاں چند مشہور بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مشرکین عرب کے مذہب کی اساس کی حیثیت رکھتے تھے۔

مشرکین عرب کے بت

۱۔ لات ۲۔ عزیٰ ۳۔ منات ۴۔ وَدّ ۵۔ سُواع ۶۔ یَغُوث ۷۔ یَعوق ۸۔ نسر ۹۔ بعل

لات

یہ بت طائف میں نصب تھا۔ بنی ثقیف اس کے معتقد تھے اور اسے پوجتے تھے۔ اگرچہ بنو ثقیف کعبۃ اللہ کو اللہ کا گھر تسلیم کرتے تھے اور اسے اس قدر تعظیم دیتے تھے کہ اس سے بڑھ کر شاید ہی کسی کی تعظیم کرتے ہوں، اس کے باوجود لات کی عقیدت مندی میں اندھے ہو چکے تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر مکہ پر چڑھائی کے لیے طائف سے گزرا تو بنی ثقیف نے اس ڈر سے ابرہہ کی حمایت کی کہ اس کی راہ روکنے سے کہیں وہ جاتے جاتے لات کے مندر و معبد کو کوئی نقصان نہ پہنچا جائے۔

عُزیٰ

عُزیٰ، عزت سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے عزت والی۔ یہ دیوی قریش کی خاص معبود تھی اور اس کا آستانہ مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ میں حراض کے مقام پر تھا۔ بنی ہاشم کے حلیف بنی شیبان اس کے مجاور تھے۔ قریش اور دیگر قبائل کے لوگ اس پر چڑھاوے چڑھاتے، نذریں دیتے اور اس کی زیارت کرتے تھے۔ کعبہ کی طرح اس کی طرف

Marfat.com

بھی ہدی کا جانور لے کر جاتے اور تمام بتوں سے بڑھ کر اس کی خدمت و عزت کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد بھی اس کی پوجا ہوتی تھی اور ابو لہب اس کے سرگرم پجاریوں میں شامل تھا۔

منات

یہ بت مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے قُدَید کے مقام پر نصب تھا اور بطور خاص بنی خزاعہ، اوس اور خزرج اس کے زیادہ معتقد تھے۔ اس کا بھی حج اور طواف کیا جاتا اور نذریں چڑھائی جاتیں۔ زمانہ حج میں جب حجاج طواف بیت اللہ اور عرفات و منیٰ سے فارغ ہو جاتے تو وہیں سے منات کی زیارت کے لیے لبیک لبیک کہتے ہوئے دوسرے حج کی نیت سے روانہ ہو جاتے اور اس دوران میں سعی بھی ترک کر دیتے تھے[1]۔

قوم نوح کے بتوں کی پوجا

درج بالا بتوں میں کچھ بت وہ بھی تھے جنہیں قوم نوح پوجتی تھی۔ ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ نوح میں کیا ہے۔ آغاز اسلام تک جگہ جگہ ان کے آستانے بنے ہوئے تھے۔ یہ بت اہل عرب میں شاید اس لیے مشہور تھے کہ طوفان نوح سے جو لوگ بچ گئے تھے ان کی زبان سے بعد کی نسلوں نے قوم نوح کے قدیم معبودوں کا ذکر سنا اور جب از سر نو ان کی اولاد میں جاہلیت پھیلی تو انہی معبودوں کے بت بنا کر انہوں نے پھر سے پوجنا شروع کر دیا۔ الرحیق المختوم کے مصنف نے لکھا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ ایک جن عمرو بن لُحَیی کے تابع تھا۔ اس نے بتایا کہ قوم نوح کے بت، یعنی وَدّ، سُواع، یَغُوث، منات، یعُوق، اور نسر جدہ میں مدفون ہیں۔ اس اطلاع پر عمرو بن لُحَیی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھود نکالا۔ پھر انہیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انہیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے۔ اس طرح ہر ہر قبیلہ اور پھر ہر ہر گھر میں ایک بت ہو گیا۔ ان بتوں کو درج ذیل قبائل میں تقسیم کیا گیا:

---

[1] قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں ان بتوں کے نام مذکور ہیں جیسے سورۃ النجم ۱۹ سورۃ نوح ۲۳۔

Marfat.com

(۱) وَدّ۔ قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنی کلب بن وَبرہ کا معبود تھا۔ جس کا آستانہ انہوں نے دومۃ الجندل میں بنا رکھا تھا۔ عرب کے قدیم کتبات میں اس کا نام ودم اور اَبم لکھا ہوا ملتا ہے۔ قریش بھی اس کو معبود مانتے تھے۔

(۲) سُواع۔ قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی اور اس کا بت عورت کی شکل کا تھا۔ ینبوع کے قریب رُباط کے مقام پر اس کا مندر تھا۔

(۳) یَغُوث۔ قبیلہ طے کی شاخ انعم اور قبیلہ مذحج کی بعض شاخوں کا معبود تھا۔ مذحج والوں نے یمن اور حجاز کے درمیان جُرش کے مقام پر اس کا بت نصب کر رکھا تھا جس کی شکل شیر کی تھی۔

(۴) یَعوق۔ یمن کے علاقہ ہمدان میں قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا معبود تھا اور اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔

(۵) نسر۔ حِمیَر کے علاقے میں قبیلہ حِمیَر کی شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا اور بلخع کے مقام پر اس کا بت نصب تھا جس کی شکل گدھ کی تھی[1]۔

ان مشہور بتوں میں سے نواں بت بعل ہے۔ بعل کے لغوی معنی آقا، سردار، مالک، شوہر وغیرہ کے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بت کے لیے بھی اور ان معانی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

سورۃ الصافات کی آیت ۱۲۵ میں فرمایا: اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ[2] "(حضرت الیاس نے کہا) کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو"۔ لیکن قدیم زمانے کی سامی اقوام اس لفظ کو اِلٰہ یا خداوند کے معنی میں استعمال کرتی تھیں اور انہوں نے ایک خاص دیوتا کو بعل کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ خاص طور پر لبنان کی فنیقی قوم کا سب سے بڑا دیوتا بعل تھا اور اس کی بیوی عستارات، ان کی سب سے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۸۰۔

[2] سورۃ الصافات: ۱۲۵۔

Marfat.com

بڑی دیوی تھی۔ بعل پرستی کا مرکز بنی اسرائیل میں بھی پوری قوت سے پیدا ہو گیا تھا۔ یوشع بن نون کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے فلسطین اور مشرقی اردن کے دیگر علاقوں کے بت پرستوں سے تعلقات استوار کیے تو ان میں یہ مرض پھیلنے لگا۔

الغرض مشرکین عرب نے خانہ کعبہ کو بھی ۳۶۰ بتوں سے بھر دیا اور جب مکہ فتح ہوا تو خود نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے ہاتھوں سے ان بتوں کو توڑا۔ آپؐ ہر ایک کو چھڑی سے ٹھوکر مارتے جاتے اور وہ گرتا جاتا۔ اس طرح ان کو کعبہ سے باہر لے جا کر جلا دیا گیا[1]۔

بت پرستی دور جاہلیت میں مشرکین کے مذہب کا مظہر بن گئی تھی۔ اور مشرکین ان بتوں کے پاس پناہ لیتے، انہیں زور زور سے پکارتے، حاجت روائی کرتے، مشکل کشائی کے لیے ان سے فریاد کرتے، بتوں کا حج اور طواف کرتے، ان کے سامنے عجز و نیاز کرتے، سجدہ کرتے، نذرانے دیتے، قربانیاں پیش کرتے، بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے اور کبھی وہیں جانور ذبح کر کے اس کا خون بت کے اوپر تھوپ دیتے۔ مشرکین عرب یہ سب کچھ اس عقیدہ کی بنا پر کرتے تھے کہ یہ بت ان کو اللہ کے قریب کر دیں گے اور اللہ کے آپ ان کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بارے میں بتایا کہ وہ کہتے ہیں:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[2]

ہم ان کی عبادت محض اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ[3]

یہ مشرکین اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۱۶۔

2 سورۃ الزمر: ۳۔

3 سورۃ یونس: ۱۸۔

Marfat.com

سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

قرآن کریم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حقیقی خدا، اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے تھے اور ان بتوں کو بطور وسیلہ استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کا حصہ کاٹ کر بتوں کے نام کر دیتے تھے اور بتوں کو راضی کرنا زیادہ اہم سمجھتے تھے بہ نسبت اس کے کہ اللہ کو راضی کیا جائے۔ لیکن ان کی اپنے معبودوں کے ساتھ قدر و منزلت اور خوف و رجاء کی کیفیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب کبھی کسی مشرک کی دعاؤں اور تمناؤں کے خلاف کوئی واقع ظہور میں آجاتا تو بسا اوقات وہ معبود کی توہین کر ڈالتا۔ ایک عرب اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ذوالخلصہ نامی بت کے آستانے پر جا کر اس سے فال کھلوائی جواب نکلا یہ کام نہ کیا جائے۔ اس پر عرب طیش میں آگیا اور کہنے لگا:

لو کُنت ذاالخَلصة الموتورا مثلی وکان شیخک المقبورا

لم تنه عن قتل العِدَاةِ زورا[1]

اے ذوالخلصی اگر میری جگہ تو ہوتا اور تیرا باپ مارا گیا ہوتا تو کبھی یہ جھوٹی بات نہ کہتا کہ دشمن سے بدلہ نہ لو۔

ایک اور عرب اپنے اونٹوں کا گلہ اپنے معبود کے آستانہ پر لے گیا تاکہ ان کے لیے برکت حاصل کرے۔ وہ ایک لمبا تڑنگا بت تھا جس پر قربانیوں کا خون لتھڑا ہوا تھا۔ اونٹ اسے دیکھ کر بدک گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ عرب یہ حالت دیکھ کر طیش میں آگیا۔ بت پر پتھر مارتا جاتا اور کہتا جاتا کہ اللہ تیرا ستیاناس کرے، میں آیا تھا برکت لینے کے لیے اور تو نے میرے رہے سہے اونٹ بھی بھگا دیے۔

عرب کے دیگر مذاہب

مشرکین کے علاوہ اہل عرب میں حنفاء، یہودی، عیسائی، صائبین، مجوسی اور دہریے شامل تھے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

1 المفصل فی تاریخ العرب: ۱۱/ ۲۷۲۔

Marfat.com

حنفاء

شرک و بت پرستی کے باوجود جزیرۃ العرب میں ایسے لوگ موجود تھے جو شرک سے انکار، توحید کا اعلان اور بتوں پر چڑھاوے چڑھانے کی اعلانیہ مذمت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد سے قریب کے زمانے میں قس بن ساعدہ الایادی، امیہ بن ابی الصلت، سوید بن عمرا لمصطلقی، وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی، عمرو بن جندب جہنی، ابی قیس صرمہ بن ابی انس، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عبید اللہ بن جحش، عامر العدوانی، علاف بن شہاب التمیمی، المتلمس بن امیۃ الکنانی زہیر بن ابی سلمیٰ، خالد بن سنان بن غیث العبسی، عبد اللہ القضاعی اور ایسے بہت سے لوگوں کے حالات تاریخ میں ملتے ہیں جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے دین سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کرتے تھے۔ ظاہر ہے ان کے اندر یہ جذبہ اور تخیل انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات ہی کے نتیجے میں آیا تھا۔ آثارِ قدیمہ کی جدید تحقیقات کے نتیجے میں یمن کے کھنڈرات سے ایسے کتبے ملے ہیں جن سے دین توحید پر دلالت ہوتی ہے۔ ۳۷۸ء کا ایک کتبہ ایک عبادت گاہ کے کھنڈر سے ملا ہے جس میں لکھا ہے "معبد الٰہ ذو سموی" یعنی عبادت خانہ برائے عبادت الٰہ السماء یارب السماء۔ اسی طرح مزید ایسے شواہد ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثت سے پہلے توحید پر عمل کرنے والے لوگ بالکل ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ مختلف مقامات پر موجود تھے جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے۔ یہ لوگ دور جاہلیت میں بھی تین قسم کے گناہ سے بہر صورت بچتے تھے یعنی شرک، قتل ناحق اور زنا۔

یہودی

تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہے اور انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا۔ یہودی نام اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور بنی اسرائیل کے

Marfat.com

دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کرلی جو سامریہ کہلائی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف سامریہ کی ریاست کو برباد کیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کا نام و نشان تک مٹادیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ اور بنیامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کے غلبے کی وجہ سے یہودی ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربّیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایات کا بہت تھوڑا عنصر اس میں شامل ہے، یعنی اس کا حلیہ بہت بگڑ چکا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو الذین هادوا کہہ کر پکارا گیا یعنی اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو۔ ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ غیر اسرائیلی بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی۔ قرآن میں جس جگہ بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور جس مقام پر مذہب یہود کے پیروکاروں کو خطاب کیا جاتا ہے وہاں الذین هادوا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب میں یہودیت اور یہاں بسنے والے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ دنیا میں موجود نہیں۔ نہ تو خود یہودیوں نے کوئی ایسی میراث چھوڑی ہے اور نہ عرب سے باہر کے یہودی مصنفین نے عرب یہودیوں کا کوئی تذکرہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جزیرۃ العرب میں آنے کے بعد وہ اپنے اہل مذہب سے بچھڑ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے دیگر ملکوں میں پھیلے ہوئے اصل یہودی ان کو اپنوں میں خیال نہیں کرتے تھے کیونکہ انہوں نے عبرانی زبان و تہذیب حتیٰ کہ اپنے نام تک چھوڑ کر عربیت اپنالی تھی۔ حجاز میں جو کتبات ملے ہیں ان میں پہلی صدی عیسوی سے قبل یہودیوں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ البتہ پہلی صدی عیسوی کے جو نشانات ملے ہیں ان میں چند یہودی نام بھی ہیں۔ اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ یہودی حجاز میں بارہ سو سال قبل مسیح آئے تھے۔ البتہ ۷۰ء میں اولاً رومیوں نے فلسطین میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور پھر ۱۳۲ء میں جب انہیں اس سرزمین سے نکال باہر کیا گیا تو بہت سے یہودی قبائل بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہوئے

Marfat.com

تھے۔ یہاں آکر انہوں نے جہاں جہاں چشمے اور سرسبز مقامات دیکھے وہیں ٹھہر گئے اور رفتہ رفتہ اپنے جوڑ توڑ اور سود خوری کی وجہ سے ان پر قبضہ جمالیا۔ ایلہ، مقنا، تبوک تیا، وادی القریٰ، فدک اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا اور بنی قریظہ، بنی نضیر بن بہدل اور بنی قینقاع اسی دور میں یثرب میں آکر آباد ہوئے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی عربی الاصل نہ تھے، بلکہ باہر سے آکر عرب میں آباد ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ یہودیت ایک خاندانی مذہب ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو تمام دیگر اقوام سے بالاتر سمجھتے ہیں اور خود کو اللہ کے بیٹے کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا بھر کی دیگر اقوام ان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں اس لیے ان کے حقوق غصب کرنا، ان کو قتل کرنا اور گھروں سے نکالنا ان کے لیے جائز ہے۔ اسی بنا پر یہ لوگ دوسروں کو اپنے مذہب میں شامل ہونے کی دعوت بھی نہیں دیتے۔ جزیرۃ العرب میں آکر بسنے والے یہودی ہر لحاظ سے عربیت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ زبان، لباس، تہذیب و تمدن حتیٰ کہ ان کی غالب اکثریت کے نام تک عربی کے تھے۔ بارہ یہودی قبیلے جو حجاز میں آباد ہوئے ان میں سے بنی زعوراء کے سوا کسی قبیلے کا نام عبرانی نہ تھا ان کے چند گنے چنے علماء کے سوا کوئی عبرانی نہ جانتا تھا۔ در حقیقت ان میں اور عربوں میں سوائے مذہب کے کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود وہ عربوں میں جذب بالکل نہ ہوئے تھے اور انہوں نے شدت کے ساتھ اپنی یہودی عصبیت برقرار رکھی تھی۔ یہ ظاہری عربیت انہوں نے صرف اس لیے اختیار کی تھی کہ اس کے بغیر وہ عرب میں رہ نہ سکتے تھے، جیسے آج کے پر آشوب زمانے میں مسلمان روزگار کے سلسلے میں مغرب میں جاکر بستے ہیں تو اہل مغرب کا کلچر، تہذیب، رہن سہن، لباس، وضع قطع اپناتے ہیں تاکہ ان میں گھل مل کر کام کر سکیں۔ لیکن یہودیوں کے برعکس مسلمان رفتہ رفتہ اپنے مذہب تک کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا دین کیا ہے۔

الغرض یہودیوں کی عربیت کی وجہ سے مستشرقین کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ شاید یہ بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ یہودی مذہب قبول کرنے والے عرب تھے یا کم از کم ان کی اکثریت

Marfat.com

عرب یہودیوں پر مشتمل تھی۔ یہودیوں نے عرب میں کوئی تبلیغی سرگرمی نہیں دکھائی کہ وہاں کے عربوں کو یہودی بنا سکیں بلکہ وہ تو عربوں کو اُمّی کہتے تھے جس کا مطلب تھا اَن پڑھ، وحشی، جاہل وہ ان کو اس قابل بھی نہ سمجھتے تھے کہ اپنے دین میں داخل کریں۔(1)

عیسائی

آج کل کی صحافتی عربی زبان میں عیسائیوں کو مسیحی کہا جاتا ہے جب کہ قرآن کریم میں ان کے لیے نصاریٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ مذہب دراصل بعثت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اس نام سے موسوم نہ ہوا تھا۔ ان کا نام مسیحی، پہلی مرتبہ ۴۰ ۴ء میں انطاکیہ کے مشرک باشندوں نے رکھا تھا جب سینٹ پال اور برناباس نے وہاں پہنچ کر اپنے مذہب کی تعلیم و تبلیغ شروع کی۔ یہ نام بھی طنز و تمسخر کے طور پر مخالفین کی طرف سے رکھا گیا تھا چنانچہ رفتہ رفتہ یہ لوگ خود بھی اپنے آپ کو اسی نام سے یاد کرنے لگے جس سے ان کے دشمنوں نے طنزاً انہیں موسوم کیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے جو تورات کی تعلیم پر عمل پیرا تھے۔ بنی اسرائیل میں سے پولوس (سینٹ پال) نے شریعت کی پابندی ختم کر کے یہ اعلان کر دیا کہ بس مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آنا نجات کے لیے کافی ہے۔ دوسری طرف پیروانِ مسیح کو یہودیوں نے گمراہ فرقہ قرار دے کر بنی اسرائیل سے کاٹ دیا لیکن آغاز میں اس علیحدہ فرقہ کا کوئی باقاعدہ نام نہ تھا۔ خود عیسائیوں نے اپنے لیے کبھی شاگرد کا نام اختیار کیا، کبھی بھائیوں کا، کبھی ایمانداروں اور مقدسوں کا، بخلاف اس کے یہودی ان کو کبھی گلیلی اور کبھی ناصری فرقہ کہتے۔ یہ نام یہودیوں نے ازراہ طنز و تشنیع رکھے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن ناصرہ تھا اور وہ فلسطین کے ضلع گلیل میں واقع تھا۔

یہ بات بالکل غلط ہے کہ قرآن میں جو لفظ نصاریٰ استعمال ہوا ہے وہ لفظ ناصریہ سے ماخوذ ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ خود عیسیٰ علیہ السلام کے

---

1 الہامی مذاہب کے بارے میں کتب حدیث و سیرت میں تفاصیل موجود ہیں۔

Marfat.com

پیروکاروں نے اپنے لیے یہ نام پسند کیا تھا۔ اس کا تعلق یہودیوں اور مشرکوں کے طنزیہ ناموں سے بالکل نہیں۔ یہ نام نصرت سے ماخوذ ہے اور اس کی بنیاد اس قول پر ہے جو مسیح علیہ السلام کے سوال "من انصاری الی اللہ" کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا "نحن انصار اللہ" ہم اللہ کے کام میں مددگار ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے عیسائیت رومیوں سے اخذ کی تھی کیونکہ عرب تجارت کی غرض سے اکثر وہاں آتے جاتے تھے۔ حیرہ میں عربوں کے متفرق قبائل نے عیسائیت قبول کرلی تھی اور بنو تغلب بھی عرب عیسائی تھے۔ بنو غسّان نے ۳۳۰ء میں عیسائی مذہب قبول کیا پھر عراق، بحرین، صحرائے فاران، دومۃ الجندل اور دوآبہ دجلہ و فرات میں یہ مذہب پھیل گیا۔ اس مذہب کی اشاعت میں نجاشی اور قیصر نے باہم مل کر کوشش کی۔ ۳۹۵ء تا ۵۳۱ء میں اس کی اشاعت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور یمن میں اناجیل بکثرت پھیل گئیں۔ نیز ۳۳۰ء میں یمن کے مقابل افریقی ساحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے بال و پر نکالنا شروع کیے۔ شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ قبول کیا اور گردوپیش کے اثر سے اہل یمن بھی محفوظ نہ رہے۔

ایک اور تحقیق کے مطابق جزیرۃ العرب میں نصرانیت کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گیروں اور فاتحین کے ذریعے سے ہوئی۔ یمن پر پہلی مرتبہ ۳۴۰ء میں حبشیوں نے قبضہ کیا جو ۳۷۸ء تک برقرار رہا۔ اس دوران میں یمن میں مسیحی مشن کام کرتا رہا، تقریباً اسی زمانے میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات زاہد جس کا نام فیمیون تھا، نجران پہنچا۔ وہاں کے باشندوں کو عیسائیت کی دعوت دی اور اہل نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ ایسی علامات دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ پھر ذونواس کی کارروائی کے رد عمل کے طور پر حبشیوں نے دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور ابرہہ نے یمن کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ اس جوش و خروش میں اس نے یمن میں ایک کعبہ بنادیا اور کوشش کی کہ عربوں کو بیت اللہ اور مکہ سے روک کر اس کا حج کرائے اور مکہ کے بیت اللہ کو ڈھادے۔ لیکن اس کی اس جرأت پر

Marfat.com

اللہ نے اسے ایسی سزا دی کہ دنیا والوں کے لیے باعث عبرت بن گیا اور قیامت تک اس پر تبصرہ کلام الٰہی کی صورت میں دنیا والے دہراتے رہیں گے۔ ادھر رومی برتری اور سیاسی و عسکری قوت سے متاثر ہوتے ہوئے آل غسان، بنو تغلب، بنو طے وغیرہ قبائل کے علاوہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا اور بڑی حد تک یہ مذہب عرب میں عام ہو گیا۔ خود مکہ مکرمہ اور حجاز میں اس مذہب کے نامور علماء اور پیشوا سامنے آئے جیسے ورقہ بن نوفل نے عبرانی زبان میں عیسائی مذہبی لٹریچر پڑھا ہوا تھا اور اپنے علاقے کے معروف عالم تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاصر سیاسی قوتیں قریبی علاقوں میں اپنا تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور مذہبی اثر بدرجہ اتم ڈالتی ہیں۔ اسی لیے روم اور حبشہ کی طاقتوں نے جزیرۃ العرب کے مذہبی رجحانات کو بھی بدلا اور اپنی سیاسی قوت کے بل بوتے پر وہاں قبضہ کیا، قبیلوں، خاندانوں اور عوام کے علاوہ حیرہ کے بادشاہوں تک رسائی حاصل کی اور ان کے عقائد و نظریات بدل کر رکھ دیے۔ اس طرح جزیرۃ العرب کی غیر معمولی آبادی کے علاقے تک عیسائی مذہب کی رسائی ممکن ہو سکی۔

صابی

صابی نام سے زمانہ قدیم میں دو گروہ مشہور تھے۔ ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیرو جو بالائی عراق یعنی الجزیرہ کے علاقے میں آباد تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی میں اصطباغ (بپتسمہ) کے طریقہ پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ و سائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا۔ غالب گمان یہ ہے کہ سورۃ الحج میں جن صابئین کا ذکر کیا گیا ہے ان سے پہلا گروہ مراد ہے کیونکہ دوسرا گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔

علامہ محمود شکری آلوسی کہتے ہیں کہ صابئہ بڑی قوموں میں سے ایک مشہور قوم

Marfat.com

ہے۔ لوگوں کو ان کے دین کے متعلق جس قدر معرفت حاصل ہوئی ہے اسی قدر ان کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں مومن اور کافر۔

یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھے۔ حضرت ابراہیم اُن کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان لوگوں کا مسکن حران تھا اور یہی صابئیں کا وطن ہے۔ ان میں سے ایک گروہ دین حنیف پر قائم تھا اور دوسرا مشرک۔ جو مشرک تھے وہ سات ستاروں اور بارہ برجوں کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اپنے مندروں میں ان کی تصویریں بنا کر رکھتے تھے۔ ان ستاروں کے لیے ان کے ہاں مخصوص مندر پائے جاتے تھے۔ یہی ان کے بڑے عبادت خانے تھے، ایسے ہی جیسے عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے بیَع۔ انہوں نے سورج، چاند، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ، زحل اور علت اولیٰ کے لیے مندر بنا رکھے تھے۔

ان کے ہاں ہر ستارے کے لیے مخصوص عبادت اور مخصوص دُعا تھی۔ مسلمانوں کی طرح ان کے ہاں پانچ نمازیں بھی تھیں۔ ان میں سے کچھ لوگ رمضان کے مہینے کے روزے بھی رکھتے تھے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے۔ مکہ کی تعظیم بھی کرتے تھے اور حج کے لیے مکہ جانے کا عقیدہ بھی رکھتے تھے۔ مردار، سوّر اور خون کو حرام سمجھتے تھے۔ شادی کے معاملے میں انہی رشتوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اسلام میں حرام ہیں۔ جزیرۃ العرب کا بالائی حصہ، عراق اور بغداد کے ارکان سلطنت کی ایک جماعت اسی مذہب پر کاربند تھی۔ انہی میں سے بلال بن المحسن الصابی تھے جو دیوان انشاء کے افسر اور مشہور رسائل کے مصنف ہیں۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھا کرتے، ان کے ساتھ عبادت کیا کرتے، ان کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے اور حرام چیزوں کو حرام قرار دیتے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس دین کے پیرو دنیا کے مذاہب کی خوبیاں لے لیا کرتے تھے اور ان کی برائیوں سے قولاً اور عملاً علیحدگی اختیار کرتے تھے، اسی لیے انہیں صابئہ کہا گیا یعنی خارج۔ چنانچہ یہ لوگ ہر مذہب کی جملہ اور تفصیلی باتوں سے نکل گئے اور صرف ان امور پر کاربند رہے جنہیں انہوں نے حق سمجھا۔ چنانچہ کفار قریش بھی نبی کریم ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صابئیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب

Marfat.com

تھا۔ زمانہ قدیم میں شام ویمن کے بہت سے باشندے بھی اس مذہب کے پیرو تھے لیکن جب یہودیت اور پھر عیسائیت کا دور دورہ ہوا تو اس مذہب کی بنیادیں ہل گئیں۔ تاہم مجوس کے ساتھ خلط ملط ہو کر یا ان کے پڑوس میں عراق، عرب اور خلیج عربی کے ساحل پر اس مذہب کے کچھ نہ کچھ پیرو کار باقی رہے۔ یعنی جزیرۃ العرب کے مختلف علاقوں بالخصوص مشرق میں یہ مذہب بکثرت رہا۔ حجاز و مکہ میں بھی اس کی تعلیمات پہنچ چکی تھیں جب کہ زیادہ تر عراق اور خلیج عربی کے سواحل میں اس کا اثر و رسوخ قائم رہا۔

مجوسی

بعض قومیں تاریخ میں ایسی گزری ہیں جن کے پاس کتابیں بھیجی گئیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے یا تو کتابوں کو بھلا دیا، مسخ کر دیا یا گم کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ اہل کتاب کہلانے کے مستحق بھی نہ رہے۔ انہی میں سے ایک قوم مجوسی بھی ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے مجوسیوں کو اہل کتاب قرار نہیں دیا حالانکہ وہ زردتشت کو مانتے تھے۔

ہجر کے مجوسیوں سے معاملہ پیش آیا تو آپؐ نے فرمایا سنّو بھم سنة اهل الکتاب[1]۔ ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ پھر جو نامہ مبارک آپؐ نے مجوس ہجر کو لکھا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذبائح اور عورتیں مسلمانوں کے لیے حلال نہ کیں۔ نیز ایران کے آتش پرست جو تاریکی اور روشنی کے دو اللہ مانتے تھے، وہ اپنے آپ کو زردتشت کا پیرو کہتے تھے۔ ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ایسے لوگ یعنی "آتش پرست" عربوں میں موجود تھے۔ یہ مذہب ایرانیوں اور مجوسیوں کے ذریعے سے عربوں میں آیا۔ کہتے ہیں قابیل پہلا شخص ہے جس نے آتش کدہ بنایا اور اس کی عبادت کی۔ پھر یہ مذہب مجوسیوں میں سرایت

---

1 البیہقی، السنن الکبریٰ، حدیث نمبر: ۱۴۳۶۳۔

Marfat.com

کر گیا اور انہوں نے آگ کے بہت سے گھر بنائے اور اس کے لیے محافظ اور دربان مقرر کیے۔ وہ لوگ آگ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بجھنے دیتے تھے۔

آتش پرستوں کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ آگ میں کسی نفس کو ڈالنا اور بدن کو جلانا حرام ہے۔

۲۔ دوسرا فرقہ اپنے آپ اور اولاد کو آگ پر قربان کرنے ہی میں عافیت اور کامیابی سمجھتا ہے۔

۳۔ تیسرا فرقہ عابدوں اور زاہدوں کا ہے جو روزہ رکھ کر آگ کے گرد بیٹھتے اور چلہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اچھے اخلاق وعدل کی تعلیم دیتے ہیں۔

مجوسیت کے مختلف اجزاء اور شکلیں ہیں جو عربوں تک پہنچی تھیں۔ عربوں میں زردتشتی گروہ کے دو خداؤں اور عقیدہ نور وظلمت کے پائے جانے کے متعلق محمود شکری آلوسی نے ایک فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے "ثنویہ کے عقائد کا بیان"۔ اس میں علامہ صاحب لکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا کہنا ہے کہ بنانے والے یعنی خالق دو ہیں خالق خیر اور خالق شر۔ خیر نور (روشنی) ہے اور شر ظلمت (اندھیرا) ہے اور یہ دونوں قدیم، ازلی اور ابدی ہیں۔ ان کی صفات میں قوی ہونا، حساس ہونا، لطیف ہونا، مالک ہونا، سمیع ہونا، بصیر ہونا شامل ہے۔ علامہ آلوسی مزید کہتے ہیں" ابن قتیبہ کتاب المعارف میں عہد جاہلی اہل عرب کے مذاہب سے بحث کرتے ہوئے کہتا ہے: زندیقی مذہب قریش میں پایا جاتا تھا، انہوں نے اسے حیرہ سے لیا تھا۔ زندیق کا مطلب ہے دو خداؤں کو ماننے والے یا وہ لوگ جو خیر وشر اور نور وظلمت کے قائل ہیں، یا وہ جو آخرت اور ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتے یا وہ جو درپردہ کافر ہوں اور بظاہر مومن۔ زَند اس کتاب کا نام ہے جسے مزدک نے پیش کیا تھا اور وہ ثنویہ فرقوں میں سے مزدکیہ فرقہ کا سربراہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر باطل اور منحرف مذاہب کے ساتھ ساتھ آتش پرستی، مجوسیت اور زندیقی بھی جزیرۃ العرب کے اندر پائی جاتی تھی اور بعض قریش مکہ بھی اس کے قائل تھے۔

Marfat.com

دہریے

بعثت رسول ﷺ سے پہلے جزیرۃ العرب میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے تھے جن کو دہریہ، کہا جاتا ہے۔ دہریہ دہر سے نکلا ہے اور دہر زمانے کو کہتے ہیں یعنی ایسے لوگ جو اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ آخرت کا کوئی تصور ان کے ہاں نہیں ہے۔ ان کے نزدیک نہ خالق ہے، نہ آخرت ہوگی، نہ کوئی حساب کتاب ہوگا۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں، مرتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ آپ سے آپ چلا آرہا ہے، اس کا نہ کوئی آغاز تھا نہ انتہا ہوگی۔ علامہ شہرستانی کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلق کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا اور لوٹائے جانے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں طبیعت (فطرت) زندہ کرتی ہے اور زمانہ ختم و فنا کر دیتا ہے۔

قرآن کریم نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خود بتا دیا کہ وہ اس زمانے میں موجود تھے۔ ہر زمانے میں اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو عقل ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اپنے فلسفے کے گھوڑے دوڑا دوڑا کر بے سروپا دلائل سے زندگی کی توجیہ کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنۡ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا وَمَا یُھۡلِکُنَا اِلَّا الدَّھۡر [1] یعنی زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی۔ یہ وہ گروہ ہے جن کا کہنا ہے کہ جینا اور مرنا جو کچھ بھی ہے بس اسی دنیا میں ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں لہٰذا جتنا کچھ بھی تمہیں کرنا ہے یہیں کر لو۔

موجودہ دور کے دہریوں کا خیال یہ ہے کہ یہ کائنات اور اس میں زندگی کچھ مادے کے ہیجان کا نتیجہ ہے یا ایک حادثہ ہے جس میں کسی حکمت اور صناعی کا کوئی دخل نہیں۔ اپنے معبودوں کے بارے میں تمام مشرکین کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ عبد المطلب اور ابرہہ کے درمیان ہونے والے مکالمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابرہہ نے قریش کے اونٹ قبضہ میں لے لیے تھے اور بیت اللہ کو ڈھانا چاہتا تھا اس وقت

---

1 سورۃ الجاثیۃ: ۲۴۔

Marfat.com

عبد المطلب نے کہا تھا کہ میرے اونٹ مجھے لوٹا دو۔ بیت اللہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ اس وقت عبد المطلب اور دیگر قریش مکہ جانتے تھے کہ کعبہ میں ۳۶۰ مضبوط اور قوی ہیکل بت موجود ہیں لیکن انہوں نے کسی کو نہ پکارا اور نہ اس قابل سمجھا کہ وہ ابرہہ کے مقابلے میں کچھ کرسکتے ہیں۔ الغرض دنیا کے تمام مشرکین ایک سپر پاور، قادر مطلق اور مقتدر اعلیٰ ہستی کا تصور رکھتے ہیں۔ لیکن دہریہ ایک ایسا گروہ ہے جو خدا کا تصور تک کرنے سے انکار کرتا ہے اور آج کل علمی ترقی، فلسفہ، سائنس اور مادیت میں گھرے ہوئے اس گروہ کی تعداد میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ تاہم دور جاہلیت میں ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔

یہ موضوع اس لیے زیادہ اہمیت اختیار کرگیا ہے کہ دورِ حاضر میں مغربی مادہ پرستانہ ترقی اور اس کی رو میں بہہ جانے والے بعض نام نہاد دانشور اور فلسفی دہریت کو فلسفہ، علم اور سائنس سے ثابت کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے آج کا دور دہریت کے اثبات کے زیادہ قریب ہوتا جارہا ہے۔ ملحدین، منکرین خدا، منکرین آخرت اور منکرین مذاہب کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں جو سادہ لوح اور کم پڑھے لکھے نوجوانوں (مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں) کو اپنے چنگل میں پھنسا رہے ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا مودودی نے انتہائی لطیف عقلی دلائل کے ساتھ ملحدین، دہریوں اور مشرکوں کو قائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک خالق، رازق اور رب کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے، وہ لکھتے ہیں:

> ”زمین کے اپنی بے حد و حساب مختلف النوع آبادی کے لیے جائے قرار ہونا اَمَّن جعَلَ الارض قراراً[1] بھی کوئی سادہ سی بات نہیں ہے۔ یہ کرہ فضائے بسیط میں معلق ہے۔ کسی چیز پر ٹکا ہوا نہیں ہے مگر اس کے باوجود اس میں کوئی اضطراب و اہتزاز نہیں ہے۔ اگر اس میں ذرا سا بھی اہتزاز ہوتا، جس کے خطرناک نتائج کا ہم کبھی زلزلہ

---

[1] سورۃ النمل: ۶۱۔

Marfat.com

آجانے سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی۔
یہ کرہ باقاعدگی سے سورج کے سامنے آتا اور چھپتا ہے۔ اگر اس کا ایک ہی رخ ہر وقت سورج کے سامنے رہتا اور دوسرا رخ ہر وقت چھپا رہتا تو یہاں کوئی آبادی ممکن نہ ہوتی۔ اس کرّہ پر ۵۰۰ میل کی بلندی تک ہوا کا ایک کثیف ردا چڑھا دیا گیا ہے جو شہابوں کی خوفناک بمباری سے اسے بچائے ہوئے ہے۔ (ورنہ روزانہ دو کروڑ شہاب تیس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین کی طرف گرتے ہیں)... یہی ہوا درجہ حرارت کو قابو میں رکھتی ہے یہی سمندروں سے بادل اٹھاتی اور زمین کے مختلف حصوں تک آب رسانی کی خدمت انجام دیتی ہے اور یہی انسان اور حیوان اور نباتات کی زندگی کو مطلوب گیسیں فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ ہوتی تب بھی زمین کسی آبادی کے لیے جائے قرار نہ بن پاتی۔ اس کرے کی سطح سے بالکل متصل وہ معدنیات اور مختلف قسم کے کیمیائی اجزاء بڑے پیمانے پر فراہم کر دیے گئے ہیں جو نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کے لیے مطوب ہیں ... اس کرّے پر سمندروں، دریاؤں، جھیلوں چشموں اور زیر زمین سوتوں کی شکل میں پانی کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کر دیا گیا ہے اور پہاڑوں پر بھی اس کے بڑے بڑے ذخائر کو منجمد کرنے اور پھر پگھلا کر بہانے کا انتظام کیا گیا ہے ... پھر اس ہوا اور تمام ان اشیا کو جو زمین میں پائی جاتی ہیں سمیٹے رکھنے کے لیے اس کرّے میں نہایت ہی مناسب کشش رکھ دی گئی ... علاوہ بریں اصل کرّے کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے جو آبادی کے لیے مناسب ترین ہے۔
یہ صرف چند وہ مناسبتیں ہیں جن کی بدولت زمین اپنی موجودہ آبادی کے لیے جائے قرار بنی ہے۔ کوئی شخص جو عقل رکھتا ہو اور ان امور کو

Marfat.com

نگاہ میں رکھ کر سوچے تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ یہ تصور کرسکتاہے کہ کسی خالق حکیم کی منصوبہ بندی کے بغیر یہ مناسبتیں ایک حادثے کے نتیجے میں خودبخود قائم ہوگئی ہیں اور نہ یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس عظیم الشان تخلیقی منصوبے کو بنانے اور روبہ عمل لانے میں کسی دیوی، دیوتا یا جن یا نبی وولی یا فرشتے کا کوئی دخل ہے[1]۔

جزیرۃ العرب کے معاشرتی حالات (ولادت سے پہلے)

عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا، فیصلہ کرنے کے لیے ان کی اپنی روایات تھیں۔ اپنے رسم و رواج کی بدولت تقریباً پورا عرب، دنیا کے دیگر ممالک اور تہذیب یافتہ ریاستوں سے الگ تھلگ ریت کے سمندر میں محصور پڑا تھا۔ عرب کی آبادی کے جو مختلف طبقات تھے ان کے حالات بھی یکسر مختلف تھے۔ چنانچہ طبقہ اشراف میں مرد اور عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی، اس کی بات مانی جاتی تھی اور اس کا اتنا احترام و تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس کی خاطر تلواریں نکل آتی تھیں اور خونریزیاں ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے کرم و شجاعت پر جسے عرب میں بڑا بلند مقام حاصل تھا، اپنی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا۔ بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لیے اکٹھا کردیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خون ریزی کے شعلے بھڑکا دیتی۔ لیکن اس سب کے باوجود خاندان کا سربراہ مرد ہی کو مانا جاتا تھا، اور اس کی بات فیصلہ کن ہوتی تھی۔ طبقہ اشرافیہ میں مرد اور عورت کا تعلق بذریعہ نکاح ہوتا تھا جو عورت کے وارثوں کی زیر نگرانی منعقد ہوتا۔ عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ولی کی ولایت کے بغیر خود ہی نکاح کرلے۔

ایک طرف طبقۂ اشرافیہ کا یہ حال تھا تو دوسری جانب دیگر طبقات میں مرد اور عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں جنہیں بدکاری، بے حیائی اور زنا کے سوا کوئی

---

1. سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد ۳، تفسیر سورۃ النمل: ۷۴۔

Marfat.com

نام نہیں دیا جاسکتا۔

تعدّدِ ازواج اور عورتوں سے معاملہ

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا ایک معروف بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا اور اگر کثرت ازواج سے اخراجات میں اضافہ ہو جاتا تو اپنے یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا تھا۔[1]

زناکاری کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لوگ فخر سے زنا کا اعلان کرتے تھے۔ البتہ کچھ مرد اور عورتیں ایسے ضرور تھے جنہیں اپنی بڑائی اور عزت کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا۔ آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں سے اچھا تھا۔ زنا کے لیے زیادہ تر لونڈیاں ہی استعمال ہوتی تھیں۔

حائضہ سے سلوک

اہل جاہلیت یہودیوں سے بھی متاثر تھے۔ یہودیوں میں عورت کو ایامِ حیض میں اس قدر پلید سمجھا جاتا تھا کہ نہ اس کا پکا ہوا کھانا کھاتے نہ اس کے ہاتھ سے پانی پیتے، نہ اس کے ساتھ ایک جگہ بیٹھتے بلکہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو جانے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ عورت ان دنوں میں ایک اچھوت کی طرح اذیت ناک زندگی گزارتی اور پورے محلے کو اس کی کمزوری سے آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ اہلِ یثرب میں یہ وبا عام تھی۔

طلاق کی معاشرتی خرابی

جزیرۃ العرب میں طلاق کی خرابی بھی ایک عظیم معاشرتی بیماری تھی۔ اگر عورت کے شوہر سے تعلقات خراب ہو جاتے تو وہ اسے بار بار طلاق دیتا رہتا اور بار بار رجوع کرتا

---

1. زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ سلوک پر سیرت و حدیث کی کتب میں تفاصیل موجود ہیں۔

Marfat.com

رہتا۔ اسے اس قدر تنگ کیا جاتا کہ نہ وہ عورت اس کے ساتھ رہ سکتی اور نہ اس سے اس کی جان ہی چھوٹتی تھی۔

عورتوں اور بچوں کی میراث

عورتوں اور بچوں کا میراث میں کوئی حصہ نہ تھا۔ لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف اِن مردوں کا ہے جو کنبے میں طاقت ور ہوں، لڑنے کی قوت رکھتے ہوں، قبیلے کا دفاع کرسکتے ہوں۔ مرنے والے کے وارثوں میں جو سب سے زیادہ طاقت ور ہوتا، وہ سارا مال ہڑپ کر جاتا اور ان سب کا حصہ کھا جاتا جو اس قابل نہ ہوتے کہ چھین کر اپنا حصہ لے سکیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ اہلِ عرب میں یہ بھی رواج تھا کہ جن لوگوں سے گہری دوستی ہو جاتی اور اچھے تعلقات بن جاتے، وہ وراثت میں بھی حق دار بن جاتے تھے۔ منہ بولا بیٹا اپنے منہ بولے باپ کا وارث قرار پاتا تھا۔

بچیوں کو زندہ در گور کرنے کے اسباب

جزیرۃ العرب کے باشندوں میں دیگر معاشرتی خرابیوں کی طرح ایک بدترین خرابی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

۱: معاشی خستہ حالی

معاشی صورتِ حال اچھی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا بار ان پر نہ پڑے۔ بیٹوں کو اس امید پر پال لیا جاتا کہ بعد میں وہ حصولِ معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے مگر بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا کہ انہیں جوان ہونے تک پالنا پڑے گا اور پھر انہیں بیاہنا ہو گا۔ قریب قریب اسی سبب کی بنا پر آج بھی بچوں کو فیملی پلاننگ کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔

۲: بدامنی اور عدم تحفظ

بیٹوں کو اس لیے پالا جاتا تھا کہ جتنے زیادہ بیٹے ہوں گے، مددگار ثابت ہوں گے مگر

Marfat.com

بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ وہ دفاع میں کسی کام نہ آسکتی تھیں، الٹا قبائلی لڑائیوں میں ان کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔

۳: اس بدامنی اور شورش میں یہ بھی ہوتا تھا کہ دشمن قبیلے جب کسی کے ہاں شب خون مارتے تو جو لڑکیاں بھی ان کے ہاتھ لگتیں ان کو لونڈیاں بنالیا جاتا اور ان سے عصمت فروشی کا کام لیتے یا کہیں آگے بیچ ڈالتے تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر عربوں میں یہ رواج چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی سے پہلے ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود دیا جاتا تھا تا کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ اگر ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا ننھیال اس میں آڑے آتا تو باپ بادل نخواستہ اسے کچھ مدت تک پالتا پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیتا۔ اس معاملہ میں جو شقاوت برتی جاتی تھی اس کا قصہ ایک شخص نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ یہ قصہ مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔ دارمی نے اپنے سنن میں پہلے ہی باب میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنے دورِ جاہلیت کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت مانوس تھی۔ جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑی دوڑی میرے پاس آتی۔ ایک روز میں نے اسے بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل نکلا، راستہ میں ایک کنواں آیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں پھینک دیا۔ آخری آواز جو اس کی میرے کانوں میں آئی وہ تھی ہائے ابا، ہائے ابا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیے، یہاں تک کہ آنسو رواں ہو گئے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا اے شخص! تو نے رسول اللہؐ کو پریشان کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے مت روکو، جس چیز کا اسے سخت احساس ہے اس کے بارے میں سوال کرنے دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا قصہ پھر بیان کرو۔ اس نے دوبارہ اسے بیان کیا اور سن کر آپ اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہو گیا اسے اللہ نے

Marfat.com

معاف کر دیا، اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرو۔[1]

یتیم بچوں سے سلوک

یتیم بچوں اور بچیوں سے جاہلیت میں جو سلوک روا رکھا جاتا تھا اس کا اندازہ خود اپنی اولاد اور بیویوں کے ساتھ ان کے سلوک سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ جاہل لوگ یتیم بچیوں کو اس وجہ سے ولایت میں لے لیتے تھے کہ ان کے مال اور حسن و جمال سے فائدہ اٹھائیں گے اور لاوارثوں کو جس طرح چاہیں گے دبا کر رکھیں گے۔ چنانچہ وہ خود ان سے نکاح کر لیتے اور ان کے مال پر بھی قبضہ جمالیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں کے زیر سرپرستی ایسی لڑکیاں ہوتیں جن کے پاس والدین کی چھوڑی ہوئی کچھ دولت ہوتی تھی، وہ ان لڑکیوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے ظلم کرتے تھے۔ اگر لڑکی مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی ہوتی تو یہ لوگ خود اس سے نکاح کر لیتے اور مال و جمال دونوں سے استفادہ کرتے اور انہیں کوئی مہر یا نان نفقہ نہ دیتے۔ اگر مال دار ہوتی مگر خوبصورت نہ ہوتی تو یہ لوگ نہ تو خود اس سے نکاح کرتے تھے اور نہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح ہونے دیتے تھے تاکہ اس کا کوئی ایسا ذمہ دار اور وارث نہ بن جائے جو کل اس کے حق کا مطالبہ کرے۔

سورۃ الماعون کی تفسیر میں ایک بڑے عجیب واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثت سے پہلے جزیرۃ العرب میں بڑے بڑے اشرافیہ اور اعلیٰ خاندانوں کے سربراہان کس قدر اخلاقی گراوٹ کا شکار تھے اور عورتوں، بے کسوں، مظلوموں اور یتیموں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا تھا۔

ابوجہل اعلیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور سردارانِ مکہ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ ایک یتیم بچے کا وصی تھا۔ ایک روز وہ یتیم بچہ بالکل برہنہ حالت میں ابوجہل کے پاس آیا اور

---

1. الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ قصہ مختلف کتب میں بیان ہوا ہے۔ دیکھیے: السیدۃ مریم نور الدین، المرأۃ فی ظل الإسلام: ۱۹/ ۳۷۵، بحوالہ: العرب قبل الاسلام۔جواد علی: ۵/ ۳۰۰۔

Marfat.com

کہنے لگا کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے۔ مگر اس ظالم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اس سے کہا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاکر شکایت کر، وہ ابو جہل سے کہہ کر تیرا مال تجھے دلوا دیں گے۔ بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابو جہل کا آپ سے کیا تعلق ہے، اور یہ بدبخت اسے کس غرض کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا۔ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابو جہل کے ہاں جا پہنچے۔ آپؐ کو دیکھ کر اس نے استقبال کیا اور جب آپؐ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور گھر کے اندر سے اس کا مال لا کر اسے دے دیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی دلچسپ جھڑپ کی اُمید کر رہے تھے مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابو جہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسے محسوس ہوا کہ محمد (ﷺ) کے دائیں بائیں ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔[1]

تصوّرِ لباس

دورِ جاہلیت میں عرب لباس کو صرف زینت اور موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کے لیے استعمال کرتے تھے اور اس کی سب سے پہلی اور بنیادی غرض یعنی شرمگاہ کی پردہ پوشی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ بلا تکلف ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو جاتے تھے۔ برہنہ کھلی جگہ کھڑے ہونا، نہا لینا، راہ چلتے پیشاب کر لینا، ستر کھل جائے تو بے پردہ ہو جانے کی پروا نہ کرنا، ان کے شب و روز کے معمولات تھے۔ اس سے بھی بڑھ

---

1 دیکھیے، الحلبی، ابو الفرج، علي بن إبراهيم بن أحمد، السيرة الحلبية: ۱/۴۵۵، دار الكتب العلمية۔ بیروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۷ھ۔

Marfat.com

کر یہ کہ ان میں سے بکثرت لوگ حج کے موقع پر کعبہ کے گرد برہنہ طواف کیا کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک مذہبی فعل تھا اور وہ اسے نیک کام سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ دور حاضر کی ترقی یافتہ جاہلیت کے پیروکاروں میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ یہ قتلِ اولاد غیر محسوس انداز میں کرتے ہیں اور وہ کھلم کھلا کیا کرتے تھے، اُن کی لونڈیاں عریانی کے لیے خاص ہوتی تھیں جب کہ ان کی اشرافیہ کلاس یہ کام کرتی ہے۔ وہ مذہب کے نام پر ننگی ہوتی تھیں، یہ آزادی اور حقوقِ نسواں کے نام پر ننگی ہوتی ہیں۔

بدامنی

بعثت محمدیؐ سے پہلے جزیرۃ العرب میں معاشرتی، معاشی، سیاسی، قبائلی نظام درہم برہم تھا۔ طوائف الملوکی عام تھی۔ کوئی مستحکم ادارہ، قانون یا انتظامیہ نہ تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چلتا تھا۔ ہر طرف کشت و خون برپا تھا، لوٹ کھسوٹ عروج پر تھی۔ آئے روز طاقت ور گروہ اور قبیلے کمزور قبیلے اور گروہ پر حملہ کرتے۔ کوئی شخص بھی چین کی نیند نہ سو سکتا تھا کیونکہ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کب کوئی دشمن صبح سویرے اس بستی پر ٹوٹ پڑے۔ یہ ایسی حالت تھی جسے عرب کے سبھی لوگ جانتے تھے اور اس کی قباحت کو محسوس بھی کرتے تھے۔ اگرچہ لوٹنے والا اس پر خوش ہوتا اور لٹنے والا ماتم کرتا تھا، لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ لوٹنے والا ہمیشہ لوٹتا ہی رہے بلکہ اس کی اپنی شامت بھی آجاتی تھی۔ پھر اسے احساس ہوتا کہ یہ کس قدر گھٹیا کام ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ پورے عرب میں کوئی بستی ایسی نہ تھی جہاں لوگ مکمل امن و سکون سے رات گزار سکیں۔ کوئی شخص بھی اپنے قبیلہ کی حدود سے باہر قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر ایک قبیلے کا فرد کسی دوسرے قبیلے کے ہاں پکڑا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یا تو قتل کر دیا جاتا یا غلام بنا کر آگے فروخت کر دیا جاتا۔ کوئی قافلہ بھی آرام سے سفر جاری نہ رکھ سکتا تھا، ہر جگہ ڈاکہ پڑنے کا خطرہ ہوتا۔ اس کا حل یہ تھا کہ انہیں ڈاکوؤں یا بااثر قبائل کو اجرت پر یا رشوت دے کر رکھوالی کا کام لیا جاتا تھا۔ ڈاکو جس قدر لوٹ سکتے تھے اسی کے برابر مزدوری، رشوت لے کر یہ ان کا "دفاع" کرتے تھے۔

Marfat.com

جزیرۃ العرب کا عمومی تمدن و ثقافت

عرب کے مختلف قبائل مختلف علاقوں میں رہائش پذیر تھے جن کے اپنے اپنے رسم و رواج تھے۔ ہر علاقہ اور قبیلہ دوسرے سے بالکل علیحدہ ماحول میں رہتا تھا۔ ان میں کسی نوعیت کا ربط و تعلق نہیں پایا جاتا تھا۔ تاہم جزیرہ عرب کے مشرقی علاقے، بطور خاص فارس سے ملنے والی سرحد اور شام کے اطراف میں جو قبائل بستے تھے وہ تہذیب و تمدن سے بالکل خالی نہ تھے۔ مثلاً آل نعمان کا پایۂ تخت حیرہ اور خاندان غسان کا صدر مقام حوران بھرپور تہذیبی ورثہ کے مالک تھے۔

علامہ شبلی نعمانی نے مانسیو لیبان فرانسیسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں عروج و کمال تک پہنچ چکا تھا۔ یورپ کے آثارِ قدیمہ کے ماہرین جنہوں نے یمن کی گم گشتہ تہذیب پر تحقیق کی ہے، یہ رائے دیتے ہیں کہ یمن ایک دور میں ترقی یافتہ اور متمدن معاشرہ رہ چکا ہے۔

مؤرخینِ عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کے ایک بادشاہ نے جس کا نام شمر تھا، سمرقند کو کھدوا کر برباد کرا دیا تھا۔ اسی بنا پر ایرانی اس کو شمر کند کہنے لگے اور زمانہ کے ساتھ یہ لفظ سمرقند بن گیا۔ عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی باقی ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔ علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثارِ قدیمہ کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل ان کی تالیف صفۃ جزیرۃ العرب جلد اوّل میں دیکھی جا سکتی ہے[1] لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع، فصیح اور بلیغ ہے جسے صرف اور صرف قرآن نے نیچا دکھایا ہے۔ عرب شاعری، خطابت، ادب، قصہ

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، الھمدانی، ابن الحائک، الحسن بن أحمد بن یعقوب (المتوفی: ۳۳۴ھ)، صفۃ جزیرۃ العرب، مطبعۃ بریل-لیدن، ۱۸۸۴م۔

Marfat.com

گوئی غرض ہر قسم کی لسانی خصوصیات سے بھرپور ادب آج بھی موجود ہے جس کی مثال دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں ملتی۔ اس کے باوجود اس قدر وسیع و بلیغ زبان میں وہ الفاظ موجود نہیں ہیں جن کا تعلق کسی معاشرے کے تمدن اور ترقی یافتہ ہونے سے ہے۔ اہل عرب نے روزمرہ استعمال کی بعض اشیاء کے نام فارسیوں اور رومیوں سے مستعار لے رکھے تھے۔ سکہ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم اور دینار دونوں غیر عرب زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ ورخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا ہے۔ چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو عربی نے سراج بنا دیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنالی جاتی ہے۔ کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں کوزہ کو کوز کر لیا۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریز کا معرب ہے۔ تشت فارسی لفظ ہے جس کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں حالانکہ کاسہ فارسی لفظ ہے۔ کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں یہ بھی فارسی ہے۔ پائجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لیے کہاں سے لفظ آتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربوں نے کسی زمانے میں جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کے تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اس لیے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے اسی حالت پر رہ گئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں رفع حاجت کی جگہ نہ تھی۔ مستورات باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک سے اڑایا جاتا، جو بچ جاتا وہی آٹا ہوتا تھا۔ بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو چراغ نہ جلتے تھے۔

مجموعی معاشی حالت

جزیرۃ العرب کی معاشی و اقتصادی حالت کا جائزہ لینے کے لیے اس معاشرہ کی مجموعی معاشرتی حالت کافی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ عرب کے ذرائع آمدن اور معاش کا

Marfat.com

انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا اور تجارت کے لیے بہر صورت معاشرتی و سیاسی صورت حال کا بہتر ہونا انتہائی ضروری ہوتا ہے کیونکہ تجارتی آمد و رفت امن و سلامتی کی فضا کے بغیر مشکل ہے۔ جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوائے حرمت کے مہینوں کے امن و سلامتی کا کہیں وجود نہ تھا۔ اس لیے صرف حرام مہینوں میں عرب کے مشہور بازار عکاظ، ذی المجاز اور مجِنّہ وغیرہ لگتے تھے۔ اندرون عرب میں کھیتی باڑی، گلہ بانی وغیرہ سے لوگ پیٹ پالتے تھے اور یمن حیرہ اور شام سے متصل بعض قبائل میں کسی قدر صنعت و حرفت کا رجحان تھا۔ کپڑے کی بنائی اور چمڑے کی دباغت وغیرہ کی معمولی شکل ان علاقوں میں پائی جاتی تھی۔ عرب خواتین میں سوت کاتنے کا بڑا رجحان تھا لیکن خام مال اور تیار شدہ مال ہمیشہ لڑائیوں اور بدامنی کی نظر ہو جاتا۔ فقر و بھوک عام تھی اور لوگ ضروری کپڑوں اور لباس سے بھی بڑی حد تک محروم رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد تک بھی لوگوں کے پاس کپڑوں کی انتہائی کمی رہتی اور بعض اوقات ستر ڈھانپنے کا مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا۔

عربوں کے اخلاقِ فاضلہ

گزشتہ صفحات میں عربوں کی اخلاقی حالت کے علاوہ ان کی مذہبی حالت، جنگجویانہ طبیعت، عورت کے ساتھ سلوک، یتیم بچوں سے رویہ، آپس کے تعلقات، قحبہ گری، حرام ذرائع معاش، تعصب، نفرت، بدامنی، قتل و غارت، شورش الغرض بے شمار اقسام کی اخلاقی پستی کے بارے میں بیان کیا گیا۔ یہاں بعثت سے قبل کے عرب معاشرے میں پائی جانے والی اچھی صفات اور مکارم اخلاق کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جن میں وہ اپنے زمانے میں یکتا تھے۔

کرم و سخاوت

سخاوت اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس پر اس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی نظر ہو گئے ہیں۔ اس وصف کی بنا پر کسی نے خود اپنی مدح کی ہے تو کسی نے کسی دوسرے کی۔ حالت یہ تھی کہ سخت جھاڑے، دھوپ اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی ایک اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے

Marfat.com

کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی تو بھی ـــــ ایسی سنگین حالت کے باوجود ـــــ اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اُٹھ کر اپنے مہمان کے اعزاز میں اس کو ذبح کر ڈالتا۔ ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اٹھالیتے اور اس طرح انسانوں کو بربادی اور خونریزی سے بچا کر دوسرے رئیسوں اور سرداروں کے سامنے فخر کیا کرتے تھے۔ اس کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ شراب نوشی پر بھی فخر کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ یہ بذات خود کوئی فخر کی بات تھی بلکہ اس لیے کہ یہ کرم و سخاوت کو آسان کر دیتی تھی کیونکہ نشہ کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ اس لیے یہ لوگ انگور کی بیل کو کرم اور انگور کی شراب کو بنت الکرم کہتے تھے۔ جاہلی اشعار کے دواوین پر نظر ڈالیے تو یہ مدح و فخر کا ایک اہم باب نظر آئیں گے۔ ان کے کرم و سخاوت کا نتیجہ تھا کہ وہ جوا کھیلتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بھی سخاوت کی ایک راہ ہے کیونکہ انہیں جو نفع حاصل ہوتا تو اسے مسکینوں کو دے دیتے۔ اس لیے قرآن کریم نے بھی شراب اور جوئے کے نفع کا انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا: وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (۲/۲۱۹) ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

وفائے عہد

یہ بھی دور جاہلیت کے اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ وہ عہد کو دینی فریضہ کی حیثیت دیتے تھے اور عہد کو پورا کرنے کے لیے اگر انہیں اپنی جان، اولاد اور مال تک کی قربانی دینا پڑتی تو تیار ہو جاتے تھے۔ قبائل عرب کی متعدد کہانیاں اور واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

خودداری اور عزت نفس

ظلم و جبر و برداشت نہ کرنا اور خودداری سے دشمن کا مقابلہ کرنا بھی عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اسی لیے ان کی بہادری اور شجاعت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اگر ذرا سی بات بھی ایسی سنتے جس میں ذلت و اہانت کا پہلو نکلتا تو بھڑک اٹھتے اور تلواریں نیاموں سے باہر آجاتیں۔ اس اہانت کا بدلہ لینے کے لیے خونریزی اور جنگ و جدل کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔

Marfat.com

عزائم کی تکمیل

ایک طرف ان میں عدم برداشت تھی اور دوسری طرف یہ بھی ان کی خوبی تھی کہ اگر کوئی کام کرنے پر تل جاتے اور اس میں مدح وافتخار کا پہلو ہوتا تو اس کی تکمیل میں کسی چیز کو آڑے نہ آنے دیتے بلکہ اپنی جان پر کھیل کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے۔

سادگی

تمدن کی آلائشوں اور داؤ پیچ سے ناواقفیت اور دوری کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ فریب کاری اور بدعہدی سے دور اور متنفر تھے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر اخلاقِ فاضلہ تھے جن کی وجہ سے دنیا کے انتہائی جاہل معاشرہ میں نور ایمان نے اس قدر دائمی روشنی پھیلائی کہ تا قیامت یہ اندھیر نگری مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کر گئی۔ بلاشبہ جس جاہل قوم میں اس قدر غیرت، عزت نفس، عزم صمیم، ایفائے عہد اور شجاعت و عزیمت پائی جائے وہ دین حق کا کام کرنے کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی تھی۔

جزیرۃ العرب کے سیاسی حالات (عرب قبائل)

عرب اپنے حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ یہی وجہ ہے جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے زبانی دعوت کا آغاز کیا۔ صحابہ کرام میں بہت کم لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ غزوہ بدر میں گرفتار ہونے والوں کے لیے فدیہ یہ رکھا گیا کہ خواندہ قیدی اہل مدینہ کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی شاعری، ادب اور فن خطابت محفوظ چلا آ رہا تھا اور آج تک عربوں کے ادب کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ عرب کے ہاں سینہ بہ سینہ روایات کا رواج تھا اور اللہ نے انہیں بلا کی ذہانت اور یادداشت سے نوازا تھا۔ اسی لیے عربوں کی تاریخ زبانی روایات پر مشتمل ہے۔ عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکی تھیں جیسے طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایات محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعے سے مؤرخین

Marfat.com

اسلام، عرب کی قدیم تاریخ پر متعدد بہ تصنیفات مرتب کر سکے۔

چنانچہ مؤرخین نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) عرب بائدہ۔ یہ عرب کے قدیم ترین قبائل ہیں جو اسلام سے پہلے فنا ہو چکے تھے۔

(۲) عرب عاربہ۔ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصلی مسکن یمن تھا۔

(۳) عرب مستعربہ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو عرب میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت عرب مستعربہ اور عرب عاربہ موجود تھے جنہیں عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں کہیں یہودی آبادیاں بھی تھیں۔ ان تینوں عناصر کی چھوٹی چھوٹی شاخیں عرب کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر عنصر مختلف قبائل اور فروع پر مشتمل تھا۔ ان تینوں عناصر کا مختصر سا خاکہ حسب ذیل ہے:[1]

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں تھیں: ۱۔ قضاعہ ۲۔ کہلان ۳۔ ازد۔ حمیر بھی ان کی شاخ ہے۔

۱۔ قبائل قضاعہ کی شاخیں: بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سیح ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات اور کلب۔

۲۔ کہلان کی شاخیں: بجیلہ، خثم، جدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام اور عاملہ۔

۳۔ ازد کی شاخیں: اوس، خزرج، خزاعہ، غسان اور دوس۔

نیز مشہور عدنانی قبائل میں سے ایک قبیلہ مضر بھی ہے جو دو بڑی شاخوں پر مشتمل ہے:

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، عبد العزیز الصالح، الفصل فی تاریخ شبه الجزيرة العربية في عصورها القديمة: ۱/۸۸، مكتبة الأنجلو المصرية.

Marfat.com

خندف اور قیس

یہ دو بڑے قبائل تھے اور ان میں سے ہر قبیلے کی مزید شاخیں ہیں اور ان شاخوں سے مزید کئی قبائل وجود میں آئے جن کی تفصیل کتب انساب و قبائل میں موجود ہے۔

قبائل یہود

علامہ اکرم ضیاء عمری کی تحقیق کے مطابق بیشتر عرب قبائل پانچویں صدی عیسوی کے لگ بھگ شام سے ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔ یہودیوں کے کچھ آثار جزیرۃ العرب کے مشرق اور یمن میں بھی ملتے ہیں۔ مشہور یہودی قبائل جو عرب میں آباد تھے وہ درج ذیل ہیں: [1]

ا۔ بنو قینقاع ۲۔ بنو نضیر ۳۔ بنو قریظہ

عرب کی قدیم سرداریاں اور حکومتیں

بعثت سے پہلے عرب میں دو قسم کے حکمران تھے ایک تاج پوش بادشاہ۔ دوسرے قبائلی سرداران کی امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مکمل طور پر آزاد اور خود مختار حکمران تھے۔ تاج پوش حکمران یہ تھے: شاہان یمن، شاہان آل غسان شام میں، شاہان حیرہ عراق میں۔

گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ عرب کے قدیم ترین قبائل عاربہ ہیں جو یمن میں رہتے تھے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی قوم سبا تھی۔ اڑھائی ہزار سال قبل مسیح میں اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس کے عروج کا زمانہ گیارہویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی تاریخ کے اہم مدار یہ ہیں۔

۶۵۰ ق م سے پہلے کا دور: اس دور میں شاہان سبا کا لقب مکرب تھا اور پایہ تخت صرواح تھا۔ اس دور میں شاہان سبا کو بہت عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے عرب کے اندر اور باہر اپنی نو آبادیاں بھی قائم کیں۔

---

[1] الدکتور اکرم ضیاء العمری، السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، دخول الیہود فی الجزیرۃ: ۱/۵۶۔

Marfat.com

۶۵۰ق م سے ۱۱۵ق م کا دور: اس دور میں سبا کے سلاطین نے ملک کا لقب اختیار کر لیا۔ اور صرواح کے بجائے مآرب کو اپنا دارالسلطنت بنالیا۔

۱۱۵ق م سے ۳۰۰ء: اس دور میں سبا کی مملکت پر قبیلہ حمیر کا غلبہ رہا۔ انہوں نے ایران کو دارالسلطنت بنایا۔ اس دور میں قوم سبا کا زوال شروع ہوا۔ پہلے نبطیوں نے حجاز میں اپنا اقتدار قائم کر کے سبا کو نو آبادیوں سے بے دخل کیا۔ پھر رومیوں نے مصر و شام اور شمالی حجاز پر قبضہ کر کے ان کی تجارت کے بحری رستے کو بند کر دیا۔ ادھر قحطانی قبائل آپس میں لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

۳۰۰ء سے آغاز اسلام تک: اس دور میں مسلسل انتشار رہا۔ لڑائی، فساد، آپس کی مخالفت، انقلابات اور اضطرابات اس زمانے کا خاصہ رہے۔ یہاں تک کہ یمن کی آزادی و خود مختاری داؤ پر لگ گئی اور رومیوں نے عدن پر قبضہ کر لیا۔ ان کی مدد سے حبشیوں نے حمیر اور ہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۳۴۰ء میں پہلی بار یمن پر قبضہ کر لیا جو ۳۷۸ء تک قائم رہا۔ اس کے بعد یمن کو آزادی تو مل گئی مگر مآرب کے مشہور بند میں رخنے پڑنا شروع ہو گئے، یہاں تک کہ ۴۵۰ یا ۴۵۱ء میں بند ٹوٹ گیا اور وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر سورۂ سبا میں سیل عرم کے نام سے کیا گیا ہے۔

۵۲۵ء میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مسلسل لڑائیوں کے بعد حبشیوں نے رومیوں کی شہ پر ستر ہزار فوج کے ساتھ یمن پر قبضہ کر لیا۔ فوجی سربراہ ارباط نے شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے یمن پر حکمرانی کی۔ پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت ابرہہ نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا اور شاہ حبشہ کو بھی اپنے اس عمل پر قائل کر لیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جس نے بعد میں ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ خانہ کعبہ کو ڈھانے کی کوشش کی تھی اور اصحاب فیل کے نام سے مشہور ہوا۔ واقعہ فیل میں حبشیوں اور عیسائیوں کی تباہی کے بعد اہل یمن نے فارس کی مدد سے علم بغاوت بلند کیا اور معدیکرب حمیری کی قیادت میں ایک آزاد خود مختار قوم کی حیثیت سے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے سازشیں ہوتی رہیں بادشاہ بدلتے رہے بالآخر فارس نے یمن کو اپنا صوبہ بنا کر فارسی النسل گورنر مقرر کیے۔

Marfat.com

یہاں تک کہ گورنر باذان نے ۶۲۸ء میں اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ ہی یمن فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی عمل داری میں شامل ہو گیا۔

شاہانِ حیرہ کی حکومتیں

عراق کے نواحی علاقے کوروش کبیر کے زمانے ہی سے اہل فارس کے ماتحت تھے اور کوئی ان کے مدمقابل آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔

۳۲۶ ق م میں سکندر مقدونی نے دارا اوّل کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور علاقے میں طائف الملوکی شروع ہو گئی۔ اس زمانے میں قحطانی قبائل نے ترک وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے سرسبز و شاداب علاقے میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر عدنانی تارکین وطن نے لڑ بھڑ کر جزیرہ فراتیہ کو مسکن بنا لیا۔ ۲۲۶ء میں اردشیر بن بابک نے فارسی حکومت کو مستحکم کیا اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کر لیا۔ اس طرح قضاعہ نے شام کی راہ لی اور حیرہ اور انبار نے باجگزاری اختیار کر لی۔

شاہان حیرہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی جو عرب باغیوں کی سرکوبی کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اردشیر نے محسوس کیا کہ عرب قبائل کو زیر کرنا آسان کام نہیں اس لیے انہیں میں سے کسی شخص کی سربراہی میں قبائل کو جمع کیا جائے تاکہ وقت آنے پر رومیوں اور شام کے روم نواز عربوں کے خلاف ان سے مدد لی جا سکے۔ اس طرح عربوں اور فارسیوں کے تعلقات بہتر ہو گئے۔ ادھر جذیمہ کی وفات کے بعد عمر بن عدی بن نصر لخمی اس کا جانشین ہوا۔ یہ قبیلہ لخم کا پہلا حکمران تھا جو اردشیر کا ہم عصر تھا۔ اس کے بعد طویل عرصہ تک حیرۃ پر لخمیوں کی حکمرانی رہی۔ مختصر یہ کہ حیرہ کی حکمرانی مسلسل نشیب و فراز سے گزرتی رہی اور یہ ریاست فارسیوں کی باج گزار ہی چلتی رہی، ملک میں شورشیں اٹھتی رہیں۔ کسریٰ فارس نے مزدک جیسے اباحیت پسند کی پیروی کر لی اور حیرۃ کے سربراہ مندر بن ماء السما کو حکم دیا کہ تم بھی اس کی پیروی کرو۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اسے معزول کر کے مزدک کے پیروکار حارث بن حجر کندی کو حکمران بنایا۔ مرور زمانہ کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ سیاست فارس بھی بدلتی رہی۔ بالآخر ایاس نے کسریٰ کے عظیم لاؤلشکر کے ساتھ بنو شیبان کے ساتھ ایک نزاعی مسئلہ پر جنگ کا فیصلہ کر لیا۔ ایاس کسریٰ کا حمایت یافتہ حمیری حکمران تھا۔ بنو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود نے ذی قار کے میدان میں جنگ کی دعوت دے دی۔ گھمسان کی جنگ کے بعد بنو شیبان کو فتح حاصل ہوئی اور فارسی لاؤلشکر کو شرمناک شکست ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کے چند روز بعد رونما ہوا۔

شاہانِ شام

ایک طرف حیرہ میں فارسیوں نے عربوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور اپنا باجگزار بنائے رکھا۔ دوسری طرف شام میں رومیوں نے عربوں کو اپنی سلطنت کے تحت استعمال کیا۔ قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ بنو ضجعم بن سُلیم تھی جسے ضجاعمہ کہا جاتا تھا۔ ضجاعمہ رومیوں کی طرف سے صحرائے عرب میں بدوؤں کی لوٹ مار اور فارسیوں کے خلاف استعمال ہونے کے لیے اس علاقے کے سردار بنائے گئے تھے۔ رومیوں نے ضجاعمہ کے ایک فرد کے سر پر سرداری کا تاج رکھ دیا تھا۔ مدتوں تک ضجاعمہ کی سرداری قائم رہی یعنی پوری دوسری صدی عیسوی میں ضجاعمہ نے حکومت کی۔ اس کے بعد ان علاقوں میں آل غسان آئے اور انہوں نے ضجاعمہ کو شکست دے کر ان کی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح رومیوں نے آل غسان کی سربراہی قبول کر لی۔ آل غسان کا پایہ تخت دومۃ الجندل تھا۔ اور رومیوں کے آلۂ کار کے طور پر دیارِ شام میں ان کی مسلسل حکمرانی قائم رہی۔ تا آنکہ خلافت فاروقی میں ۱۳ھ میں یرموک کے مقام پر جنگ ہوئی اور اس موقع پر آل غسان کا آخری حکمران جبلہ بن ایہم مسلمان ہو گیا لیکن بعد میں وہ مرتد ہو گیا۔

سردارانِ حجاز

جزیرۃ العرب میں انتہائی اہمیت کا حامل علاقہ حجاز ہے۔ جس کی تاریخی، جغرافیائی اور سیاسی حقیقت کا مطالعہ سیرت کے طالب علم کے لیے انتہائی ضروری ہے تاکہ سیرت رسولؐ کے حوالے سے پیش آمدہ واقعات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

Marfat.com

حجاز میں عربوں کی امارت و سرداری

مکہ مکرمہ میں آبادکاری کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد سے ہوا۔ آپ کی والدہ اور آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا تھا۔ خانہ کعبہ کی جگہ ایک چھوٹا سا ٹیلا تھا جب سیلاب کا پانی آتا تو ادھر ادھر سے گزر جاتا اور ٹیلہ محفوظ رہتا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ۱۳۷ برس کی عمر پائی اور ساری زندگی وہیں گزاری اور وہیں شادی کی۔ قبیلہ جرہم بعد میں وہاں آکر آباد ہو گیا تھا البتہ آپ ساری زندگی اس علاقے کے سردار رہے۔ آپ کے بعد آپ کے دو صاحب زادگان ثابت اور قیدار، حکمران ہوئے۔ ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمر جرہمی نے زمام اقتدار سنبھال لی اور مدتوں تک حکمرانی اسی خاندان میں چلتی رہی۔ پھر بخت نصر کے ظہور سے کچھ پہلے جرہمیوں کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ عدنان بام عروج پر پہنچ گئے اور یہ نشیب و فراز چلتا رہا۔

البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے بنو جرہم نے مکہ اور مضافات پر حکومت کا آغاز کیا اور تقریباً دو ہزار برس تک انہوں نے مکہ میں اپنا لوہا منوایا۔ اس کے بعد بنو خزاعہ نے تنہا حکمرانی کی البتہ تین مناصب ایسے تھے جو مضری قبائل کے حصے میں آئے۔

۱۔ حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النفر، یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے روانگی پر سب سے پہلے کنکریاں مارنا۔ یہ اعزاز قبیلہ مضر کو حاصل تھا کہ جب تک مضر قبیلہ کی شاخ بنو غوث کا ایک آدمی کنکری نہ مار لیتا کوئی آدمی کنکری نہ مار سکتا تھا۔ اور جب لوگ روانگی کا ارادہ کرتے تو یہ لوگ پہلے ہی ان کی واحد گزرگاہ ”عقبہ“ کے دونوں جانب گھیر اڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گزر نہ لیتے کسی کو گزرنے نہ دیتے۔ ان لوگوں کو صوفہ کہا جاتا تھا جب ان کا وجود باقی نہ رہا تو یہ اعزاز قبیلہ بنو تمیم کی شاخ بنو سعد بن زید مناۃ کی طرف منتقل ہو گیا۔

۲۔ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح منیٰ کی جانب روانگی کا آغاز: یہ اعزاز بنو عدنان کو حاصل تھا۔

۳۔ حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا: یہ اعزاز بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو تمیم بن عدی کو حاصل تھا۔

Marfat.com

مکہ پر بنو خزاعہ کا اقتدار تین سو برس تک رہا اور اس زمانے میں عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد، بحرین اور عراق میں پھیل گئے۔ مکہ کے اطراف میں قریش کی چند شاخیں خانہ بدوشی کی حالت میں رہ گئیں جو ٹولیوں کی صورت میں رہتے تھے۔ بنو کنانہ میں ان کے متفرق گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی کردار نہ تھا۔

قُصَیّ بن کلاب

قُصَیّ بچپن ہی میں یتیم ہو گیا تھا اس کے بعد اس کی والدہ نے بنو عزرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کر لی۔ یہ قبیلہ شام میں آباد تھا۔ قصی بھی اپنی والدہ کے ہمراہ شام چلا گیا اور جب جوان ہوا تو واپس مکہ آیا۔ اس وقت مکہ کا والی حُلیل خزاعی تھا۔ قصی نے حلیل کی بیٹی ہی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا جسے حلیل نے منظور کر لیا اور شادی ہو گئی۔ جب حلیل کا انتقال ہوا تو مکہ اور بیت اللہ کی تولیت کے لیے خزاعہ اور قریش کے درمیان جنگ ہو گئی اور اس کے نتیجے میں مکہ اور بیت اللہ پر قصی کا اقتدار قائم ہو گیا۔ جنگ کے متعدد اسباب ہیں، لیکن واقعہ اس طرح ہے کہ جب حُلیل کا انتقال ہوا تو حج کے موقع پر قبیلہ مضر کی شاخ (صوفہ) بنو غوث نے اپنے اعزاز کے کام میں پہل کرنے کی کوشش کی تو قصی نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو لیا اور عقبہ کے نزدیک جہاں وہ جمع تھے ان سے آ کر کہا کہ تم سے زیادہ ہم اس کے حق دار ہیں۔ اس پر بنو غوث (صوفہ) نے لڑائی چھیڑ دی مگر قصی نے فتح حاصل کر لی اور ان سے یہ اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا جب خزاعہ اور بنو بکر نے قصی سے دامن کشی اختیار کر لی۔ اس پر قصی نے انہیں بھی للکارا۔ پھر فریقین میں سخت جنگ چھڑ گئی اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے اس کے بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں۔ بنو بکر کے ایک آدمی یعمر بن عوف کو منصف بنایا گیا۔ یعمر نے فیصلہ دیا کہ خزاعہ کی بجائے قصی خانہ کعبہ اور سرداری کا زیادہ حق دار ہے۔ نیز قصی نے جتنا خون بہایا ہے سارا رائیگاں ہے اس پر کوئی دیت نہیں۔ خزاعہ اور بنو بکر نے جو قتل کیے ہیں ان کا خون بہا ادا کریں گے اور خانہ کعبہ کی تولیت قصی کے پاس رہے گی۔ یہ واقعہ ۴۴۰ء میں پیش آیا اور قصی مکہ اور خانہ کعبہ کا حکمران اور

Marfat.com

متولی بن گیا۔

قصی نے انتہائی حکیمانہ انتظامات کیے، اپنے قبیلے کی تمام شاخوں کو مکہ میں جمع کیا اور پورا شہر ان پر تقسیم کر دیا۔ البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والے آل صفوان، بنو عدنان اور بنو مرہ بن عوف کو ان کے مناصب پر قائم رکھا۔

قصی نے حرم کعبہ کے نواح میں دارالندوۃ (اسمبلی ہال) تیار کرایا جہاں تمام بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ اس اسمبلی میں قبائل کے سربراہ، صاحب الرائے فہم و فراست میں نمایاں اور اہل حل و عقد شامل ہوتے تھے۔ قریش کی وحدت اور سرداری کا ضامن اور الجھے ہوئے مسائل حل کرنے کا شعار دارالندوہ کو قرار دیا جاتا تھا[1]۔

قُصی کے امتیازات

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض کے نزدیک فہر کو یہ خطاب ملا جبکہ علامہ ابن عبدربہ نے کہا ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے مکہ میں بسایا اس لیے اس کو قریش کہتے ہیں کیونکہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر اس کو مجمع بھی کہتے ہیں یہ ان کا اہم امتیاز ہے۔

۱۔ چیئر مین دارالندوۃ: جہاں انتہائی اہم نوعیت کے فیصلے ہوتے تھے۔

۲۔ علم بردار: جنگ کے موقع پر قصی ہی کے ہاتھوں میں علم ہوتا تھا۔

۳۔ تولیت کعبہ: خانہ کعبہ کا دروازہ کھولنا۔ پاسبانی کرنا، خدمت کرنا اور کلید برداری کا کام انجام دینا۔

۴۔ پانی پلانا: جب حاجیوں کے آنے کا زمانہ ہوتا تو حوضوں میں پانی بھر دیا جاتا۔ اس پانی میں کھجور اور کشمش ڈال کر اسے میٹھا کیا جاتا اور حاجیوں کو پلایا جاتا۔

۵۔ میزبانی: حاجیوں کی ضیافت اور کھانا کھلانے کے لیے قصی نے قریش پر ایک ٹیکس عائد کر رکھا تھا جو موسم حرام ﴿حرام مہینوں﴾ میں جمع کیا جاتا۔ اس جمع شدہ رقم سے

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۱۰۴، ۱۰۵۔

Marfat.com

حاجیوں کے لیے کھانا تیار کیا جاتا اور لوگ کھانے سے سیر ہوتے تھے۔

قُصی کی اولاد

قصی کے چھ بیٹے تھے عبد الدار، عبد مناف، عبد العزی، عبد بن قصی، تخمر، برہ۔ ان میں سے زیادہ مشہور عبد الدار اور عبد مناف تھے۔ عبد مناف باپ کی زندگی ہی میں قیادت و سیادت میں نمایاں مقام پیدا کر چکا تھا۔ اس لیے قصی نے عبد الدار سے کہا میں تمہیں بھی اس کے ہم پلہ کر کے رہوں گا۔ چنانچہ قصی نے اپنے سارے عہدے اور امتیازات کی وصیت عبد الدار کے لیے کی۔ قصی کے مذکورہ بالا تمام مناسب کا حق دار عبد الدار قرار پایا چنانچہ وہ قصی کی زندگی ہی میں مذہبی پیشوا مانا جانے لگا، اس لیے اس کی موت کے بعد بھی اس کی وصیت پر عمل ہوتا رہا اور کسی نے اس فیصلہ کے خلاف آواز نہ اٹھائی مگر عبد مناف کی وفات کے بعد آئندہ نسل میں چچیرے بھائیوں میں ان مناصب پر شدید کشمکش پیدا ہو گئی اور قریش دو گروہوں میں بٹ گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں مگر پھر صلح کی آواز بلند ہوئی اور دونوں گروہوں میں مناصب تقسیم ہو گئے۔ بنی عبد مناف کو سقایہ (پانی پلانا) اور رفادہ (کھانا کھلانا) کے مناصب ملے اور دار الندوہ کی صدارت اور علم برداری اور حجابت (خانہ کعبہ کی پاسبانی) بنی عبد الدار کے حصے میں آئی۔ پھر بنی عبد مناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا۔ اس طرح ہاشم زندگی بھر ان دونوں عہدوں پر فائز رہے۔ جب ہاشم کا انتقال ہو گیا تو ان کے بھائی مطلب نے یہ مناصب سنبھالے اور مطلب کے بعد عبد المطلب بن ہاشم (رسول اللہؐ کے جد محترم) نے یہ منصب سنبھالا۔ ان کے بعد ابو طالب اس عہدے پر قائم رہے اور وہ آغاز اسلام سے قبل اس منصب پر فائز تھے۔ پھر ایسا وقت آیا جب ابو طالب مفلسی اور فقر کی وجہ سے اس منصب کو نہ چلا سکے تو انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبد المطلب سے ۱۰ ہزار درہم ادھار لے کر یہ کام چلایا۔ لیکن جب قرض واپس کرنے کی سکت نہ رہی تو یہ منصب عباس کے سپرد کر دیا۔

Marfat.com

قریشی امارت کی انتظامیہ

قریش نے انتظامیہ اس طرح تقسیم کر رکھی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک باقاعدہ حکومت تھی، جس کے سرکاری ادارے اور ان کی تقسیم کار آج کل کے پارلیمانی ڈھانچے کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ ذیلی ادارے درج ذیل تھے:

۱۔ ایسار: یعنی بتوں کے پاس فال نکالنے کے لیے جو تیر رکھے جاتے تھے ان کی ذمہ داری۔ بنو جمح کو یہ وزارت یا عہدہ حاصل تھا۔

۲۔ نظام مالیات: بتوں کے لیے جو نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے ان کا انتظام کرنا، جھگڑے اور مقدمات نمٹانا بنو سہم کے ذمہ تھا۔

۳۔ نظام مشاورت: بنو اسد مشاورت کے لیے انتظامات کیا کرتے تھے۔

۴۔ جنایات واشناق: یعنی دیت اور جرمانے کا نظام بنو تیم کے پاس تھا۔

۵۔ لواء: یعنی قومی پرچم کا انتظام وانصرام، یہ بنو امیہ کے پاس تھا۔

۶۔ قبہ: فوجی نظام چھاؤنیاں، شہسواروں کی قیادت اور دفاع بنو مخزوم کے پاس تھا۔

۷۔ امورِ خارجہ کا نظام اور سفارت کاری بنو عدی کے ذمہ تھے۔[1]

ہاشم بن عبد مناف

عبد مناف کے چھ بیٹے تھے ان میں سے ہاشم نہایت بااثر اور صاحب بصیرت تھے۔ بنی عبد الدار سے صلح کے نتیجے میں بنی عبد مناف کے حصے میں سقایہ اور رفادہ کے شعبے آئے تھے، ان کا کنٹرول ہاشم نے سنبھال لیا۔ ہاشم انتہائی باصلاحیت منتظم تھے انہوں نے یہ فریضہ انتہائی احسن طریقے سے انجام دیا۔ وہ حجاج کو وافر مقدار میں کھانا مہیا کرتے، چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم کے کنویں کے پاس اور منیٰ کے پاس سبیلیں لگواتے۔ انہوں نے نہ صرف اندرون عرب میں تجارت کو ترقی دی بلکہ جدید انداز سے نظام معاشیات کو

---

1 مصدر سابق: ۱/ ۱۰۵۔

Marfat.com

استوار کیا۔ بین الاقوامی تجارت کے راستے وا کیے، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔

چنانچہ عرب تجار سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک مال تجارت لے کر جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایشیائے کوچک کا مشہور شہر انگوریہ (انقرہ) قیصر کا پایہ تخت تھا۔ قریش کے تجار انگوریہ جاتے تو قیصر انتہائی عزت و احترام سے پیش آتا تھا۔

لوٹ کھسوٹ اور بدامنی کی وجہ سے عرب کے اقتصادی حالات خراب تھے، قافلے محفوظ نہ رہتے تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل کے دورے کیے اور لوگوں سے معاہدہ ہوا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں قریش کے کارواں ان کے قبائل میں ضرورت کی چیزیں خود لے کر جایا کریں گے اور ان سے باہمی خرید و فروخت کیا کریں گے۔ یوں لوٹ مار کے باوجود قریش کے کاروان تجارت ہمیشہ محفوظ رہتے۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا تو ہاشم نے دورانِ قحط شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے خود لوگوں کو کھلائیں، اس وقت سے وہ لوگوں میں ہاشم کے نام سے مشہور ہوئے۔ عربی زبان میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں۔

ہاشم شام جاتے ہوئے راستے میں مدینہ (یثرب) میں پڑاؤ کرتے جہاں سال بھر بازار لگتا تھا۔ ایک مرتبہ بازار میں ایک عورت کو دیکھا جو انتہائی شریف اور عقل مند لگتی تھی اور خوبصورت بھی تھی۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا نام سلمیٰ ہے اور وہ قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی جو اس نے قبول کر لی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد یہ شام کی طرف روانہ ہو گئے اور غزہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سلمیٰ ان سے حاملہ ہو چکی تھی ان کے بطن سے جو بیٹا ہوا اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ شیبہ تقریباً آٹھ سال تک اپنی ماں کے ساتھ مدینہ (یثرب) میں رہے۔ ہاشم کے بھائی مطلب کو معلوم ہوا کہ ان کا ایک بھتیجا یثرب میں ہے تو اس کو ڈھونڈتے ہوئے یثرب (مدینہ) پہنچے۔ سلمیٰ کو معلوم ہوا کہ

Marfat.com

شیبہ کو تلاش کرنے ان کے وارث آئے ہیں تو انہوں نے مطلب کو گھر بلوایا، تین روز تک ان کی مہمان داری کی اور شیبہ کو تایا کے ساتھ کر دیا۔ اس وقت شیبہ کی عمر آٹھ برس تھی مکہ معظمہ پہنچ کر شیبہ کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔

عبد المطلب

یہی عبد المطلب نبی کریم ﷺ کے دادا ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی۔ ان کا اصل نام شیبہ تھا۔ مطلب ان کو لے کر مکہ آئے تھے اور یتیمی کی حالت میں ان کی پرورش کی تھی اس طرح وہ عبد المطلب یعنی مطلب کے غلام کے نام سے مشہور ہو گئے۔

عبد المطلب بھی اپنے آباؤ اجداد میں سے ہاشم، قصی اور فہر کی طرح نامور، مدبر و منتظم اور سردار تھے۔ مطلب کی وفات کے بعد عبد المطلب کعبہ کے متولی بنے، مرور زمانہ اور لڑائیوں کی وجہ سے زم زم کے کنویں میں مٹی بھر گئی تھی اور بالآخر کنواں گم ہو گیا تھا اور لوگ پانی بیرونِ مکہ سے لاتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں کنویں کی جگہ تلاش کرائی، کھدوایا اور نئے سرے سے اسے حاجیوں کے لیے قابل استعمال کر دیا۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھیں گے تو ایک کو اللہ کے راستے میں قربان کر دیں گے۔ جب بیٹے جوان ہوئے تو قربانی کے لیے ان کو لے کر کعبہ میں آئے، قرعہ ڈالا کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا وہی قربان کیا جائے گا۔ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ آپ عبد اللہ کو ساتھ لیے قربان گاہ کی طرف چل نکلے۔ عبد اللہ کی بہنیں اور اعزاء ساتھ تھے جو رو رہے تھے۔ بہنوں نے کہا عبد اللہ کی جگہ دس اونٹ ذبح کر دیجیے، انہوں نے بحث مباحثہ اور اس دور کی معروف عرافہ کے مشورے کے بعد یہ مطالبہ مان لیا اور اب قرعہ اندازی اونٹوں اور عبد اللہ کے درمیان تھی تو انہوں نے دوبارہ پجاری سے کہا قرعہ ڈالو۔ اونٹوں اور عبد اللہ کے نام کا قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ پھر عبد اللہ کے نام نکلا۔ پھر اونٹ بیس کر دیے گئے اور دوبارہ قرعہ ڈالا گیا تو پھر عبد اللہ کا نام نکلا، اسی طرح تیس اونٹوں پر بھی عبد اللہ کا نام نکلا۔ وہ بتدریج دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے جاتے اور بار بار قرعہ ڈالتے لیکن قرعہ ہر مرتبہ عبد اللہ کے نام نکلتا تھا۔ جب عبد المطلب نے اونٹ سو کر دیے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اس طرح عبد المطلب

Marfat.com

نے سو اونٹ قربان کیے اور عبد اللہ بچ گئے۔

ایک روایت کے مطابق عبد المطلب کے دس بیٹے تھے اور بارہ بھی کہا جاتا ہے۔ پانچ بہت مشہور ہیں ابو لہب، ابو طالب، عبد اللہ، حمزہؓ اور عباسؓ۔

عبد اللہ کی شادی

عبد اللہ جب ذبح ہونے سے بچ گئے تو عبد المطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ عبد المطلب قبیلہ زہرہ کے ایک فرد وہب بن عبد مناف کے ہاں گئے اور ان کی صاحبزادی آمنہ کو اپنے بیٹے کے لیے مانگا۔ وہ اس وقت اپنے چچا کے پاس رہتی تھیں۔ منگنی ہوگئی اور شادی بھی طے پاگئی۔ اس کے ساتھ ساتھ خود عبد المطلب نے بھی ان سے اپنے لیے بیٹی کا رشتہ مانگا اس طرح دونوں رشتے طے پاگئے۔ عبد المطلب نے ہالہ بنت وہب سے اور عبد اللہ نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی اور باپ بیٹا ہم زلف بھی بن گئے۔ ہالہ کے بطن سے حمزہؓ پیدا ہوئے جو نبی کریم ﷺ کے ہم عمر تھے اور آمنہ کے بطن سے سید دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

شادی کے وقت عبد اللہ کی عمر سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی۔ عرب میں رواج تھا کہ شادی کے بعد دولہا تین روز تک سسرال میں رہتا۔ آپ بھی تین دن رہنے کے بعد واپس گھر آگئے۔ عبد اللہ بعد ازاں تجارتی اغراض سے شام گئے اور واپسی پر بیمار ہو کر یثرب میں رہ گئے۔ عبد المطلب کو معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو بھائی کی طرف بھیجا لیکن حارث سے ملاقات سے پہلے ہی عبد اللہ فوت ہو چکے تھے۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھے اس لیے ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ عبد اللہ کے ترکہ میں اُونٹ بکریاں اور ایک باندی تھی جو ام ایمن کی کنیت سے معروف ہیں جبکہ کہ اصل نام برکہ تھا۔ یہ سب ترکہ میں نبی کریم ﷺ کو ملیں۔[1]

---

1 قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۲ /۵۶۔

Marfat.com

خلاصہ

جزیرۃ العرب ایسے خطہ میں واقعہ ہے جہاں کے معاشی معاشرتی اور سیاسی حالات کئی صدیوں سے محفوظ چلے آرہے تھے۔ وہاں کی سیاسی و سماجی شخصیات، خاندان، تاریخ، ثقافت، معاشرت، مذاہب اور فنون کے بارے میں خاطر خواہ معلومات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ ہی کی برکت ہے کہ آپؐ سے صدیوں پہلے کے حالات بھی قاری کی نظر سے گزر جاتے ہیں۔ حجاز دنیا سے کٹا ہوا ریت کے سمندروں کے درمیان واقع ایک جزیرہ تھا جس کے اردگرد ایران، روم اور شام کی بڑی متمدن ریاستیں تھیں۔ اہل حجاز کا زیادہ تر انحصار تجارت پر تھا اس لیے ان ریاستوں تک بھی ان کی رسائی تھی۔ جغرافیائے عالم میں مکہ مکرمہ مرکزی نقطہ پر واقع ہے جس کی تصدیق دور جدید میں سائنسی بنیادوں پر ہو چکی ہے۔ اس جزیرہ میں ولادت باسعادت سے قبل متعدد مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے تھے۔ زیادہ مشہور مشرکین، یہود، نصاریٰ، صابی، مجوسی اور دہریے تھے تاہم قلیل تعداد میں حنفاء بھی تھے۔ خانہ کعبہ قریش کے مشرکین کے ہاتھ میں تھا۔ سیاسی حالات بھی تقریباً قریش کے قبضہ میں تھے۔ وہاں کی اقتصادیات پر بھی بڑی حد تک اسی قبیلہ کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ بتوں کو پوجتے تھے خانہ کعبہ میں بھی تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ کسی حد تک ان لوگوں میں دین ابراہیمی کے اثرات بھی موجود تھے۔

ان لوگوں میں بے شمار اخلاقی بیماریاں پھیل چکی تھیں۔ عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ قحبہ خانے اور لونڈیوں کا کاروبار عام تھا۔ سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیا جاتا تھا۔ یتیموں کا کوئی والی نہ تھا۔ بدامنی اور ظلم و ستم عروج پر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں میں بعض اچھی صفات بھی پائی جاتی تھیں جیسے بہادری، سخاوت، مہمان داری، وفائے عہد، خودداری اور سادگی وغیرہ۔

نبی ﷺ کا خاندان پشت در پشت مکہ میں مقیم تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ آپ کے خاندان میں فہر، قصی، ہاشم اور عبد المطلب نے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کے انتظام و انصرام اور تولیت کعبہ کا

Marfat.com

ریکارڈ موجود ہے۔ عرب قبائل میں بعض یہودی بھی شامل تھے جو دراصل باہر سے آئے تھے لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ حجازی بن گئے تھے۔ ان کی تحریروں میں موجود تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے جو اللہ کی شریعت کو اس دنیا میں نافذ کر دے گا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ الصلاۃ و السلام کی دعا کے طور پر ان کی اولاد میں سے اس سرزمین میں خورشید عالم طلوع ہوا۔

Marfat.com

باب دوم

ولادت باسعادت، بچپن، جوانی

Marfat.com

طلوع خورشید عالم

کسی بھی شخصیت کا سوانحی خاکہ تیار کرنا ہو تو اس کا آغاز اس کی ولادت سے کیا جاتا ہے، یا زیادہ سے زیادہ اس کی مساعی اور کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے اس زمانے کی اخلاقی و سیاسی حالات ذکر کر دیے جاتے ہیں لیکن نبی کریم، خاتم النبیین، حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ کا معاملہ ہی کچھ اور ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے آپؐ کے ذکر کو بلند فرمادیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۱)

اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کے وقت یہ دُعا مانگی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲)

اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایئے جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے، اور کتاب اور حکمت (دانائی) کی تعلیم دے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں جس رسول کا ذکر ہے، تمام مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

---

۱ سورۃ الم نشرح: ۴۔

۲ سورۃ البقرۃ: ۱۲۹۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (۱)

"اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اِن ناخواندہ لوگوں میں خود اِنہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مکہ میں نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمادیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً چھ سو برس پہلے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عہدِ نبوت میں اپنی امّت کو ایک رسول کی آمد کی بشارت دی، جسے قرآنِ حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۲)

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا: "اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہو گا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واضح پیشین گوئی کا ذکر ہے جو کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے آخری نبی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

۱ سورۃ الجمعہ: ۳۔

۲ سورۃ الصف: ۶۔

Marfat.com

اَنَا دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ وَبَشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیْ [1]

میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دُعا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔

اہل کتاب کے ہاں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ (قرآنِ حکیم کی روشنی میں)

نبی کریم ﷺ کے بارے میں اہل کتاب کو آپؐ کی ولادت باسعادت سے پیشتر ہی علم تھا کہ آپ ﷺ کہاں مبعوث ہوں گے اور کہاں ہجرت کریں گے؟ یہاں تک کہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اوصاف بھی کتبِ سابقہ میں موجود تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر ان اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ ۡ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ [2]

اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے، تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آپہنچی تو اس سے منکر ہوگئے۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل یہودی جب عرب مشرکین سے مغلوب ہوتے تو وہ دُعا کیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان جلد ظاہر ہوں تا کہ ہم ان کے ساتھ مل کر ان کافروں پر غلبہ حاصل کریں۔

امام طبری رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں کی ہے:

یہودی کہا کرتے تھے، عنقریب نبیِ آخر الزمانؐ ظاہر ہوں گے اور ہم

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱/ ۱۳۵، مکتبۃ الخانجی، القاہرۃ ۲۰۰۱ء۔

[2] سورۃ البقرۃ: ۸۹۔

Marfat.com

ان کے ساتھ مل کر تم پر غالب آئیں گے۔ عاصم بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ قبائلِ عرب میں ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا، یہ اس لیے کہ ہم یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے، وہ اہل کتاب، اور ہم بُت پرست تھے۔ وہ جب کبھی ہم سے مغلوب ہوتے تو کہتے کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے اور اس کا زمانہ آپہنچا ہے، اُس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ہم نے آپؐ کی پیروی اختیار کرلی اور یہودی منکر ہوگئے۔[1]

اہل کتاب کے ہاں نبی کریم ﷺ اس حد تک معروف تھے کہ روزمرہ کی زندگی میں بھی وہ آپؐ کی آمد اور بعثت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ[2]

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخرالزمان) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

یہاں ایک فرقہ اس لیے کہا گیا ہے، کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] دیکھیے، الطبری، ابوجعفر، جامع البیان عن تاویل آي القرآن: ۲/ ۲۳۵، دار هجر للطباعة والنشر والتوزیع والإعلان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م۔

[2] سورة البقرة: ۱۴۶.

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ [1]

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمی ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تحریفات کے باوجود، توراۃ وانجیل میں آج بھی کئی مقامات پر آپؐ کے بارے میں بشارتیں مذکور ہیں۔

اہل کتاب کے ہاں نبی کریم ﷺ کا تذکرہ (احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں)

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل بھی یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے بارے میں پڑھا کرتے تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی آمد کے بارے میں کیا تذکرے کرتے تھے، امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جب توراۃ میں مذکور نبی کریم ﷺ کے اوصاف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لموصوف فی التوراۃِ بِبَعْضِ صفتِهٖ فِی الْقُرْاٰنِ [2]

"ہاں! اللہ کی قسم قرآن پاک میں آپ ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض اوصاف خود توراۃ میں بھی موجود ہیں"۔

بخاری شریف کے حوالے سے توراۃ کے الفاظ کا ترجمہ ہے:

"آپؐ ان ناخواندہ لوگوں کی پناہ گاہ ہیں۔ آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپؐ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپؐ نہ تو تند خو اور سخت دل ہیں اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ آپؐ برائی کا جواب برائی سے دینے والے نہیں ہیں، بلکہ عفو ودرگزر کرنے اور بخش دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح کو اُس وقت تک

---

۱ سورۃ الاعراف: ۱۵۷۔

۲ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۱۲۵۔

Marfat.com

قبض نہیں کرے گا جب تک کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کج رو ملت کو سیدھا نہ کر لے اور وہ یہ کلمہ نہ پکارنے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جب تک اس کلمے سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غافل دلوں کو نہ کھول دے"۔ (۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انہیں عموریہ (مدینۃ القدس) کے ایک اہل کتاب (عیسائی) عالم نے نصیحت کرتے ہوئے کہا:

تجھے ایسے زمانے نے آلیا ہے، جس میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، جو دینِ ابراہیمی لے کر آئے گا، عرب کی سرزمین پر ظہور فرمائے گا۔ اس کا دارِ ہجرت ایسی سرزمین ہو گی جو دو حرّوں کے مابین ہے اور ان دونوں کے مابین نخلستان بھی ہے۔ اس کے پاس ایسی علامتیں ہوں گی جو چھپی نہ رہیں گی۔ وہ ہدیہ کھا لے گا، مگر صدقہ نہیں کھائے گا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت ہو گی۔ اگر تم اس سرزمین تک پہنچ سکو تو ضرور پہنچ جاؤ۔ (۲)

نبی کریم ﷺ کا خاندانی فضل و شرف

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ كُنْتُ فِیه (مِنْهُ) (۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو یکے بعد دیگرے ہر قرن کے بنی آدم کے بہترین طبقوں میں منتقل کیا جاتا

---

۱ ایضاً: ۲۱۲۵۔

۲ احمد بن حنبل، المسند، حدیث نمبر: ۲۳۷۳۷۔

۳ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۵۵۷۔

Marfat.com

رہا، یہاں تک کہ میں اس قرن میں پیدا کیا گیا"۔

بہترین طبقوں سے مختلف زمانوں کا ہر وہ طبقہ مراد ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد تھے۔ وہ اپنے اپنے عہد میں اپنی خاندانی شرافت اور انسانی فضل و کمال کے اعتبار سے ممتاز و نمایاں اور قابل تکریم و احترام رہے، جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں کنانہ اور ان کی اولاد، ان کے بعد کے عہد میں ہاشم اور ان کی اولاد۔ آپؐ کا سلسلہ نسب شروع سے لے کر اب تک نسل انسانی کے نہایت معزز افراد پر مشتمل ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

> میرے آباؤ اجداد، اپنے اپنے عہد و زمانہ کے وہ ممتاز و نمایاں افراد تھے جن کی ذات، خاندانی شرافت، سماجی عزت و شوکت، مجلسی تہذیب و متانت، قومی و وطنی مقبولیت نمایاں رہی ہے۔[1]

آپؐ کے آباؤ اجداد اور شجرۂ نسب بھی پاکیزہ ہے اور سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ قیصر روم نے ابوسفیانؓ سے پہلا سوال ہی نبی کریم ﷺ کے نسب کے متعلق کیا تھا کہ کیا وہ بڑے نسب والے ہیں؟ اُن کا جواب تھا کہ "حسب و نسب اور خاندانی شرف میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں"۔ قیصر روم نے کہا کہ " یہ نبی ہونے کی علامت ہے کہ ان کا خاندان (آباؤ اجداد) سب سے اعلیٰ اور اشرف ہے"۔ قیصر روم کا یہ بھی کہنا تھا کہ " پیغمبر ہمیشہ شریف خاندانوں ہی سے ہوا کرتے ہیں"۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ تک جس قدر آباؤ اجداد اور امہات سلسلۂ نسب میں شامل ہیں، وہ سب کے سب پاک دامن تھے۔

ہاتھی والوں کا واقعہ

جس سال نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اسی سال "اصحاب الفیل" کا

---

1 کتب سیرت و تاریخ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے مثال کے طور پر دیکھیے، الشامی، محمد بن یوسف، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۱/ ۲۳۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء۔

Marfat.com

واقعہ پیش آیا۔ اہل حبشہ یمن کو فتح کر کے وہاں کے حکمران بن گئے تھے۔ جب یہ ملک ابرہہ بن صباح کے قبضے میں آیا تو اس نے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا بنوایا جس کا نام قلیّس رکھا اور بڑی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل عرب کو کعبے کی مرکزیت سے ہٹا کر اس طرف لگا دیا جائے۔ یہ عمارت عربوں کو بہت گراں گزری، چنانچہ بنو کنانہ کے ایک شخص نے موقع پا کر اس میں غلاظت ڈال دی۔ جب ابرہہ کو معلوم ہوا تو وہ طیش میں آگیا اور قسم کھائی کہ وہ کعبہ کو ضرور منہدم کرے گا۔ چنانچہ وہ اس ارادے سے ایک بڑا لشکر لے کر طائف پہنچا۔ اس لشکر کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں ایک ہزار ہاتھی شامل تھے۔

چنانچہ ابرہہ ہاتھیوں سمیت اپنا لشکر لیے غرور میں بدمست بڑھتا چلا آرہا تھا کہ اچانک عذابِ الٰہی کا شکار ہوا۔ کعبہ پر حملہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ جھنڈ کے جھنڈ ابابیل پرندے چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لیے نمودار ہوئے اور اس لشکر پر کنکریاں پھینکنی شروع کر دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکر کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ الفیل میں فرمایا:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيْلٍ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور اس نے اُن پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان پر کنکر کے سنگ ریزے مارتے تھے۔ تو اللہ نے اُن کو ایسا کر دیا جیسا کہ کھایا ہوا بھُس۔

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن روز قبل پیش آیا۔

Marfat.com

ولادت باسعادت

۹ربیع الاوّل بروز سوموار ۵۳ قبل ہجری بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ عیسوی صبح کے وقت مکہ میں، عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں نبی کریم، حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی[1]۔ نبی کریم ﷺ کی دایہ حضرت امّ ایمنؓ تھیں۔ بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ ولادت کا وقت قریب آیا تو میرے پاس صرف دو عورتیں (حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف اور حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی والدہ) موجود تھیں۔ میں کیا دیکھتی ہوں کہ چند دراز قد عورتیں میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔ پوچھنے پر ایک نے اپنا نام آسیہ اور دوسری نے مریم بتایا، اُن کے ساتھ باقی جنت کی حوریں تھیں۔ بی بی آمنہ مزید فرماتیں کہ اپنے بچے کی ولادت کے وقت میں نے ایک نور دیکھا جس سے بصرہ اور شام کے محل روشن ہو گئے۔[2]

یہودی عالم کی گواہی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک یہودی عالم تجارت کی غرض سے رہتا تھا۔ جس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے، اُس نے قریش سے دریافت کیا کہ آج تم میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ اس یہودی عالم کو لوگوں نے بتایا کہ سردارِ مکہ کی بہو کے ہاں ایک بچہ کی ولادت ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ یہودی عالم آپؐ کو دیکھنے گیا۔ یہودی عالم نے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو اس نے کہا:

افسوس! بنی اسرائیل سے نبوت بھی گئی اور کتاب بھی گئی۔"

پھر اس نے قریش کو مخاطب ہو کر کہا:

---

1 مصر کے مشہور ریاضی دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل سے یہی تاریخ ثابت کی ہے نیز علامہ محمد سلیمان منصور پوری کی بھی یہی تحقیق دیکھیے۔

رحمۃ للعالمین: ۱/ ۳۸، ۳۹۔

2 البیہقی، دلائل النبوۃ: ۱/ ۸۰، مسند احمد: ۴/ ۱۲۷۔

Marfat.com

"یہ بچہ تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی"۔

بچہ عبد المطلب کی گود میں دیا گیا تو دادا نے صورت دیکھتے ہی خوش ہو کر پیش گوئی کر دی: اِنَّ لِابْنِیْ ھٰذَا لَشَانًا (میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہو گی) (1)

اسم مُبارک

والدہ ماجدہ بی بی آمنہ نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پا کر آپ ﷺ کا نام "احمد" رکھا تھا۔ عبد المطلب نے آپ کا نام "محمد" رکھا۔ آپ ﷺ کے آباؤ اجداد میں یہ نام کسی کا نہ تھا اس لیے لوگوں نے عبد المطلب سے یہ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

"مجھے امید ہے کہ تمام اہل زمین ہمیشہ اس کی مدح کریں گے"۔

محمد کا مادہ حمد ہے۔ حمد کے معنی تعریف کے ہیں۔ کسی کے اخلاقِ حمیدہ، اوصافِ و مناقب کو محبت و عقیدت کے ساتھ بیان کرنا حمد کہلاتا ہے۔ لفظ محمد کے معانی علماء نے یہ بیان کیے ہیں کہ وہ ذاتِ اقدس جس کے حقیقی فضائل و خصائل کو کثرت کے ساتھ بار بار بیان کیا جائے۔

رضاعت

نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کے علاوہ آپؐ کو دودھ پلانے کا شرف ثُویبہ، خولہ، اُمّ ایمن اور حلیمہ سعدیہ کو بھی حاصل ہوا۔ ثویبہ جو کہ آپ کے چچا ابو لہب کی لونڈی تھیں، انہوں نے ابو لہب کو بی بی آمنہ کے لختِ جگر کی ولادت کی خوشخبری سُنائی تو اس نے اُن کو خوشی سے اُسی وقت آزاد کر دیا۔ بی بی آمنہ کے بعد ثویبہ دوسری خاتون تھیں جنہیں نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، اسی بنا پر حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا ہونے کے ساتھ رضاعی

---

1 الصالحی، محمد بن یوسف ۹۴۲ھ سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۲/ ۱۲۹ دارالکتب العلمیۃ۔ بیروت ۱۴۱۴ھ۔

Marfat.com

بھائی بھی تھے۔

حلیمہ سعدیہ کا مقدّر

اُس زمانے میں رواج تھا کہ شہر کے شرفاء شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبوں اور دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے۔ یہ رواج اِس غرض سے تھا کہ بچوں میں فصاحت کا جوہر پیدا ہو سکے جس سے عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔ اِس دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ عورتیں دیہات سے شہر میں آیا کرتی تھیں اور شہر کے لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حارث کے ہمراہ روانہ ہوئی، میری اونٹنی کمزور تھی جب کہ ایک لاغر گدھی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ اونٹنی ایک قطرہ تک دودھ نہ دیتی تھی۔ ہم بھوک کی وجہ سے رات بھر نہ سوئے۔ اور فرماتی ہیں کہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہیں تھا کہ ایک بچہ سیر ہو سکتا، یہی وجہ تھی کہ میرا بچہ ساری رات بلبلاتا، نبی کریم ﷺ کو تمام عورتوں نے دیکھا لیکن انہوں نے یتیم ہونے کی بنا پر قبول نہیں کیا۔ حلیمہ سعدیہ اپنی کمزور سواری کی وجہ سے مکہ دیر سے پہنچیں۔ تمام عورتوں نے کھاتے پیتے گھرانوں سے بچے لے لیے تھے، صرف ایک بچہ رہ گیا تھا، وہ تھا آمنہ کا دُرِّ یتیم۔ حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اسی یتیم کو لے چلیں، شاید اللہ تعالیٰ اس کی بدولت خیر و برکت دے دے۔ یہ فیصلہ کر کے حلیمہ سعدیہ عبد المطلب کے گھر پہنچیں۔ حلیمہ کی ملاقات نبی کریم ﷺ کی والدہ بی بی آمنہ سے ہوئی اور اُن سے کہا: "ذرا بچہ تو دکھائیں"۔ حلیمہ سعدیہ شہادت دیتی ہیں کہ جس کمرے میں ننھے نبی کریم ﷺ تھے، جب میں اس میں داخل ہوئی تو خوشبو کا ایک جھونکا آیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جنت کے دروازے کھل گئے ہوں۔ نبی کریم ﷺ سفید کپڑے میں لپٹے سو رہے تھے۔ کہتی ہیں میں نے اتنا حسین و جمیل بچہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے آمنہ سے کہا کہ بہن میں نے ایسا حسین بچہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے بچے کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، آپؐ نے بند آنکھیں تبسّم کے ساتھ کھولیں۔ فرماتی ہیں کہ جونہی میں نے بچے کو اپنی چھاتی سے لگایا، میری سوکھی

Marfat.com

چھاتیوں میں دودھ اُتر آیا۔ بچے نے میری دائیں چھاتی سے دودھ پیا، جب میں نے بائیں طرف کیا تو میری کوشش کے باوجود دودھ نہیں پیا۔ ننھے یتیم ابن عبد اللہ کی فطرت ہی میں باری تعالیٰ نے عدل رکھ دیا تھا، حلیمہ سعدیہ کو نہایت حیرت تھی کہ اس نے کبھی دونوں چھاتیوں کو منہ نہ لگایا بلکہ ایک چھاتی ہمیشہ اپنے رضاعی بھائی کے لیے چھوڑ دی۔ حلیمہ سعدیہ کے خاوند، یعنی نبی کریم ﷺ کے رضاعی والد کا نام حارث ابن عبد العزیٰ ہے، جب کہ آپؐ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام عبد اللہ، انیسہ، حذیفہ اور حذافہ (جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں) ہیں۔[۱]

ھوازن (بنی سعد) کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

> میں تم سب میں فصیح تر ہوں، کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔[۲]

پہلی رات

حلیمہ سعدیہ، بی بی آمنہ کے لختِ جگر کو لے کر اپنے خیمے میں آگئیں۔ شام کو اُن کے شوہر حارث اپنی اونٹنی سے دودھ دوہنے کے لیے اُٹھے تاکہ جو تھوڑا بہت دودھ حاصل ہو جائے، اُسے غنیمت سمجھا جائے۔ یہ دیکھ کر اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی حلیمہ کو پکار کر کہا کہ یہ بچہ بڑا سعادت مند ہے، ہماری قسمت جاگ اُٹھی۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ ہم سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ آج ہماری زندگی کی پہلی رات تھی جو ہم نے سکون کے ساتھ سو کر گزاری۔

اُونٹنی کی تیز رفتاری

تین دن کے قیام کے بعد حلیمہ نبی کریم ﷺ کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ

---

۱ ایضاً: ۱۱ / ۱۶۲۔

۲ طبقات ابن سعد: ۱/ ۹۱۔

Marfat.com

ہوئیں۔ سواری ایسی برق رفتاری سے چلنے لگی کہ حلیمہ کی ہم جولیوں نے جو بچے لے کر بہت پہلے چل چکی تھیں، اپنے پیچھے تیز رفتار اونٹنی دیکھی تو حیران رہ گئیں۔ جب حلیمہ ان کے قریب پہنچیں تو ان عورتوں نے پوچھا، حلیمہ! کیا سواری بدل لی ہے؟ کہا، سواری نہیں سوار بدل گیا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی برکات تھیں کہ جس سواری پر بیٹھے، وہ سواری فضیلت پاگئی۔ جس انسان نے دامانِ نبی کریم ﷺ تھاما، وہ فضیلت پا گیا۔ حلیمہ سعدیہ کی سواری پہلے چلنے والی سواریوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اُن سے پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ گئی۔

نصیبوں کی بات

قحط اور خشک سالی کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کا سارا علاقہ بنجر ہو گیا تھا۔ جانور لاغر اور کمزور ہو چکے تھے، ان میں دودھ ختم ہو گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے وجودِ پاک کی برکت سے حلیمہ کی زمینیں شاداب ہو گئیں۔ بغیر بارش اور پانی کے گھاس اُگنے لگی، ہر طرف سبزہ رنگ دکھانے لگا۔ بکریاں شام کو واپس آتیں تو اُن کے پیٹ بھرے ہوتے اور اُن کے تھنوں سے دودھ ٹپکتا۔

شَیما کی خوش نصیبی

حلیمہ کا گھرانہ کل چھ افراد پر مشتمل تھا۔ آپ کی بیٹی شَیما، نبی کریم ﷺ کی دیکھ بھال میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی، ہر طرح سے آپؐ کا خیال رکھتی، نہلاتی، کپڑے پہناتی، آنکھوں میں سرمہ لگاتی اور کھلاتی پلاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کچھ بڑے ہوئے تو اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ مانوس ہو گئے۔ ایک مرتبہ کھیلتے کھیلتے شیما نے نبی کریم ﷺ کو تنگ کیا تو آپؐ نے شیما کے کندھے پر اس زور سے کاٹا کہ دانتوں کے نشان پڑ گئے۔ یہ کاٹا نصف صدی بعد شیما کے لیے باعثِ رحمت بن گیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ ھوازن میں شیما اپنے قبیلہ کے چھ ہزار افراد کے ہمراہ قیدی بن کر آئی۔ شیما نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو انہیں دربارِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نظریں جھکائے بیٹھے تھے کہ شیما نے باآوازِ بلند کہا: ”میرے بھائی! نظر اُٹھا کر دیکھو، میں تمہاری بہن شیما ہوں“ اور ثبوت کے طور پر اپنے کندھے سے کپڑا ہٹایا اور وہ زخم دکھایا جو بچپن میں نبی کریم ﷺ کے کاٹنے سے

Marfat.com

لگا تھا۔ آپؐ نے یہ نشان دیکھا تو اپنی رضاعت کا زمانہ یاد آ گیا، آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فوراً اُٹھے، اپنے کاندھوں سے کمبلی اُتاری اور رحمت کی یہ چادر زمین پر بچھا کر حلیمہ کی بیٹی اور اپنی رضاعی بہن کو اس پر بٹھایا۔ شیما نے آپؐ سے کہا کہ میرے قبیلہ کے چھ ہزار افراد قید میں ہیں، میں اُن کو چھڑانے کے لیے اپنے پیارے بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ نبی کریم ﷺ سارے قیدی اور مال غنیمت تقسیم کر چکے تھے، آپ نے صحابہؓ کے سامنے اعلان کیا کہ بنی ھوازن کے وہ قیدی جو میرے حصہ میں آئے ہیں، واپس کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مہاجرین و انصار نے بھی آپؐ کی تقلید میں نہ صرف قیدیوں کو واپس کر دیا بلکہ مال غنیمت بھی لوٹا دیا۔ شیما نے نبی کریم ﷺ کا یہ اندازِ کرم دیکھا تو اپنے ہزاروں قبیلہ والوں کے ساتھ آپؐ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا۔[۱]

نبی کریم ﷺ کے بچپن میں ابتدائی کلمات

بی بی حلیمہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی جسمانی نشو و نما بڑی تیزی سے ہوئی کہ جب آپؐ ایک برس کے تھے تو دو برس کے معلوم ہوتے تھے۔ جب دو برس کے ہوئے تو جسمانی طور پر آپؐ چار برس کے لگتے تھے۔ حلیمہ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد، تقریباً دو یا اڑھائی سال کی عمر مبارک میں جب آپؐ نے بامعنی جملے بولنے شروع کیے تو سب سے پہلے جو بول آپؐ کی زبان سے نکلے، وہ یہ تھے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا[۲]

انوکھا بچپن

نبی کریم ﷺ کی پاکیزگی اور طہارت کے بارے میں حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب تک آپؐ ان کے پاس رہے ہیں، کبھی کوئی نجاست جسم اطہر پر یا کپڑوں پر نہیں دیکھی۔ رفع حاجت کے لیے آپؐ کے اوقات متعین تھے۔ دوسرے بچوں کی طرح نہ روتے تھے اور نہ

---

۱ البیہقی احمد بن الحسین (۴۵۸)ھ دلائل النبوۃ: ۵/ ۱۹۹، دار الریان للتراث ۱۴۰۸ھ

۲ سبل الھدی والرشاد: ۱/ ۳۳۹۔

Marfat.com

تنگ کرتے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے جب تک ستر کپڑے سے ڈھانپ نہ دیا جاتا، آپؐ کو چین و سکون نہ ملتا تھا۔ حلیمہ فرماتیں کہ آپؐ منفرد اور انوکھے بچے کی حیثیت سے میرے پاس رہے۔ میں آپؐ کے کمالات دیکھ کر حیران رہ جایا کرتی تھی۔ اتنی خوبیوں اور محاسن والا بچہ اس سے قبل میں نے نہیں دیکھا تھا۔ جب کبھی ان کا چہرہ مبارک دھونے کے لیے پانی لاتی تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی کہ آپؐ کا چہرہ اس طرح ہوتا گویا ابھی کوئی دھو کر گیا ہے۔ آپؐ کا چہرۂ انور پھول جیسا شگفتہ اور شبنم جیسا شفاف ہوتا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے مال مویشیوں میں برکت

دودھ چھڑانے کے بعد حلیمہ نبی کریم ﷺ کو آپؐ کی والدہ کے پاس لے گئیں حلیمہ کے اصرار پر بی بی آمنہ نے آپؐ کو حلیمہ کے ساتھ دوبارہ واپس کر دیا۔ حلیمہ کے ساتھ آپؐ کو بے انتہا محبت تھی۔ جب عمر مبارک تقریباً تین برس کی ہوئی تو آپ کے شوق کے باعث آپؐ کو بھی اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کی اجازت دے دی گئی۔ آپؐ کا بکریوں کے ساتھ چراگاہوں میں جانے کا سلسلہ شروع ہوتے ہی حلیمہ کی بکریوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ دودھ دینے والی بکریاں زیادہ دودھ دینے لگیں، چراہ گاہوں کی ہریالی بڑھنے لگی اور بنو سعد خوش ہو گئے:

واقعہ شقِ صدر

جب آپؐ کی عمر مبارک تین یا چار سال ہوئی اور بعض روایات کے مطابق چار سال مکمل ہوئے تو واقعہ شقِ صدر پیش آیا۔ آپؐ نے اپنے صحابہ کرام کی مجلس میں خود اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ کسی صحابیؓ نے آپؐ سے بچپن کے حالات سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنا بچپن کا زمانہ بنی سعد میں گزارا اور فرمایا کہ ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے وادی میں جا رہا تھا کہ انسانی شکل میں چند فرشتے جن کے ہاتھوں میں سونے کے تھال تھے اور ان میں برف تھی، اُنہوں نے مجھے پکڑ کر لٹایا اور میرا سینہ چاک کر دیا۔ میرے رضاعی بھائی نے یہ منظر دیکھا تو بھاگا ہوا گھر پہنچا، ماں کو بتایا کہ میرے قریشی بھائی کو چند آدمیوں نے زمین پر لٹا کر اُس کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ حلیمہ نے سنا

Marfat.com

تو بھاگتی ہوئی اس جگہ پہنچیں۔ میں وہاں سہما ہوا کھڑا تھا۔ حلیمہ نے مجھے فوراً اپنے سینے سے لگایا اور پوچھا کیا ہوا؟ میں نے اُنہیں بتایا کہ اس طرح تین آدمیوں نے میرا سینہ چاک کیا، میرا قلب نکالا اور اس میں سے سیاہ نقطہ نکال کر باہر پھینک دیا۔ پھر میرے قلب کو برف کے ساتھ دھویا۔ یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا، اچانک ایک نورانی مہر اُس کے ہاتھوں میں آگئی۔ اُس نے جیسے ہی مہر میرے دل پر لگائی، میرا دل نور سے منور ہو گیا۔ میں نے ایک عجیب و غریب لذت، ٹھنڈک اور راحت محسوس کی، اس کا اثر میرے دل پر عرصہ دراز تک رہا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے پیٹ کو برف سے دھویا اور صاف کیا۔[1]

یہود کا قافلہ

یہودی آپؐ کو جہاں بھی دیکھتے، آپؐ کا بغور مشاہدہ کرتے۔ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ بنو سعد کی آبادی سے چند یہودیوں کا گزر ہوا تو میں نے بچے کے عجیب و غریب حالات بیان کیے۔ یہ سن کر ایک یہودی نے کہا کہ اس بچے کو قتل کر ڈالو۔ اتنے میں دوسرے نے پوچھا، کیا اس بچہ کا باپ زندہ ہے؟ کیونکہ ہمارے علم کے مطابق نبی آخر الزمان یتیم پیدا ہو گا۔ اس پر حلیمہ ڈر گئیں اور حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ اس بچے کا باپ ہے، جس پر یہود نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی مکہ واپسی اور گم شدگی

حلیمہ سعدیہ نبی کریمؐ کو لے کر مکّہ معظمہ تشریف لے گئیں تاکہ آپؐ کو آمنہ کے حوالے کر آئیں۔ جب وہ مکہ پہنچیں تو ایک جگہ قیام کیا۔ نبی کریم ﷺ کو بٹھایا اور خود کسی کام میں مصروف ہو گئیں۔ جب پلٹیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپؐ وہاں موجود نہیں ہیں۔ سخت پریشانی کے عالم میں آپؐ کو تلاش کرتی رہیں اور گریہ وزاری کرتی رہیں۔ بعد ازاں اسی حالت میں عبد المطلب کے پاس پہنچیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ عبد المطلب نے قریش کے

---

[1] الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/۳۸۹۔

Marfat.com

ہمراہ آپؐ کو تلاش کیا اور نہ ملنے پر بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، طواف کیا اور بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی۔ روایت ہے کہ ندائے غیب آئی کہ محمد کا رب انہیں ضائع نہیں کرے گا، وہ وادی تہامہ میں شجر یمن کے پاس ہیں۔ عبدالمطلب وہاں پہنچے تو نبی کریم ﷺ وہیں موجود تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی گمشدگی کے بعد ورقہ بن نوفل اپنے ایک ساتھی کے ساتھ آپؐ کو لے کر عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ وہی عیسائی راہب ورقہ بن نوفل تھے، جنہوں نے سب سے پہلے امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔

بی بی آمنہ کا انتقال

عمر مبارک، جب چھ برس ہوئی تو بی بی آمنہ نے آپؐ کو اپنے پاس بلوالیا اور آپؐ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے مرحوم شوہر عبداللہ کی قبر دیکھنے مدینہ (یثرب) تشریف لے گئیں۔ ان کے ساتھ امّ ایمن بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے دادا کے ننہال بنی نجار، یثرب میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ واپسی پر بیمار ہوگئیں مکہ اور مدینہ کے درمیانی علاقے ابواء پہنچ کر بیماری شدت اختیار کرگئی اور اُسی ویران اور چٹیل علاقے میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ اجنبیت اور سفر میں ماں کا عظیم ترین سہارا بھی ختم ہوگیا اور وہاں سے آپ صرف چھ سال کی عمر میں ام ایمن کے ساتھ مکہ واپس پہنچے۔

Marfat.com

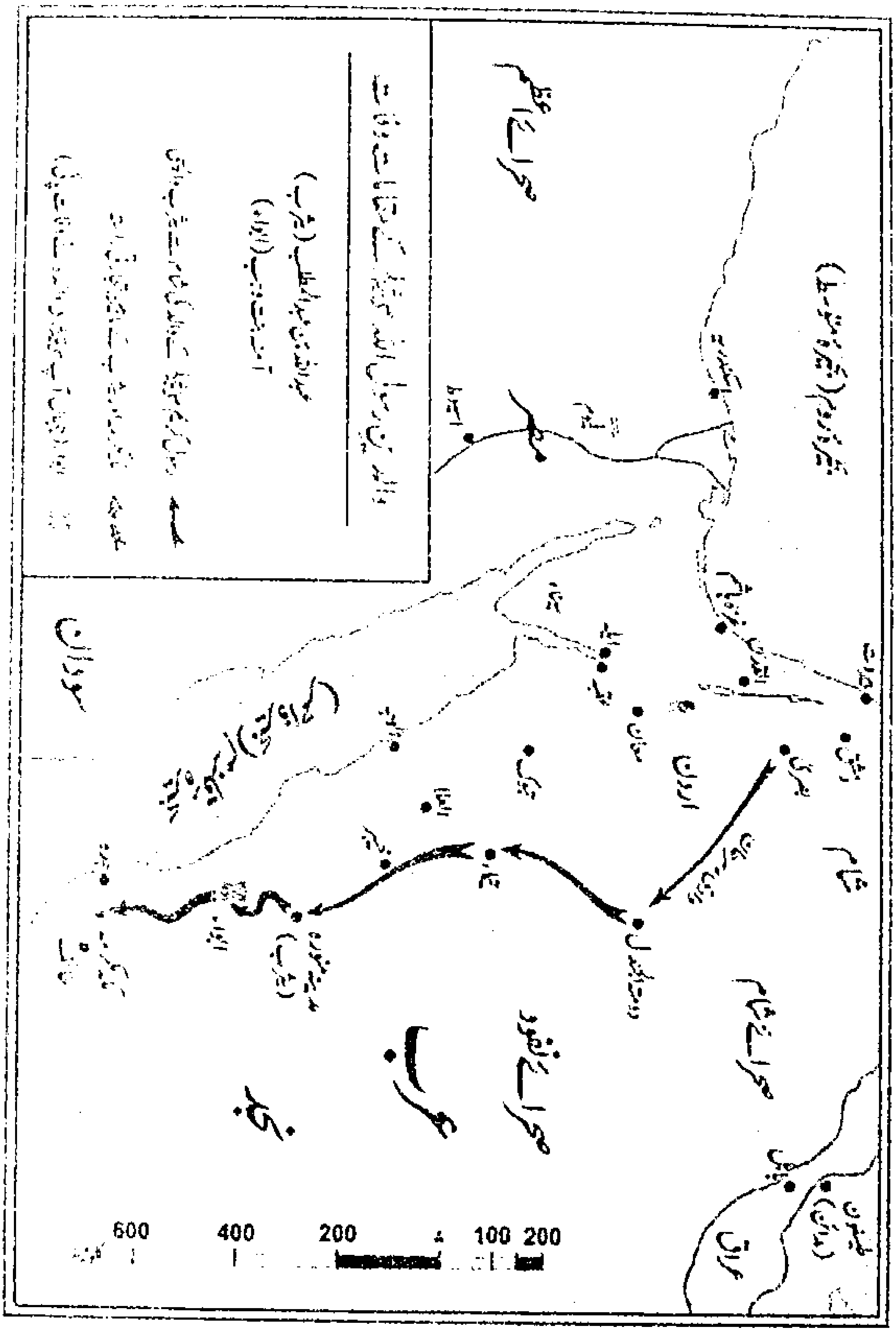
والدین رسول اللہ ﷺ کے مقامات وفات
عبداللہ بن عبدالمطلب (یثرب)
آمنہ بنت وہب (ابواء)
بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط)
شام
دمشق
بصریٰ
صحرائے شام
عراق
طیسفون (مدائن)
بابل
اردن
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
عرب
نجد
تیماء
تبوک
معان
خیبر
مدینہ منورہ (یثرب)
ابواء
مکہ مکرمہ
طائف
جدہ
سوڈان
مصر
صحرائے اعظم
اسیوط
القدس
غزہ ہاشم
اسکندریہ
600 400 200 100 200

اُمّ ایمنؓ کی سعادت مندی

امّ ایمنؓ نبی کریم ﷺ کو لے کر مکہ واپس آئیں۔ اُنھوں نے نبی کریم ﷺ کی بہت زیادہ خدمت کی، یہاں تک کہ آپ انہیں اپنی ماں کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ان کا شمار ایسے خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔

آشوبِ چشم

عمر مبارک جب سات برس ہوئی، تو آپؐ کو آشوبِ چشم ہو گیا۔ عکاظ کے پاس ایک راہب رہتا تھا اور آنکھوں کے علاج کے لیے مشہور تھا۔ عبد المطلب آپؐ کو اِس راہب کے پاس لے گئے۔ راہب نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ لڑکا تو ہو بہو وہی ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام خِلُّو محمد یم کا لقب دے چکے تھے۔ اس نے عبد المطلب سے کہا کہ اس بچے کا خاص خیال رکھنا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے اس کو ایک عظیم الشان کام کے لیے پیدا کیا ہے، جو کام سابقہ انبیاء انجام دیتے تھے۔

دادا کا انتقال

دادا عبد المطلب نے نبی کریم ﷺ کو کفالت میں لے لیا۔ وہ ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک جب آٹھ برس دوماہ دس دن تھی تو آپؐ کے دادا عبد المطلب نے بھی وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔ حضرت اُمّ ایمن سے روایت ہے کہ جب عبد المطلب کا جنازہ اُٹھا تو نبی کریم ﷺ جنازہ کے پیچھے پیچھے روتے جا رہے تھے۔ عبد المطلب نے وفات کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو نبی کریم ﷺ کی کفالت کا ذمہ دار بنایا۔

ابو طالب کی آغوش میں

عبد المطلب کی مختلف بیویوں میں سے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے نبی کریم ﷺ کے والد عبد اللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے جناب عبد المطلب نے نبی کریم ﷺ کو ابو طالب ہی کے سپرد کیا۔ جناب ابو طالب نبی کریم ﷺ سے اس قدر

Marfat.com

محبت کرتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آپ ﷺ کو ساتھ لے کر سوتے، اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ ابو طالب تمام بنو عبدالمطلب میں سب سے کم آمدنی اور زیادہ خرچ والے تھے۔ عبد المطلب کے مذہبی اور سیاسی جانشین ہونے کی وجہ سے علاقے میں بااثر شخصیت کے مالک تھے، لیکن فقر وفاقہ نے بھی ان کے ہاں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

بتوں سے نفرت

اس زمانے میں قریش بوانہ نامی ایک بت کے گرد بیٹھ کر ایک پورا دن اور رات اس کی پرستش میں گزارتے تھے اور تبرک کے لیے اس کو چھوتے اور قربانیاں پیش کرتے تھے۔ آپؐ کی عمر اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اب آپؐ کو بھی اس مذہبی رسم میں شریک ہونا چاہیے تھا۔ ابو طالب نے آپؐ کو ساتھ لے جانا چاہا، آپؐ نے جانے سے انکار کر دیا۔ لوگ زبردستی آپؐ کو ساتھ لے گئے۔ بت کے قریب جانے ہی کو تھے کہ آپؐ کی حالت غیر ہو گئی اور بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ بعد میں آپؐ نے اپنے چچاؤں کو بتایا کہ میں نے گورے رنگ کے ایک لمبے مرد کو دیکھا کہ وہ مجھے ڈانٹ رہا ہے اور کہتا ہے کہ محمد! دُور ہی رہنا، قریب نہ آنا، اسے ہرگز نہ چھونا۔ لوگ آپؐ کو اُٹھا کر گھر لے آئے۔ پھر کسی نے آپؐ کو ایسی رسموں میں شرکت کے لیے نہیں کہا۔

دوسرا واقعہ شقِّ صدر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک روز نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا چیز آپؐ نے سب سے پہلے دیکھی۔ آپؐ نے فرمایا:

> ”میری عمر دس سال اور چند ماہ تھی اور میں ایک صحرا میں تھا، مجھے دو شخص نظر آئے، ان جیسے چہرے اور ان جیسا لباس میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ان کے بدن سے ایسی خوشبو پھیلتی تھی جو میں نے کبھی نہ سُونگھی تھی۔ ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ شخص وہی ہے؟ پھر ایک نے کہا کہ اس کا سینہ چاک کرو، دوسرے نے سینہ چاک کیا لیکن

Marfat.com

مجھے چیر نے پھاڑنے کا درد محسوس نہ ہوا اور نہ خون نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے اندر سے غل و حسد یعنی کینہ اور حسد نکال دو۔ اس نے جمے ہوئے لہو کا ایک لوتھڑا سا نکال کر پھینک دیا۔ پھر پہلے نے کہا کہ اس کی جگہ شفقت و رحمت رکھ دو۔ اس نے چاندی جیسی ایک چیز اندر رکھ دی۔ پھر دونوں نے میرے پاؤں کے انگوٹھے کو جھٹکا دیا اور کہا کہ اٹھ کر دوڑو، میں اٹھ کر دوڑا۔ اس کے بعد میں اپنے دل میں ہر چھوٹے پر ترس اور بڑے پر رحم محسوس کرنے لگا"۔[1]

یہ تھا آپؐ کا سب سے پہلا احساس، جسے بعد میں آپؐ نے امر نبوت کا پہلا شعور قرار دیا۔

نبی کریم ﷺ کا سینہ مبارک چار مرتبہ چاک کیا گیا اس کے پیش نظر کیا حکمتِ خداوندی تھی، اس پر اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ اوّل بچپن میں شق صدر کیا گیا جب کہ آپؐ کی عمر مبارک تین سال تھی تاکہ کھیل کود اور طفولیت کا شوق و رغبت نکل جائے۔ دوسری مرتبہ جنگل میں جب کہ عمر مبارک دس سال کی تھی تاکہ زمانۂ شباب کی بے ہنگم سوچ ختم ہو جائے۔ تیسری بار غارِ حرا میں جب کہ نبوت ملنے کا وقت قریب آیا تاکہ آپؐ کے اندر وحی خداوندی کے انوار و برکات برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ چوتھی مرتبہ معراج کی رات میں تاکہ آپؐ کے قلب مبارک میں عالم ملکوت کی سیر، عالمِ ارواح اور تجلیات کا مشاہدہ کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔

شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات

جناب ابو طالب کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا کہ سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک تقریباً بارہ برس ہو گی کہ ابو طالب نے حسبِ دستور شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکالیف یا کسی اور وجہ سے وہ

---

1 صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۶۴۔

Marfat.com

آپ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب وہ چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ جب ابو طالب بصریٰ[1] پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ پر اترے۔ اس خانقاہ کا نام "دیر بحیرا" تھا اور اسے "بحیرا" کہا جاتا تھا۔ اس راہب کا نام "جرجیس" تھا۔ وہ نسلاً عرب تھا اور بنو عبد القیس میں سے تھا۔ اس راہب نے کہا کہ جب تم پہاڑ سے اُترے تو اس بچے کے لیے تمام درخت اور پتھر سجدے میں گر گئے۔ میں نے دیکھا کہ اس لڑکے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ بعد ازاں یہ کارواں درخت کے نیچے رُکا اور تمام لوگ درخت کی گھنی چھاؤں میں بیٹھ گئے جب کہ یہ لڑکا جگہ نہ ملنے کی وجہ سے دھوپ ہی میں بیٹھ گیا، تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کی شاخیں اس لڑکے پر جھک کر سایہ کرنے لگیں۔ اس راہب نے آپ کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ آنکھ، کان، ناک پر غور کرنے کے بعد پشت کھولنے کے لیے کہا۔ پشت مبارک پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو پہچان لیا اور اس کا بوسہ لیا۔ اس راہب نے آپ سے مختلف باتیں پوچھیں، خصوصاً آپ کی نیند کا حال پوچھا۔ سوال کرتے وقت اُس نے آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دی کہ جو پوچھوں ٹھیک ٹھیک بتانا۔ آپ نے لات و عزیٰ کے نام سے سخت نفرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے ان بتوں اور دیوتاؤں سے سخت نفرت محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس راہب نے جناب ابو طالب سے پوچھا کہ اس لڑکے سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ ابو طالب آپ کو اپنے حقیقی بیٹے کے طور پر بتاتے رہے، لیکن اس راہب نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ شخص وہی ہے، جو میں خیال کرتا ہوں تو اس کے ماں باپ میں سے کسی کو بھی اس وقت زندہ نہ ہونا چاہیے۔ تب ابو طالب نے اپنا صحیح رشتہ بتایا اور آپ کے حالات سنائے۔ اس راہب نے کہا! بالکل ٹھیک، ابو طالب میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے بھتیجے کو لے کر فوراً مکہ واپس چلے جاؤ کیونکہ

---

[1] بُصریٰ شام کا ایک شہر اور حوران کا دارالحکومت تھا جو اس وقت رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا

Marfat.com

تمہارے بھتیجے کو بڑی شان حاصل ہونے والی ہے۔ اگر اس کو یہود نے دیکھ لیا اور وہ بات جان لی جو میں جان گیا ہوں، تو وہ اسے مار ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

یہود کی بحیرا سے ملاقات

روایت ہے کہ جب جناب ابو طالب آپؐ کو واپس لے جا چکے، تو بعض یہودی بھی وہاں سے گزرے اور وہ بحیرا سے ملے۔ آپؐ کا ذکر ہوا تو انہوں نے باتوں باتوں میں اپنے ارادۂ قتل کو ظاہر کیا۔ بحیرا نے ان کو سمجھایا کہ اس ارادہ سے باز آؤ کیونکہ اگر واقعی یہ لڑکا وہی ہے، تو تم اس کو قتل نہ کر سکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر قتل کی وجہ کیا ہے؟ اس راہب کے سمجھانے سے وہ یہودی مان گئے اور انہوں نے آپؐ کا پیچھا نہ کیا۔ [1]

بارش کے لیے دُعا

ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑا، خشک سالی طویل ہو گئی اور لوگ پریشان حال تھے۔ آخر سب جمع ہو کر جناب عبد المطلب کے پاس آئے۔ عبد المطلب اہل مکہ کو لے کر ایک پہاڑ پر اجتماعی دُعا کے لیے گئے۔ عبد المطلب نے نبی کریم ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے رحمت بھری اور طلب گار نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا، ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھے، لوگ پہاڑ سے اُترنے بھی نہ پائے تھے کہ بادل چھا گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعا سے ابرِ رحمت خوب برسا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ ابو طالب کے زمانے کا ہے۔ جناب ابو طالب اہل مکہ کو لے کر کعبۃ اللہ میں حاضر ہوئے، آپ کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی تھے۔ آپؐ نے پشت مبارک کعبۃ اللہ کے ساتھ لگائی اور اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے آپ پھیلا دیے اور دُعا کی، یہاں تک کہ بارش شروع ہو گئی اور سارا مکہ جل تھل ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ کا بکریاں چرانا

نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب پر بوجھ بننا مناسب نہ سمجھا۔ ایک روایت

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۰۔

کے مطابق آپؐ بکریاں چرایا کرتے تھے اور اُس سے جو اُجرت حاصل ہوتی وہ چچا کو دے دیتے۔ صبح ہوتی تو بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلّے لے کر نبی کریم ﷺ صحرا اور ویران وادیوں میں نکل جاتے۔ قدرتی مناظر اور فطرت کا نظارہ کرتے۔ چڑھتا سورج، دہکتا ہوا صحرا، نرم گرم ریت، بلند پہاڑ، کھلی وادیاں اور سرسبز باغات خالق دوجہاں کی تخلیق کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتے۔ نبی کریم ﷺ پہروں فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کرتے۔ شام کے وقت نبی کریم ﷺ اپنے ریوڑوں کے ساتھ واپس گھر تشریف لے آتے۔ تاریخ انبیاء سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بکریاں چرانے کا کام کیا۔ نبیوں کا بکریاں چرانا مصلحتِ خداوندی کے تابع ہے اور یہ دراصل داعی کی تربیت کا حصہ ہے کیونکہ سب سے زیادہ تنگ اور پریشان کرنے والا جانور بکری ہے۔ بکری کی فطرت ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں چرتی بلکہ پل بھر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔ چرواہے کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے ریوڑ کی کڑی نگرانی رکھے تاکہ کوئی بھیڑیا حملہ کر کے کسی بکری کو نقصان نہ پہنچائے۔ چنانچہ چرواہا اسی فکر میں ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں رہتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ تمام ریوڑ ایک ساتھ رہے۔

سفر تجارت کا آغاز

۱۵ برس کی عمر مبارک تک آپؐ بکریاں اور اونٹ اُجرت پر چراتے تھے اور یہی آپؐ کا ذریعۂ معاش تھا۔ جب آپؐ کی عمر مبارک سولہ برس ہوئی، تو آپؐ نے تجارت میں حصہ لینا شروع کیا۔ سب سے پہلا تجارتی سفر آپؐ نے اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ہمراہ یمن کی طرف کیا۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھیوں نے بہت کامیاب تجارت کی۔

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سفر تجارت

نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بیس برس تھی تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ملک شام کی طرف بغرض تجارت سفر کیا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ اس سفر میں ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے، حضرت ابو بکرؓ کسی ضرورت سے آپؐ سے الگ تھے، اُدھر سے ایک راہب آرہا تھا۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ

Marfat.com

سے پوچھا کہ وہ شخص جو درخت تلے بیٹھا ہے، اس کا کیا نام ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ راہب نے کہا: بالکل ٹھیک ہے، ان کو محمد ہی ہونا چاہیے۔ غالباً اس نے بھی آپؐ کو صورت اور حلیہ مبارک دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کا "خلو محمد یم" ہی ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور حربِ فجار

عرب میں مکہ معظمہ کو خانہ کعبہ کی بدولت مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ حج کے دنوں میں قبائل عرب یہاں جمع ہوتے اور ایک پُر رونق میلہ ہوتا۔ بنی کنانہ کے ایک شریر شاعر نے جس کا نام بدر بن معشر تھا، بھرے میلے میں زبان و بیان کا جادو جگایا اور جذبات میں کچھ اس حد تک بڑھ گیا کہ سارے مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ "میں عرب کا سب سے زیادہ معزز آدمی ہوں۔ اگر کسی کو مجھ سے زیادہ معزز ہونے کا دعویٰ ہو تو تلوار کی دھار اس کا فیصلہ کرے گی"۔ مجمع میں سے ایک اور نوجوان نے جس کا نام احمر بن مازن تھا، یہ چیلنج سنا تو آگے بڑھ کر اس پر وار کیا جس پر سارا میلہ درہم برہم ہو گیا۔ اس کے بعد بڑوں نے مل کر صلح کروا دی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ دوسرے سال پھر اسی محترم مہینے میں خون کا بازار گرم ہوا، تیسرے سال پھر انہی ایام اور سالانہ اجتماع کے موقع پر کشت و خون ہوا۔ تاریخ اسلامی کے حوالہ سے اس سخت مقابلہ میں قریش اور قیس میں گھمسان کا رَن پڑا۔ قریش اور کنانہ فریق تھے اور قیس عَیلان سے مقابلہ تھا ایک روایت کے مطابق بنی قیس اور بنی قریش کے قبیلوں میں یہ جنگ چار سال تک جاری رہی، جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق معمولی سی بات پر بھڑکنے والی جنگ انہی ایام میں بدستور کئی سالوں تک جاری رہی۔ ماہِ حرام کی نسبت سے اس جنگ کا نام "جنگِ فِجار" پڑ گیا۔[1]

قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کی ناموس و نام کا معاملہ تھا اس لیے قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی فوجیں بھیجی تھیں۔ آلِ ہاشم کے

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۸۴۔

Marfat.com

علم بردار حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں نبی کریم ﷺ بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا اور پہلے پہر قیس غالب ہوئے اور آخری پہر میں کنانہ اور قریش غالب ہوئے۔ اور بالآخر صلح پر معاملہ ختم ہوا۔ اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالارِ اعظم حرب بن اُمیہ تھا، جو ابو سفیانؓ کا باپ اور حضرت معاویہؓ کا دادا تھا۔ ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ امام سہیلیؒ نے کہا ہے کہ آپؐ نے خود جنگ نہیں کی۔ امام صاحب لکھتے ہیں: آپؐ نے اس جنگ میں لڑائی نہیں کی، حالانکہ آپؐ لڑائی کی عمر میں پہنچ چکے تھے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی۔ آپؐ کی زندگی کی یہ پہلی جنگ تھی، جس میں آپؐ نے شرکت فرمائی۔ لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں نبی کریم ﷺ کی شرکت سپاہی یا جنگ جو کی حیثیت سے نہیں تھی بلکہ چچاؤں کی امداد و اعانت کے سلسلہ میں تھی۔ نبی کریم ﷺ دشمنوں کے آئے ہوئے تیر جمع کرتے اور اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

معاہدہ حلف الفضول

فجار کے نام سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اس کا خاتمہ ایک معاہدے کی صورت میں ہوا۔ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا، ان کے ناموں میں فضل شامل تھا۔ یہ (۱) فضل بن فضالہ (۲) فضل بن وداعہ (۳) فضیل بن حارث تھے اور ان کا تعلق جرہم اور قطورا قبیلہ سے تھا۔ فضل کی جمع فضول ہے، اسی لیے اس معاہدہ کو حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں: اللہ کی قسم! ہم لوگ مظلوم کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ دریا بہتا رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)، اور معاشرے میں ایک دوسرے کی ہمدردی و غم گساری کیا کریں گے۔ گویا یہ معاہدہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت سے متعلق تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ معاہدہ یاد بھی نہ رہا۔ چنانچہ قریش نے نئے سرے سے اس معاہدہ کی بنیاد ڈالی۔ اس معاہدے کے اساسی ارکان کی نیک نیتی کا یہ ثمرہ تھا کہ تاریخ میں ان کے نام آج تک باقی ہیں۔

Marfat.com

فجار کی جنگوں کے بعد لوگ اپنے نقصانات اور نتائج پر غور کر رہے تھے کہ پھر ایک سانحہ رونما ہوا۔ زبید قبیلہ کا ایک یمنی تاجر مکہ آیا، یہاں اس نے عاص بن وائل نامی شخص کے ہاں مال فروخت کیا۔ لیکن عاص نے صحیح قیمت دینے میں گڑبڑ کی تو یمنی تاجر مایوس ہو گیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس زبیدی تاجر کو بھرے بازار میں لوٹ لیا گیا۔ تاجر نے موقع غنیمت سمجھا اور قریبی پہاڑ ابو قبیس پر چڑھ گیا جہاں سے اُس نے نہایت درد بھرے لہجے میں کچھ اشعار پڑھے، جن کو اہل مکہ اور سردارانِ مکہ نے سُنا۔ اس نے ان اشعار میں اپنے لٹ جانے کا تذکرہ کیا، اس آواز نے ہاشم کے خاندان کو بے چین کر دیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ خاندانِ ہاشم، زہرہ اور تمیم، عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ اس اجتماع میں ظالم کے خلاف مظلوم کے حق میں مدد و نصرت کا معاہدہ طے پایا وہ یہ کہ ہم ہر صورت میں مظلوم کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے چاہے اس کا تعلق مکہ سے ہو یا کسی اور علاقے سے۔ نبی کریم ﷺ اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ "اس معاہدہ کے مقابلہ میں مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا، اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں"۔[1]

اعلیٰ اقدار اور ایفائے عہد کا واقعہ

نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بیس برس سے اوپر ہوئی تو آپؐ کو فکر معاش لاحق ہوئی۔ قریش فطرتاً تجارت پیشہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اوائل عمر ہی سے تجارتی میلوں میں شرکت کی غرض سے مختلف شہروں کے سفر کیے۔ چھوٹی عمر ہی سے اہل مکہ نبی کریمؐ کی صداقت، شرافت، امانت، اعلیٰ اخلاق اور کردار و گفتار کے گرویدہ تھے۔ آپؐ نے پیشہ تجارت میں قدم رکھا تو آپ کی نیک شہرت کی دُھوم مچ گئی۔

---

1. طبقات ابن سعد: ۱/۱۰۳۔

Marfat.com

عبداللہ ابن ابی الحمساء کی روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے تجارتی معاہدہ کیا۔ ابھی بات طے نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے ضروری کام یاد آگیا۔ میں نے ان سے کہا، آپؐ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ کام میں کچھ ایسا مشغول ہوا کہ بات ذہن سے نکل گئی۔ تیسرے دن اتفاقاً اُدھر سے گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ وہیں کھڑے ہیں اور میرے انتظار میں ہیں۔ میں سخت نادم ہوا لیکن آپؐ نے صرف اتنا جملہ فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی، میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔ [1]

حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کے لیے جانا

کاروباری معاملات میں نبی کریم ﷺ کی صداقت وراست بازی کی وجہ سے لوگ آپؐ کو اپنی تجارت میں شریک کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ ایسے میں عرب کی ایک مال دار بیوہ خاتون خدیجہؓ بنت خویلد نے، جو عفت و عصمت کا پیکر تھیں اور اپنی شرافت، پاک دامنی اور پاک بازی کی بدولت طاہرہ کہلاتی تھیں، نبی کریم ﷺ کی دیانت و شرافت کی تعریف سنی تو چاہا کہ آپؐ اُن کا مالِ تجارت ملک شام لے کر جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کی یہ پیش کش قبول کرلی۔ تجارتی قافلہ میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جس کے ذمہ یہ فریضہ تھا کہ وہ راستہ بھر خدمت کرے اور ہر طرح سے آپؐ کا خیال رکھے۔

آپؐ کا تجارتی قافلہ جب بصرہ پہنچا تو آپؐ ایک درخت کے نیچے جو سوکھ چکا تھا، تشریف فرما ہوئے۔ قریب ہی نسطورا نامی ایک راہب کی خانقاہ تھی۔ اُس نے دیکھا کہ آپؐ کے بیٹھتے ہی درخت کی شاخیں ہری ہونے لگیں اور سارے درخت کی سُوکھی شاخیں سرسبز ہوگئیں۔ نسطورا راہب نے اپنا آدمی بھیج کر میسرہ سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ میسرہ نے جواب دیا کہ یہ نوجوان قریشی اور حرم کا ہمسایہ ہے۔ بوڑھے راہب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۷۴۔

Marfat.com

نے میسرہ کو اپنے پاس بلوایا اور پوچھا کہ اس قریشی کی آنکھیں کیسی ہیں؟ میسرہ نے جواب دیا کہ ان کی آنکھیں بڑی سیاہ اور دلکش ہیں، البتہ سفید حصے میں سرخ ڈورے ہیں۔ نسطورا راہب نے فضا میں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا، قسم ہے اس پروردگار عالم کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہی نبی آخر الزماںؐ ہیں جن کا دُنیا کو شدت سے انتظار ہے۔ راہب نے بتایا کہ جس سوکھے درخت کے نیچے آپؐ جلوہ افروز ہوئے ہیں، یہاں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے لے کر اب تک آپؐ کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھا۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ مال کی خرید و فروخت میں مشغول ہو گئے۔ ایک شخص نے آپؐ سے کسی بات میں جھگڑا کیا اور لات و عزیٰ کی قسم اٹھائی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ”قسم تو دور کی بات ہے، میں تو اُن سے سخت نفرت کرتا ہوں“۔ نسطورا راہب نے میسرہ کو بتایا کہ اس جوان میں پیغمبرانہ صفات ہیں۔ یہ باتیں سن کر میسرہ کی آپؐ کی ذات میں دلچسپی بڑھ گئی۔ راستہ بھر میسرہ نے اعجازِ پیغمبر کے جلوے دیکھے۔ اُس نے دیکھا کہ سخت دھوپ میں جب آپؐ چلتے ہیں تو بادل کا سایہ اوپر رہتا ہے۔ تجارت کا مال لے کر آپؐ حضرت خدیجہؓ کے غلام کے ساتھ مصر پہنچے، یہاں مال فروخت کرنے سے نفع کئی گنا ملتا تھا۔ باہمی مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ مال یہاں فروخت کر دیا جائے اور حاصل شدہ نفع حضرت خدیجہؓ تک پہنچا دیا جائے۔

سفر تجارت سے واپسی

سفر تجارت سے واپسی پر نبی کریم ﷺ کا قافلہ مکہ کی وادی میں داخل ہوا تو حسن اتفاق سے آپؐ کی رفیقہ حیات بننے والی عظیم المرتبت خاتون اپنے بالا خانہ پر کھڑی قافلہ کی آمد کا نظارہ کر رہی تھیں۔ اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بادل کا ایک ٹکڑا سائبان کی طرح آپؐ پر سایہ کیے اوپر ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وجود کی برکت سے اس تجارت میں حضرت خدیجہؓ کو بہت نفع ہوا۔ میسرہ نے سفر کی ساری کارگزاری حضرت خدیجہؓ کو سنائی۔ حضرت خدیجہؓ نبی کریم ﷺ کے اخلاق و عادات، ایمان داری اور وجودِ اطہر کی برکات و انوار کے واقعات سُن کر آپؐ کی گرویدہ ہو گئیں۔

Marfat.com

پیغامِ نکاح

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ایک معزز خاتون تھیں۔ اس پاک دامن، باعزت، دولت مند خاتون کو عرب قبیلوں کے سرداروں نے نکاح کے پیغام بھیجے تھے۔ لیکن اس باحیا خاتون نے حوادثِ زندگی کے باعث سب کو جواب دے دیا تھا۔ آپ بیوہ تھیں اور زمانہ جاہلیت میں پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے "طاہرہ" کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ میسرہ کی زبانی اور خود حضرت خدیجہؓ کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا تھا، ایک بیوہ کے ویران دل میں تمنا کی کلی کھِل اُٹھی، امیدوں کے چراغ روشن ہو گئے اور اُن کی بے کیف زندگی میں بہار آ گئی۔ سفر تجارت سے واپس آنے کے دو ماہ بعد ایک روایت کے مطابق اپنی سہیلی نفیسہ کی معرفت پیغام نکاح بھیجا اور دوسری روایت کے مطابق خود حضرت خدیجہؓ نے پیغام نکاح دیا۔ سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم ﷺ کی سیرت و کردار سے متاثر ہو کر دل و جان کے ساتھ آپؐ کو چاہا اور آپؐ کی پانچ صفات بیان کرتے ہوئے پیغام نکاح بھیجا۔

(۱) آپؐ کا اور ہمارا خاندان ایک ہے۔

(۲) آپؐ قوم میں باوقار اور باشرف ہیں۔

(۳) آپؐ کی امانت داری قابل رشک ہے۔

(۴) آپؐ کی خوش اخلاقی ضرب المثل ہے۔

(۵) آپؐ کی صداقت قابلِ فخر ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے پیغامِ نکاح سے اُن کی بصیرت، دور اندیشی اور مردم شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کا پیغامِ نکاح ان کی ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔[1]

حضرت خدیجہؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں نبی کریم ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے چچا ساتھ مل کر خود براہِ راست تمام مراتب طے

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۸۹۔

Marfat.com

کیے۔ شادی کی تاریخ معیّن پر جناب ابو طالب اور دیگر رؤسائے قریش، جن میں حضرت حمزہ بھی شامل تھے، حضرت خدیجہؓ کے گھر تشریف لائے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ طلائی درہم مہر قرار پایا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مہر میں بیس اونٹ دیئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی اور آپ بیوہ تھیں اور آپ کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے، جب کہ نبی کریمؐ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور آپؐ کا یہ پہلا نکاح تھا اور حضرت خدیجہ کی زندگی میں آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔

شانِ خدیجۃ الکبریٰؓ

حضرت خدیجہؓ نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ حضرت خدیجہؓ اُس وقت ”طاہرہ“ کے مہکتے ہوئے مبارک لقب سے سرفراز ہوئیں۔ جب جاہلیت کا سمندر موجیں مار رہا تھا اور عورتوں کی بھی قیمت لگائی جاتی تھی، آپ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم القرشیہ تھیں، جن کا تعلق بنی عامر بن لوئی سے تھا اور والد خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ قریش کے معززین میں سے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لیے جن پاکیزہ ازواج کا انتخاب کیا، اُن کا فیصلہ فرش پر نہیں بلکہ عرش پر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے لیے نیک اور پاک باز عورتوں کا انتخاب کرتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں۔ آپؓ کا پہلا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ التمیمی سے ہوا، جس میں سے ہالہ، ہند اور حارث پیدا ہوئے تھے۔ پہلے خاوند کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عابد المخزومی سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اُس کا نام بھی ہند تھا اور اسی کی نسبت سے حضرت خدیجہؓ اُمّ ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے حرم میں دیگر ازواجِ مطہرات میں خدیجہؓ کو مثالی مقام حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کو ایک دوسرے سے بے انتہا محبت تھی۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کو کئی وجوہات پر دیگر ازواج مطہرات میں انفرادیت حاصل ہے۔ مثلاً

☆ انہیں نبی کریم ﷺ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

Marfat.com

☆ حضرت خدیجہؓ جب تک زندہ رہیں، نبی کریم ﷺ نے اُن کی زندگی میں کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔

☆ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ نے نماز پڑھی۔

☆ نبی کریم ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے ازدواجی رفاقت کی مدت سب سے زیادہ (پچیس سال) ہے۔

☆ آپؐ کی تمام تر اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہوئی، جب حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ایک فرزند حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے جو بچپن میں وفات پا گئے۔

☆ آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے جنت کی بشارت حضرت خدیجہؓ کو ملی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو سلام کہلوایا۔

☆ حضرت خدیجہؓ وہ واحد زوجہ مطہرہ ہیں جن کے بطن سے نبی کریم ﷺ کی اولاد زندہ رہی اور ان سے سلسلۂ نسب آگے چلا۔

☆ حضرت خدیجہؓ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جو سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں۔

☆ وفات کے اعتبار سے بھی آپؐ کی پہلی زوجہ ہیں۔

☆ حضرت خدیجہؓ نے عظمت اسلام کی خاطر اپنی دولت نبی کریم ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔

☆ حضرت خدیجہؓ پہلی شخصیت ہیں جن کی قبر مبارک میں نبی کریم ﷺ خود اُترے۔

حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ یہ اپنے زمانے کی خواتین میں علی الاطلاق سب سے افضل ہیں اور انہیں کئی مرتبہ جنت کی بشارت سنائی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اہل جنت میں افضل خاتون خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جبریلؑ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ اور

Marfat.com

میری طرف سے سلام کہیے اور جنت میں یاقوت سے بنے ہوئے گھر کی بشارت دیجئے جس میں کوئی شور ہے اور نہ تنگی"۔ نسائی شریف کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ملا تو وہ اس وقت آپؐ کے پاس تشریف فرما تھیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "جبریلؑ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت خدیجہؓ موجود تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کو سلام کہلوایا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے جبریلؑ کو بھی سلام ہو اور آپؐ پر بھی سلام ہو، اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔"

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خوش گوار ازدواجی زندگی گزری۔ آپؓ نے ہر مشکل گھڑی میں نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیا۔ نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ صادق تھے تو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ صادقہ تھیں، آپؐ امین تھے تو ام المؤمنین امینہ تھیں۔ آپؐ طاہر تھے تو وہ طاہرہ تھیں۔ آپؓ کے بطن سے چار بیٹیاں اور دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر مبارک پینسٹھ سال تھی۔ (رضی اللہ عنہا وارضاھا)

اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے اولادِ رسول ﷺ

فرزندِ رسول ﷺ، ابراہیم رضی اللہ عنہ، کے سوا جو کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، باقی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔

نبی کریم ﷺ کے پہلے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ اور اُسی کے نام سے آپؐ کی کنیت "ابو القاسم" معروف ہوئی۔ وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حضرت زینبؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ، فاطمۃ الزہراؓ اور عبد اللہؓ عطا فرمائے۔ یہ دوسرے صاحبزادے عبد اللہ، چونکہ عہدِ نبوت میں پیدا ہوئے، لہٰذا ان کا لقب "طیب" اور "طاہر" معروف ہوا۔ عبد اللہ اور ابراہیم دونوں بچپن میں وفات پا گئے۔ البتہ آپؐ کی سب بیٹیاں جوان ہوئیں، اسلام لائیں اور سب نے ہجرت کی، مگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سوا سب صاحبزادیاں آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں وفات پا گئیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

Marfat.com

کا انتقال بھی آپ ﷺ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد ہو گیا۔[1]

کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ

نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی، بارش کے موسم میں شہر کا پانی حرم میں آجاتا تھا۔ اس کی روک تھام کے لیے بالائی حصہ پر بند بنوایا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ بالآخر باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ کعبہ کی نئے سرے سے تعمیر کی جائے اور اس تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کی جائے۔ انہی دنوں ایک تجارتی جہاز جدّہ کی بندر گاہ کے کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر ملی تو ولید بن مغیرہ مخزومی نے جدّہ پہنچ کر جہاز کے تختے خریدے۔ جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو اپنے ساتھ مکہ لے آیا اور قریش نے کعبہ کی تعمیر شروع کر دی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو جھگڑا پیدا ہو گیا کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کو ملے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں۔

پانچویں دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو کہ قریش میں سب سے معمر تھا، رائے دی کہ سب سے پہلے جو شخص کعبہ میں آئے، وہی ثالث قرار دیا جائے، اس رائے کو سب نے تسلیم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کہ نبی کریم ﷺ سب سے پہلے کعبہ میں تشریف لائے۔ آپؐ کی ایمانداری اور دیانت داری پر سب کو اعتماد تھا، لوگوں نے آپؐ کو دیکھا تو کہنے لگے: ”ھذا الامین رضیناہ ھٰذا مُحمّد“ (یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں یہ محمدؐ ہیں)۔ اس لیے سب نے بالاتفاق آپؐ کو جج مان لیا۔ نبی کریم ﷺ نے بھرپور حکیمانہ انداز اپناتے ہوئے چادر بچھا کر اس پر حجر اسود رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد چادر پکڑ کے اٹھائے اور جب چادر پتھر رکھنے کی جگہ کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اُٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس حسن

---

1 ایضاً: ۱۱/ ۱۹۲۔

Marfat.com

تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رُک گئی[1]۔ کعبہ کی عمارت پر اب چھت ڈال دی گئی۔ چونکہ سامانِ تعمیر ناکافی تھا، اس لیے ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں اور اس حصہ کے گرد چار دیواری بنادی گئی کہ پھر حالات نے اجازت دی تو مکمل جگہ پر دیواریں بنا کر چھت ڈالی دی جائے گی۔ لیکن فتح مکہ تک ایسا موقع نہ آیا اور غلبہ اسلام کے بعد بھی وہ جگہ خانہ کعبہ کا بیرونی حصہ ہی رہی۔ اس کے گرد تقریباً ۴ فٹ اونچی دیوار اب بھی ہے جسے حطیم کہتے ہیں۔ فتنہ سے بچنے کے لیے آپؐ نے، صحابہ کرامؓ نے اور بعد میں آنے والوں نے بھی اس جگہ کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ آج جب کہ کسی انتہائی اہم شخصیت کے علاوہ کسی کو خانہ کعبہ کے اندر نہیں جانے دیا جاتا تو عوام الناس اسی حطیم کے اندر نماز ادا کر کے خانہ کعبہ کے اندر ادائیگی کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

اسفار رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کے عادی تھے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی اسی غرض سے متعدد سفر کیے۔ شام اور بصرہ کے سفر کا حال پہلے گزر چکا ہے، ان کے علاوہ دیگر کئی مقامات پر بھی آپؐ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے، ان میں حباشہ کا ذکر ملتا ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپؐ کو تجارت کے لیے بھیجا تھا، ان میں ایک مقام جرش بھی ہے جو یمن میں ہے۔ آپؐ دو دفعہ جرش تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا[2]۔

اعلان نبوت کے بعد جب آپؐ کی خدمت میں عرب کے دور دراز مقامات سے وفود آئے، ان میں بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ آپؐ ہمارے ملک کا حال ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: إِنِّي قَدْ وَطِئْتُ بِلَادَكُمْ، وَفُسِحَ لِي فِيهَا ”میں

---

۱ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۲۸۰۔

۲ الشامی، السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۲۳۳۔

Marfat.com

نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی"[۱]۔

مراسم شرک سے اجتناب

یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچپن اور جوانی میں بھی جب کہ آپؐ منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ایک دفعہ قریش نے آپؐ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ وہ جانور کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپؐ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔

نصاریٰ نے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے یہ غلط دعویٰ کیا ہے کہ آپؐ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا، وہ عہدِ نبوت سے ہوا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نبوت سے پہلے ہی بُت پرستی کی ممانعت شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپؐ کو اعتماد تھا، اُن کو بُت پرستی سے منع فرماتے تھے اور آپؐ کی بعثت سے پہلے ہی چند افراد نے بت پرستی سے توبہ کر لی تھی۔

موحّدین سے ملاقات

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی فیضِ الٰہی کی شعاعیں عرب میں پائی جاتی تھیں، چنانچہ بعض افراد نے بت پرستی کا انکار کر دیا تھا جن میں سے ممتاز شخصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قُس بن ساعدہ

(۲) ورقہ بن نوفل

(۳) عبید اللہ ابن جحش

(۴) عثمان بن الحویرث

(۵) زید بن عمروؓ بن نفیل

ورقہ بن نوفل کا تعلق عیسائی مذہب سے تھا۔ رشتہ میں حضرت خدیجہؓ کے چچازاد

---

۱ مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۱۵۵۵۹.

Marfat.com

بھائی تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے۔ یہ بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے دوستی تھی۔ اسی طرح آپؐ نے زید بن عمروؓ بن نفیل سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔[1]

نبی کریم ﷺ کے احبابِ خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپؐ کے احبابِ خاص تھے، سب نہایت پاکیزہ اخلاق، عالی ہمت اور شرف و وقار میں ممتاز تھے ان میں سے حضرت ابو بکرؓ، جن کا نام عبد اللہ تھا، اول تا آخر آپؐ کے شریک صحبت رہے اور صدیق کہلائے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے، وہ بھی احبابِ خاص میں سے تھے۔ حرم کا منصبِ رفادۃ انہی کے ہاتھ میں تھا اور دارالندوہ کے سربراہ اور مالک تھے چنانچہ اسلام کے بعد انہوں نے اسے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا اور یہ رقم خیرات کر دی۔ نبی کریم ﷺ سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے۔ اگرچہ یہ ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے لیکن اس حالت میں بھی نبی کریم ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں طب و جراحت کا پیشہ کرتے تھے۔ نبوت کے زمانہ میں مکہ آئے، نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ تشریف لے جا رہے تھے، پیچھے لڑکوں کا ہجوم تھا اور کفار آپؐ کو مجنون کہہ رہے تھے۔ لڑکوں کے ہجوم کو دیکھ کر ضماد نے بھی یہی قیاس کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا، "محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں"۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انہیں دعوت دی، جس پر ضماد مسلمان ہو گئے۔[2]

---

1 علامہ زرقانی کے مطابق ان میں سے بعض نے توحید اختیار کی تھی اور بعض نے نہیں کی تھی البتہ اپنی بصیرت سے یہ لوگ درست عقیدہ کی علم حاصل کر چکے تھے، دیکھیے، الزرقانی، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ: ۱/۳۴۳۔

2 مسندِ امام احمد، حدیث نمبر: ۲۷۳۹۔

Marfat.com

نبی کریم ﷺ کے ساتھ تجارت کے میدان میں شریک لوگوں میں سے ایک قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبر جو مشہور مفسر گزرے ہیں، انہیں کے غلام تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپؐ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی جھگڑے کی نوبت نہ آتی۔

ابتدائی چالیس سالہ حیات طیبہ پر ایک نظر

مختلف سیرت نگاروں نے چالیس سالہ زندگی پر خوب تبصرہ کیا ہے۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری نے انتہائی جامعیت اور اختصار سے چالیس سالہ حیات طیبہ پر یہ روشنی ڈالی ہے۔

مولانا صفی الرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا وجود پاک ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائی جاتی ہیں۔ آپؐ اصابتِ فکر، دُور بینی اور حق پسندی کا بلند مینار تھے۔ آپؐ کو حُسنِ فراست، پختگی فکر اور وسیلہ و مقصد کی درستگی سے بڑا حصہ عطا ہوا تھا۔ آپؐ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض، دائمی تفکیر اور حق کی کُرید میں مدد لیتے تھے۔ آپؐ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے زندگی کے صحیفوں، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا، جن خرافات میں یہ سب لت پت تھے ان سے بیزاری محسوس کی۔ آپؐ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا یعنی لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا، اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی مقررہ تنہائی کی طرف پلٹ جاتے۔ چنانچہ آپؐ نے شراب کو کبھی منہ نہ لگایا، آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کے لیے منائے جانے والے تہواروں اور میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔ [1]

نبی کریم ﷺ کو شروع ہی سے ان باطل معبودوں سے اتنی نفرت تھی کہ ان سے بڑھ کر آپؐ کی نظر میں کوئی چیز مبغوض نہ تھی، حتیٰ کہ لات وعزّیٰ کی قسم سننا بھی آپؐ کو

---

[1] صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم: ۱/۵۳۔

Marfat.com

گوارا نہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ تقدیر نے آپؐ پر حفاظت کا سایہ ڈال رکھا تھا چنانچہ جب بعض دُنیاوی فوائد کے حصول کے لیے نفس کے جذبات متحرک ہوئے یا بعض ناپسندیدہ رسوم ورواج کی پیروی پر طبیعت آمادہ ہوئی تو عنایتِ ربانی رکاوٹ بن گئی۔ ابن اثیرؒ کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے، مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گزرا، لیکن ان دونوں میں سے ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مجھے اس کا خیال نہ گزرا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی پیغمبری سے مشرف فرمادیا۔

نبی کریم ﷺ اپنی قوم میں شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ آپؐ سب سے زیادہ بامرّوت سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ معزز ہمسائے، سب سے بڑھ کر دُور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابندِ عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے۔ سچائی اور امانت داری کی وجہ سے آپؐ کو "صادق اور امین" کہا جاتا تھا۔ آپؐ احوالِ صالحہ اور خصالِ حمیدہ کا پیکر تھے، جیسا کہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے آپؐ آپ کو اپنے ساتھ زوجیت کے گزرے ہوئے پندرہ سال کی سند حسن اخلاق اور خدمت خلق ان الفاظ سے دی کہ شاید ہی کوئی بیوی کسی شوہر کی دے سکتی ہو انہوں نے کہا::

كَلَّا أَبْشِرْ، فَوَاللهِ، لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، وَاللهِ، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ

ہر گز نہیں آپ مطمئن رہیں خوش رہیں اللہ ہر گز آپ کو بے یار مدد گار نہیں چھوڑے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ کا ساتھ دیتے ہیں

Marfat.com

کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کی حاجت پوری کرتے ہیں،
مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصائب و آفات میں مدد کے لیے بے
تاب ہو جاتے ہیں[۱]۔

خلاصہ

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے جو ابوالانبیاء کے لقب سے مشہور ہیں، آپ کی دعاؤں کے نتیجے میں ہزاروں سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس بے آب و گیاہ خطہ میں رسول بھیجا جہاں آپ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو چھوڑا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نبی کی خوش خبری سنائی تھی اور اجمالی تصویر بھی اپنے ماننے والوں کو دکھادی تھی، اسی لیے جب بچپن میں عیسائی راہب آپ کو دیکھتے تو فوراً کہہ دیتے، ہو نہ ہو یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت ہمیں مل چکی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کتابوں اور ادب میں آج بھی اس طرح کی تحریریں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے انبیاء نے نبی آخر الزمان کی اطلاع دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب بھی نبی بھیجا، سب سے اعلیٰ اشرف اور افضل قبیلہ سے بھیجا۔ حضرت آمنہ کے واقعات سے اشارہ ملتا ہے کہ ولادت سے بھی پہلے، اس عظیم ہستی کی آمد کے اشارے مل رہے تھے۔ ولادت باسعادت کے بعد تو یہود و نصاریٰ کے علماء اور راہب سب کچھ بھانپ چکے تھے۔ اسم مبارک، بچپن، لڑکپن، شق الصدر، حلیمہ کے مقدر، آپ کی وضع قطع، غیر معمولی شخصیت، سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کوئی عظیم شخصیت، عظیم انقلاب لانے والی ہے۔ خاص طور پر یہودیوں کے خطرات، ایک بچے سے دشمنی، آپ کے اسفارِ تجارت، حالاتِ زندگی، اعلیٰ اخلاقی صفات، صدق و امانت، حق گوئی، حیا، بتوں سے نفرت، قوم کے غلط رسوم و رواج میں عدم شمولیت اور بعض خارقِ عادت واقعات آئندہ پیش آنے والے حالات کے لیے بھرپور تمہید کا پتہ دیتے ہیں۔

انبیا کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے آپ نے بکریاں چرائیں، قوم کے اچھے معاملات

---

۱ متفق علیہ، صحیح بخاری حدیث نمبر: ۶۵۸۱ ، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۰۔

Marfat.com

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نبوت سے قبل ہی اہل حق کا ساتھ دیا، معاہدہ حلف الفضول، حرب فجار، حجر اسود کا تنازعہ، ایفائے عہد، صبر و قناعت اور حیا آپ کی بھرپور جوانی میں، کسی بڑے انقلاب کی روشن دلیل ہے، خاص طور پر ایسے معاشرے میں جہاں یہ صفات ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھیں۔ نیز آپ نے کبھی مراسم شرک میں حصہ نہ لیا۔ مکہ کی سب سے زیادہ باحیا، مال دار، عمر رسیدہ اور دو بار بیوہ ہونے والی ایسی خاتون کو رفیقۂ حیات بنایا جو جاہلیت کے اس زمانے میں "طاہرہ" کے لقب سے معروف تھیں۔ واقعی ان کو ایسے ہی رفیق حیات کی ضرورت تھی جو خود بھی طاہر اور مطہر ہو۔ آپ کے تمام رفقاء اور دوست اعلیٰ اخلاق صفات کے مالک تھے، اکثر شرک سے نفرت کرتے تھے، نبوت سے پہلے ہی آپ کے جانثار دوست اور احباب مانے جاتے تھے۔ آپ کی بات، رائے اور مشورہ کو حکم کا درجہ حاصل تھا۔

Marfat.com

باب سوم

نبوت ورسالت کی چھاؤں میں

Marfat.com

بعثتِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ کی بعثت اس دور میں ہوئی جب نوع انسانی آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑی تھی اور پوری انسانیت پر جہالت اور جاہلیت کی حکمرانی تھی۔ خرافات واوہام اور شرک وبت پرستی کی وبا عام تھی۔ اہلِ عرب مختلف قسم کی بدعات میں مبتلا تھے لیکن نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے ہی شرک سے پاک اور توحید کے قائل تھے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد آپؐ نے کبھی مشرکانہ عقائد کو قبول نہیں کیا۔ بتوں اور بت پرستی سے ہمیشہ بیزار رہے اور اپنی قوم کی مشرکانہ عبادات میں بھی حصہ نہیں لیا۔ جاہلیت کے زمانے میں دینِ ابراہیمی میں جتنی تبدیلی کی گئی تھی، آپؐ نے بعثت سے پہلے بھی ان میں سے کسی کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ جن خرافات میں آپؐ کی قوم مبتلا تھی ان سے سخت تنگ تھے۔ آپؐ بے چینی سے خالق کائنات کی تخلیقات پر غوروفکر فرماتے رہے۔

غارِ حرا میں

اس زمانے میں تنہائی اور خلوت پسندی آپ کا معمول بن گئی تھی۔ تنہائی آپؐ کو محبوب ہوگئی تھی۔ سب سے الگ تھلگ ہو کر تنہا بیٹھنے سے آپؐ کو بڑا سکون ملتا تھا۔ چنانچہ ان دنوں میں آپؐ پانی اور ستو لے کر مکہ سے کوئی دو میل کے فاصلے پر غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ غار حرا میں آپؐ کا قیام کئی راتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپؐ پورا رمضان اسی غار میں قیام فرماتے۔ چند روز کا سامان خوراک لے کر جاتے پھر واپس آکر پہلے کعبہ کا طواف کرتے اور اس کے بعد گھر سے مزید چند روز کا سامان لے جاتے تھے۔ اس قیام کے دوران میں آپؐ عبادت میں مصروف رہتے اور کائنات اور اس کی تخلیقات ومشاہدات پر غوروفکر فرماتے۔

نبی کریم ﷺ کی یہ تنہائی پسندی بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو آنے والے عظیم کام اور نبوت کی عظیم ذمہ داری کے لیے تیار کر رہا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو آثارِ نبوت ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی آنے کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ آپؐ جو بھی خواب دیکھتے دن کی روشنی کی طرح وہ نمودار ہوتا۔ اس حالت میں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔

جب آپؐ کی عمر چالیس سال چھ مہینے کی ہوگئی تو ایک روز ماہِ رمضان میں آپؐ پر غار حرا میں یکایک وحی نازل ہوئی اور فرشتے نے آپؐ کے سامنے آکر آپؐ سے کہا: "اقرأ پڑھو" آپ نے فرمایا "ما انا بقارئ: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

بخاری شریف میں کئی جگہ یہ واقعہ حضرت عائشہ سے نقل ہوا ہے۔ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

۔۔۔۔میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو۔ میں نے کہا" میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو۔" میں نے پھر کہا" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ [1]

پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب نہایت کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

---

[1] سورۃ العلق:۹۶۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کانپتے لرزتے ہوئے وہاں سے پلٹے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر کہا:

"مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو"۔

انہوں نے آپؐ کو چادر اوڑھادی۔ جب آپؐ پر سے خوف زدگی کی کیفیت دور ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا:

"اے خدیجہؓ، یہ مجھے کیا ہو گیا تھا"؟

پھر آپؐ نے ان کو سارا قصہ سنایا اور فرمایا:

"مجھے اپنی جان کا ڈر ہے"۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا:

ہرگز نہیں، آپؐ خوش ہوجایئے۔ اللہ کی قسم، آپؐ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ امانتیں ادا کرتے ہیں) بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ اور (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) آپؐ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔[1]

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نبی کریم ﷺ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو ان کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگئے تھے۔ عربی اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے اور بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا:

"بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنیے"۔

ورقہ نے آپ ﷺ سے پوچھا:

---

1 متفق علیہ، صحیح بخاری حدیث نمبر: ۶۵۸۱، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۰۔

Marfat.com

"بھتیجے تمہیں کیا نظر آیا"؟

نبی کریم ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ بیان فرمادیا۔

ورقہ نے کہا:

یہ تو وہی ناموس (عالم بالا سے وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اُس وقت تک زندہ رہوں جب آپؐ کی قوم آپؐ کو یہاں سے نکالے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے"؟

ورقہ نے کہا:

ہاں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔(۱)

مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔

اِس کے بعد ایک عرصے تک وحی کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا۔ پہلی وحی کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کوئی وحی نہ لائے۔ وحی کی اس بندش پر آپؐ کا رنج و غم اسی قدر بڑھتا چلا گیا جتنی یہ مدت طویل ہوتی گئی، بالآخر آپؐ نے آسمان سے ایک آواز سنی اور آپؐ ٹھہر گئے۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو جبریلؑ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے نظر آئے اور انہوں نے کہا:

"اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں"۔

وحی کی یہ بندش کچھ عرصہ رہی۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ دوبارہ وحی لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فترۃ

---

۱ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۱۷۔

Marfat.com

الوحی (وحی بند رہنے کے زمانے) کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

> ایک روز میں راستے سے گزر رہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ سر اٹھایا تو دیکھا وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہ دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہو گیا اور گھر پہنچ کر میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ چنانچہ گھر والوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یاایھاالمدثر . . . والرجز فاھجر تک نازل فرمائی۔ پھر لگا تار مجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔[1]

اس طرح فترۃ الوحی کا زمانہ ختم ہوا اور سورہ مدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں جن میں آپ نبی کریم ﷺ کو منصبِ رسالت پر مامور کر کے اس فرض کی ادائیگی کے لیے درکار ہدایات دی گئیں۔

آغازِ وحی

سورۂ مدثر میں واضح طور پر نبی کریم ﷺ کی نبوت کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت اور نبوت کے کیا مقاصد تھے اور آپؐ کو کیا ہدایات دی گئی تھیں:

۱۔ اس موقع پر آپؐ کو حکم دیا گیا کہ اُٹھو اور اپنے گردو پیش اللہ کے نافرمانوں کو جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، خبر دار کر دو اور انہیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے وہ یقیناً دوچار ہوں گے۔

۲۔ اللہ کی ربوبیت اور اس کی بڑائی اور کبریائی کو بیان کرنا۔ یہ ایک نبی کا اوّلین فریضہ ہے جسے اس دنیا میں اسے انجام دینا ہے۔ اس کا پہلا کام ہی یہی ہے کہ جاہل انسان اس دنیا میں جن کی بڑائی مان رہے ہیں، ان کا انکار اور ان کی نفی کر دے اور اعلان

---

1 متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۱۔

Marfat.com

کر دے کہ دنیا میں بڑائی ایک اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللہ اکبر کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

۳۔ لوگوں کو اعتقاد، اعمال اور اخلاق کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرے میں اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تھے وہ عقائد اور اخلاق کی برائیوں میں مبتلا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ شرک کے مقابلے میں توحید کا علَم بلند کیا جائے اور روحانی نجاستوں سے اِس معاشرے کے رہنے والوں کو پاک کیا جائے۔

۴۔ پاکیزگی، صفائی اور پاک دامنی سکھانا۔ اسی لیے کہا گیا کہ اپنے کپڑے پاک رکھو۔ ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے اور ان کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لباس کو نجاست سے پاک رکھو کیونکہ جسم و لباس کی پاکیزگی اور روح کی پاکیزگی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک پاکیزہ روح گندے جسم اور ناپاک لباس میں نہیں رہ سکتی۔

۵۔ لوگوں کو کسی ذاتی غرض کے بغیر تعلیم دینا، نہ ان پر احسان جتانا اور نہ اس کے ذریعہ سے اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنا۔

۶۔ اپنے رب کی خاطر صبر کرنا۔ یعنی جو کام تمہارے سپرد کیا جا رہا ہے وہ کوئی معمولی کام نہیں بلکہ بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کام میں سخت مشکلات، مصائب اور تکلیفوں سے تمہیں سابقہ پیش آئے گا اور ساری قوم تمہارے خلاف ہو جائے گی۔ ان سب کو برداشت کرنا، اپنے رب کی خاطر صبر کرنا اور اپنے فرض کو پوری ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دینا۔

نماز کا آغاز

اقرارِ توحید اور بتوں سے براءت کے اعلان کے بعد سب سے پہلی چیز جو فرض کی گئی وہ نماز تھی۔

امام احمدؒ نے ابن لَھِیعَہ کی روایت حضرت زیدؓ بن حارثہ سے نقل کی ہے کہ نبی

Marfat.com

کریم ﷺ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہونے کے بعد جبریلؑ آپؐ کے پاس آئے اور انہوں نے آپؐ کو وضو کی تعلیم دی۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے۔ جبریلؑ امین بہترین صورت اور بہترین خوشبو کے ساتھ آپؐ کے سامنے ظاہر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! اللہ نے آپؐ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپؐ جن و انس کی طرف میرے رسول ہیں۔ اس لیے آپؐ لا الٰہ الا اللہ کی طرف ان کو دعوت دیں۔ پھر انہوں نے زمین پر پاؤں مارا جس سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا اور انہوں نے وضو کر کے دکھایا تاکہ آپؐ نماز کے لیے پاک ہونے کا طریقہ سیکھ لیں۔ پھر آپؐ سے کہا کہ اب آپؐ وضو کریں۔ پھر جبریلؑ نے نبی کریمؐ کے ساتھ دو رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد نبی کریمؐ حضرت خدیجہؓ کو وہاں لائے اور وضو کرایا اور دو رکعتیں ان کے ساتھ پڑھیں۔ بس یہ پہلا فرض تھا جو نزول قرآن کے فوراً بعد مقرر کیا گیا۔[1]

حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ رشتہ زوجیت کی وجہ سے ان کو آپؐ کی خدمت و رفاقت کا موقع میسر تھا۔ انہوں نے ہر موقع پر آپ کی نصرت و اعانت فرمائی اور آپ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کی۔ لوگوں سے آپؐ کو جو تکالیف پہنچتی تھیں ان میں وہ ہمیشہ آپؐ کا ساتھ دیتیں اور آپؐ کی ہمت بندھاتی تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کا قبول اسلام

اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ، آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب، جو آپؐ کے زیر کفالت تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اسلام لائے۔ ان اشخاص کا قبول اسلام جو آپؐ کی چالیس سالہ زندگی کے کھلے چھپے لمحات اور آپؐ کے صدق و اخلاص اور حُسن کردار سے سب سے زیادہ

1۔ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۴۸۰۔

Marfat.com

واقف تھے اور گھر والوں کی طرح ان سے آپ کی کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی، نبی کریمؐ کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل تھی۔

دعوت کے مراحل (خفیہ دعوت و تبلیغ کا تین سالہ دور)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت عطا ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو یک دم ہی دعوتِ عام دینے سے اپنے کام کا آغاز نہیں کیا۔ حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کی جانب سے فوراً ہی مخالفت اور مخاصمت کا آغاز نہ ہو جائے۔ اس بنا پر ابتدائی تین سال تک آپؐ خفیہ طریقے سے اسلام کو ان پاکیزہ روحوں تک پہنچاتے رہے جو محض دلیل و برہان سے شرک کو چھوڑ دینے اور توحید کو قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتی تھیں۔ سب سے پہلے آپؐ نے اسلام کی دعوت ان لوگوں کو دی جن سے آپؐ کا قریبی اور گہرا تعلق تھا اور جن پر یہ اعتماد کیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے اسلام کو اور اس دعوت کو اس وقت تک راز میں رکھیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعوت عام کی اجازت نہیں مل جاتی۔

اس کام میں سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اثرات کارگر ثابت ہوئے۔ آپؓ کا اصل نام عبداللہ بن عثمان تھا لیکن آپؓ کی کنیت، ابو بکرؓ، اس قدر مشہور ہوئی کہ اصل نام اِس کے پیچھے چھپ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نہایت ملنسار، خوش خلق اپنی قوم میں اپنی خوبیوں کی وجہ سے بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ آپؓ بڑے مال دار تھے، مکہ میں تجارت کرتے تھے اور اپنے حسنِ معاملہ کے لیے مشہور تھے۔ ان کی دانش مندی، فہم و فراست اور حسنِ صحبت کی وجہ سے لوگ بکثرت ان سے ملتے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاس آنے جانے والوں میں سے جس کو قابل اعتماد پایا اسے اسلام کی دعوت دی۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر بے شمار لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان کی کوشش سے مسلمان ہونے والوں میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ قابل ذکر ہیں۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام لائے ان میں حضرت بلال حبشیؓ بھی شامل

Marfat.com

تھے۔ ان کے بعد امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ عامر بن الجراح، ابو سلمہؓ بن عبد الاسد، ارقمؓ بن ابی ارقم، عثمانؓ بن مظعون، ان کے دونوں بھائی قدامہؓ اور عبد اللہؓ اور عبیدہؓ بن حارث، سعیدؓ بن زید، اور ان کی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب، عبد اللہ بن مسعودؓ اور دوسرے کئی افراد مسلمان ہوئے۔ اسلام قبول کرنے والے ان افراد کا تعلق قریش کی تمام شاخوں سے تھا۔ خفیہ دعوت کے اس تین سالہ دور میں آپؐ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کی کل تعداد ۱۳۳ تھی۔[1]

یہ لوگ چھپ چھپ کر مکہ کی گھاٹیوں میں نماز پڑھتے تھے تاکہ کسی کو ان کی تبدیلیِ دین کا پتہ نہ چل سکے۔

دارِ ارقم، دعوت و تبلیغ کا پہلا مرکز

ایک روز مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سست کہا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان کو، جو صفا کے قریب واقع تھا دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ جو لوگ مسلمان ہوتے وہ یہاں آکر جمع ہوتے اور نماز پڑھا کرتے۔ تین سال کی خفیہ دعوت کے دوران میں اور علانیہ دعوت عام شروع ہونے کے بعد بھی یہ مسلمانوں کا مرکز رہا اور دعوت اسلام میں دارِ ارقم کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔[2]

تین سال تک تبلیغ اور دعوت کا کام خفیہ رہا۔ اسی دوران میں اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو دوسرے لوگوں تک انفرادی طور پر اس عظیم دعوت کو پہنچانے لگی۔

دعوت عام کی ابتداء

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسلام کے کھلم کھلا تبلیغ کا اذن ہوا تو سب سے پہلے نبی

---

1 دیکھیے، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۲۴۵

2 ایضاً۔

Marfat.com

کریم ﷺ نے کسی خوف اور جھجک کے بغیر حرم میں جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ آپؐ کے اس طرح نماز پڑھنے سے قریش کے عام لوگوں نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ آپ ﷺ کا دین ان کے دین سے الگ اور جدا ہے۔ دوسرے دیکھنے والوں کے لیے یہ عمل باعث حیرت تھا، مگر ابوجہل نے آپؐ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کئی مرتبہ کوشش کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا:

''کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں''؟

لوگوں نے کہا:

''ہاں''۔

اس نے کہا:

لات اور عزیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین پر رگڑ دوں گا۔

پھر ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا تاکہ آپؐ کی گردن پر پاؤں رکھے مگر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ کیا ہو گیا تو اس نے جواب دیا:

''میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی، اور کچھ پر تھے''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے''۔[۱]

قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت

دوسرے مرحلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم

---

۱ صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۳۸۔

Marfat.com

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ [1]

(آپؐ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو ڈرایئے) کے مطابق اپنے خاندان کے قریب ترین افراد کو اپنے ہاں مدعو کیا جن میں بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے علاوہ بنی المطلب اور بنی عبد مناف کے افراد بھی شامل تھے۔ اس دعوت میں کل پینتالیس (۴۵) آدمی شریک ہوئے مگر قبل اس کے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بات کہتے ابو لہب بول اٹھا:

> دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی موجود ہیں۔ بات کرو، لیکن نادانی چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان تمہاری طرف سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑ لوں، پس تمہارے لیے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہو گا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی امداد کریں۔ پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے خاندان والوں کے لیے تم سے بڑھ کر کوئی سخت آفت لایا ہو۔

اس طرح ابو لہب نے پہلی مجلس خراب کر دی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی اور اس موقع پر کوئی گفتگو نہ فرمائی [2]۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔

اس موقع پر ابو طالب نے کہا:

> میں دین عبد المطلب کو تو نہیں چھوڑ سکتا، مگر جس کام کا تم کو حکم دیا گیا ہے اسے تم کرو، میں تمہاری حمایت اور حفاظت کروں گا۔

> ابو لہب بولا:

> ”خدا کی قسم یہ بہت بری بات ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو قبل اس کے کہ

---

1. سورۃ الشعراء: ۲۱۴۔
2. ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۵۵-۴۵۷۔

Marfat.com

دوسرے اس کو پکڑیں"۔

ابو طالب نے کہا:

"اللہ کی قسم ہم اس کی حفاظت کریں گے جب تک ہماری جان میں جان ہے"۔

معتبر روایات میں آیا ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے جو تقریر فرمائی اس میں آپ نے نام لے لے کر فرمایا:

يا فاطمة بنت محمد، يا صفية بنت عبد المطلب، يا بنى عبد المطلب لا أملك لكم من الله شيئا. سلونى من مالى ما شئتم

اے محمد کی بیٹی فاطمہ، اے عبد المطلب کی بیٹی صفیہ، اے اولاد عبد المطلب، میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔[1]

یہ صرف رشتہ داروں کو دعوتِ حق نہیں تھی بلکہ اس بات کا اظہار بھی تھا کہ اللہ کا دین بے لاگ ہے، اس میں نبی کے قریب ترین عزیزوں کے لیے بھی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کوہِ صفا پر اعلانِ حق

ایک روز نبی کریم ﷺ نے صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارا:

"یاصباحاہ"

(ہائے صبح کا خطرہ)۔

یہ نعرہ عربوں کے لیے جانا پہچانا تھا اور اس وقت لگایا جاتا تھا جب کسی دشمن یا فوج کے حملہ کا فوری خطرہ ہوتا۔

آپؐ نے پکارا:

---

(1) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۵۰۔

Marfat.com

اے قریش کے لوگو! اے بنی کعب بن لوی، اے بنی مرہ، اے آل قصی، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبد شمس، اے بنی ہاشم، اے آل عبد المطلب۔۔۔۔

اسی طرح قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آپؐ نے آواز دی۔

یا صباحاہ کا نعرہ سننا تھا کہ قریش کے سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے"؟

سب نے کہا:

"ہاں، ہمارے تجربے کے مطابق تم کبھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے ہو"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اچھا تو میں تم کو خبردار کرتا ہوں، اللہ کا سخت عذاب آنے سے پہلے اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو۔

اس پر ابولہب نے کہا:

"تو غارت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا"؟

اس پر سورۃ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱)

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود غارت ہوا۔"

سورۃ اللہب: ۱۔

Marfat.com

دعوت و تبلیغ کا حکیمانہ انداز

کوہ صفا پر لوگوں کو اس طرح اسلام کی طرف دعوت دینا دراصل تبلیغ کا حکیمانہ انداز تھا اور اس مثال کے ذریعے سے اہل مکہ پر اسلام کی دعوت اور اللہ کی وحدانیت کو واضح کرنا تھا۔

نبی ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔ اب یہ یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسے دنیا پر تمہاری نظر ہے۔

تبلیغ عام

اپنے خاندان، قرابت داروں اور قبیلے کے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مکہ کے عام لوگوں میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ جب تک آپؐ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، ہر حال میں اور ہر جگہ لوگوں کو قرآن سناتے اور اللہ کا دین قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ آپ لوگوں کو توحید کی خوبیاں بتاتے، بتوں، پتھروں اور درختوں کی پوجا کرنے سے روکتے اور اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہونے سے منع کرتے۔

آپؐ کی دعوت کی خاص خاص باتیں

آپؐ لوگوں کو ایک اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے آپ کو، اپنے جسم کو، اپنے کپڑوں کو میل کچیل، گندگی اور نجاست سے پاک رکھیں۔ اپنی جانوں کو گندی باتوں سے محفوظ رکھیں۔ اپنے دل جھوٹے عقائد اور توہم پرستی سے پاک صاف رکھیں۔ اپنے قول اور وعدہ کی پابندی کریں۔ زنا سے بچیں۔ اپنی بیٹیوں کو زندہ در گور نہ کریں۔ اپنے آپ کو ایک اللہ کے حوالے کریں، اسی سے مانگیں کیونکہ دُعاؤں کا قبول کرنے والا وہی ہے اور بیماروں کو تندرست بھی صرف وہی کر سکتا ہے۔ چاند، سورج،

Marfat.com

ستارے، حجر و شجر سب اس کی مخلوق ہیں۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ فرشتے، نبی اور رسول سب اسی کے حکم کے پابند ہیں۔

مجالس، میلوں اور منڈیوں میں دعوت و تبلیغ

عرب میں عُکاظ، مجَنّہ اور ذو المجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ لوگ دور دور سے وہاں آتے۔ نبی کریم ﷺ ان میلوں اور بازاروں میں جاتے اور وہاں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔ نجی مجالس میں، بر سر عام، حرم میں غرض ہر جگہ آپ لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچاتے۔ حج کے زمانے میں جب لوگ منیٰ میں قیام کیا کرتے تھے اس وقت بھی آپؐ ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ میں جاتے اور خاص و عام سب کو دعوتِ حق پہنچاتے تھے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ مکہ میں دس سال تک آپؐ کا یہ طریقہ رہا کہ آپؐ، منیٰ، عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں ایک ایک قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے اور فرماتے:

یاایہاالناس قولوا لاالہ الااللہ تفلحواوتملکوا بہا العرب وتذل لکم العجم واذا آمنتم کنتم ملوکاً فی الجنۃ

لوگو! کہو لا الٰہ الا اللہ، فلاح پاؤ گے اور اس کلمے کی بدولت عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا، اور جب تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں تم بادشاہ ہو گے۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد: ۱/۱۶۸۔

Marfat.com

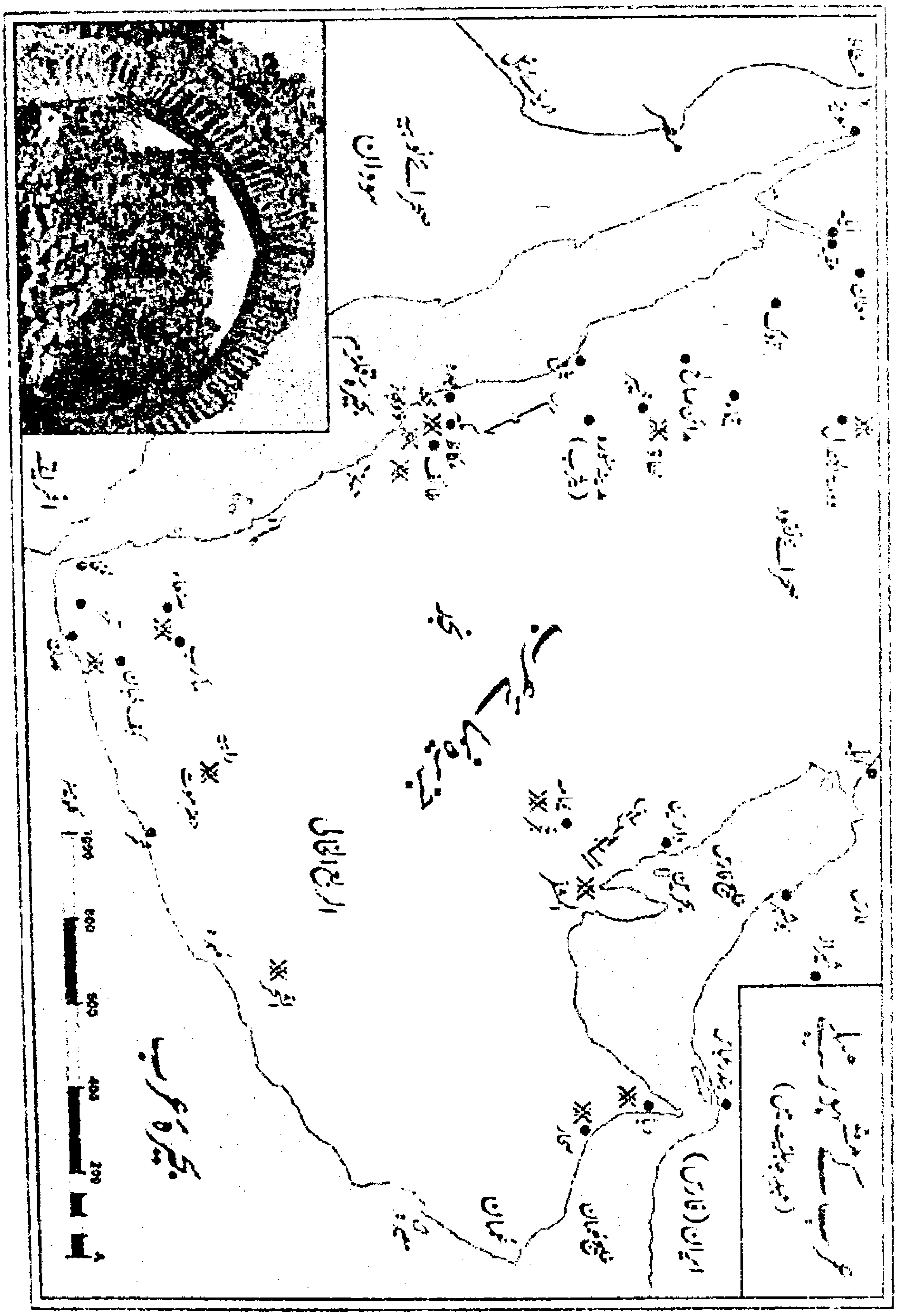

Marfat.com

دشمنی اور ایذاء رسانی کا آغاز

مکہ، بت پرستی اور شرک کا مرکز تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہاں لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو پورے مکہ میں اس آواز نے جس میں مشرکین کو گمراہ اور بت پرستی کو گمراہی کہا گیا تھا، مخالفت کی لہر دوڑا دی اور اہل مکہ آپؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کوئی ان کے معبودوں کو برا بھلا کہے اور ان کے آباؤ اجداد کے دین پر تنقید کرے۔

لیکن اس سب کے باوجود وہ آپؐ کو براہ راست نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور نہ آپؐ کو جھوٹا قرار دے سکتے تھے کیونکہ ان کے سامنے موجود شخصیت وہ تھی جسے وہ خود امین اور صادق ہونے کا سرٹیفکیٹ دے چکے تھے۔ یہ شخصیت انسانی اقدار اور مکارم اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھی اور اس کی چالیس سالہ زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی صورت میں موجود تھی۔

قریش کے سردار آپؐ کو اسلام کی دعوت سے روکنے کی مختلف تدابیر سوچتے رہے۔ بالآخر کافی غور و خوض کے بعد انہیں یہی سجھائی دیا کہ وہ آپؐ کو روکنے کے لیے ابو طالب سے مل کر ان پر دباؤ ڈالیں تاکہ وہ آپؐ کی حمایت کرنا چھوڑ دیں۔

قریش ابو طالب کی خدمت میں

قریش کے چند سرداروں کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا اور کہا:

اے ابو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے اور ان کی برائی کی، ہمارے دین میں عیب نکالا، ہماری عقلوں کو حماقت قرار دیا، ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا۔ اب آپ اسے ہماری دل آزاری سے روکیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ خود بھی ہماری طرح اس کے دین کے خلاف

Marfat.com

ہیں، پھر ہم اس سے نمٹ لیں گے۔(۱)

ابو طالب نے ان کو بہت نرم جواب دے کر اور اچھی باتیں کر کے روانہ کیا۔

ابو طالب کی جانب سے اس شفقت اور مدافعت کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے اس اعلانِ حق اور دعوت و تبلیغ میں منہمک ہو گئے اور اپنا کام جاری رکھا۔

اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج۔۔۔

ابو طالب کی جانب سے حمایت اور مدافعت کے بعد آپؐ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے جس پر قریش کے سردار پیچ و تاب کھاتے رہے۔ بالآخر ان سے مزید صبر نہ ہو سکا اور وہ ایک بار پھر وفد لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا:

> اے ابو طالب! آپ ہمارے درمیان عمر رسیدہ بزرگ ہیں، شرف اور قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کر دیں لیکن آپ نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔ اللہ کی قسم اب ہم اس سے زیادہ صبر نہیں کریں گے۔ ہم سے اپنے باپ دادا کی برائی، اپنی عقلوں کی توہین اور اپنے معبودوں کی عیب چینی برداشت نہیں ہوتی۔ اب یا تو آپ اسے روکیں یا پھر ہمارا اور آپ کا مقابلہ ہو گا یہاں تک کہ دونوں میں سے کوئی ایک فریق ہلاک ہو جائے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا:

> بھتیجے! تمہاری قوم نے آ کر مجھ سے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ تم میرے لیے بھی اور اپنے لیے بھی جینے کی کچھ گنجائش باقی رہنے دو اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔

نبی کریم ﷺ کو یہ سن کر خیال ہوا کہ شاید چچا کے لیے اب ان کی حمایت کرنا

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۵۶۔

Marfat.com

مشکل ہو گیا ہے اور اب وہ آپ کی مزید پشت پناہی نہ کر سکیں۔ تب آپؐ نے فرمایا:

> چچا جان! اللہ کی قسم، اگر وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب فرمادے یا میں اس راہ میں کام آجاؤں۔

پھر آپ رنجیدہ ہو کر رو دیے اور اٹھ کر جانے لگے۔ ابو طالب نے یہ دیکھ کر کہ محمدؐ پر اس بات کا کیسا سخت اثر ہوا ہے، آپؐ کو پکارا۔ آپؐ پلٹ کر آئے تو انہوں نے کہا:

> بھتیجے! اپنا کام جاری رکھو اور جو کچھ کرنا چاہو کرو، اللہ کی قسم میں کسی چیز کی وجہ سے بھی تمہیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔

قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوت و تبلیغ کا کام پوری تندھی سے جاری رکھا۔ جب قریش کا آپؐ پر بس نہ چلا تو انہوں نے سارا غصہ ان افراد پر اتارنا شروع کر دیا جو کمزور تھے اور ان کے قبیلوں میں ان کے حمایتی موجود نہ تھے۔ سب سے زیادہ مظالم ان غلاموں اور لونڈیوں پر توڑے گئے جن کا مکہ میں کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ اپنے ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا جو اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکے تھے۔

حضرت بلالؓ حبشی اسلام لائے تو ان کا آقا امیہ بن خلف دوپہر کو سخت گرمی کے وقت انہیں نکال کر باہر لے جاتا۔ مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ اللہ کی قسم تم اس وقت تک اس حالت میں پڑے رہو گے جب تک محمدؐ کا انکار کر کے لات اور عزیٰ کی عبادت نہ کرنے لگو۔ لیکن اس قدر سخت آزمائش اور تکلیف کے باوجود وہ جواب میں اَحد، اَحد کہے چلے جاتے۔ بالآخر انہیں حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کیا۔

حضرت عمارؓ، ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ جب اسلام لائے تو ان کے آقا سخت گرمی میں ان لوگوں کو باہر لاتے اور مکہ کی سخت تپش میں ان کو مختلف قسم کی تکلیفیں

Marfat.com

پہنچاتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا گزر اس مقام سے ہوا جہاں ان لوگوں کو عذاب دیا جارہا تھا تو آپؐ کو بے حد رنج ہوا اور آپؐ نے فرمایا:

"آل یاسر! ذرا صبر، ذرا صبر، تمہاری منزل جنت ہے"۔[1]

آخر کار اُن کے والد حضرت یاسرؓ کا انتقال اسی حالت میں ہوا اور والدہ حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے شہید کر دیا۔ اور وہ اسلام کی پہلی شہیدہ قرار پائیں۔

حضرت خبابؓ بن الارت نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم خود بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مشرکین ایک دن مجھے پکڑ کر لے گئے، آگ جلا کر مجھے گھسیٹا، پھر مجھے اس آگ میں ڈال دیا، پھر ایک شخص میرے سینے پر کھڑا ہو گیا۔ میری چربی کے پگھلنے سے بالآخر آگ بجھ گئی۔

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت خبابؓ نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی جو بالکل برص کے مریض کی کھال جیسی ہو رہی تھی۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر، مکہ کے خوش پوشاک اور نازو نعم میں پلے ہوئے نوجوان تھے۔ جب ان کی ماں کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو ان کو ہر سہولت سے محروم کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔

غرض قریش کے لوگوں نے طرح طرح کے مظالم ان کمزور اور بے بس مسلمانوں پر ڈھائے۔ لیکن ان سعید روحوں نے کفر کے مقابلے میں اسلام کو پسند کیا اور ہر طرح کی تکالیف کا مقابلہ کیا۔

---

1 ایضاً: ۱/۲۳۰۔

Marfat.com

نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریش کی بد سلوکی

قریش کا ظلم و جور عام مسلمانوں پر بڑھتا چلا گیا لیکن اس تمام تر ظلم و ستم کے باوجود ان پاکیزہ روحوں نے اسلام کو نہیں چھوڑا اور قریش کی تمام کوششیں اور حربے انہیں دین اسلام سے پھیرنے میں ناکام رہے۔ اہل مکہ کا ظلم و ستم عام مسلمانوں سے بڑھتے بڑھتے مکہ کے معزز اور خاندانی لوگوں پر بھی شروع ہو چکا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کے حوالے سے ان کے ہاتھ اب تک رکے ہوئے تھے۔ مگر بالآخر ان کی برداشت جواب دے گئی اور نبی کریم ﷺ کو تنگ کرنے اور انہیں اذیت پہنچانے کے لیے آپؐ پر بھی ظلم و جور کا آغاز کر دیا۔ مشرکین نے باہم سر جوڑ کر آپؐ کے خلاف ابولہب کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی جس کا مقصد آپؐ کو تنگ کرنا اور آپؐ کی دعوت کا مذاق اڑانا تھا۔

آپؐ کے خلاف ابولہب کا رویہ شروع دن ہی سے معاندانہ تھا۔ بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔

اس سے بھی زیادہ کمینی حرکت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کے پہلے صاحبزادے قاسم کے کم سنی میں وفات پا جانے کے بعد جب آپؐ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا بھی انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں یہ "خوشخبری" سنائی کہ محمدؐ نعوذ باللہ ابتر (جس کی نسل ختم ہو گئی ہو) ہو گئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر میں فرمایا:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱)

"اے نبیؐ! تمہارے دشمن ہی ابتر ہو گئے"۔

ابولہب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے لیے بازاروں میں آپؐ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا اور لوگوں کو آپؐ کی بات سننے سے روکتا تھا۔ اس پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ پتھر بھی دے

---

۱ سورۃ الکوثر: ۳۔

Marfat.com

مارتا تھا جس سے آپؐ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل، جس کا اصل نام اَرْوٰی تھا، نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں اپنے شوہر سے کم نہ تھی۔ وہ نبی ﷺ کے راستے میں اور دروازے پر رات کے وقت کانٹے ڈال دیا کرتی تھی، بدزبان اور فساد برپا کرنے والی عورت تھی، آپ کے خلاف بدزبانی کرنا اور لگائی بجھائی کرنا اس کا شیوہ تھا، اسی لیے قرآن نے اس کو حمالۃ الحطب (لکڑیاں ڈھونے والی یا لگائی بجھائی کرنے والی) کہا ہے۔

ابولہب آپؐ کا چچا اور پڑوسی ہونے کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے فرمایا کہ ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے، یعنی اس کی ساری تدبیریں غارت ہو گئیں۔(۱)

قریش کا ایک اور سردار عقبہ بن ابی معیط اپنی بدبختی اور خباثتوں میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

> ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے، قریش بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے اور اس کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے، اٹھالائے اور جب محمدؐ سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ اس پر شقی القلب عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور وہ نجاست بھری اوجھڑی اٹھالایا۔ جب نبی کریم ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپؐ کی پیٹھ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد کفار ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے جب کہ نبی کریم ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھا سکے۔ (ابن مسعود فرماتے ہیں کہ) میں یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا لیکن کافروں کا ہجوم دیکھ

---

۱ ابن ہشام: ۱/۳۵۵۔

Marfat.com

کر کچھ نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ آئیں اور انہوں نے آپؐ کی پشت مبارک سے اوجھڑی اٹھا کر پرے پھینک دی اور ان سنگ دل لوگوں کی سخت سرزنش کی۔ تب آپؐ نے سر اٹھایا، پھر تین بار فرمایا:

اللھم علیک بقریش [1]

"اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے۔"

جب آپؐ نے بددعا کی تو وہ بہت ڈر گئے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔

ابوجہل بھی آپؐ کو ایذاء پہنچانے میں کسی سے کم نہ تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کو اپنی بات سے اذیت پہنچاتا اور اللہ کی راہ سے روکتا تھا۔ پھر اپنی اس حرکت اور برائی پر ناز اور فخر کرتا ہوا جاتا تھا، گویا اس نے کوئی بہت ہی قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔

ابوجہل نے جب پہلے دن آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، اسی دن سے آپؐ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار نبی ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا وہاں سے گزر ہوا، دیکھتے ہی بولا:

"محمد! کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا"؟

ساتھ ہی اس نے دھمکی بھی دی۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ڈانٹ کر سختی سے جواب دیا جس پر وہ کہنے لگا:

اے محمد! مجھے کس بات کی دھمکی دے رہے ہو۔ اللہ کی قسم اس وادی (مکہ) میں میری محفل سب سے بڑی ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فلیدع نادیه سندع الزبانیة [2]

---

1 صحیح البخاری: ۲۴۰۔

2 سورۃ العلق: ۱۷-۱۸۔

Marfat.com

"اچھا تو وہ بلائے اپنی محفل کو (ہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلائے دیتے ہیں)"

ایک روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریمؐ نے اس کا گریبان گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی [1]

"تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے، تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے"۔

اس پر یہ دشمن خدا کہنے لگا:

اے محمدؐ، مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ اللہ کی قسم تم اور تمہارا پروردگار میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں مکے کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔

غرض مشرکین نے ہر طرح سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کو اذیتیں پہنچائیں اور انہیں تنگ کیا۔

ہجرت حبشہ

حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے اور قریش کے ظلم و ستم کی بنا پر مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دو بھر ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ رجب ۵ نبوی میں نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

لو خرجتم الی الارض الحبشة فان بها ملکا لا یظلم عنده احد وهی ارض صدق حتیٰ یجعل الله لکم فرجا مما انتم فیه

اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو دور کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔ [2]

---

1 سورۃ القیمۃ: ۳۴، ۳۵۔

2 ابن ہشام: ۱/۳۲۱۔

Marfat.com

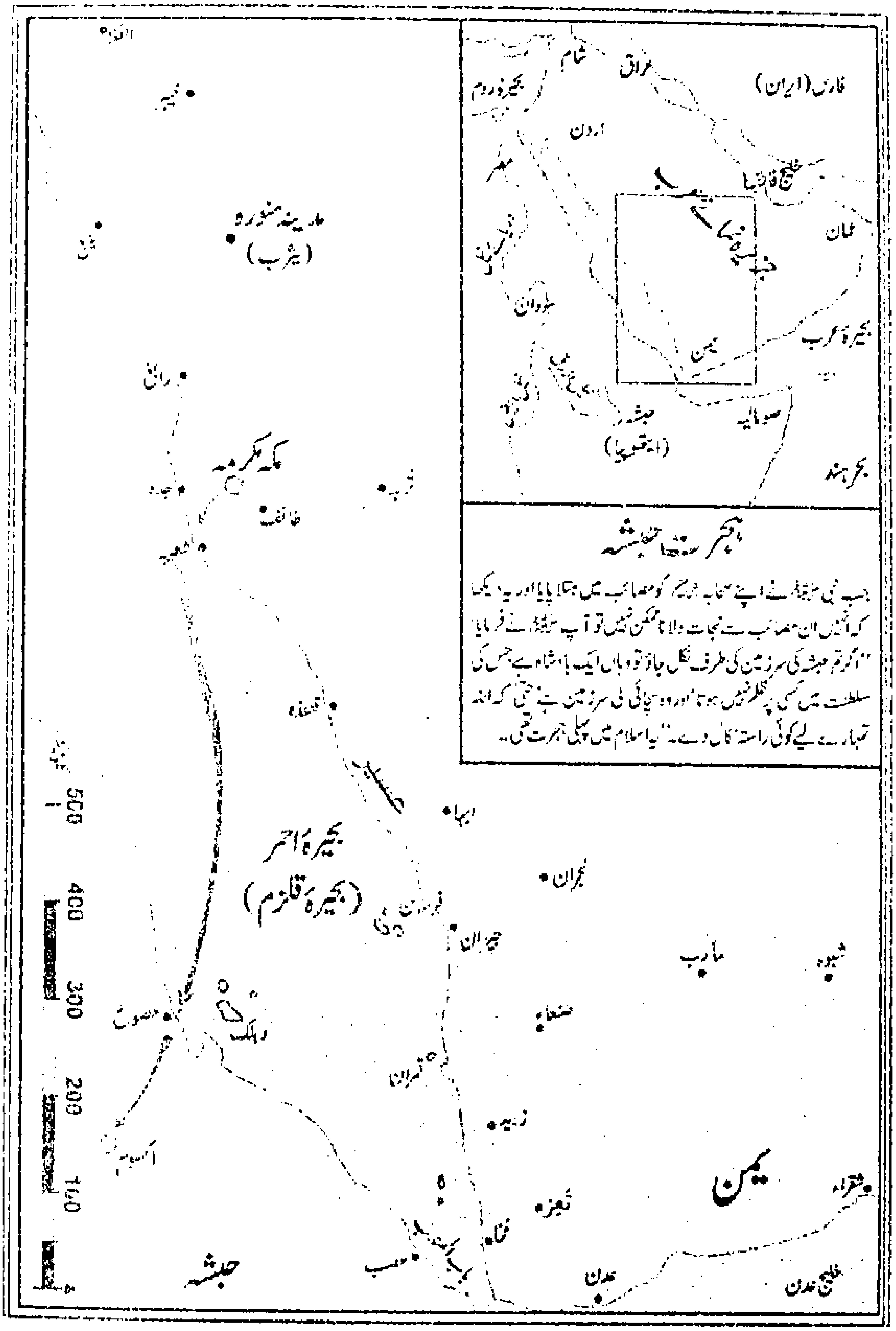

ہجرت حبشہ

جب نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو مصائب میں مبتلا پایا اور یہ دیکھا کہ انہیں ان مصائب سے نجات دلانا ممکن نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ سچائی کی سرزمین ہے حتیٰ کہ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکال دے۔'' یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

Marfat.com

چنانچہ آپؐ کے اس ارشاد کے مطابق حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی جس میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں شامل تھیں۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے امیر تھے۔ ان کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی"۔ (۱)

ان لوگوں نے نہایت رازداری کے ساتھ بحر احمر کی بندرگاہ شعیبہ کا رخ کیا تاکہ قریش کو ان کی روانگی کا علم نہ ہو سکے۔ خوش قسمتی سے وہاں دو تجارتی کشتیاں موجود تھیں۔ قریش کے لوگوں کو ان کی روانگی کا علم قدرے تاخیر سے ہوا۔ انہوں نے ان کا پیچھا کیا اور ساحل تک جا پہنچے لیکن یہ مختصر قافلہ بروقت کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا اور گرفتار ہونے سے بچ گیا۔ یوں قریش نامراد واپس لوٹ آئے۔ حبشہ قریش کے لیے جانی پہچانی بندرگاہ تھی جہاں وہ خوب تجارت کر کے رزق کماتے تھے، اس بنا پر ان مہاجرین کو وہاں پہنچ کر کوئی مشکل پیش نہ آئی اور وہ سکون سے رہنے لگے۔

مہاجرین کی واپسی اور اس کا سبب

اسی سال رمضان میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی خبر حبشہ کے مہاجرین کو اس شکل میں پہنچی کہ مکہ کے مشرکین مسلمان ہو گئے ہیں۔

واقعہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حرم پاک تشریف لے گئے جہاں قریش کے لوگوں کا بڑا مجمع تھا جن میں ان کے بڑے بڑے سردار اور نامور لوگ موجود تھے۔ آپؐ نے ایک دم کھڑے ہو کر سورہ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ کلام الٰہی کی شدتِ تاثیر اور عظمت و جلال کا یہ حال تھا کہ مخالفین کو کچھ ہوش نہ رہا۔ سب کے سب اس آواز کو سننے میں محو ہو گئے اور کسی شخص کے دل میں کسی اور خیال کا گزر نہ ہوا، یہاں تک کہ جب

---

۱ البدایۃ والنہایۃ: ۴/۱۶۷، وزاد المعاد: ۱/۲۴۔

Marfat.com

آپؐ نے سورۃ کے خاتمے پر آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ فرمایا تو سب حاضرین بھی سجدہ میں گر گئے اور مشرکین کے وہ بڑے بڑے سردار جو مخالفت میں پیش پیش تھے، سجدہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ قرآن کی شدّت تاثیر اور جلال سے متاثر ہو کر ان سے ٹھیک وہی کام ہو گیا جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا تو انہیں سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ ہم سے کیا کمزوری سرزد ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ان مشرکین نے جو اس موقع پر وہاں موجود نہ تھے، ان پر لعن طعن کی تو انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لیے نبی کریم ﷺ پر یہ بہتان باندھا اور جھوٹ گھڑا کہ آپؐ نے ان کے بتوں کا ذکر عزت و احترام سے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتین لترتجی (یہ بلند پایا دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے)۔ اس لیے ہم نے سمجھا کہ محمد ﷺ ہمارے طریقے پر آ گئے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا جو محض اس لیے گھڑ لیا گیا تھا کہ نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو غلطی ہو گئی ہے اس کے لیے ایک معقول عذر پیش کیا جا سکے۔ یہ سوچ کسی دیوانے ہی کی ہو سکتی ہے کہ سورۂ نجم کے اس سیاق وسباق میں ان فقروں کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔ (۱)

بہرحال یہ خبر مشہور ہو کر حبشہ اس شکل میں پہنچی کہ کفارِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مہاجرین نے مکہ واپسی کی راہ لی لیکن ایک دن کے فاصلے پر آنے کے بعد جب ان پر حقیقت آشکار ہوئی تو کچھ لوگ پلٹ کر حبشہ چلے گئے اور باقی لوگ قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے۔

دوسری ہجرت حبشہ اور قریش کا تعاقب

اس کے بعد ان مہاجرین پر بطور خاص اور مسلمانوں پر بالعموم قریش کا ظلم وستم اور تشدد بڑھ گیا۔ قریش نے ان افراد کو خوب ستایا۔ جب مکہ میں ظلم حد سے بڑھ گیا اور نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ حبشہ مسلمانوں کے لیے امن وسکون کی جگہ ثابت ہوا ہے تو آپؐ

---

۱ رحمۃ للعالمین: ۱/۶۱۔

Marfat.com

نے ان مظلوم مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ یہ لوگ پھر حبشہ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ ۶ نبوی میں دوسری ہجرت واقع ہوئی۔ اگرچہ قریش نے اس دفعہ مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی بھرپور کوشش کی اور نکلنے والوں کو بہت تنگ کیا اور ان کے راستے میں سخت مشکلات کھڑی کیں لیکن مسلمانوں نے استقامت اور مستعدی کا ثبوت دیا اور اللہ نے ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیں چنانچہ یہ افراد قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی حبشہ پہنچ گئے۔ اس دفعہ کل ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی[1]۔

مہاجرین کو واپس لانے کے لیے قریش کی تدابیر

اس ہجرت سے مکہ کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد ان مہاجرین میں شامل نہ ہو۔ اب قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مہاجرین کو واپس لانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ قریش کو اس بات کا بھی رنج اور غصہ تھا کہ مہاجرین حبشہ میں چین اور امن وسکون سے رہ رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو جو گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے، ایک اہم سفارتی مہم کے لیے منتخب کیا اور انہیں نہایت قیمتی تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا۔

نجاشی کے دربار میں

یہ دونوں ماہرین سیاسیات، قریش کے سفیروں کی حیثیت سے حبشہ پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے اعیانِ سلطنت اور پادریوں میں ہدیے اور تحفے تقسیم کیے اور انہیں اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لیے بادشاہ پر زور ڈالیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد اپنا مدعا یوں بیان کیا:

> اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ کر آگئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے لیکن آپ کے دین

---

[1] رحمۃ للعالمین: ۱/۶۱۔

Marfat.com

میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں ان کے پاس واپس بھجوادیں۔[1]

اس پر پادریوں اور اہل دربار نے کہا:

بادشاہ سلامت یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ ان کی قوم کے لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں۔

لیکن نجاشی نے ان کی بات کو رد کر دیا اور تحقیق کی غرض سے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ نجاشی کا پیغام پا کر مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ نجاشی کے دربار میں ہم سچ ہی بولیں گے اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو بلا کم و کاست پیش کریں گے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

جب مسلمان آگئے تو نجاشی نے ان سے پوچھا:

یہ تم نے اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر کونسا دین اختیار کر لیا ہے کہ میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے اور نہ دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں کسی کو اختیار کیا؟

حضرت جعفرؓ کی تقریر

اس پر مسلمانوں کی جانب سے ان کے ترجمان حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے۔ ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے

---

1 ایضاً: ۱/ ۶۱۔

Marfat.com

طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاک دامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں۔ اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری و خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا اور فواحش میں ملوث ہونے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔

حضرت ام سلمہؓ جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے، فرماتی ہیں کہ اس طرح جعفرؓ نے اسلام کے دوسرے احکام بتائے، پھر کہا:

ہم نے اس پیغمبر کو سچا جانا، اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے دین خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جس چیز کو اس نے حرام بتایا اسے ہم نے حرام جانا اور جس کو حلال بتایا اسے حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی، اس نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن

رحمۃ للعالمین ۱:۱۰۱

گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ آخر کار جب انہوں نے ہم پر سختی کی اور ظلم ڈھایا، زمین تنگ کر دی اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا۔ اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

حضرت جعفرؓ کا خطاب سن کر نجاشی نے کہا:

"وہ پیغمبر جو کچھ لائے ہیں اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے"؟

حضرت جعفرؓ نے کہا:

"ہاں"۔

نجاشی نے کہا:

"ذرا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ"۔

حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں جو حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے متعلق تھیں۔ نجاشی اُن کو سن کر اِس قدر رویا کہ اُس کی ڈاڑھی تر ہو گئی، اس کے تمام پادری بھی رو دیے اور ان کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا:

"یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰؑ لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں"۔

اس کے بعد نجاشی نے قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا:

تم دونوں چلے جاؤ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ یہاں ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔

اس حکم پر وہ دونوں وہاں سے نکل آئے، لیکن پھر عمرو بن عاص نے عبداللہ بن ربیعہ سے کہا:

Marfat.com

"اللہ کی قسم کل ان کے متعلق ایسی بات لاؤں گا جو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دے گی"۔

عبداللہ بن ربیعہ نے جواب دیا:

نہیں ایسا نہ کرنا، ان لوگوں سے اگر چہ ہمارے اختلافات ہیں، لیکن ہیں بہر حال اپنے ہی کنبہ، قبیلے کے لوگ۔

مگر عمرو بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔(۱)

قریش کے وفد کی ناکامی

دوسرے روز عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا:

"اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰؑ بن مریمؑ کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں"۔

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ اس بلاوے پر مسلمانوں نے پھر فیصلہ کیا کہ نجاشی جو کچھ پوچھے گا ہم سچ بولیں گے، نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا: عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تمہارا کیا مؤقف ہے؟ جواب میں حضرت جعفرؓ نے فرمایا:

ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ لے کر آئے ہیں یعنی عیسیٰؑ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا:

اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس

---

۱ ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے دیکھیے، ابن ہشام: ۱/ ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۶۔

Marfat.com

تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں سے کہا:

جاؤ تم لوگ میری زمین میں امن وامان سے رہو۔ جو تمہیں برا کہے گا وہ سزا پائے گا۔ مجھے گوارا نہیں کہ تم میں سے میں کسی آدمی کو ستاؤں اور اس کے بدلے میں مجھے سونے کا پہاڑ ملے جائے۔

پھر اس نے اپنے لوگوں کو حکم دیا:

ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں اللہ کے خلاف لوگوں کی بات مانوں۔

حضرت ام سلمہؓ جنہوں نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے اور تحفے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم لوگ نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوس کے زیر سایہ مقیم رہے۔

ہجرت حبشہ کے بعد مکّہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے جن میں چند خواتین بھی تھیں۔ کفارِ مکہ پہلے ہی حبش کے وفد کی ناکامی کی بناء پر غصے اور جھنجھلاہٹ کا شکار تھے۔ اس پر مزید انہیں اس بات کا بھی غصہ تھا کہ مسلمان مہاجرین حبش میں آرام وسکون کی زندگی گزار رہے تھے اور نجاشی کے ملک میں انہیں ایک اچھی پناہ گاہ میسر آگئی تھی۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے، ایک اس دعوت حق کو بزور قوت روکنا اور دوسرے آپؐ کی جان کو نقصان پہنچانا اس حالت میں انہوں نے نبی کریمؐ پر دست درازیاں شروع کر دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ابن اسحاق نے ان کا ایک بیان نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے میں بھی موجود تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہا کہ اس شخص کے معاملے میں ہم نے جتنا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ حقیقت میں ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ ان کی یہ گفتگو چل رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کعبہ کا طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ پر ایک چبھتا ہوا فقرہ کسا اور میں نے نبی کریم ﷺ کے چہرے پر اس کا ناگوار اثر محسوس کیا۔ پھر دوسری مرتبہ آپؐ گزرے۔ انہوں نے پھر آوازہ چست کیا اور میں نے محسوس کیا کہ آپ کو وہ ناگوار گزرا ہے۔ تیسری مرتبہ جب آپؐ گزرے اور انہوں نے یہی حرکت کی تو آپؐ رک کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"قریش کے لوگو! سنتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تمہارے پاس قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں"۔[1]

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی اس بات پر سارے لوگ سُن ہو کر رہ گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اُن میں سب سے بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا، اس نے اپنی طرف سے جو بہتر سے بہتر الفاظ پائے، ان کے ذریعے سے آپ سے رحمت کا طلب گار ہوا اور کہا:

"اے ابوالقاسم! اچھی طرح سے گزر جایئے۔ اللہ کی قسم آپؐ تو

---

1 مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۰۳۶۔

Marfat.com

کبھی نادان نہ تھے"۔

چنانچہ آپؐ وہاں سے پلٹ گئے۔

دوسرے روز یہ لوگ پھر حرم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے آپس میں کہا:

"کچھ یاد ہے کہ یہ شخص تمہارے معاملے میں کہاں تک بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اس نے وہ بات تک کھل کر کہہ دی جو کل کہی تھی اور پھر تم نے اسے چھوڑ دیا"۔

اتنے میں نبی کریم ﷺ سامنے سے نمودار ہوئے۔ آپؐ کے آتے ہی یک بارگی سب آپ پر جھپٹ پڑے اور آپؐ کو گھیر کر کہنے لگے:

"تم ہی ہو جو یہ اور یہ کہتے ہو"؟

آپؐ نے فرمایا:

"ہاں میں ہی ہوں جو یہ کہتا ہوں"۔

اتنے میں میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آپؐ کی چادر کو گریبان کے پاس سے پکڑ کر مٹھی میں لے لیا۔ اس پر ابو بکرؓ آپؐ کی حمایت کے لیے اٹھے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ

(کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے)۔

اس کے بعد وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔

عبداللہ بن عمر بن عاصؓ کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذاءرسانی تھی جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھی تھی۔ [1]

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۸۵۶، ۳۶۷۸

Marfat.com

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

اسی زمانے میں ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حضرت حمزہؓ کو دائرہ اسلام میں داخل کر دیا۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ نبوت کے اخیر کا ہے۔ ایک روز نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے تھے، کہ ابوجہل آپؐ کے قریب سے گزرا اور آپؐ کو بے تحاشا گالیاں دیں، آپؐ کو ایذا پہنچائی اور سخت برا کہا۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے اور کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد اس نے آپؐ کے سر پر پتھر مارا جس سے خون بہہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے تو اس نے ان سے ابوجہل کی حرکت کہہ سنائی۔ حضرت حمزہؓ قریش کے نہایت بہادر، طاقت ور اور خود دار آدمی تھے۔ آپؐ کے چچا بھی تھے اور دودھ شریک بھائی بھی۔ عمر میں بھی دونوں میں کم ہی فرق تھا۔ آپؐ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ جب انہوں نے یہ قصہ سنا تو شدید غصے کی حالت میں اس جگہ پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا اور جاتے ہی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر کہا:

> تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے۔ میں بھی انہی کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ تجھ میں ہمت ہے تو وہی گالیاں، ذرا مجھے دے کر دیکھ۔

اس پر بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت میں کھڑے ہوئے مگر اس نے کہا:

> ”ابو عمارہ کو چھوڑ دو، میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بری طرح گالیاں دی تھیں“۔

ابتدا میں حضرت حمزہؓ اس حمیت کے طور پر اسلام لائے تھے کہ ان کے عزیز ترین بھتیجے کی توہین کی گئی تھی۔ لیکن پھر اللہ نے اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا اور ان کے قدم اسلام پر مضبوطی سے جم گئے۔ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی وجہ سے مسلمانوں نے

Marfat.com

عزت اور قوت محسوس کی۔[1]

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے قریش کو بڑی اذیت پہنچی تھی۔ اس کے تین دن بعد ایک بڑی شخصیت، عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے ان کو دوسری زبردست چوٹ پڑی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی ۶ نبوی کا ہے۔ حضرت عمرؓ، بہادر تھے، طاقت ور تھے اور انسابِ عرب کے علم میں ان کی شہرت تھی۔ وہ نہایت زبان آور تھے اور ان کی قوتِ بیان کا لوہا مانا جاتا تھا۔ قریش کی جانب سے بیرونی ممالک کی سفارت کاری ان کے ذمہ تھی۔ وہ اسلام کی مخالفت میں اور ایمان لانے والوں پر ظلم وستم میں پیش پیش تھے۔

ایک دن حضرت عمرؓ نبیؐ کے قتل کے ارادے سے تلوار لے کر نکلے مگر راستے میں ان کو حضرت نعیمؓ مل گئے جن کا تعلق انہی کے قبیلے بنی عدی سے تھا اور وہ اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا:

"عمر کہاں کا ارادہ ہے"؟

کہنے لگے:

(نعوذ باللہ) محمد کا فیصلہ کرنے جارہا ہوں جس نے بے دینی اختیار کی، قریش کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، ہم سب کو احمق قرار دیا، ہمارے دین میں عیب نکالا اور ہمارے معبودوں کی برائی کی۔

نعیمؓ نے کہا:

واللہ عمر تمہارے نفس نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے قتل کے بعد بنی عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟۔ تم ذرا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

---

1 رحمۃ للعالمین: ۱/۶۸۔

Marfat.com

"میرے گھر میں کون"؟

نعیمؓ نے کہا:

تمہارے چچازاد بھائی اور بہنوئی سعید بن زیدؓ اور تمہاری بہن فاطمہؓ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے محمد ﷺ کی پیروی اختیار کرلی ہے۔

عمرؓ پلٹ کر سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خبابؓ بن الارت موجود تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس پر سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور وہ اُن کو یہ سورت پڑھا رہے تھے۔ جب ان کو عمر کی آمد کا احساس ہوا تو خبابؓ گھر کے اندرونی کمرے میں چھپ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے جلدی سے وہ صحیفہ چھپا لیا لیکن عمر اس سے قبل حضرت خبابؓ کی تلاوت و قراءت سن چکے تھے، پہنچ کر پوچھا:

"یہ کیسی کھسر پھسر ہو رہی تھی"؟

ان دونوں نے جواب دیا:

"کیا تم نے کچھ سنا ہے"؟

انہوں نے کہا:

"ہاں سنا ہے۔ واللہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے محمد کا دین قبول کرلیا ہے"۔

پھر انہوں نے اپنے بہنوئی سعید کو مارا، شوہر کو بچانے کے لیے حضرت فاطمہؓ آئیں تو انہوں نے ان کو بھی خوب مارا جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔ جب آپ ان کو مار کر تھک چکے تو ان دونوں نے کہا:

ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں، تم نے جو کرنا ہے کرلو۔

عمرؓ نے بہن کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے:

"مجھے وہ صحیفہ تو دکھاؤ جسے تم لوگ ابھی پڑھ رہے تھے"۔

Marfat.com

ان کی بہن نے کہا:

"ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تم اِسے ضائع نہ کر دو"۔

انہوں نے کہا:

"تم ڈرو نہیں، اطمینان رکھو"۔

پھر اپنے معبودوں کی قسم کھائی کہ پڑھ کر اسے واپس کر دیں گے۔

ان کی ان باتوں سے بہن کو اطمینان حاصل ہوا اور کچھ امید بندھی کہ شاید یہ مسلمان ہو جائیں، پھر انہوں نے بھائی سے کہا:

آپ شرک کی وجہ سے نجس و ناپاک ہیں اور اس صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔

اس پر عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے وہ صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے سورہ طٰہٰ کا ابتدائی حصہ پڑھا ہی تھا کہ حضرت خبابؓ باہر نکل کر کہنے لگے:

ابن خطاب! اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ نے تم کو اپنے نبی کی دعا کا مصداق بننے کے لیے چن لیا ہے۔ میں نے کل ہی نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

اللهم أعز الإسلام بأحب الرجلين إليك: بعمر بن الخطاب أو بأبي جهل بن هشام

اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔[1]

پس اے عمر، اللہ کی طرف آؤ، اللہ کی طرف آؤ۔

عمرؓ نے کہا:

"مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو۔ میں ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں"۔

---

(1) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۴۳۔

Marfat.com

حضرت خبابؓ نے کہا وہ صفا کے قریب ایک مکان (دارِارقم) میں اپنے چند اصحاب کے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ عمرؓ تلوار کمر سے باندھے ہوئے وہاں پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ صحابہ میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر دروازے کی جھری سے باہر جھانکا تو دیکھا کہ عمرؓ تلوار کمر سے باندھے کھڑے ہیں۔ وہ گھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو خبر دی۔ حضرت حمزہؓ بولے:

آنے دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو ہم بھی نیک معاملہ کریں گے ورنہ اسی کی تلوار سے اسے ختم کر دیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اسے آنے دو"۔

حکم کے مطابق عمرؓ کو اجازت دے دی گئی۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی نبی کریمؐ ان کی طرف بڑھے، ان کی چادر کو مٹھی میں دبا کر شدت سے کھینچا اور فرمایا:

ابن خطاب تمہیں کیا چیز یہاں لائی ہے؟ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ تم باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تم پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! میں اللہ اور اس کے رسول پر اور رسول کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

اس پر آپ ﷺ نے زور سے اللہ اکبر فرمایا جس سے مکان میں موجود سب لوگ جان گئے کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا اور ان کی بڑی ہمت بندھی کہ حضرت حمزہؓ کے تین دن بعد حضرت عمرؓ بھی مسلمان ہو گئے اور اب یہ دونوں بہادر اسلام کے لیے قوت وطاقت اور تقویت کا موجب بنیں گے۔[1]

---

1 دیکھیے، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۸۶۳۔

Marfat.com

قریش کی مصالحتی کوشش

عرب کے کافروں نے جب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں ایک جانب مسلمان حبشہ میں چین سے زندگی گزار رہے ہیں اور دوسری جانب حمزہؓ اور عمرؓ جیسے مکہ کے بہادر اور نامور سردار مسلمان ہوگئے ہیں تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی کوشش شروع کی جس میں لالچ اور دھمکی دونوں کا اثر شامل تھا۔ ایک دفعہ قریش کے چند سردار مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے اور مسجد کے ایک گوشے میں حضرت محمد ﷺ تن تنہا تشریف فرما تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت حمزہؓ ایمان لا چکے تھے اور قریشِ مکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ پر پریشان تھے۔ اس موقع پر عتبہ بن ربیعہ نے، جو اپنی قوم کا سردار تھا، قریش کے دوسرے سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> قریش کے لوگو! اگر آپ لوگ پسند کریں تو میں جاکر محمدؐ سے بات کروں اور ان کے سامنے چند تجاویز رکھوں۔ شاید کہ وہ ان میں سے کوئی بات مان لیں اور ہم بھی اسے قبول کرلیں اور اس طرح وہ ہماری مخالفت سے باز آجائیں۔

وہاں موجود تمام افراد نے عتبہ کی اس بات کی تائید کی اور کہا:

> "ابوالولید! ہمیں آپ پر پورا اطمینان ہے، آپ جائیے اور ان سے بات کیجیے"۔

عتبہ اٹھ کر نبی ﷺ کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا:

> بھتیجے! ہمارے ہاں تم کو جو عزت حاصل تھی وہ تم خود جانتے ہو اور نسب میں بھی تم ایک شریف ترین گھرانے کے فرد ہو۔ تم اپنی قوم پر یہ کیا مصیبت لے آئے ہو؟ تم نے جماعت میں تفرقہ ڈال دیا۔ ساری قوم کو احمق اور بے وقوف قرار دیا، ان کے معبودوں اور ان کے دین کی برائی کی۔ ہمارے جو آباء واجداد گزر چکے ہیں ان سب کو تم نے کافر

Marfat.com

قرار دیا۔ اب تم ذرا میری بات سنو، میں تمہارے سامنے کچھ تجاویز رکھتا ہوں، ان پر غور کرو۔ شاید کہ ان میں سے کسی کو تم قبول کرو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ابوالولید آپ کہیں میں سنوں گا"۔

اس نے کہا:

بھتیجے یہ کام جو تم نے شروع کیا ہے اگر اس کا مقصد مال حاصل کرنا ہے تو ہم تمہیں اتنا مال دیں گے کہ تم مالدار ترین ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس کے ذریعے سے اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں گے اور معاملات میں تمہارے فیصلے کے پابند ہوں گے۔ اگر تم بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیتے ہیں، اور اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جسے تم خود دفع نہیں کرسکتے اور تمہیں سوتے جاگتے میں واقعی کچھ نظر آتا ہے تو عرب کے بہترین طبیب سے تمہارا علاج کرادیتے ہیں اور سب مل کر اس کا خرچ برداشت کریں گے۔

عتبہ یہ باتیں کرتا رہا اور نبی کریم ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

"ابوالولید آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے یا ابھی کچھ اور کہنا ہے؟"

اس نے کہا:

"بس مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا"۔

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا اب میری بات سنیں"۔

اس کے بعد آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورہ حم السجدۃ کی تلاوت شروع کی اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ جب آپؐ آیت سجدہ (آیت ۳۸) پر پہنچے تو آپؐ نے سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا:

Marfat.com

"ابوالولید! آپ نے میرا جواب سن لیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام"۔

عتبہ اٹھ کر سرداران قریش کی طرف چلا۔ اسے آتا دیکھ کر مشرکین نے آپس میں کہا:

"اللہ کی قسم، عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے، یہ وہ صورت نہیں جسے لے کر یہ گیا تھا"۔

پھر جب وہ آکر بیٹھ گیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا:

"ابوالولید! کیا سن کر آئے ہو"؟

اس نے کہا:

باللہ میں نے ایسا کلام سنا کہ پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ اللہ کی قسم میری مانو تو اِس شخص کو اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام رنگ لا کر رہے گا۔ پھر اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تم اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر بالفرض وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی۔

لوگوں نے کہا:

"ابوالولید آخر اس کا جادو تم پر بھی چل گیا۔"

عتبہ نے کہا:

"میری جو رائے تھی وہ میں نے تمہیں بتا دی، اب تمہارا جو جی چاہے کرتے رہو"۔[1]

ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب آپؐ سورۂ حم السجدہ کی آیت ۱۳ :

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۰۲۔

Marfat.com

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے تم کو اسی طرح کے اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جیسا عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا) پر پہنچے تو عتبہ نے بے اختیار آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا: ”ایسی بات نہ کہو“ اور اپنی اس حرکت کا سبب لوگوں کو یہ بتایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ محمدؐ جب کوئی بات کہتے ہیں تو وہ جھوٹی نہیں ہوتی، اس لیے مجھے عذاب کا خوف ہوا۔[۱]

اذیت کی مختلف صورتیں اور نبی کریم ﷺ کا کردار

اُس زمانے میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کا غصہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ عرب کے قبائل میں اسلام کی دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ قریش کی ساری کوششوں کے باوجود نہ صرف مکہ بلکہ بیرونی قبائل کے لوگ بھی مسلمان ہو رہے تھے۔ حبشہ میں نجاشی کی حمایت اور سرپرستی کی وجہ سے مسلمان ایک مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ عرب کے دو جری اور بہادر سردار حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اسلام لا کر مسلمانوں کی قوت میں اضافے کا سبب بن چکے تھے۔ ان سب اسباب کی بنا پر قریش نے ظلم کی ایک صورت پر باہم اتفاق کر لیا۔

بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ

بالآخر قریش کے سرداروں نے ایک جگہ جمع ہو کر بالاتفاق ایک دستاویز لکھی جس میں اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب محمد ﷺ کو ان کے حوالہ نہ کر دیں اس وقت تک ان سے میل جول، شادی بیاہ، بول چال اور خرید فروخت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا۔ یہ واقعہ محرم ۷ نبوی کا ہے۔

جب یہ عہد و پیمان طے پا گیا تو اس صحیفہ کو خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور نبی کریمؐ کی حفاظت کے لیے ان سب کو

---

۱ تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۱۵۹۔

Marfat.com

راضی کیا۔ اس کے نتیجے میں ابولہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان ہوں یا کافر، ابوطالب کی ہدایت پر نبی کریم ﷺ کی حمایت کے لیے تیار ہو گئے۔ دوسری طرف مشرکین نے آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف عہد کیا کہ نہ ان سے تعلقات رکھیں گے نہ شادی بیاہ کریں گے نہ دکھ سکھ میں شریک ہوں گے نہ تجارت کریں گے نہ ان سے میل جول رکھیں گے نہ ہی بات چیت کریں گے یہاں تک کہ یہ لوگ محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ انہوں نے یہ معاہدہ لکھا اور اس میں شرط رکھی کہ ہم میں سے کوئی بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب سے صلح نہیں کرے گا اور ان سے بالکل رعایت نہیں کریں گے۔ اس معاہدے کو بغیض بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور نبی کریم ﷺ نے اسے بددعا دی تھی جس سے اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا تھا[1]۔

یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مسلم وکافر سوائے ابولہب کے، شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کے بالکل آغاز میں ہوا تھا۔

شعبِ ابی طالب میں

محصوری کا یہ عرصہ تین سال پر محیط رہا۔ اس پورے زمانے میں قریش نے محصورین کی ایسی ناکہ بندی کی کہ ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ مکہ میں باہر سے جو کچھ آتا مشرکین جلد جا کر خرید لیتے تاکہ محصورین ان سے کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ ابولہب یہاں بھی اپنی ذلیل حرکات سے باز نہ رہا۔ محصورین میں سے جب بھی کوئی شخص کسی تاجر سے کوئی چیز خریدنے لگتا تو ابولہب تاجر کو مخاطب کر کے کہتا کہ ان سے اتنی زیادہ قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں پھر میں وہی چیز تم سے خرید لوں گا اور تمہارا نقصان نہ ہونے دوں گا۔ اس طرح محصورین کی حالت دن بدن بدتر ہوتی گئی۔ انہیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے بچوں اور عورتوں کی آوازیں

---

[1] ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۳۶۔

Marfat.com

شعب ابی طالب سے باہر سنی جاتی تھیں۔ یہ لوگ صرف حج کے زمانے میں نکلتے تھے اور دوسرا حج آنے تک اپنے محلے میں بند رہتے تھے۔ ان کے پاس بمشکل قریش کی بے خبری ہی میں کوئی چیز پہنچ پاتی تھی۔ اس محصوری کے باوجود نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ایام حج میں باہر نکلتے اور مکہ آنے والے حاجیوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

شق القمر کا واقعہ

مقاطعہ اپنی پوری شدت سے جاری تھا کہ شق القمر کا عظیم الشان واقعہ پیش آگیا۔ ہجرت سے پانچ سال قبل ۸ نبوی چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ خود قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [1]

قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا (مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑے جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

مختلف روایات سے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی جو تفصیل معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے:

قمری مہینے کی چودھویں شب تھی۔ چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ یکا یک وہ پھٹا اور اس کا ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت بس ایک ہی لحظہ رہی اور پھر دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ نبی کریم ﷺ اس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا:

"دیکھو اور گواہ رہو"۔

کفار نے کہا:

---

[1] سورۃ القمر ۱-۲

Marfat.com

"محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لیے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا"۔

دوسرے لوگ بولے:

محمدؐ ہم پر جادو کر سکتے تھے تمام لوگوں پر نہیں۔ باہر کے لوگوں کو آنے دو، ان سے پوچھیں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔

باہر سے جب کچھ لوگ آئے تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی اور احمد نے بکثرت سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت جبیرؓ بن مطعم سے نقل کی ہیں۔ شق القمر کا یہ واقعہ آپ ﷺ کی صداقت کا ایک نمایاں ثبوت تھا۔

عہد نامہ کی تنسیخ اور مقاطعہ کا خاتمہ

جب یہ عہد و پیمان قریش کے سرداروں نے باہم باندھا تو ان میں کئی افراد ایسے بھی تھے جو اس معاہدہ اور اس کے نتیجے میں مقاطعے اور محاصرے سے خوش نہ تھے۔ اور جن دو بڑے خاندانوں کا مقاطعہ ہوا تھا، مکہ میں کوئی خاندان ایسا نہ تھا جن کی ان سے رشتہ داریاں نہ ہوں۔ اس بنا پر جب اس مقاطعہ کو پورے تین سال گزر گئے تو قریش کے چند باضمیر اور عالی حوصلہ افراد میں سے ایک ہشام بن عمرو اٹھا اور اس نے مقاطعے کے خاتمہ کے لیے مختلف افراد کو جمع کیا، پھر ان سب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس ظالمانہ معاہدہ کے خاتمہ میں اس کی مدد کریں۔ یہ کل پانچ افراد تھے اور ان سب نے رات کے وقت مل کر بالاتفاق طے کیا کہ اگلے روز قریش کی مجلس میں جا کر اس حوالے سے بات کریں گے۔ دوسرے روز صبح کو یہ لوگ حرم میں داخل ہوئے، کعبہ کا طواف کیا، پھر قریش کی مجلسوں کی طرف گئے اور ان میں سے ایک شخص زہیر نے مکہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

اے مکہ والو! ہم مزے سے کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں، اس حال میں کہ بنی ہاشم دانہ دانہ کو ترسیں اور ہلاک ہوں۔ نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم

Marfat.com

میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پرزہ پرزہ نہیں کر دیا جاتا۔

اس موقع پر ابو جہل نے کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا"۔

مطعم بن عدی، زمعہ، عمرو بن ہشام وغیرہ نے زہیر کی تائید کی۔ یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا:

"یہ ایک سازش ہے جو رات کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کی گئی ہے"۔

اس دوران میں ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم پاک پہنچے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ مقاطعہ کی دستاویز میں موجود مضمون کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی چنانچہ اب وہ قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے ان کو یہ خبر دی ہے، اگر وہ جھوٹا ثابت ہو جائے تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو پھر تم کو ہمارے ساتھ کی گئی قطع رحمی کو ختم کرنا ہو گا اور ظلم سے باز آنا ہو گا۔

جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے انصاف کی بات کہی ہے۔ پھر وہ صحیفہ لے کر آئے تو واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا تھا، صرف اللہ کا نام باقی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی تھی۔ اس کے بعد صحیفہ چاک ہو گیا اور نبی کریمؐ اور بقیہ تمام افراد شعبِ ابی طالب سے باہر آ گئے۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

پیارے چچا ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی جدائی کا عظیم صدمہ

نبوت کے دسویں سال نبی کریم ﷺ کو پے در پے دو صدمات پہنچے۔ ۱۰ نبوی میں آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے ہی لڑکپن سے نبی کریم ﷺ کی پرورش کی تھی اور نبوت کے بعد ہر موقع پر آپؐ کی مدد اور کفار کے مقابلے میں آپؐ کی حفاظت کی تھی۔ ابو طالب نے ایک ماں اور باپ سے بڑھ کر آپ کو پیار دیا آپ کا سہارا بنے

Marfat.com

رہے آپ کے مدد گار رہے ان کی بھاری بھر کم شخصیت کی موجودگی میں قریش مکہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ آپ کو کوئی بڑا نقصان پہنچا سکیں۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔

ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ بھی رحلت فرما گئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی گراں قدر نعمت تھیں۔ ان کی رفاقت آپؐ کے ساتھ تقریباً ۲۵ سال رہی اور اس دوران میں ہر ہر موقع پر انہوں نے آپؐ کی ہمت بندھائی اور آپؐ کا ساتھ دیا۔ مشکل ترین حالات میں بھی اپنی جان اور مال سے آپ کو قوت پہنچائی اور آپؐ کی خیر خواہی اور غم گساری کی۔ یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھیں۔ جبریلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زوجہ محترمہ کو اللہ کا سلام پہنچایا تھا۔ ان کی وفات کا نبی کریمؐ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

> جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا۔ اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔[1]

کفار کی اذیت رسانیاں

نبی کریم ﷺ اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے ان حادثات کی بنا پر نبی کریم ﷺ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ دوسری طرف قریش کی زیادتیاں بھی بڑھ گئی تھیں کیونکہ ابو طالب کے بعد اب آپ کا کوئی پشتیبان نہیں تھا اور سب سے بڑا ظاہری سہارا بھی ختم ہو گیا تھا۔

ابن اسحاق نے قریش کی بڑھتی ہوئی اذیت رسانی کی ایک مثال عروہ بن زبیرؓ کے

---

1 ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۱۳۵۔

Marfat.com

حوالہ سے بیان کی ہے کہ ایک روز قریش کے ایک احمق نے سر بازار نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی۔ آپؐ اسی حال میں گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کی صاحبزادیوں میں سے ایک آپؐ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپؐ انہیں تسلی دینے کے لیے یہ فرما رہے تھے: لا تبكي يا بنية؛ فإن الله مانع أباك "بیٹی رو نہیں اللہ تیرے باپ کا حامی ہے"۔[1]

اس طرح کے پے در پے آلام و مصائب کی بنا پر آپ ﷺ نے اس سال کو عام الحزن فرمایا اور یہ سال اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

یوسف علیہ السلام کے بارے میں سوال اور قصہ یوسف کی بشارتیں

نبی کریم ﷺ کے دو اہم دنیوی سہارے (چچا اور زوجہ مطہرہ) کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد حالا شدید ترین ہو گئے، قریش مکہ کے لیے راستہ کھلا تھا اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھے اور کوئی نہ کوئی موقع تلاش کر رہے تھے کہ آپ کو شہید کر دیں اس سلسلے میں انہوں نے اپنی پارلیمنٹ میں فیصلے بھی کر لیے تھے، اور اس کو نافذ بھی کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے امتحانات بھی لے رہے تھے اور ایسے سوالات کرتے تھے تاکہ آپ جواب نہ دے سکیں اور دعوت کا کام ختم ہو جائے اسی طرح انہوں نے آپ سے حضرت یوسف کے بارے میں سوال کر دیا کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا کیا سبب ہوا۔ چونکہ اہل عرب اس قصہ سے ناواقف تھے، اور اس سے پہلے آپ کی زبان سے بھی یوسف کا نام نہیں سنا گیا تھا اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ آپ یا تو اس کا مفصل جواب نہ دے سکیں گے، یا اس وقت جان چھڑا کر بعد میں کسی یہودی سے پوچھنے کی کوشش کریں گے، اور اس طرح آپ کا بھرم کھل جائیگا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سورہ یوسف کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ: اس امتحان

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۳۲۔

Marfat.com

میں انہیں اُلٹی منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ فوراً اُسی وقت یوسف علیہ السلام کا یہ پورا قصہ آپ کی زبان پر جاری کر دیا، بلکہ اس قصے کو قریش کے اُس معاملہ پر چسپاں بھی کر دیا جو وہ برادران یوسف کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ کر رہے تھے۔

اس طرح یہ قصہ دو اہم مقاصد کے لیے نازل فرمایا گیا تھا: ایک یہ کہ محمدؐ کی نبوت کا ثبوت، اور وہ بھی مخالفین کا اپنا منہ مانگا ثبوت بہم پہنچایا جائے، اور اُن کے خود تجویز کردہ امتحان میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ آپ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپ کو وحی کے ذریعہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ سردارانِ قریش اور محمدؐ کے درمیان اُس وقت جو معاملہ چل رہا تھا اس پر برادرانِ یوسف اور یوسفؑ کے قصے کو چسپاں کرتے ہوئے قریش والوں کو بتایا جائے کہ آج تم اپنے بھائی کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہو جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ مگر جس طرح وہ اللہ کی مشیت سے لڑنے میں کامیاب نہ ہوئے اور آخر کار اُسی بھائی کے قدموں میں آ رہے جس کو انہوں نے کبھی انتہائی بے رحمی کے ساتھ کنویں میں پھینکا تھا، اسی طرح تمہاری زور آمائی بھی خدائی تدبیر کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوسکے گی اور ایک دن تمہیں بھی اپنے اِسی بھائی سے رحم و کرم کی بھیک مانگنی پڑے گی جسے آج تم مٹا دینے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ مقصد بھی سورہ کے آغاز میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ ”یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں ان پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں“۔ حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قصے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اور قریش کے معاملے پر چسپاں کر کے قرآن مجید نے گویا ایک صریح پیش گوئی کر دی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے حرف بحرف صحیح ثابت کر کے دکھا دیا۔ اس سورہ کے نزول پر ڈیڑھ دو سال ہی گزرے ہوں گے کہ قریش والوں نے برادرانِ یوسف کی طرح محمدؐ کے قتل کی سازش کی اور آپ کو مجبوراً ان سے جان بچا کر مکّہ سے نکلنا پڑا۔ پھر اُن کی توقعات کے بالکل خلاف آپ کو بھی جلاوطنی میں ویسا ہی عروج و اقتدار نصیب ہُوا جیسا یوسفؑ کو ہُوا تھا۔ پھر فتح مکّہ کے موقع پر ٹھیک وہی کچھ پیش آیا جو مصر

Marfat.com

کے پایۂ تخت میں یوسفؑ کے سامنے ان کے بھائیوں کی آخری حضوری کے موقع پر پیش آیا تھا۔ وہاں جب برادرانِ یوسف انتہائی عجز و درماندگی کی حالت میں ان کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ط اِنَّ اللّٰہَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِين، "ہم پر صدقہ کیجیے، اللہ صدقہ کرنے والوں کو نیک جزا دیتا ہے"، تو یوسفؑ نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں معاف کر دیا اور فرمایا لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰہُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ "آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے"۔ اسی طرح جب یہاں محمدؐ کے سامنے شکست خوردہ قریش سرنگوں کھڑے ہوئے تھے اور آنحضرتؐ ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے تو آپ نے ان سے پوچھا "تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟" انہوں نے عرض کیا اخ کریمؐ و ابن اخ کریم "آپ ایک عالی ظرف بھائی ہیں، اور ایک عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں"۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا فانی اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ، لاتثرب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء "میں تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا"[1]

مولانا قاضی سید سلیمان سلمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین میں سورہ یوسف کے نزول اور یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں اور محمد ﷺ اور ان کے بھائیوں کے واقعے کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ مبارکہ محض ایک قصے یا سوال کا جواب دینے کے لیے نازل نہیں کی تھی بلکہ اس کو حرف بحرف آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر چسپاں کر دیا اور بالآخر قریش مکہ فتح مکہ کے وقت اسی حالت میں زیر ہوئے جیسے یوسف کے بھائی زیر ہوئے تھے اور آپ نے وہی جواب دیے جو یوسف نے اپنے بھائی ک و دیے تھے اور یہ سورہ مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پیش گوئی کے ساتھ ساتھ خوش خبری بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی قوت اور سلطنت دینے والا ہے۔

رحمۃ للعالمین میں قاضی منصور پوری رقمطراز ہیں کہ:

۱۔ حضرت یوسف بوجہ ان کے روحانی کمالات کے ان کے بھائیوں نے حسد کیا

---

1. سید مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ یوسف، دیباچہ۔

Marfat.com

اسی طرح نبی ﷺ پر آپ کے بھائیوں نے حسد کیا

۲- حضرت یوسف چاہ (کنویں) کے اندر رہے اور نبی کریم غار میں رہے۔

۳- حضرت یوسف نے چند سال جیل میں بسر کیے تھے اور آپ ﷺ نے چند سال شعب ابی طالب میں۔

۴- حضرت یوسف کو وطن سے دور مصر میں جاکر جاہ وجلال ملا اور آپ ﷺ کو وطن سے باہر مدینہ میں جاکر کامیابی اور اقتدار ملا۔

۵- حضرت یوسف کے سامنے قحط کے دنوں میں ان کے بھائی التجا لے کے گئے، آپ ﷺ کے سامنے بھی حضور ﷺ کے بھائیوں نے ایس درخواست پیش کی جب مکہ مکرمہ میں شدید قحط پڑا تو ابو سفیان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، کہا: یا محمد جئت تامرنا بصلۃ الرحم۔ اے محمد آپ تو اپنی تعلیم میں رحم اور قرابت داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں دیکھیے ہم قحط سے مر رہے ہیں، دعا کیجئے کہ یہ مصیبت ٹلے اور آپ ﷺ کی دعا سے قحط ٹلا تھا۔

۶- حضرت یوسف نے مصر سے کنعان کو اپنے بھائیوں کے لیے غلہ بھجوایا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو حکم دے کر نجد سے مکہ میں غلہ بھجوایا تھا۔

۷- حضرت یوسف کی عظمت کو بالآخر بھائیوں نے تسلیم کیا تھا اور نبی کریم ﷺ کی عظمت کا بھی ان کے بھائیوں کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا تھا

۸- حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ایذ دہندہ بھائیوں کے لیے یغفر اللہ لکم کی دعا فرمائی تھی، آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے چچیرے بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن امیہ کو جنہوں نے برسوں حضور کو ستایا تھا اسی دعا سے شاد کام فرمایا تھا۔

۹- حضرت یوسف کی علو مرتبت کا اظہار ان کے والد یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا، اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر فتح مکہ کے دن حضور کے چچا

Marfat.com

عباس (جن کو حدیث میں صنو ابٍ) مثل باپ فرمایا گیا ہے، ایمان لائے تھے۔

۱۰- حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر معاف فرمایا تھا، اور آنحضرت ﷺ نے اپنے بھائیوں کو جنھوں نے ہزارہا اذیتیں دی تھیں، اسی کلام طیب سے خرسند فرمایا تھا۔

چونکہ ان سب حالات کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو مکہ میں دے دی گئی تھی اور سورۃ یوسف کا اعلان مکہ ہی میں منکروں کے اندر ہو چکا تھا، جن کا ظہور اتم فتح مکہ تک ہو گیا، اس لیے سورہ مذکور کو بھی فتح مکہ سے مناسبت خاص ہے۔ اور تمام سورہ آنحضرت ﷺ کے لیے پیش گوئی کا حکم رکھتی ہے۔

سیرت طیبہ کے مطالعہ کے آخر تک آپ دیکھیں گے کہ اس سورت مبارکہ کو کس طرح اللہ تعالیٰ نے سو فی صد ایک خواب کی تعبیر کی طرح پورا فرمایا کہ ہر ہر واقعہ جیسے دونوں نبیوں کے حالات کو جوڑ رہا ہے اور دونوں کی کامیابی ایک حکومت ایک اقتدار ایک سلطنت اور ایک قوت کے طور پر رونما ہوتی ہے۔ اور دونوں کے دشمن بھائی رحمت کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور دونوں ہی نبی اپنے بھائیوں کو نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ کمال اکرام کرتے ہیں۔[1]

مکہ سے باہر دعوت اسلام

نبی کریم ﷺ قریش مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر مکہ سے باہر قبائل کو دعوت دینے کے لیے نکلے تو سب سے پہلے طائف تشریف لے گئے یہ سن ۱۰ نبوی شوال کا واقعہ ہے۔ طائف مکہ کی نسبت ٹھنڈا اور زیادہ پہاڑی علاقہ ہے مکہ مکرمہ سے آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ پیدل سفر کیا۔ راستے میں جو بھی ملتا اس کو دین اسلام

---

1 قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۱/۱۱۸-----۱۱۹، پروگریسو بکس ۴۰ اردو بازار لاہور ۱۹۹۴ء۔

Marfat.com

کی دعوت دیتے لیکن کسی نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

طائف کی سرداری اس وقت عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکوں عبدیالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھ میں تھی۔ نبی کریم ﷺ ان سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کو ایک اللہ کی طرف بلایا اور دعوت الی اللہ میں ان سے مدد طلب کی۔ جواب میں ان میں سے ایک نے کہا "میں کعبہ کے پردے نوچ ڈالوں گا اگر اللہ نے تم کو رسول بنالیا ہے۔" دوسرے نے کہا "کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی رسول بنانے کو نہیں ملا۔" تیسرے نے کہا "میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیوں کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تم اس سے بزرگ تر ہو کہ میں تمہاری بات کا جواب دوں، اور اگر تم اللہ کا نام لے کر جھوٹ بول رہے ہو تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔" ان کے یہ جوابات سن کر آپ ﷺ وہاں سے اٹھ گئے۔ چلتے ہوئے آپؐ نے ان سے صرف اتنا فرمایا: إذ فعلتم ما فعلتم فاكتموا عني "تم نے مجھ سے جو برتاؤ کیا سو کیا لیکن کم از کم اتنا کرو کہ میری بات

کو مخفی رکھو۔" (۱)

---

[1] ابن سيد الناس، محمد بن عبد الله بن يحيى (۷۳۴ھ)، عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير: ۱/ ۱۷۵، موسسة عزالدين للطباعة والنشر، بيروت، طبعة ۱۹۸۶م۔

Marfat.com

یہ بات آپؐ نے اس بنا پر کہی تھی کہ کہیں قریش تک یہ بات نہ پہنچ جائے اور وہ آپؐ کے مقابلے میں مزید جری نہ ہو جائیں۔ مگر ان سرداروں نے ایسا نہ کیا اور آپؐ کے پیچھے اوباشوں اور لفنگوں کو لگا دیا۔ یہ آپؐ کو گالیاں دینے اور آپؐ پر آوازے کسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے قیام طائف کے دوران میں جو تقریباً ۱۰ دن پر مشتمل تھا، ایک ایک سردار اور رئیس کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپؐ کی دعوت قبول نہ کی، بلکہ انہوں نے آپؐ کو اپنے شہر سے نکل جانے کا کہا۔ چنانچہ آپؐ نے واپسی کا قصد کیا۔ انہوں نے

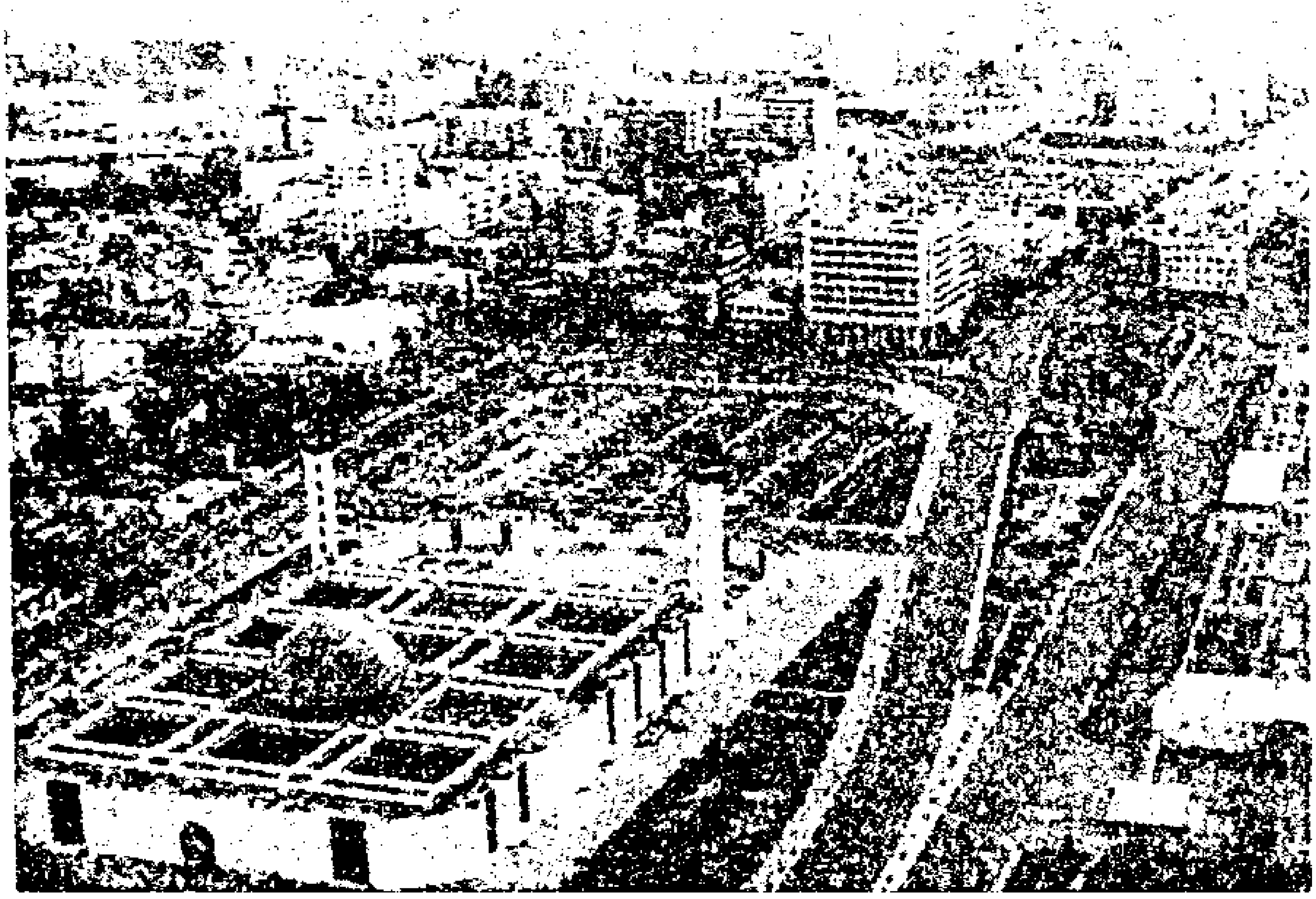

اپنے اوباشوں اور غلاموں کو آپؐ کے خلاف اکسایا۔ شور مچا کر گالیاں دیں اور لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان لوگوں نے تاک تاک کر آپؐ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارے۔ وہ راستے کے دونوں جانب صفیں بنائے کھڑے تھے اور جیسے جیسے آپؐ قدم اٹھا کر چلتے، وہ آپؐ پر سنگ باری کیے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں لہولہان ہو گئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ چوٹوں کی تکلیف سے جب آپؐ بیٹھ جاتے تو وہ آپ کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تاکہ آپؐ پر پتھر برسائیں۔ چنانچہ جب آپؐ مجبوراً چلنا شروع کر دیتے تو وہ پتھر مارنا شروع کر دیتے۔ اس موقع پر حضرت زیدؓ ڈھال بن کر آپؐ کو پتھروں کی بارش سے بچاتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کی رقت انگیز دعا

آخر کار نبی کریم ﷺ جب طائف سے نکل گئے اور وہ بدمعاش جو آپؐ کو اذیت دیتے ہوئے آپؐ کا تعاقب کر رہے تھے، واپس چلے گئے تو زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر آپؐ عتبہ اور شیبہ کے باغ کی دیوار کے ساتھ ایک انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر آپؐ کا دل بھر آیا اور شدت غم سے آپؐ نے اپنے رب کی طرف رجوع کر کے رقت انگیز دعا کی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِللّٰهُمَّ إِلَيكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيلَتِي، وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ، إِلَى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلَى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِي، أَمْ إِلَى قَرِيبٍ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي، إِنْ لَمْ تَكُنْ غَضْبَانًا عَلَيَّ، فَلاَ أُبَالِي، إِنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ، أَوْ تُحِلَّ عَلَيَّ سَخَطَكَ، لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى، لاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ. (1)

یاالٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے یا ارحم الراحمین! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی

1. الطبراني سليمان بن أحمد المعجم الكبير: حدیث نمبر: ۱۴۷۶۴ دار إحياء التراث العربي الطبعة: الثانية، ۱۹۸۳م۔

Marfat.com

رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔

آپؐ اس وقت عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ کی دیوار سے لگ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش کے ان دو سرداروں نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو ان کی رگ انسانیت اور رگِ حمیت نے جوش مارا اور انہوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگوروں کا ایک خوشہ طباق میں رکھ کر آپؐ کے پاس بھیجا۔ جب اس نے انگور آپؐ کی خدمت میں پیش کیے تو آپؐ نے بسم اللہ (اور ایک روایت میں ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم) پڑھ کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا۔

عداس نے کہا:

"اللہ کی قسم یہاں کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولتے۔"

رسول ﷺ نے پوچھا:

"تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟"

اس نے کہا:

"میں عیسائی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے ہو؟"

اس نے پوچھا:

"آپؐ ان کو کیسے جانتے ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔"

یہ سنتے ہی عداس آپؐ پر جھکا اور آپؐ کے سر، ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگا اور مسلمان ہو گیا۔ ربیعہ کے بیٹوں نے جب یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے:

"اس شخص نے ہمارے غلام کو بھی بگاڑ دیا۔"

Marfat.com

جب عداس واپس آیا تو انہوں نے کہا:

"یہ تجھے کیا ہو گیا تھا"؟

اس نے جواب دیا:

میرے آقا، زمین میں ان سے بہتر کوئی نہیں۔ انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جس کو ایک نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

انہوں نے کہا:

"عداس! دیکھ اپنے دین سے نہ پھر، تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو اُحد کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟

آپؐ نے فرمایا:

ہاں! تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دوچار ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبدِ کُلال کے بیٹے پر پیش کیا مگر اس نے میری بات منظور نہ کی تو میں غم والم سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑا اور مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں جبریل کو پایا۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا: آپؐ کی قوم نے آپؐ سے جو بات کہی اللہ نے اسے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپؐ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپؐ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمدؐ! بات یہی ہے۔ اب آپؐ جو چاہیں... اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے

Marfat.com

درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا۔
نبی کریم ﷺ نے اس سے کہا:
بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔[1]

جنوں کا قرآن سننا

اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کی آمد اور تائید غیبی سے آپؐ کا دل قدرے مطمئن ہوگیا۔ چنانچہ آپ مکہ کی جانب رواں دواں ہو گئے اور راستے میں وادی نخلہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے۔ وہاں ایک روز رات کو آپؐ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے تھے کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے قرآن سنا اور ایمان لے آئے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس موقع پر نبیؐ کو ابتداءً جنوں کی اس جماعت کی آمد کا علم نہ ہوسکا تھا بلکہ بعد میں وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کی آمد اور سماعتِ قرآن کی اطلاع دی تھی۔ جنوں کی آمد اور قبول اسلام درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسری مدد تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خوشخبری سنائی کہ انسان چاہے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے بھاگ رہے ہوں مگر بہت سے جن اس کو قبول کر رہے ہیں۔ اس نصرت اور بشارت سے آپؐ پر طائف میں پیش آنے والے واقعے کی بنا پر چھائے غم والم کے بادل چھٹ گئے۔

مکہ واپسی

نخلہ سے جب آپؐ نے مکہ واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت زید بن حارثہؓ نے فرمایا:
آپ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے جب کہ قریش نے آپؐ کو وہاں سے نکال دیا ہے؟

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۲۳۱۔

Marfat.com

آپؐ نے فرمایا:

> اے زید، جو حالات تم دیکھ رہے ہو، ان سے نکلنے کے لیے اللہ کوئی راستہ پیدا کرے گا۔ وہ اپنے دین کا حامی و ناصر ہے اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے۔

جب آپؐ مکہ کے قریب کوہ حرا پہنچے تو وہاں قیام کیا اور بنو خزاعہ کے ایک آدمی، عبد اللہ بن الاریقط کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ میں لے۔ اس نے کہا میں تو حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے ابن اریقط کو سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا بنی کعب کے مقابلے میں بنی عامر بن لوی پناہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا جو بنی عبد مناف کی شاخ بنی نوفل سے تھا۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا، ''ہاں وہ مکہ میں آجائیں۔''

چنانچہ آپ ﷺ شہر میں تشریف لے گئے اور رات اس کے ہاں رہے۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ سات بیٹے ہتھیار باندھ کر آپؐ کو اپنے ساتھ طواف کرانے حرم میں لے گئے۔ طواف کے دوران میں وہ سب آپؐ کے گرد کھڑے رہے۔ اس موقع پر ابو جہل نے پوچھا:

''پناہ دی ہے یا ان کی پیروی اختیار کر لی ہے؟''

مطعم نے کہا: ''نہیں، بلکہ پناہ دینے والا ہوں۔''

اس نے کہا: ''تمہاری پناہ کو نہیں توڑا جا سکتا۔ جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی۔''

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اِس احسان کو یاد رکھا۔ آپؐ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا:

> اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے متعلق بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا[1]۔

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۱۳۹۔

Marfat.com

اسراء و معراج

اس بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ اسراء و معراج کب ہوئی جن کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، علامہ منصور پوری نے ۲۷ رجب دس نبوی کو اختیار کیا ہے۔ آپ ﷺ کو روح و جسد کے ساتھ براق کے ذریعے جبریل علیہ السلام پہلے مکہ سے بیت المقدس لے گئے وہاں تمام انبیا کرام کی آپ نے نماز میں امامت فرمائی اور براق کو مسجد کے دروازے سے باندھ دیا پھر آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی جن کی مکمل تفصیل احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے اس موقع پر نماز پنجگانہ فرض ہوئی[1]۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو آسمانوں اور زمین کی سیر کرائی اور کائنات کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک میں واقعہ معراج کی حیثیت ممتاز ہے۔ انبیاء سمیت انسانی تاریخ میں کسی فرد کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی جو نبی ﷺ کو عطا ہوئی۔ اسراء سے مراد رات کے وقت آپؐ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانا اور معراج سے مراد آپؐ کا بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے ان مقاماتِ خاص اور ساتوں آسمانوں کی سیر کی، پھر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کیا اور انبیاء کرام سے ملاقات کی، جنت اور دوزخ کے مشاہدے کے تمام واقعات بھی پیش آئے جن کی تفاصیل احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔

---

[1] دیکھیے رحمۃ للعالمین: ۱/۷۶۔

Marfat.com

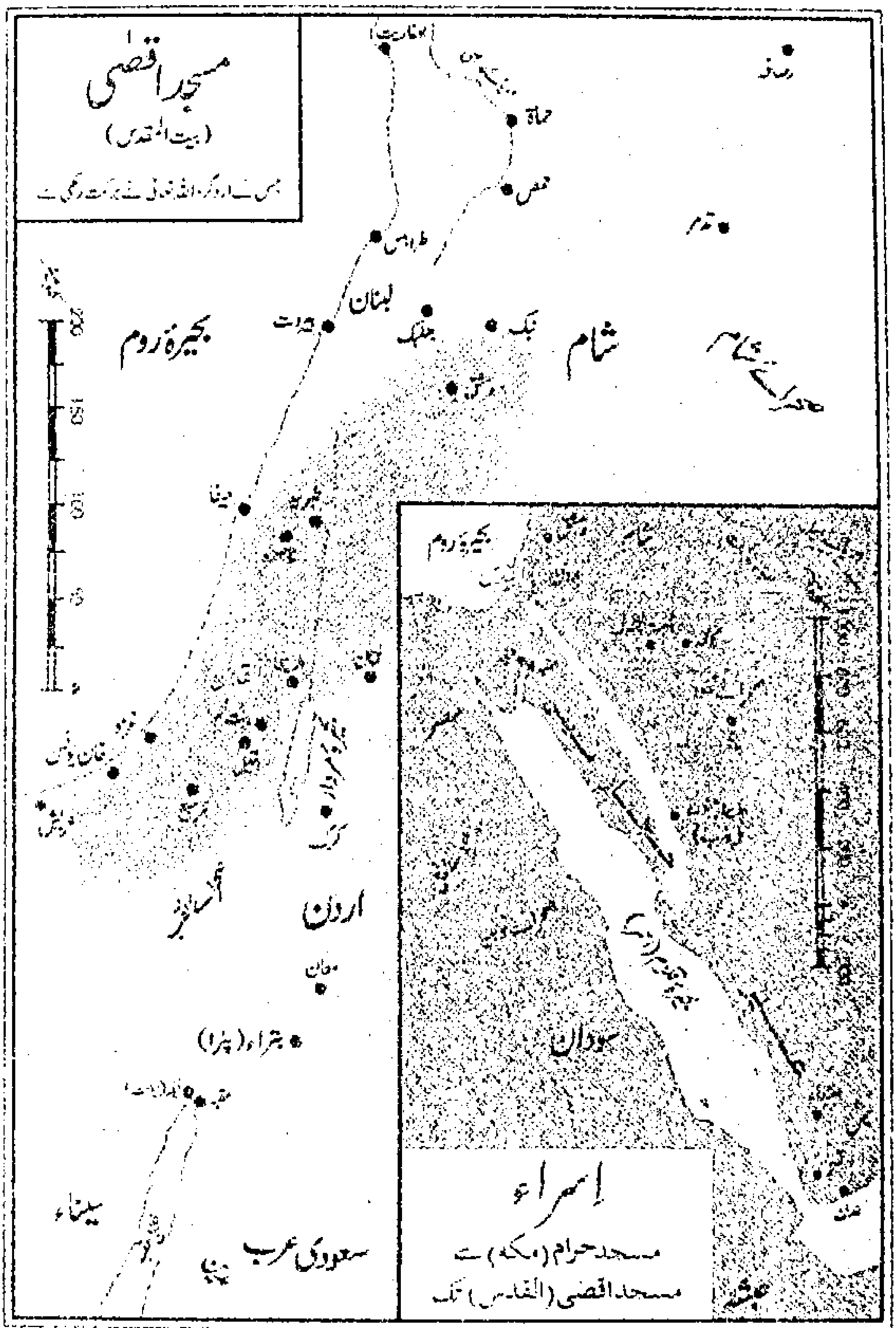
مسجد اقصیٰ
(بیت المقدس)
بحیرۂ روم
لبنان
شام
حمص
حماۃ
تدمر
اردن
سیناء
سعودی عرب
سوڈان
اسراء
مسجد حرام (مکہ) سے
مسجد اقصیٰ (القدس) تک

Marfat.com

سفر معراج کی روداد

روایات کے مطابق آپؐ اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر عشا کی نماز پڑھ کر سوئے تھے کہ یکایک گھر کی چھت کھول کر جبرئیلؑ نے آکر آپ کو جگایا اور نیم بیداری کی حالت میں اٹھاکر آپؐ کو زمزم کے پاس لے گئے۔ سینہ چاک کیا، زمزم کے پانی سے اس کو دھویا پھر اسے حلم اور بردباری اور دانائی اور ایمان ویقین سے بھر دیا۔ اس کے بعد آپؐ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا جس کا رنگ سفید اور قد گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ وہ برق کی رفتار سے چلتا تھا۔ اس کا ہر قدم حد نظر پر پڑتا تھا اور اسی مناسبت سے اس کا نام "براق" تھا۔ جب آپؐ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چمکا۔ جبرائیلؑ نے اسے تھپکی دی اور کہا:

دیکھ، کیا کرتا ہے۔ آج تک محمدؐ سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا ہے۔

یہ سنتے ہی وہ اس قدر شرمندہ ہوا کہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔ پھر آپؐ اس پر سوار ہوئے اور جبرئیلؑ آپؐ کے ساتھ چلے۔ پہلی منزل مدینہ کی تھی جہاں اتر کر آپؐ نے نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ نے کہا آپ اس جگہ ہجرت کر کے آئیں گے۔ دوسری منزل طور سینا کی تھی جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوئے تھے۔ تیسری منزل بیت اللحم تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا، وہاں پر آپؐ نے نزول فرمایا۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا اِدھر آؤ۔ آپؐ نے توجہ نہ کی۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یہودیت کی طرف بلا رہا تھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی اِدھر آؤ۔ آپؐ نے کوئی توجہ نہ کی۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ عیسائیت کی طرف بلانے والا تھا۔ پھر ایک عورت نہایت بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپؐ نے اس سے بھی نظر پھیر لی۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ دنیا تھی۔ پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی۔ جبرئیلؑ نے کہا دنیا کی باقی ماندہ عمر کا اندازہ اس عورت کی باقی ماندہ عمر سے کر لیجیے۔ پھر ایک اور شخص ملا جس نے آپؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر آپؐ اسے بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ

Marfat.com

شیطان تھا جو آپؐ کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

انبیاء کرامؑ کی امامت

بیت المقدس پہنچ کر آپؐ براق سے اتر گئے اور اسی مقام پر اسے باندھ دیا۔ وہاں تمام انبیاء موجود تھے۔ آپؐ کے پہنچتے ہی نماز کے لیے صفیں بندھ گئیں۔ سب منتظر تھے کہ امامت کے لیے کون آگے بڑھتا ہے۔ جبرئیلؑ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور آپؐ نے سب کو نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں پانی، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شراب تھی۔ آپؐ نے دودھ کا پیالہ اٹھایا۔ جبرئیلؑ نے مبارک باد دی کہ آپؐ فطرت کی راہ پا گئے۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس یا بیت المعمور کے پاس آپ ﷺ کے سامنے تین برتن پیش کیے گئے تھے جن میں سے ایک میں شراب تھی، دوسرے میں دودھ تھا اور تیسرے میں شہد۔ لیکن تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ آپؐ نے دودھ ہی منتخب فرمایا تھا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ آپ کو بیت المقدس سے آسمان کی طرف لے چلے۔

پہلے آسمان پر

جب نبی کریم ﷺ پہلے آسمان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ محافظ فرشتوں نے پوچھا کون ہے؟ جبرئیلؑ نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا، تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا، محمد ﷺ۔ پوچھا گیا، انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا، ہاں۔ تب دروازہ کھلا اور آپؐ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ معراج کے متعلق یہ بات تمام احادیث میں متفق علیہ ہے کہ ہر آسمان میں داخل ہونے سے پہلے جبرئیلؑ سے اسی طرح پوچھ گچھ ہوتی رہی اور جب اطمینان کر لیا گیا کہ آنے والے جبرئیلؑ ہیں اور ان کے ساتھ محمد ﷺ ہیں اور آپؐ کو بلایا گیا ہے، تب دروازہ کھولا گیا اور ملائکہ نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ یہاں آپ کا تعارف فرشتوں اور انبیاء کرام سے ہوا جو اس مرحلہ پر مقیم تھے۔ آپؐ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے آپ کو مرحبا کہا، سلام کا جواب دیا۔

Marfat.com

آدمؑ کے دائیں بائیں بہت سے لوگ تھے۔ وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے، بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا، یہ کیا ماجرا ہے؟ بتایا گیا، یہ نسلِ آدم ہے۔ آدمؑ اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور برے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

پھر آپؐ کو تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا۔ ایک جگہ آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹتے جاتے ہیں، اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا کہ یہ راہِ اللہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وہ لوگ ہیں جن کی سر گرانی انہیں نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی۔ کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں کے آگے پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وہ ہیں جو اپنے مال سے زکوٰۃ و خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک آدمی کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب نہیں اٹھا سکتا تو اس میں کچھ مزید لکڑیوں کا اضافہ کر لیتا ہے۔ پوچھا، یہ احمق کون ہے؟ کہا گیا، یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے اوپر لادتا تھا۔

پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔

ایک اور جگہ دیکھی۔ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس میں سے ایک بڑا موٹا سا بیل نکل آیا۔ پھر وہ بیل اسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا مگر نہ جا سکا۔ پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا، یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے بغیر سوچے سمجھے غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک شر انگیز بات کہی اور پھر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ دیکھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا،

Marfat.com

یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ دوسروں پر زبان طعن دراز کرتے تھے۔ ایک مقام پر کچھ لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزتوں کو پامال کیا کرتے تھے۔ کچھ اور لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ یتیموں کا مال کھاتے تھے۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ سود کھانے والے ہیں۔ پھر اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس گوشت اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت رکھا تھا جس سے سخت بو آ رہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ پوچھا، یہ کون ہیں؟ کہا گیا، یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے اپنی حلال بیویوں اور اپنے حلال شوہروں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہشِ نفس پوری کی۔ پھر دیکھا کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے سر ایسے بچے تھوپ دیے جو ان کے نہ تھے۔

انہی مشاہدات کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترش روئی سے ملا۔ آپؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا اب تک جتنے فرشتوں سے ملاقات ہوئی سب بڑی خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ اس فرشتے کی درشتگی کی وجہ کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا یہ جہنم کا داروغہ ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے یکایک آپؐ کی نظر کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور دوزخ اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

دوسرے آسمان پر۔۔۔

اس کے بعد آپؐ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔

Marfat.com

تیسرے آسمان پر

تیسرے آسمان پر آپؐ کی ملاقات ایک ایسی شخصیت سے ہوئی جن کا حُسن عام انسانوں کے مقابلہ میں ایسا تھا گویا تاروں کے مقابلے میں چودھویں کا چاند معلوم ہوتا تھا۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

چوتھے آسمان پر

چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ساتویں آسمان پر پہنچے تو بیت المعمور کو ظاہر کیا گیا جہاں بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے۔ وہاں آپؐ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپؐ نے سلام کیا انہوں نے مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا۔ ابراہیمؑ آپؐ سے بہت مشابہ تھے۔

سدرۃ المنتہیٰ

پھر مزید بلندی کا سفر شروع ہوا اور آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا جس کی حیثیت بارگاہِ رب العزت اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل کی ہے۔ اسی مقام کے قریب آپؐ نے جنت کا مشاہدہ کیا اور آپؐ نے دیکھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہاں اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ انسانی ذہن میں اس کا تصور ممکن ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ ٹھہر گئے اور آپؐ تنہا آگے بڑھے۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ رب العزت سامنے تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ آپؐ سے ہم کلام ہوا۔ اُمت محمدیؐ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، سورہ بقرۃ کی آخری دو آیات تعلیم فرمائی گئیں، شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی معافی اور بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا اور ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا، اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

Marfat.com

نماز کی فرضیت کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

اس کے بعد آپؐ واپس ہوئے تو حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا اللہ نے آپؐ کو کس چیز کا حکم دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے کہا آپؐ کی امت اس کی پابندی نہیں کر سکتی۔ اپنے پروردگار کے پاس جایئے اور اس میں کمی کا سوال کیجیے۔ آپؐ گئے اور اللہ عزوجل نے دس نمازیں کم کر دیں۔ آپؐ واپس پلٹے اور موسیٰؑ سے ملے تو انہوں نے پھر وہی بات کہی۔ ان کے کہنے پر آپؐ بار بار اوپر جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

اس کے بعد آپؐ کی واپسی کا سفر شروع ہوا اور آپؐ واپس بیت المقدس آئے۔ یہاں پر پھر تمام پیغمبر موجود تھے۔ آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی، پھر براق پر سوار ہوئے اور مکہ واپس پہنچ گئے۔

صبح سب سے پہلے آپؐ نے اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانیؓ کو یہ روداد سنائی۔ پھر آپؐ باہر نکلنے لگے تو انہوں نے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور آپؐ سے درخواست کی کہ یہ قصہ لوگوں کو نہ سنایئے کیوں کہ وہ اسے سن کر آپؐ کا مذاق اڑائیں گے۔ مگر آپؐ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ میں ضرور بیان کروں گا۔

آپؐ حرم کعبہ میں پہنچے تو وہاں قریش کے لوگ جمع تھے۔ آپؐ نے اپنے رب کی جو بڑی بڑی نشانیاں دیکھی تھیں، ان کی خبر اپنی قوم کو دی اور سب کے سامنے پورا قصہ بیان کیا۔ لوگوں نے آپؐ سے پوری روداد سنی تو آپؐ کی تکذیب کی اور آپؐ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ انہوں نے آپؐ سے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنے کو کہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نگاہ کے سامنے بیت المقدس کو پیش کر دیا چنانچہ آپؐ نے لوگوں کے سوالات کے جواب میں قوم کو اس کی نشانیاں بتلانا شروع کیں۔ اس طرح ان کو ماننا پڑا کہ آپؐ نے وہاں کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اب لوگوں نے آپؐ سے مزید ثبوت مانگے۔ آپؐ نے فرمایا، جاتے ہوئے میں فلاں مقام پر فلاں قافلہ سے گزرا جس کے ساتھ یہ یہ سامان تھا اور

Marfat.com

قافلہ والوں کے اونٹ براق سے بدکے جس سے ایک اُونٹ فلاں وادی کی طرف بھاگ نکلا اور میں نے قافلہ والوں کو اس کا پتہ دیا۔ واپسی پر فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کا قافلہ مجھے ملا، سب لوگ سو رہے تھے، میں نے ان کے برتن سے پانی پیا اور اس بات کی علامت چھوڑ دی کہ اس سے پانی پیا گیا ہے۔ پھر جیسا کہ آپؐ نے بتایا تھا ویسا ہی ثابت ہوا اور بعد میں آنے والے قافلوں سے ان باتوں کی تصدیق ہوئی۔ لیکن اس سب کے باوجود ان کا کفر اپنی جگہ قائم رہا اور ان ظالموں نے کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

اس موقع پر کچھ لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ قصہ سن کر کہا کہ اگر واقعی محمد ﷺ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہو گا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں تو روز سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ابو بکرؓ کو اسی موقع پر صدیق کا لقب دیا گیا۔

(واقعہ معراج اس قدر معروف و معلوم ہے کہ قریب قریب تمام سیرت نگاروں محدثین مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے)

نماز کے اوقات کی تعلیم

معراج کے بعد دو دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی پانچ نمازوں کو ادا کرنے کے اوقات بتانے حضرت جبرئیلؑ آتے رہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو ہر نماز اپنی امامت میں پہلے دن اوّل وقت میں پڑھائی اور دوسرے دن، آخر وقت میں۔ پھر فرمایا وَالوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هَذَيْنِ الوَقْتَيْنِ ہر نماز کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے۔[1]

قبائل عرب کو دعوت اسلام

طائف سے مکہ واپس تشریف لانے کے بعد آپؐ نے دعوت و تبلیغ کا کام زور و شور سے دوبارہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ حج کے موسم میں مختلف افراد اور قبائل کو اسلام کی دعوت

---

۱ سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۴۹۔

Marfat.com

دی۔ آپؐ ہر قبیلہ کے پاس جاکر انہیں اسلام کی دعوت دیتے اور پکارتے کہ اے بنی فلاں میں تمہاری طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں تم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ مجھ پر ایمان لے آؤ اور میری تصدیق کرو، فلاح پا جاؤ گے۔ جس طرح نبی کریمؐ نے مختلف قبائل کو مخاطب کیا ایسے ہی مختلف افراد اور اشخاص کو بھی دعوت حق دی۔

سویدؓ بن صامت کا اسلام

یہ شاعر تھے، یثرب کے باشندے اور گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ حج یا عمرہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ وہ بولے:

"میرے پاس بھی وہی کچھ ہے جیسا کہ آپ کے پاس ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے پاس کیا ہے؟"

وہ بولے:

"حکمتِ لقمان۔"

آپؐ نے فرمایا:

"سناؤ۔"

انہوں نے چند اشعار سنائے۔ آپؐ نے فرمایا:

یہ کلام یقیناً اچھا ہے لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، اور وہ قرآن ہے، ہدایت، نور ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی، وہ بلا تاخیر مسلمان ہو گئے۔ جب واپس (یثرب) مدینہ پہنچے تو جنگ بعاث چھڑ گئی اور اس میں قتل کر دیے گئے۔[1]

---

1 سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۲۷۔

Marfat.com

طفیلؓ بن عمرو دوسی

یہ قبیلہ دوس کے ایک بڑے سردار اور اس کے اشراف میں سے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ خود ان سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میں قبیلہ دوس کا ایک بڑا شاعر تھا، کسی کام سے مکہ گیا۔ وہاں قریش کے لوگوں نے میرا استقبال کیا اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے خلاف میرے کان بھرنا شروع کر دیے اور آپؐ کے خلاف مجھے ورغلایا، یہاں تک کہ میں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا کہ نہ آپؐ کی کوئی چیز سنوں گا اور نہ آپؐ سے بات چیت کروں گا۔ حتیٰ کہ جب میں صبح کو مسجد حرام گیا تو کان میں روئی ٹھونس رکھی تھی تاکہ آنحضرتؐ کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑ سکے۔ لیکن اس کلام کا سننا اللہ کی جانب سے لکھا ہوا تھا، چنانچہ میں نے بڑا عمدہ کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے جی میں کہا افسوس مجھ پر، میں تو بڑی سمجھ بوجھ اور عقل و دانش رکھنے والا شاعر ہوں۔ مجھے برے اور بھلے کی اچھی طرح پہچان ہے۔ پھر کیوں نہ اس شخص کی بات سنوں اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا اور اگر بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ یہ سوچ کر میں رک گیا اور جب آپؐ گھر کو پلٹے تو میں بھی پیچھے ہو لیا۔ آپؐ اندر داخل ہوئے تو آپؐ کے پیچھے میں بھی داخل ہو گیا۔ اور آپؐ کو اپنی آمد کا واقعہ اور قریش کے لوگوں کے خوف دلانے کی کیفیت بیان کی۔ پھر اپنے کان میں روئی ٹھونسنے اور اس کے باوجود آپؐ کی بعض باتیں سن لینے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ سے اپنی بات پیش کرنے کو کہا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت میرے سامنے رکھی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سنی تھی، چنانچہ میں نے وہیں

Marfat.com

اسلام قبول کر لیا۔

پھر وہ اپنی قوم میں پلٹے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ان کی کوششوں سے ان کے قبیلے کے کئی لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔[1]

ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوذر غفاریؓ کا یثرب کے اطراف کے قبائل سے تعلق تھا۔ سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعے سے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر ان تک پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی کو نبیؐ کی خبر لینے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کا بھائی مکہ آیا۔ نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور واپس آکر ابوذر غفاری کو بتایا کہ وہاں میں جس آدمی سے ملا ہوں وہ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اعلیٰ ترین اخلاق کا مالک ہے، اور ان سے ایسا کلام میں نے سنا جو شعر نہ تھا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے:

> اپنے بھائی کی معلومات سے میری تشفی نہیں ہوئی لہٰذا میں نے خود جانے کا قصد کیا اور زادِ راہ لے کر مکہ پہنچا۔ مکہ پہنچ کر میں نے آپؐ کو تلاش کیا لیکن میں آپؐ کو پہچانتا نہ تھا اور نہ کسی سے پوچھنا مجھے گوارا تھا، اسی تلاش میں رات گزر گئی۔ اس وقت میرے پاس سے علی کا گزر ہوا، کہنے لگے، اجنبی معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں۔ انہوں نے کہا، اچھا تو گھر چلو، میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے نہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا رہا تھا۔ صبح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد حرام گیا کہ آپؐ سے ملاقات ہو سکے لیکن آپؐ کو پہچانتا نہ تھا۔ آخر میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ میرے پاس سے پھر علی گزرے۔ مجھے دیکھا تو بولے: "اس آدمی کو

---

1 ایضاً: ۱/۱۸۲-۱۸۳۔

Marfat.com

ابھی اپنا ٹھکانا معلوم نہ ہو سکا"؟ میں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے کہا: "اچھا تو میرے ساتھ چلو۔" اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے اور تم اس شہر میں کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا اگر آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے مگر اس نے پلٹ کر کوئی ایسی بات نہ بتائی جس سے میری تشفی ہوتی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کرلوں۔ علی نے کہا: "بھئی تم صحیح جگہ پہنچے ہو۔ دیکھو میں بھی انہیں کی طرف جارہا ہوں۔ جس جگہ میں داخل ہو جاؤں تم بھی داخل ہو جانا اور ہاں اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمہارے لیے خطرہ ہو تو دیوار کی طرف اس طرح چل پڑوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں لیکن تم راستہ چلتے رہنا۔" اس کے بعد علی روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوئے، میں بھی ان کے ساتھ نبیؐ کے پاس جا داخل ہوا اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت میرے سامنے پیش کی اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

اے ابوذر! اس معاملے کو پس پردہ رکھو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ جب تک ہماری بات اچھی طرح ظاہر نہ ہو جائے۔

میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں تو ان کے درمیان ببانگ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا اور اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ قریش کے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ عباس نے مجھے بچایا۔ دوسرے

Marfat.com

دن صبح میں دوبارہ وہاں گیا اور وہی کام کیا جو کل کیا تھا۔ وہ دوسرے دن پھر مجھ پر پل پڑے اور عباس ہی نے مجھے بچایا[1]۔

اس طرح مکہ سے باہر کئی سعید روحوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلوں میں جا کر اسلام کی دعوت کو پھیلایا۔

اسلام کی مقبولیت

مکہ اور طائف کے لوگوں سے مایوس ہو کر نبیؐ نے عرب کے دوسرے قبائل کی طرف توجہ فرمائی۔ آپؐ ان قبائل کے پاس جاتے جو حج کے موقع پر منیٰ میں جمع ہوتے تھے یا عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں شریک ہونے کے لیے مکہ آتے تھے۔ طائف کے سفر سے پہلے بھی آپ ان مواقع پر ان قبائل عرب کے پاس جاتے تھے لیکن اب آپؐ نے دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ قبائل کے اشراف اور سرداروں سے اپنی حمایت اور اس دعوت کے کام میں مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ ان سے کہتے کہ میری مدد کرو تا کہ میں اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاؤں کیوں کہ قریش نے مجھے اس کام سے روک دیا ہے۔ آپؐ ان قبائل سے فرماتے کہ مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور میری حمایت کرو تا کہ میں اپنے رب کا کلام پہنچاؤں۔ جہاں جہاں نبی کریم ﷺ جاتے، ابوجہل اور ابولہب اور قریش کے دوسرے شریر سردار مسلسل آپ کے پیچھے لگے رہتے اور ان قبائل کو آپؐ سے گمراہ کرنے اور ورغلانے کی کوشش کرتے۔ بسااوقات وہ آپؐ کو پتھر مارتے اور آپؐ پر خاک پھینکتے تھے، مگر آپؐ نے اپنا کام جاری رکھا۔

وہ قبائل جن سے آپ ﷺ ملے

آپؐ اکثر و بیشتر قبائل کے پاس گئے اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ ان میں خاص طور پر قابل ذکر قبائل یہ ہیں:

۱۔ کلب: یہ قضاعہ کی ایک شاخ تھی جس کا علاقہ شمال عرب میں دومۃ الجندل سے

---

1. صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۳۸۶۱۔

Marfat.com

تبوک تک وسیع تھا۔

۲۔ کندہ: جنوبی عرب کا ایک بڑا قبیلہ، حضرموت سے یمن تک اس کا علاقہ پھیلا ہوا تھا۔

۳۔ بنی بکر بن وائل: یہ عرب کے بڑے لڑاکا قبیلوں میں شمار ہوتا تھا اور وسط عرب سے مشرقی ساحل تک اس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔

۴۔ بنی البکاء: بنی عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ، جو مکہ اور عراق کی سرحد کے راستے پر آباد تھی۔

۵۔ ثعلبہ بن عکابہ: یہ بنی بکر بن وائل کی ایک شاخ تھی۔

۶۔ بنی شیباں بن ثعلبہ: یہ بنی ثعلبہ بن عکابہ کی ایک شاخ تھی۔

۷۔ بنی الحارث بن کعب: بنی تمیم کی ایک شاخ تھی۔

۸۔ بنی حنیفہ: یہ بنی بکر بن وائل کی ایک شاخ تھی جو یمامہ میں رہتی تھی۔ مسیلمہ کذاب کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ اس کا شمار عرب کے بڑے لڑاکا قبائل میں ہوتا تھا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں فتنہ ارتداد اٹھا تو اس میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ سخت مقابلہ اسی قبیلہ سے پیش آیا تھا۔

۹۔ بنی سُلَیم: یہ قبائل قیس عَیلان میں سے ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس کا مسکن خیبر کے قریب نجد کا بالائی علاقہ تھا اور وادی القریٰ اور تیماء تک یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔

۱۰۔ بنی عامر بن صعصعہ: یہ ہوازن کی ایک شاخ تھی اور ہوازن قیس عَیلان میں سے تھے۔ یہ لوگ نجد میں رہتے تھے پھر طائف کے ایک حصے تک پہنچ گئے تھے۔

۱۱۔ غسّان: یہ جنوبی عرب کی ایک بڑی قوم تھی جو شمالی عرب میں جا کر بس گئی تھی۔ اس میں بہت سے قبائل تھے جن میں سے بعض عیسائی ہو گئے تھے اور کچھ مشرک تھے۔ عیسائیوں کی ایک ریاست بھی سلطنت روم کے تابع تھی۔

ان قبائل کے علاوہ آپؐ بنی عبد اللہ، فزارہ، بنی محارب بن خصفہ، بنی عبس اور بنی عذرہ کے قبائل کے پاس بھی گئے جو قوت و طاقت رکھنے والے لوگ تھے اور دیگر قبائل کی

Marfat.com

نسبت ایسی حیثیت رکھتے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی آپ کی بات مان لیتا اور دعوتِ اسلامی کی حمایت پر کمربستہ ہو جاتا تو اُمید کی جا سکتی تھی کہ اس سے دین کو بڑی تقویت ملتی۔

عرب کے ان قبائل سے ملاقاتوں میں نبی کریم ﷺ کو طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اکثر قبائل نے آپؐ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ قبائل نے نہ صرف انکار کیا بلکہ نہایت بری طرح پیش آئے۔ اس طرح یہ قبائلِ عرب اس نعمت سے محروم ہو گئے جو خود چل کر ان کے پاس آئی تھی۔[1]

حضرت سودہؓ سے شادی

اسی سال شوال ۱۰ نبوی میں نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے شادی کی۔ یہ ابتدائی دور کی مسلمان اور ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد یہ پہلی بیوی ہیں جن سے آپ ﷺ نے شادی کی۔

انصار کے اوّلین گروہ کا قبولِ اسلام

نبوت کے گیارہویں سال حج میں نبی کریم ﷺ حسب سابق منیٰ میں جمع ہونے والے عرب قبائل سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ عقبہ (گھاٹی) کے قریب قبیلہ خزرج کے چند لوگ باہم گفتگو میں مصروف تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا:

"آپ کون لوگ ہیں؟"

انہوں نے کہا:

"ہمارا تعلق خزرج سے ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"کیا آپ لوگ بیٹھیں گے کہ میں آپ سے کچھ بات کروں؟"

---

1 مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے الرحیق المختوم میں یہ خلاصہ بیان کیا ہے، جبکہ علامہ منصور پوری نے رحمۃ للعالمین میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے دیکھیے، الرحیق المختوم:۱/۸۷ ورحمۃ للعالمین:۱/۷۴۔

Marfat.com

انہوں نے کہا:

"ضرور۔"

چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی تعلیمات کو ان کے سامنے پیش کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ یہ سن کر ان لوگوں نے آپس میں کہا:

> بھائیو! جان لو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کے حوالے دے کر یہود تمہیں ڈرایا دھمکایا کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے سبقت لے جائیں۔

چنانچہ انہوں نے پورے اطمینان کے ساتھ آپؐ کی دعوت قبول کرلی، آپؐ پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہوگئے۔ یہ کل چھ افراد تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱: اسعدؓ بن زرارہ

۲: (اور) عوف بن الحارثؓ۔ بنی مالک بن النجار سے

۳: رافعؓ بن مالک۔ بنی زریق سے

۴: قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ۔ بنی سلمہ سے

۵: عقبہؓ بن عامر بن نابی۔ بنی حرام بن کعب سے

۶: جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب۔ بنی عبید سے

اس کے بعد انہوں نے عرض کیا:

> ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس میں اس سے زیادہ باہمی عداوت اور دشمنی پائی جاتی ہو۔ شاید اللہ تعالیٰ آپؐ کی وجہ سے ان کو جمع کر دے۔ ہم واپس جاکر انہیں آپؐ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے ان کے سامنے بھی پیش کریں گے۔ اگر اللہ نے ان کو آپؐ پر جمع کر دیا تو کوئی

Marfat.com

شخص آپ سے زیادہ معزز نہ ہو گا۔[1]

عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کرنے والے یہ اوّلین مسلمان مدینہ واپس پہنچے اور دوسرے لوگوں سے آپؐ کا ذکر کیا اور اُن کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہاں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں محمد ﷺ کا ذکر نہ ہونے لگا ہو۔[2]

حضرت عائشہؓ سے نکاح

اسی سال شوال ۱۱ نبوی میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینے میں مدینہ میں ان کی رخصتی ہوئی۔

بیعت عَقَبہ اولیٰ

اولین چھ مسلمانوں کی تبلیغ کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ اگلے سال یعنی ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ کے بارہ آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں پانچ آدمی وہی تھے جو پچھلے سال مسلمان ہوئے تھے۔ جابرؓ بن عبد اللہ بن رئاب اس سال نہیں آئے تھے۔ باقی سات آدمی نئے تھے۔ ان میں سے پانچ خزرج کے اور دو اوس کے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ معاذؓ بن الحارث

۲۔ ذکوانؓ بن عبد القیس

۳۔ عبادۃؓ بن صامت

۴۔ یزیدؓ بن ثعلبہ

۵۔ عباسؓ بن عبادہ

۶۔ ابو الہیثمؓ بن التیہان

---

1. ابن ہشام: ۲/۵۵۔
2. ایضاً: ۱/۴۲۹۔

Marfat.com

۷۔ عویمؓ بن ساعدہ

ان لوگوں سے نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر جو بیعت لی وہ بیعت نساء کے نام سے مشہور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بیعت کے الفاظ سے بہت مشابہ ہے جو اس واقعہ کے کئی سال بعد قرآن مجید کی، سورۃ ممتحنہ آیت ۱۲ میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے تجویز کیے گئے۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی:

یہ کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گے (یعنی کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے) اور یہ کہ کسی بھلی بات میں نبی کریم ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ اور آپؐ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگ حال اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار، اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے، اور ہم حکومت کے معاملہ میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔ (مسند احمد میں اضافہ ہے کہ اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ حکومت میں تمہارا حق ہے، اور بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ الا یہ کہ تم کھلا کھلا کفر دیکھو) اور یہ کہ جہاں اور جس حال میں بھی ہوں حق بات کہیں گے اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ (پھر آپؐ نے فرمایا) اگر تم نے اس عہد کو وفا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ چاہے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔ (ایک روایت میں ہے کہ اگر تم نے ان ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور پکڑے گئے اور دنیا میں تم کو سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہو گی اور اگر قیامت تک تمہارے فعل پر پردہ پڑا رہ گیا تو تمہارا

Marfat.com

معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے سزا دے چاہے معاف کر دے)۔ (۱)

مدینہ میں مبلغ اسلام

بیعت مکمل ہوگئی اور حج کا زمانہ اختتام کو پہنچ گیا۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس جانے لگے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بھیجا تاکہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں، اسلام سکھائیں اور ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں۔ مدینہ میں حضرت مصعبؓ، حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے ہاں ٹھہر گئے اور دونوں نے مل کر اسلام کی تبلیغ پُر جوش انداز میں شروع کی۔ انصار نے حضرت مصعبؓ کی قیادت میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ان کی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز اسعدؓ بن زرارہ حضرت مصعبؓ کو ساتھ لے کر بنی ظفر کے باغوں میں سے ایک باغ میں گئے۔ وہاں چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اس وقت تک بنی عبد الاشہل کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہیں جب یہ خبر پہنچی تو سعد نے اسید سے کہا:

> ذرا ان دونوں (یعنی اسعدؓ اور مصعبؓ) کے پاس جاؤ جو ہماری بستیوں میں آکر ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور ان کو ڈانٹ کر اپنے علاقے میں آنے سے منع کر دو۔ اگر اسعد بن زرارہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں خود جاتا، مگر تم جانتے ہو کہ وہ میری خالہ کا لڑکا ہے اور میں اس کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا ہوں۔

اس پر اسید نے اپنا نیزہ اٹھایا اور ان دونوں کے پاس جا پہنچے۔ اسعدؓ نے ان کو آتے دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا:

> یہ اپنی قوم کا سردار آرہا ہے۔ اس کے معاملے میں ٹھیک اللہ کی بات پہنچانے کا حق ادا کر دو۔

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۸۹۴۔

Marfat.com

حضرت مصعبؓ نے کہا:

"اگر یہ بیٹھ گئے تو میں بات کروں گا۔"

اسیدؓ ان کے پاس آکر ٹھہر گئے اور انتہائی سخت لہجے میں کہا:

تم لوگوں کو کیا چیز ادھر لے کر آئی ہے۔ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو۔ اگر اپنی جان عزیز ہے تو ادھر کا رخ نہ کرنا۔

حضرت مصعبؓ نے ان سے کہا:

کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے؟ اگر پسند آئے تو قبول کر لیجیے اور اگر پسند نہ آئے تو جو کام آپ کو ناپسند ہو گا، اس سے آپ کو دور رکھا جائے گا۔

"یہ تم نے انصاف کی بات کی۔" اسید نے کہا اور اپنا حربہ زمین میں گاڑھ کر بیٹھ گئے۔

حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعبؓ کا بیان ہے کہ "اللہ کی قسم، اسیدؓ کے چہرے کی بشاشت اور ان کے اندازِ کلام کی نرمی دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اسلام ان کے اندر اتر گیا ہے۔"

پوری بات سننے کے بعد اسید نے کہا:

"کیسا عمدہ اور حسین کلام ہے۔ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟"

انہوں نے کہا:

"غسل کر کے اپنے جسم کو پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں اور اس کے بعد نماز پڑھیں۔"

چنانچہ وہ اسی وقت اٹھے، پاک صاف ہو کر آئے، کلمہ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بولے:

میرے پیچھے ایک آدمی ہے اگر اس نے تمہاری پیروی اختیار کر لی تو

Marfat.com

اس کی قوم میں سے ایک آدمی بھی اس کے خلاف عمل نہ کرے گا۔
میں جا کر اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنا نیزہ اُٹھایا اور پلٹ کر حضرت سعدؓ بن معاذ کے پاس جا پہنچے۔ اس وقت ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ سعد نے ان کو آتے دیکھ کر کہا: ''اللہ کی قسم یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لیے ہوئے اسید گئے تھے۔'' جب حضرت اسیدؓ مجلس کے پاس آن کھڑے ہوئے تو سعد نے پوچھا کہو کیا کر آئے؟ انہوں نے کہا:

میں نے دونوں آدمیوں سے بات کی، مجھے تو ان میں کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ میں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے جواب دیا جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم وہی کریں گے۔

پھر ذرا رک کر کہا:

میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعد تمہارا خالہ زاد بھائی ہے اور وہ اس طرح تمہاری تذلیل چاہتے ہیں۔

یہ سنتے ہی سعد فوراً غصے میں اٹھے اور اپنا حربہ لے کر سیدھا ان دونوں کے پاس جا پہنچے۔ حضرت اسعدؓ نے دور سے ان کو آتے دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا:

یہ اپنے قبیلے کا سردار ہے جس کے پیچھے اس کی ساری قوم ہے۔ یہ مسلمان ہو گیا تو کوئی دو آدمی بھی ایسے نہ رہیں گے جو اس کی قوم میں سے اسلام قبول نہ کرلیں۔

وہاں پہنچ کر جب سعد نے دیکھا کہ اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں تو سمجھ گئے کہ اسید کا مقصد دراصل انہیں ان کی بات سنوانا تھا۔ وہ غضب ناک انداز میں کھڑے ہوئے اور اسعد بن زرارہ سے کہا:

ابو امامہ، باللہ اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو یہ شخص (یعنی مصعبؓ) مجھ سے نہ بچ سکتا تھا۔ کیا تو ہمارے اوپر ایسی چیز

Marfat.com

مسلط کرنا چاہتا ہے جو ہمیں پسند نہیں۔

حضرت مصعبؓ نے ان سے کہا:

کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے؟ اگر اچھی لگے تو قبول کریں اور اگر پسند نہ آئے تو ہم آپ سے اس چیز کو دور رکھیں گے جو آپ کو پسند نہ ہو۔

سعد نے کہا، یہ تم نے انصاف کی بات کی پھر اپنا نیزہ زمین میں گاڑھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعبؓ کا بیان ہے کہ ان کے چہرے کی چمک دمک دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اسلام ان پر اثر کر گیا ہے۔ سعد نے پوری بات سن کر کہا:

"اس دین میں داخل ہونے کے لیے تم لوگ کیا کرتے ہو؟"

حضرت مصعبؓ نے ان سے وہی بات کہی جو حضرت اسیدؓ سے کی تھی چنانچہ انہوں نے غسل کیا، کلمہ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اپنا نیزہ اٹھا کر اپنے قبیلے کی مجلس کی طرف پلٹ گئے۔ ان کو آتا دیکھ کر مجلس کے لوگ بول اٹھے:

"باللہ یہ وہ چہرہ نہیں جسے لے کر سعد گئے تھے۔"

انہوں نے آتے ہی کہا:

"اے بنی عبد الاشہل تم اپنے درمیان میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

سب نے کہا:

آپ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ ہم میں سب سے بڑھ کر صائب الرائے اور سب سے زیادہ عقل اور تجربہ رکھنے والے ہیں۔

یہ جواب سن کر حضرت سعدؓ بولے:

تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔

Marfat.com

اس کے بعد شام ہونے سے پہلے بنی عبد الاشہل کے سب مرد و عورت مسلمان ہوگئے۔ صرف ایک آدمی عمرو بن ثابت رہ گئے تھے۔ وہ عین غزوہ احد کے موقع پر ایمان لائے اور ایک سجدے کی نوبت آنے سے پہلے شہید ہوگئے۔ اور نبی کریمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''وہ جنتی ہے۔''(۱)

حضرت مصعبؓ مدینے میں مسلسل تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصارِ مدینہ کے گھرانوں میں سے کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں موجود نہ ہوں۔ چند گھرانے ایسے رہ گئے جنہوں نے غزوہ خندق تک اسلام قبول نہ کیا۔

بیعتِ عَقَبہ ثانیہ

نبوت کے تیرہویں سال موسم حج میں، مدینہ کے ستر سے زیادہ مسلمان حج کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لائے۔ اِس سے قبل انصار کے ہر گھر میں نبی کریمؐ کا چرچا ہو چکا تھا اور خاصی معقول تعداد میں لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ایک روز وہ سب جمع ہوئے اور آپس میں بات کی کہ آخر کب تک نبی ﷺ کو اس حالت میں چھوڑیں گے کہ آپؐ مکہ کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے پھریں اور آپؐ کو کہیں امن میسر نہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ مکہ پہنچے تو انہوں نے خفیہ طور پر نبی کریم ﷺ سے رابطہ کیا اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ایام تشریق کے درمیانی دن، ۱۲ ذی الحج کو منیٰ میں جمرۂ اولیٰ، یعنی عَقَبہ کے نشیبی حصہ میں رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر جمع ہوں۔ اس تاریخی اجتماع کی روداد اس کے راوی حضرت کعب بن مالکؓ نے بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

> ہم لوگ حج کے لیے نکلے، رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات عقبہ میں ایام تشریق کے درمیانی روز طے ہوئی۔ بالآخر وہ رات آگئی جس میں آپؐ سے ملاقات طے تھی۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبد اللہ بن حرام بھی تھے۔ ہم نے ان کو ساتھ لے لیا تھا، ورنہ

---

۱ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۶۰۔

Marfat.com

ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرکین تھے ہم نے ان سے اپنا سارا معاملہ خفیہ رکھا تھا۔ ہم نے عبداللہ بن حرام سے کہا کہ آپ ہمارے اشراف اور سرداروں میں سے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ جہنم کا ایندھن بنیں۔ پھر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کو بتایا کہ اس وقت ہماری ملاقات عقبہ میں نبی کریم ﷺ سے طے ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ہمارے ساتھ عقبہ کی بیعت میں شریک ہوئے۔ پھر ہم چھپتے چھپاتے طے شدہ وقت پر عقبہ میں جمع ہوگئے۔ ہم کل ۷۵ افراد تھے۔ ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں۔ ایک نسیبہؓ بنت کعب اور دوسری اسماؓ بنت عمرو۔ جب ہم سب گھاٹی میں جمع ہوگئے تو نبی کریمؐ کو اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ موجود پایا۔ نبی کریم ﷺ اپنے معاملات میں ان پر اعتماد کیا کرتے تھے حالانکہ ابھی وہ بظاہر غیر مسلم تھے لیکن چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور اہل مدینہ سے پختہ اطمینان حاصل کرلیں۔ جب مجلس مکمل ہوگئی تو سب سے پہلے عباسؓ نے گفتگو کا آغاز کیا اور اس نازک موقع کا احساس اہل مجلس کو دلایا۔ انہوں نے کہا:

اوس و خزرج کے لوگو! محمدؐ کی جو حیثیت ہمارے ہاں ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے وہ لوگ جو دینی نقطۂ نظر سے ہمارے ہی جیسی رائے رکھتے ہیں (یعنی غیر مسلم ہیں) ہم نے محمدؐ کو ان سے محفوظ رکھا ہے، اس لیے وہ اپنی قوم میں ایک مضبوط حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے شہر میں طاقت و حفاظت کے اندر ہیں۔ لیکن وہ تمہارے ساتھ جانے کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہیں۔ اب اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ جو عہد و پیمان تم ان کے ساتھ باندھ رہے ہو اسے نبھالو گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچالو گے تو جو ذمہ داری تم اٹھا رہے ہے

Marfat.com

ہو، اسے اٹھالو۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے اور دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں۔

انصار نے کہا:

ہم نے بات سن لی، اے اللہ کے رسول اب آپ ارشاد فرمایئے اور ہم سے جو عہد وپیمان لینا ہے، لیجیے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپؐ نے سب سے پہلے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف رغبت دلائی اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ چستی اور سستی ہر حال میں سنو گے اور عمل کرو گے تنگی اور خوشحالی ہر حال میں خرچ کرو گے نیکی کا حکم دو گے برائی سے روکو گے اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے۔ جب میں تمہارے پاس آجاؤں گا تو تم میری حمایت وحفاظت اسی طرح کرو گے جیسے خود اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔

اس پر براءؓ بن معرور نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، ہم آپؐ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول، ہم سے بیعت لے لیجیے۔ ہم جنگ کے بیٹے ہیں، ہم نے اپنے باپ دادا سے اس کو وراثت میں پایا ہے۔

براء نبی کریم ﷺ سے بات کر رہے تھے کہ ابولہیثمؓ بن تیہان بیچ میں بات کاٹ کر بولے:

Marfat.com

یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اور دوسرے لوگوں (یعنی یہود) کے درمیان حلیفانہ تعلقات ہیں جن کو اب ہم کاٹ دینے والے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو غالب کر دے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے جائیں؟"

یہ سن کر نبی مہربان ﷺ نے تبسم فرمایا، پھر جواب دیا:

نہیں. بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون ہے (یعنی میرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہے)، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہو گی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح۔" (۱)

جب بیعت کی شرائط مکمل ہو چکیں اور لوگوں نے بیعت شروع کرنے کا ارادہ کیا تو بیعت کی نزاکت اور اس کے نتیجے میں آنے والے خطرات کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے دو اصحاب ان کے سامنے کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ تھے۔ انہوں نے کہا:

"خزرج کے لوگو! تم لوگ جانتے ہو کہ اس ہستی سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟"

سب نے کہا: "ہاں۔"

عباسؓ نے کہا:

تم ان سے سرخ اور سیاہ لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ اب اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ جب تمہارے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور تمہارے اشراف اور سردار قتل کر دیے جائیں گے اور اس

---

۱ ابن سید الناس، عیون الاثر: ۱/۲۱۷۔

Marfat.com

خطرے کی بنا پر تم ان کو دشمنوں کے حوالے کر دو گے اور ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو بہتر یہی ہے کہ آج ہی انہیں چھوڑ دو، کیونکہ اللہ کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہوگی۔ لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکتوں کے باوجود تم ان کے ساتھ عہد و پیمان کو نبھاؤ گے تو بے شک ان کا ہاتھ تھام لو۔ اللہ کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اس پر سب بالاتفاق بولے:

"ہم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کا خطرہ مول لے کر انہیں قبول کرتے ہیں۔"

اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! اگر ہم اپنے اِس عہد کو پورا کر دیں تو ہمیں کیا ملے گا؟"

آپ نے فرمایا:

"جنت۔"

اس پر ہم اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے کہ بیعت کریں تو اسعدؓ بن زرارہ نے، جو ان ستر (۷۰) آدمیوں میں سب سے کم عمر اور کم سن تھے، آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے:

اہل یثرب ذرا ٹھہر جاؤ، ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے ان کے پاس اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں آئے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے معنی ہیں سارے عرب سے دشمنی، اس کے نتیجہ میں تمہارے بچے قتل کیے جائیں گے اور تلواریں تمہارا خون بہانا چاہیں گی۔ لہٰذا اگر تم یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو تب تو انہیں لے چلو اور تمہارا اجر اللہ کے ذمہ ہے، لیکن اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو انہیں ابھی سے چھوڑ دو، اور صاف صاف عذر کر دو کیونکہ

Marfat.com

اس وقت کا عذر کرنا اللہ کے نزدیک قابل قبول ہو گا۔"

اس پر سب لوگوں نے کہا:

"اسعد ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ، اللہ کی قسم ہم اس بیعت کو ہر گز نہ چھوڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کھینچیں گے۔"

اس کے بعد سب سے پہلے اسعدؓ بن زرارہ نے بیعت کی اور پھر سب لوگوں نے بیعت کی۔ تمام افراد ایک ایک کر کے اٹھے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ باقی دو عورتیں جو اس موقع پر حاضر تھیں، ان سے زبانی بیعت ہوئی کیونکہ نبی ﷺ نے کبھی کسی اجنبی عورت سے مصافحہ نہیں کیا۔

بیعت مکمل ہو چکی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اندر سے مجھ کو بارہ نقیب منتخب کر کے دو جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار ہوں۔ آپؐ کے ارشاد پر فوراً نقیبوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ نو خزرج میں سے اور تین اوس میں سے منتخب کیے گئے جن کے نام یہ ہیں:

خزرج میں سے:

۱۔ اسعدؓ بن زرارہ
۲۔ سعدؓ بن ربیع
۳۔ عبد اللہؓ بن رواحہ
۴۔ رافعؓ بن مالک
۵۔ براءؓ بن معرور
۶۔ عبد اللہؓ بن عمرو بن حرام
۷۔ عبادہؓ بن صامت
۸۔ سعدؓ بن عبادہ
۹۔ منذرؓ بن عمرو

اوس کے نقیب:

۱۔ اسیدؓ بن حضیر

Marfat.com

۲۔ سعدؓ بن خیثمہ

۳۔ رفاعہؓ بن عبد المنذر

آپؐ نے ان نقباء سے فرمایا:

تم لوگ اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہو جیسے حضرت عیسیٰؑ کے کفیل ان کے حواری تھے اور میں اپنی قوم کا کفیل ہوں۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ اب تم لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف واپس چلے جاؤ۔

قریش کا ردِّ عمل

جس رات بیعتِ عَقَبہ واقع ہوئی، اسی رات قریش کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی اور ان کے اندر کہرام مچ گیا کیونکہ اس بیعت کے جو نتائج ان کی جان و مال پر مرتب ہو سکتے تھے، اس کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔ صبح ان کے بڑے بڑے آدمی جمع ہوئے اور اہل مدینہ کی قیام گاہ پر پہنچ کر کہا:

اے گروہ خزرج! ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس آدمی (یعنی رسول ﷺ) سے ملے ہو اور تمہارا ارادہ ہے کہ اسے ہمارے ہاں سے نکال لے جاؤ اور تم اس سے ہمارے خلاف جنگ کی بیعت کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمیں تمہارے خلاف جنگ کرنے سے زیادہ ناگوار ہو۔

یہ بیعت رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر ہوئی تھی۔ مشرکین خزرج اس بیعت کے بارے میں لاعلم تھے اس لیے انہوں نے اٹھ کر حلفاً کہا کہ ایسا نہیں ہوا، اور ہم اس طرح کی کوئی بات نہیں جانتے۔ اس کے بعد قریش کے سردار عبد اللہ بن ابی کے پاس گئے اور اس سے یہ معاملہ دریافت کیا۔ اس نے کہا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری قوم مجھ سے مشورہ لیے بغیر نہیں کر سکتی اور یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تو بھی میری قوم مجھ سے مشورہ لیے بغیر یہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ اس موقع پر مسلمان ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں میں دیکھتے رہے اور کسی نے ہاں یا نہیں کے ساتھ زبان نہیں کھولی۔

Marfat.com

گو قریش یہ جوابات سن کر پلٹ گئے لیکن انہیں اطمینان نہ ہوا اور وہ مسلسل اس ٹوہ میں لگے رہے اور بالآخر انہیں یقین ہو گیا کہ واقعی اس طرح کی بیعت ہوئی ہے، لیکن انہیں یہ خبر اس وقت ہوئی جب حجاج اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے۔ ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا لیکن موقع نکل چکا تھا البتہ انہوں نے سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو کو دیکھ لیا اور ان کو پکڑنا چاہا۔ حضرت منذرؓ بچ نکلے مگر سعدؓ بن عبادہ پکڑے گئے۔ قریش کے لوگ انہیں باندھ کر مارتے پیٹتے مکہ لے آئے۔ وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آکر انہیں چھڑایا کیونکہ مدینہ میں ان کے قافلوں کو حضرت سعدؓ پناہ دیا کرتے تھے۔ ادھر ان کی گرفتاری کا علم جب انصار کو ہوا تو وہ پلٹ کر مکہ آنے لگے لیکن راستے ہی میں وہ ان کو مل گئے اور وہ سب مدینہ پلٹ آئے۔

مدینہ واپس پہنچ کر انصار نے بہت تیزی سے اسلام پھیلایا اور بڑے زبردست دینی جوش کے ساتھ بت شکنی میں مشغول ہو گئے۔

ہجرتِ مدینہ

انصار نے عقبہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا:

> اللہ عزوجل نے تمہارے لیے بھائی پیدا کر دیے ہیں اور ایک ایسا شہر مہیا کر دیا ہے جہاں تم امن سے رہ سکتے ہو۔

لیکن مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ انہیں اس راستہ میں طرح طرح کی آزمائشوں اور تکالیف سے گزرنا پڑا۔ قریش چونکہ اس ہجرت کے نتائج سے اچھی طرح واقف تھے اس بنا پر انہوں نے مسلمانوں کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں اور ہجرت کرنے والے لوگوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہؓ نے ہجرت کی تو قریش نے ان کی بیوی اور بچے کو روک لیا اور وہ اکیلے ہی مدینہ پہنچے۔ بعد میں بڑی مشکلات کے بعد حضرت ام سلمہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ اکیلی مدینہ پہنچیں۔ حضرت صہیبؓ جب ہجرت کرنے لگے تو قریش نے ان کا سارا مال ضبط کر لیا۔ یوں وہ اپنا سارا مال ان کے حوالے کر کے مدینہ پہنچے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب نبی کریم ﷺ کو ہوئی آپؐ نے

Marfat.com

فرمایا: "ربح صهيب، ربح صهيب" یعنی صہیبؓ نفع میں رہے۔[1]

ہجرت کے اذنِ عام کے بعد مہاجرت کا سلسلہ چل پڑا، حضرت عامرؓ بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ کے ساتھ نکلے، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت طلحہؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو حذیفہؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ دوسرے مہاجرین تو چھپ چھپ کر نکلے لیکن حضرت عمرؓ بیس سواروں کے ساتھ علانیہ نکلے۔ آخر میں مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ دو جان نثاروں (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ) کے علاوہ صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو کسی معذوری کی وجہ سے نہ جاسکتے تھے یا وہ راستے میں پکڑے گئے تھے، اور کسی آزمائش اور فتنہ میں پڑ گئے تھے۔

قریش کی پریشانی

مسلمانوں کے اس طرح مدینہ ہجرت کے بعد کفارِ قریش کو یقین ہو گیا تھا کہ کسی روز خود نبی کریم ﷺ بھی مدینے کی طرف ہجرت فرما جائیں گے۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ آپؐ کی ہجرت سے کس قسم کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ محمد ﷺ کی زبردست شخصیت، آپؐ کی غیر معمولی خوبیوں اور آپؐ کی قائدانہ صلاحیت سے وہ ناواقف نہ تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپؐ کو مدینہ کی صورت میں ایک ٹھکانا میسر آگیا ہے اور مدینہ کے دو طاقت ور قبائل کی حمایت آپؐ کو میسر آگئی ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ مدینہ کا محل وقوع ایسا تھا کہ یمن سے شام تک، بحر احمر کے ساحل سے ان کی تجارتی شاہراہ گزرتی تھی اور اس کے محفوظ ہونے پر قریش مکہ اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، یہ راستہ مدینہ سے گزرتا تھا جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد ان کی معاشی شہ رگ کٹ جانے کا انہیں شدید خدشہ تھا۔ شام سے صرف مکہ والوں کی سالانہ تجارت ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک تھی۔ طائف اور دیگر مقامات کی تجارت اس کے علاوہ تھی۔ اسی

---

[1] طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۷۱۔

Marfat.com

وجہ سے بیعت عقبہ اور اس کے بعد مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کی بنا پر ان میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے اس کے سدباب کے بارے میں سوچ بچار شروع کر دی۔[1]

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے قتل کا فیصلہ

قریش کے سردار دعوت اسلام کے علم بردار محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور آپؐ کی دعوت کے سدباب کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس حوالے سے آخری فیصلہ کرنے کے لیے قریش کے تمام قبائل کے سرداروں کا ایک خفیہ اجتماع دارالندوہ میں منعقد ہوا اور اس بات پر مختلف تجاویز آئیں کہ اس خطرے کا سدباب کیسے کیا جائے۔ ایک تجویز یہ آئی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا جائے یہاں تک کہ موت آ جائے، لیکن اس رائے کو اس بنا پر رد کیا گیا کہ اس کی خبر پا کر اس کے ساتھی قوت و طاقت سے اسے چھڑا لیں گے۔ ایک دوسری تجویز یہ آئی کہ اسے جلاوطن کر دیا جائے پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں جاتا، کہاں رہتا ہے۔ بس ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا اور ہماری زندگیوں میں اس کی وجہ سے جو نظام معطل ہے وہ بحال ہو جائے گا۔ لیکن یہ تجویز بھی رد کر دی گئی کہ اس کے کلام میں ایسی اثر آفرینی ہے کہ کوئی بھی قبیلہ اس کا پیرو بن جائے گا اور پھر قوت پا کر تمہارے اوپر بھی غلبہ پا لے گا۔ آخر کار مکہ کے سب سے بڑے مجرم ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ "ہم ہر قبیلے سے ایک عالی نسب، مضبوط اور تیز دست نوجوان کا انتخاب کریں اور وہ سب مل کر یک بارگی آپؐ پر ٹوٹ پڑیں اور آپؐ کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف کے لیے یہ ممکن نہیں ہو گا کہ وہ ساری قوم سے جنگ کر سکیں، لہٰذا خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔" اجتماعی جرم کا یہ منصوبہ بنا کر یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ اس شیطانی

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۲۳۔

Marfat.com

مشاورت میں خود شیطان بھی ایک بزرگ کی شکل میں شریک ہوا اور کہا گیا کہ یہ بزرگ خاص طور پر اس مجلس میں آئے ہیں اس نے تمام تجاویز کو مسترد کر دیا لیکن ابو جہل کی تجویز پر اس نے خوب داد دی اس طرح اس شیطانی تجویز پر عمل کا فیصلہ ہوا۔[1]

ان کی اس چال اور قتل کی سازش کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کر دی۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ[2]

(اور اے نبیؐ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے) جب کہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

---

1 ابن کثیر، اصبہانی اور دیگر سیرت نگاروں نے یہ واقعات الفاظ کے اختلاف اور مفہوم کے اتفاق کے ساتھ بیان کیے ہیں، دیکھیے، ابن کثیر: ۲/ ۲۲۸ و دلائل النبوۃ: ۱/ ۲۰۰۔

2 سورۃ الانفال: ۳۰۔

Marfat.com

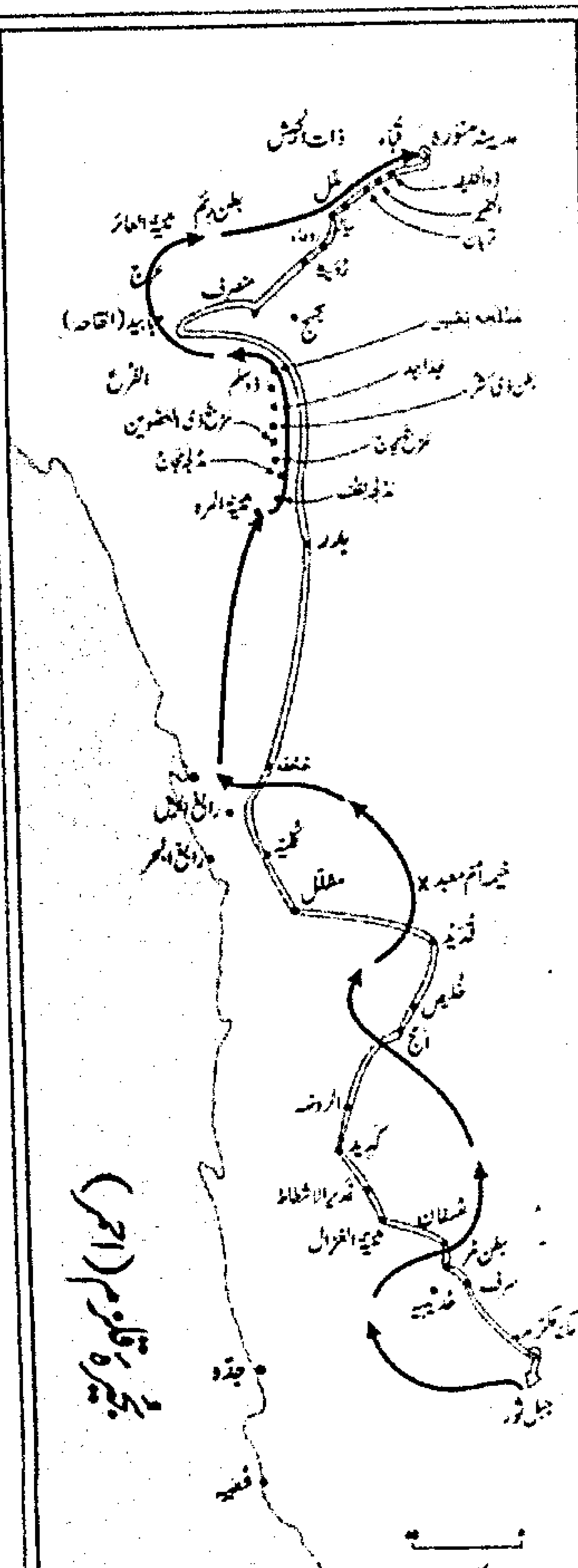

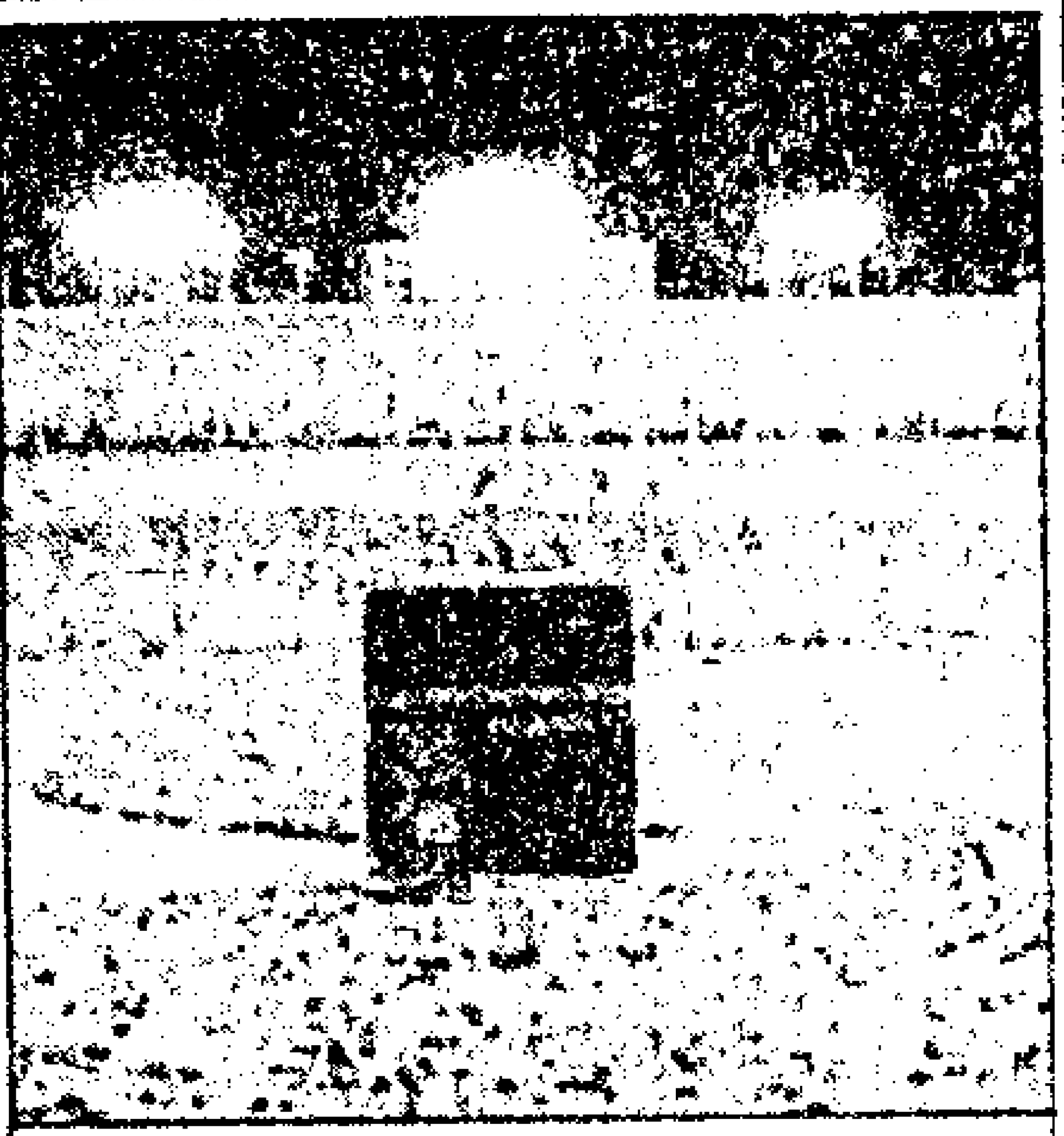

ہجرت نبوی

* نبی ﷺ 12 ربیع الاول مطابق 24 ستمبر 622ء بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتداء ہے۔

ہجرت کا راستہ

قافلوں کا راستہ

Marfat.com

نبی کریم ﷺ کی ہجرت

جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے آپ ﷺ کے قتل کے لیے مقرر کی تھی۔ حضرت جبریلؑ نے آکر آپ ﷺ کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ آپؐ دوپہر کو منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے:

> ہم دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ منہ ڈھانکے ہوئے ہمارے ہاں تشریف لا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں آپ کبھی ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا "میرے باپ ان پر قربان ہوں ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت تشریف لائے ہیں۔"

پھر نبی کریمؐ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ کو اجازت دی گئی اور آپؐ اندر تشریف لائے۔ پھر ابو بکرؓ سے فرمایا تمہارے پاس جو لوگ ہیں انہیں ہٹا دو۔ ابو بکرؓ نے کہا "یہ تو آپؐ ہی کے گھر کے لوگ ہیں۔" تب آپؐ نے فرمایا "مجھے روانگی کی اجازت دے دی گئی ہے۔" حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، مجھے تو معیت کا شرف نصیب ہوگا؟ فرمایا: "ہاں"۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپؐ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا مگر قیمت دے کر لوں گا۔ ابو بکرؓ نے قیمت بتائی اور آپؐ نے فرمایا یہ میں تمہیں دوں گا۔[1]

اس کے بعد نبی کریمؐ اور حضرت ابو بکرؓ نے عبد اللہ بن اریقط کو جو راستوں کا ماہر تھا، اجرت پر رہنمائی کے لیے مقرر کیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کو طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے پیغام بر بنا کر مکہ کے سرداروں کے پاس پناہ حاصل کرنے کے لیے بھیجا

---

1 صحیح البخاری، حدیث: نمبر ۳۹۰۵۔

Marfat.com

تھا۔ اگرچہ یہ مشرک تھا مگر اتنا وفادار تھا کہ ہجرت کے اس انتہائی نازک سفر کے موقع پر بھی مکمل قابل اعتماد ثابت ہوا حالانکہ آپؐ کی مخبری کرنے والے کے لیے قریش نے بہت بڑے انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کیں اور اسے بتایا کہ جس جگہ ہم بلائیں اسی وقت اونٹنیوں کو لے کر اس جگہ پہنچ جانا[1]۔

نبی کریم ﷺ کے مکان کا گھیراؤ

اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور رات تک وہیں رہے تاکہ دشمنوں کو ذرہ برابر بھی اس بات کا شبہ نہ ہونے پائے کہ آپؐ ان کے ارادوں سے باخبر ہو چکے ہیں۔ رات کو ٹھیک اپنے طے شدہ وقت پر وہ سب لوگ جو آپؐ کے قتل پر مامور کیے گئے تھے، گھات لگا کر آپؐ کے دروزے پر آ کر بیٹھ گئے۔ یہ کل بارہ آدمی تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو جہل	۲۔ حکم بن العاص
۳۔ عقبہ بن ابی معیط	۴۔ نضر بن الحارث
۵۔ امیہ بن خلف	۶۔ منبہ بن الحجاج
۷۔ زمعہ بن الاسود	۸۔ طیمہ بن عدی
۹۔ ابو لہب	۱۰۔ ابی بن خلف
۱۱۔ نُبیہ بن الحجاج[2]	

قریش کے یہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ آپؐ پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ اس نازک لمحے میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی سبز خضری چادر اوڑھا کر لٹا دیا اور فرمایا کہ یہ چادر اوڑھ کر سو جاؤ تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اس دوران میں کہ دشمن آپ کے گھر کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے، آپؐ نہایت اطمینان سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ آپؐ کی زبان مبارک پر یہ آیات

---

1. ابن ہشام: ۱/ ۴۸۲۔
2. سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۴۸۲۔

Marfat.com

تھیں:

وَجَعَلْنَا مِنْ م بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (۱)

ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی ہے، ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ کے بستر سے اٹھتے دیکھا۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ تو کبھی کے جا چکے ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے آپؐ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:

"مجھے کچھ معلوم نہیں"۔

حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ اس بنا پر بھی چھوڑ گئے تھے کہ آپؐ کے پاس قریش کی امانتیں تھیں تاکہ وہ انہیں واپس کر کے مدینہ آجائیں۔

الوداع اے مکہ الوداع

نبی کریم ﷺ ۲۷ صفر ۱۳ نبوی کو ضروری مال و اسباب کے ساتھ رات کی تاریکی میں اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو چھوڑ کر قاتلین کے بالکل درمیان سے نکل کر اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔

رات گئے اپنے صدیق کے ساتھ ان کے گھر کی پچھلی کھڑکی سے دونوں حضرات نکلے اور جنوب (یمن) کی طرف چل پڑے حالانکہ مدینہ شمال کی جانب تھا اور بلند ترین اور مشکل ترین پتھریلے پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے، جہاں ایک غار میں آپ نے پناہ لی اور یہ غار تاریخ و سیرت کی کتابوں میں غار ثور کے نام سے قیامت تک کے لیے معروف ہو گئی۔

غار ثور کے نام سے مشہور غار میں سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیقؓ داخل ہوئے تاکہ جگہ ٹھیک کر لیں اور اگر وہاں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہو تو اسے ہٹا دیں۔ الغرض غار میں

---

۱ سورۃ یٰس: ۹

Marfat.com

مختلف سوراخ تھے۔ صدیق اکبر نے اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کیا صرف دو سوراخ بچ گئے انہوں نے دونوں میں اپنے پاؤں رکھ دیئے اور نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے اور صدیق اکبر کی ران پر سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر سیدنا صدیق اکبر کے پاؤں پر کسی موذی جانور نے ڈس دیا لیکن آپ نے حرکت نہ کی، مبادہ کہ نبی کریم ﷺ بے آرام ہوں گے۔ درد کی شدت سے آنسو بہہ پڑے جو آپؐ کے چہرہ انور پر پڑے جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ آپؐ نے اس جگہ اپنا لعاب دھن لگایا تو درد جاتا رہا۔ دونوں احباب نے جمعہ ہفتہ اور اتوار کی رات وہیں گزاری۔ قریش مکہ کے کھوجی پاؤں کے نشان دیکھ کر غار تک پہنچ گئے جبکہ غار کے دھانے پر کبوتری نے گھونسلہ بنالیا تھا اور ایک مکڑی نے جالا بھی بُن لیا تھا۔ آپؐ اور صدیق اکبرؓ غار سے دشمنوں کے پاؤں دیکھ رہے تھے لیکن وہ جالے اور گھونسلے کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔[1]

یثرب کی طرف روانگی

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اریقط لیثی کو اجرت پر بطور گائیڈ ساتھ رکھا تھا اور اونٹنیاں بھی اسی کے پاس تھیں طے شدہ وقت کے مطابق تیسرے روز وہ آ گیا۔ ضروری سامان لے کر بحر احمر کے غیر معروف راستے سے قافلہ لے کر روانہ ہوا اس مختصر قافلے میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ ایک سواری پر نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق تھے اور دوسری پر عامر اور عبداللہ۔ سفر پہلے مدینہ کے بالکل مخالف سمت میں کیا گیا پھر دور سے مڑتے ہوئے سمندر کی جانب سفر کیا گیا تاکہ دشمنوں کو بالکل اندازہ نہ ہو سکے۔

ام معبد کے خیمے میں

راستے میں زادِ راہ ختم ہو گیا بھوک لگی تھی مکہ سے ایک دن کی مسافت پر ام معبد نامی خاتون راستے میں ایک گاؤں میں رہتی تھی ان کا تعلق خزاعہ قبیلہ سے تھا۔ اور آتے جاتے مسافروں کی خدمت کرتی رہتی تھی۔ وہاں سے گزر ہوا تو آپؐ نے پوچھا، خاتون کچھ کھانے پینے کو مل جائے گا۔ ام معبد نے کہا: میں تو مہمان داری خوب کرتی ہوں لیکن قحط کی

---

1 طبقات ابن سعد: ۱/۱۷۰۔

Marfat.com

وجہ سے ہمارے جانور لاغر ہو گئے ہیں ابو معبد بکریاں لے کر چرانے گئے ہیں گھر میں کچھ بھی نہیں ہے کونے میں ایک بکری تھی آپ نے فرمایا: ام معبد اگر اجازت ہو تو اسے دوہ لوں۔ اس نے عرض کیا: یہ تو مریل بیمار ہے چل نہیں سکتی تھی اس لیے ریوڑ کے ساتھ نہیں گئی آپ نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پیرا تھن دودھ سے بھر گئے بکری نے ٹانگیں پھیلا دیں آپ نے ایک برتن منگوا کر دودھ دوہا۔ اتنا دودھ ہو گیا کہ برتن لبالب بھر گیا۔ پہلے آپ نے ام معبد کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو پیٹ بھر کر پلایا اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ ادھر بکری کے تھن ابھی تک بھرے ہوئے تھے آپ نے پھر دودھ دوہا اور ایک بار پھر برتن بھر گیا۔ وہ دودھ وہیں چھوڑا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں ابو معبد ریوڑ لے کر آ گئے۔ گھر میں دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا یہ کہاں سے آیا، ام معبد نے سارا قصہ سنا دیا۔ اس پر ابو معبد نے کہا ہو نہ ہو یہ وہی قریشی سردار ہے جس کے بارے میں آج کل بہت باتیں ہو رہی ہیں۔ ابو معبد نے بیوی سے کہا اچھا یہ بتاؤ وہ کیسا تھا۔ اس پر ام معبد نے آپ ﷺ کی اپنے الفاظ سے ایسی تصویر کشی کی کہ کوئی کیمرے کی آنکھ بھی اس قدر لطیف تصویر نہیں بنا سکتی۔ آپؐ کی ذات گرامی پر ام معبد کا تبصرہ تاریخ کا حصہ بن گیا جس میں فصاحت و بلاغت کی انتہا کے ساتھ ساتھ آپ کی بے شمار صفات ایک سانس میں بیان کر دیں یہ تبصرہ عربی میں پڑھنے کے لائق ہے یہاں اصل عبارت اور اس کا سلیس ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ، أَبْلَجَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الْخَلْقِ، لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ، وَلَمْ تُزْرِيهِ صَعْلَةٌ، وَسِيمٌ قَسِيمٌ، فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ، وَفِي أَشْفَارِهِ وَطَفٌ، وَفِي صَوْتِهِ صَهَلٌ، وَفِي عُنُقِهِ سَطَعٌ، وَفِي لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ، أَزَجُّ أَقْرَنُ، إِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ، وَإِنْ تَكَلَّمَ سَمَاهُ وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ، أَجْمَلُ النَّاسِ وَأَبْهَاهُ مِنْ بَعِيدٍ، وَأَحْسَنُهُ وَأَجْمَلُهُ مِنْ قَرِيبٍ، حُلْوُ الْمَنْطِقِ فَصْلًا، لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ، كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ، يَتَحَدَّرْنَ رَبْعَةٌ لَا تَشْنَأُهُ مِنْ طُولٍ، وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ، غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ، فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا وَأَحْسَنُهُمْ، قَدْرًا لَهُ رُفَقَاءُ يَحُفُّونَ بِهِ، إِنْ قَالَ: سَمِعُوا لِقَوْلِهِ، وَإِنْ أَمَرَ

Marfat.com

تَبَادَرُوا إِلَى أَمْرِهِ، مَحْفُودٌ مَحْشُودٌ لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ.[1]

ام معبد نے کہا:

چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت نہ توندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی، جمال جہان تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش، دور سے (دیکھنے میں) سب سے تابناک اور پر جمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہوں، درمیانہ قد نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے اور نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ اور خوش منظر ہے، رفقاء آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجا لاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو، نہ لغو گو۔[2]

مدینہ کے راستے میں سراقہ بن مالک نے بھی انعام کے لالچ میں آپ کا پیچھا کیا۔ بالکل قریب پہنچ گیا لیکن آپؐ پر غالب نہ آسکا اس کا گھوڑا دوبار زمین میں دھنسا، گر گیا۔ حضرت ابو بکرؓ یہ منظر دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لاتحزن ان اللہ معنا" ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ سراقہ نے عاجز آکر امان طلب کی اور آپ کو قتل کرنے آنے والا آپ کا محافظ بن کر لوٹا، اور دیگر آنے والوں کو بھی لوٹاتا ہوا واپس چلا گیا۔ راستے میں بریدہ اسلمی سے بھی سابقہ پیش آیا جو انعام کے لالچ میں آپ کو ختم کرنے نکلے تھے لیکن جب ملاقات ہوئی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اپنے قبیلے کے ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح دوران سفر مختلف واقعات رونما ہوئے جن کا ذکر سیرت کی کتابوں میں موجود ہے اور آپ کا قافلہ بروز پیر ۸ ربیع الاوّل ۱۴ نبوی یعنی سن ایک ہجری بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا کے مقام پر وارد ہوا۔

---

1. الحاکم أبو عبد اللہ محمد بن عبد (التوفی: ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر:: ۴۲۷۴ دار الکتب العلمیۃ ـ بیروت ۱۹۹۰م
2. ترجمہ: صفی الرحمٰن مبارک پوری، الرحیق المختوم: ۱/ ۶۴۴۔

Marfat.com

مدنی دور

Marfat.com

Marfat.com

باب چہارم

بعثت کے وقت یثرب کے
حالات، مدنی ریاست کا قیام،
فرضیت صوم

Marfat.com

یثرب کے حالات اور نئے معاشرے کی تشکیل

یثرب (مدینہ منورہ)

یثرب مکہ مکرمہ سے تین سو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے چھ سو میٹر بلند ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد ہے اور جنوب میں جبال عیر ہیں، اور یہ دونوں یثرب سے چار چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں جب کہ شہر کے مشرق و مغرب میں بالترتیب جزیرۃ العرب اور حیرۃ الرواحم واقع ہیں۔ یہ سیاہ پتھروں کے علاقے ہیں جن کو آتشیں سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور جو سخت نوکیلے اور میلوں کے مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یثرب میں چوبیس سے زیادہ پانی کے چشمے تھے۔ یثرب کا پانی ہلکا سرد اور شیریں تھا۔ شہر کی فضا گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہوتی ہے۔ یثرب کی اراضی دو قسم کی ہے پہلی قسم کی سفید رنگ کی ریتلی زمین پر مشتمل ہے۔ یہ یثرب کا مشرقی علاقہ ہے۔ یہاں کھجور، انگور اور انار بکثرت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سیاہ رنگ کی ہے جس میں گندم، جو، انار، نارنگی، رنگ برنگ کے پھول اور قسم قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اراضی یثرب کے جنوب میں عوالی اور عقب میں واقع ہے۔ یثرب کے باشندے شروع ہی سے اہل مکہ کی نسبت حلیم، خلیق اور شیریں گفتار ہیں۔

یثرب میں یہودیوں کی آمد کے اسباب

یہ شہر قانیہ نامی شخص نے آباد کیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی ساتویں پشت میں سے تھا۔ حجاز میں عمالقہ کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی۔ عمالقہ کو شکست ہوئی اور ان کا بادشاہ قتل ہو گیا۔ جب یہ فوجی شام واپس گئے تو انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قول کی خلاف ورزی پر حجاز واپس کر دیا گیا۔ اس طرح حجاز اور یثرب یہودیوں کا مسکن اور ان کی پناہ گاہ بن گئے۔ پہلی صدی عیسوی میں رومیوں اور یہودیوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ شکست کے نتیجے میں یہودی دنیا بھر میں

Marfat.com

پھیل گئے۔ تاہم کئی قبائل حجاز ہی میں ٹھیرے رہے۔

یثرب کے مشہور بازار اور تجارت

اس زمانے میں یثرب کے کئی بازار تھے۔ انتہائی اہم بازار، بنو قینقاع کا تھا جو سونے اور چاندی کے زیورات اور مصنوعات اور کپڑے کا مرکز تھا۔ یہاں سوتی اور ریشمی کپڑے رنگین غالیچے اور منقش پردے بکثرت موجود تھے۔ عطر فروش انواع و اقسام کی خوشبوئیں فروخت کرتے تھے۔ یثرب کے بعض گھروں کے ساتھ باغ بھی تھے جہاں خوبصورت لان اور درختوں کے سایوں میں مسندیں لگی ہوتی تھیں۔ پانی پینے کے لیے مٹی اور شیشے کے پیالے استعمال ہوتے تھے۔ مختلف قسم کے چراغوں کا استعمال ہوتا تھا۔ عورتیں مختلف قسم کے زیورات پہنتی تھیں جیسے کنگن، بازو بند، پازیب، کان کے بندے اور بالیاں، سونے یا یمنی دانوں کے ہار وغیرہ۔

روزگار

یثرب کی عورتیں دستکاری پر خاص توجہ دیتی تھیں۔ سلائی کڑھائی اور بننا کاتنا ان کا مشغلہ تھا۔ یہ شہر ایسی جگہ پر واقع تھا جہاں گرمیوں اور جاڑوں میں تاجروں اور مسافروں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی اور اس شہر کا کاروبار خوب چمکتا تھا جب کہ یہود سب سے زیادہ اس کے ثمرات سمیٹ لیتے تھے۔ مردوں میں فن معماری، اینٹ بنانا، سنگ تراشی اور عمارت سازی کا فن ہجرت سے کافی پہلے عروج پر تھا۔ یثرب کے مکانات زیادہ تر پتھر کے بنے ہوتے تھے اور اکثر دو دو تین تین منزلہ ہوتے تھے۔ گلیاں اور بازار تنگ تھے لیکن غیر ملکی مصنوعات یہاں بکثرت ملتی تھیں۔

عمارات میں بڑے بڑے قلعے زیادہ مشہور تھے۔ یہودیوں کے تمام قبائل نے اپنے اپنے قلعے بنائے ہوئے تھے اور یہ قلعہ بند محلے اطم یا اطام کہلاتے تھے۔ دشمن کے حملے کے وقت لوگ یہاں پناہ لیتے تھے۔ جب مرد لڑنے کے لیے جاتے تو خواتین، بچے، بوڑھے اور معذور ان عمارتوں میں پناہ گزیں ہو جاتے۔ یہ قلعے اسٹور کے طور پر بھی استعمال ہوتے تھے جہاں غلے اور پھل جمع کر لیے جاتے تھے اور بوقت ضرورت یہاں اسلحہ اور ہتھیار بھی رکھے

Marfat.com

جاتے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہودیوں نے ان اطام میں اپنی عبادت گاہیں اور تعلیمی ادارے بھی قائم کیے ہوئے تھے جہاں دینی کتب خانے بھی ہوتے تھے۔ یہودی سردار یہاں جمع ہو کر مختلف جلسے اور صلح مشورہ بھی کرتے تھے۔

بوقتِ بعثت یثرب کے یہود کے حالات

یہودِ یثرب کی معاشرتی حالت

قبل از ہجرت، یثرب میں مقیم یہودیوں کے نمایاں خدوخال یہ تھے:

مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہودی اپنی اصل وضع قطع کھو چکے تھے اور ان میں عربیت اور عرب ثقافت کا رنگ نمایاں ہو چکا تھا۔ زبان، لباس، تہذیب و تمدن حتیٰ کہ ان کی اکثریت کے نام تک عربی ہو چکے تھے۔ بارہ یہودی قبیلے جو پورے حجاز میں آباد ہوئے تھے ان میں سے بنی زعوراء کے سوا کسی قبیلے کا نام عبرانی نہ تھا۔ ان کے چند علماء کے علاوہ کوئی عبرانی زبان نہ جانتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے یہودی شاعروں کا جو کلام ہمیں ملتا ہے ان کی زبان اور خیالات میں عربی شاعروں سے علیحدہ کوئی امتیازی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ عربوں کے ساتھ اس قدر میل جول ہو چکا تھا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے سے شادیاں بھی کر لی تھیں۔ اس طرح یہودیوں اور عربوں میں دین کے سوا کوئی فرق باقی نہ رہا تھا، لیکن ان ساری باتوں کے باوجود وہ عربوں میں خلط ملط نہ ہوئے تھے اور یہودی عصبیت پر شدت سے قائم تھے۔ ان کی وضع قطع ایک مصلحت کے تحت تھی تاکہ اس علاقے میں اجنبیت کا الزام نہ لگنے پائے۔ اسی لیے تو بعض مستشرقین یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ لوگ خاندانی یہودی نہ تھے بلکہ عربوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا، یا یہ کہ اکثر یہودی عربوں پر مشتمل تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے کبھی حجاز میں تبلیغی یا دعوتی اسلوب اختیار نہ کیا تھا۔ ان میں اس قدر اسرائیلی تعصب اور شدت پائی جاتی ہے کہ وہ کسی اور کو اپنے ساتھ برداشت ہی نہیں کرتے تھے اور اہل عرب کو وہ اُمّی کہتے تھے جس کا مطلب ان کے نزدیک ان پڑھ، جاہل، اچھوت اور وحشی تھا۔ ان کا عقیدہ اُس وقت بھی اور آج بھی یہی ہے کہ غیر اسرائیلی اُن انسانی حقوق کے قابل نہیں ہیں جو بنی اسرائیل کو حاصل ہیں بلکہ امیوں کا مال کھانا، ان کی

Marfat.com

عزت سے کھیلنا، ان پر جبر کرنا عین حق ہے۔ اس لیے سردارانِ عرب کے سوا وہ کسی کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ اپنے دین میں داخل کر کے ان کو برابر کا حصہ دار قرار دیں۔ تاریخی طور پر کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی مشہور عرب قبیلے نے یہودیت قبول کر لی ہو، البتہ بعض افراد کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس لیے حجاز میں صدیوں تک رہنے کے باوجود یہودی مذہب نہیں پھیلا بلکہ ان کو محض اپنی نفسانی خواہشات، مال و دولت سمیٹنے اور قبائلی تعصب اور غرور و فخر تک کام تھا۔ چند یہودی پروہت اور احبار تعویذ گنڈوں اور فال گیری کے نام پر اپنا کاروبار گرم کیے ہوئے تھے۔ اِن کی جادوگری کی وجہ سے عربوں میں مشہور تھا کہ یہ لوگ بڑے عالم فاضل ہیں۔

یہودِ یثرب کی معاشی حالت

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہودی مال و دولت سمیٹنے اور سودی کاروبار میں بڑے ماہر تھے اور دور حاضر تک وہ اپنی اس خصوصیت میں نمایاں ہیں۔ یثرب میں وہ انتہائی تجربہ کار تجار کی حیثیت رکھتے تھے۔ بیرونی دنیا سے ان کے تعلقات تھے اس لیے غلے کی درآمد اور کھجوروں کی برآمد میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ مرغ بانی اور ماہی گیری میں بھی ان کا حصہ تھا۔ پارچہ بافی، مے خانے اور سونے کے کاروبار بھی ان کے ہاتھ میں تھے۔ بنو قینقاع زیادہ تر سنار اور لوہار تھے۔ برتن بنانے کا ٹھیکہ بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ تمام کاروباری سرگرمیاں اپنی جگہ، یہودی سود خواری میں بہت نمایاں تھے اور اڑوس پڑوس کے عرب قبائل کو سود کے جال میں پھانس لیتے تھے۔ عرب شیخ اور رؤسا اپنی امیری ثابت کرنے کے لیے ان سے قرض لے لیتے اور شیخی بھگارتے بھگارتے سود در سود کے چکروں میں اس طرح پھنس جاتے کہ زمینیں دے کر جان چھوٹتی۔ اس انداز سے انھوں نے یثرب کی معاش پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وہ کسی سے نہ بگاڑتے تھے بلکہ سب قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے لیکن اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی کے لیے قبائل کو آپس میں متحد بھی نہ ہونے دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر عرب قبائل اکٹھے ہو گئے تو سود سے ہتھیائی ہوئی ساری دولت، باغات اور زمینیں ان سے چھن جائیں گی۔ اس طرح پھوٹ ڈالنا

Marfat.com

اور جنگ کروانا (Divide and Rule) ان کے کاروباری مقاصد میں شامل تھا لیکن عربوں کو لڑا کر یہ یہودی ایک طرف نہ بیٹھ سکتے تھے بلکہ ان کو مجبور کیا جاتا تھا کہ کسی نہ کسی قبیلے کا ساتھ دیں۔ اسی لیے بعاث کی جنگ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر، اوس کے حلیف تھے اور بنو قینقاع خزرج کے حلیف تھے۔

یہودِ یثرب کی مذہبی حالت

یہ لوگ صدیوں سے یثرب میں آباد تھے اور نسلی عصبیت کی بنا پر انہوں نے اپنے مذہب کو زندہ رکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ توحید، رسالت، وحی اور آخرت کے قائل تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو تسلیم کرتے تھے لیکن ۱۹ صدیاں گزر جانے کے بعد ان کے اندر محض نسلی عصبیت باقی رہ گئی تھی، اصل دین نہیں۔ ان کے عقائد اور معاملات دین سے یکسر مختلف تھے۔ ان کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں اور معاملاتِ دین کی جگہ خواہشاتِ نفس نے لے لی تھی۔ توراۃ میں تحریف ہو چکی تھی۔ اللہ کے کلام کا اگر کچھ حصہ باقی بھی تھا تو اس کی اس طرح تاویلیں ہو چکی تھیں کہ اس کی روح مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر خاص و عام کی اخلاقی، اعتقادی اور عملی حالت دین کے خلاف ہو چکی تھی۔ اور اگر کوئی مصلح ان میں پیدا ہوتا تو وہ اسے پکا دشمن سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے خود کہا ہے کہ وہ انبیاء کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ بد عہدی، ظلم، ناانصافی، ہٹ دھرمی اور جاہلانہ تعصب کی بیماری ان میں بدرجہ اتم موجود تھی اور وہ اپنے اصل دین کو قبول کرنے میں عار سمجھتے تھے۔

نسلی عصبیت اور بنی نوع انسان سے رویہ

ان کا یہ مذہبی عقیدہ بن چکا تھا کہ یہودی (بنی اسرائیل) اللہ کی مختار قوم ہیں۔ دنیا میں جینے کا حق صرف بنی اسرائیل کو ہے، باقی انسان ان کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے قانون انصاف کے مطابق معاملات صرف یہودیوں کے آپس ہی میں ضروری ہیں، غیر یہودیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اُن کو مارنا، ان کا مال کھانا، ان کو حقیر سمجھنا بالکل جائز ہے۔ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان یہ اندھا امتیاز، عقیدہ کی طرح ان میں راسخ ہو چکا تھا مثلاً بائبل میں یہ امتیازی قانون بیان ہوا ہے کہ جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو

Marfat.com

دیا ہو وہ سات سال گزر جانے پر ضرور معاف کر دیا جائے مگر غیر اسرائیلی سے تُو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے (استثناء ۱۵:۳) ایک اور جگہ سود لینے سے منع کیا گیا ہے "مگر تو اجنبی کو سود پر قرض دے تو دے، باپ بھائی کو سود پر قرض نہ دینا۔" (استثناء ۲۰:۲۳)

علماء یہود چھوٹے چھوٹے احکام اور جزئیات کا بڑا خیال رکھتے تھے اور انہی گتھیوں کو سلجھاتے رہتے تھے، مگر شرک جیسے اکبر الکبائر کی طرف ان کی نظر بالکل نہ جاتی تھی۔ نہ خود اس سے بچتے نہ عوام کو بچاتے بلکہ مشرکوں کی دوستی حمایت اور تائید پر فخر کرتے تھے۔ ان کی مذہبی خرافات میں یہ بھی شامل تھا کہ اشراف کے لیے قانون امتیازی تھا جب کہ عوام الناس کے لیے دوسرا۔ اگر کوئی باثر آدمی چوری یا بے حیائی کا کام کرتا تو تورات کے احکام بدل دیتے اور یا تو اسے معاف کر دیتے یا کم تر سزا دیتے تھے۔ اور اگر کوئی کمزور آدمی ارتکابِ جرم کرتا تو اسے شریعت کے مطابق سخت سزا دیتے لیکن آہستہ آہستہ کمزور کے لیے بھی قانون بدل گئے۔ اس طرح کا ایک واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر پیش آیا تھا جس کا ذکر آمدہ صفحات میں آئے گا۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور ناپاک اور حرام چیزوں کو حلال کر لیا۔

آمدِ رسول ﷺ کے وقت یہودیوں کا رویہ

رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل یہودیوں میں یہ چرچا عام تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے اور وہ بے چینی سے اس نبی کے منتظر تھے تاکہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں اور دین کی تبلیغ میں اس کے ساتھ چلیں، بلکہ دعائیں کرتے تھے کہ خدایا اس نبی کو بھیج تاکہ کفار مغلوب ہوں اور پھر ہمارا دورِ عروج شروع ہو۔ اوس و خزرج کے قبول اسلام کا بنیادی سبب ہی شاید یہی بنا کہ یہود آئے دن کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئے گا ہم اس کے ساتھ مل کر کفار کو ملیامیٹ کر دیں گے، ہمارے انبیا نے اس نبی کی آمد کی خبر دی ہے۔ چنانچہ یثرب (مدینہ) میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ نبی آئے گا اسی لیے جب انصار کو نبی کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے سوچا ایسا نہ ہو یہود ہم پر بازی لے جائیں، ہم خود اس نبی پر ایمان لے آتے ہیں۔ مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی کا شدت سے

Marfat.com

انتظار کر رہے تھے، جب وہ آ گیا تو اس کے بدترین دشمن بن گئے۔ اُم المؤمنین حضرت صفیہ ایک یہودی عالم کی بیٹی اور ایک کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میرا باپ اور چچا دونوں آپ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا۔ چچا نے کہا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟ والد نے جواب دیا: اللہ کی قسم بالکل وہی ہے۔ چچا نے کہا کیا آپ کو یقین ہے؟ والد نے کہا ہاں۔ چچا نے کہا پھر کیا سوچا؟ والد نے جواب دیا: جب تک رگوں میں خون دوڑ رہا ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اسے کام نہ کرنے دوں گا۔

اوس و خزرج اور مشرکین

یہ دونوں قبائل یمن کے قبیلہ قحطان کے دو بھائیوں کے نام سے مشہور ہیں جو قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔ یہودی چونکہ پہلے سے یثرب میں آباد ہو چکے تھے اس لیے شاداب ترین پھل پھول اور باغات والی سرزمین ان کے قبضے میں تھی۔ وہاں کے تمام میٹھے پانیوں پر بھی انہی کا قبضہ تھا، اس لیے اوس و خزرج کو مجبوراً مدینہ کے کم زرخیز اور ریگستان علاقوں میں رہنا پڑا۔

اوس و خزرج کی نقل مکانی کے اسباب

ان قبائل کی یثرب آمد کے اسباب کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یمن سے نقل مکانی کی وجہ سیل عَرِم کا مشہور سیلاب ہے جو مآرب بند کی تباہی سے آیا تھا، جب کہ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ جب سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی کی وجہ سے بحیرۂ احمر پر رومیوں کا غلبہ ہو گیا تو اس قبیلہ کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔ ان لوگوں کی اکثریت مآرب ڈیم کے اثرات سے باہر رہتی تھی۔ الغرض وجہ کوئی بھی ہو، قبیلہ ازد کے جو لوگ یثرب میں جا کر آباد ہوئے، وہ اوس و خزرج کے نام سے مشہور ہوئے۔

Marfat.com

اوس و خزرج کے محلے

قبیلہ اوس نے عوالی کے علاقے میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے ساتھ سکونت اختیار کی اور قبیلہ خزرج نے مدینہ کے زیریں علاقے میں بنو قینقاع کی ہمسائیگی میں رہائش اختیار کی۔ جس علاقے میں اوس کے لوگ آباد ہوئے وہ اس سے زیادہ زرخیز تھا جہاں خزرج کو جگہ ملی۔

جب یہ خاندان یثرب آئے تو یہود وہاں بااثر اور صاحب اقتدار تھے۔ آس پاس کے مکانات ان کے قبضہ میں تھے اور وہ دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل اولاد کی کثرت سے ۲۰، ۲۱ قبیلے بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیاں بسالی تھیں۔ اوس، خزرج کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن حالات دیکھتے ہوئے مجبوراً ان کے حلیف بن گئے۔ اوس بنو قریظہ اور بنو نضیر کے ساتھ تھے جب کہ خزرج بنو قینقاع کے حلیف تھے۔

جس زمانے میں یہود کو عروج حاصل تھا اور اوس و خزرج محکوم تھے تو یہودیوں کے ایک حکمران فطیون نے حکم جاری کیا کہ جو بھی دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے، سہاگ رات میرے پاس رہے گی اور پھر اپنے شوہر کے پاس جائے گی۔ اس کی عیاشی، بدکرداری اور بدمعاشی کے آگے یہود نے سر تسلیم خم کر دیا تھا لیکن دیگر قبائل اس بدمعاشی کو قبول نہیں کر سکے۔ اس زمانے میں اوس کا ایک شخص مالک بن عجلان تھا۔ اس کی ہمشیرہ کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے روز ایسی جگہ سے اپنے بھائی کے سامنے سے بے پردہ گزری جہاں بھائی ایک مجلس میں بیٹھا تھا۔ مالک کو بہن پر بڑا غصہ آیا اور غیرت میں بہن کے پاس باز پرس کے لیے گیا۔ بہن نے کہا یہ تو کچھ بھی نہیں کل جب میں فطیون کے پاس جاؤں گی، اس پر تمھیں غیرت نہ آئے گی۔ دوسرے دن حسبِ دستور مالک کی بہن جب دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑوں میں سہیلیوں کی طرح ساتھ گیا اور موقع پا کر فطیون کو قتل کر دیا۔ اب جان بچانے کے لیے مالک نے شام جانے کا قصد کیا جہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمران تھا۔ جب اس نے یہ خبر سنی تو ایک بڑی فوج لے کر یثرب پر چڑھائی کے لیے چل پڑا۔ اوس و خزرج کے سربراہوں کو بلا کر خلعت اور انعامات دیے، اس

Marfat.com

ماحول میں یہودیوں کے سرداروں کو بھی انعامات دینے کے بہانے بلایا اور ایک ایک کر کے سب کو قتل کراتا گیا۔ اس طرح یہود کا زور ٹوٹ گیا اور اوس و خزرج کو قوت ملی۔ انھوں نے یثرب میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے اور دونوں قبیلے باہمی اتفاق سے رہنے لگے لیکن پھر عربوں کی فطرت کے مطابق ان کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی اور سخت خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔

اوس و خزرج اور یہود کی پیش گوئیاں

یہ دونوں قبائل عقائد کے لحاظ سے بت پرست تھے جنھیں ہم مشرکین کے گروہ میں شامل کرتے ہیں لیکن ایک عرصہ سے اہل کتاب کے پڑوس نے ان کو اس بات سے روشناس کرا دیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وجود ہے اور آسمانی کتابیں اور پیغمبر آتے ہیں۔ اب وہ یہود سے رقابت اور عناد کے باوجود ان کی باتوں پر کان دھرتے تھے اور ان کے علم و فضل، جادو ٹونا اور منتر کے قائل ہو چکے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہود نے یثرب میں تعلیمی ادارے قائم کیے تھے جہاں تورات کی تعلیم دی جاتی تھی، ان اداروں کو بیت المدارس کہا جاتا تھا۔ اوس و خزرج جہالت کی وجہ سے یہود کے بے بنیاد دینی و علمی تفوق کے قائل ہو چکے تھے۔ ان میں سے جس شخص کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی وہ منت مانتا کہ بچہ زندہ رہے گا تو اسے یہودی بنا دے گا۔

یثرب کا نیا نام مدینۃ النبی

مدینہ دراصل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے محض مدینہ نہیں، بلکہ مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا تھا، بعد میں مدینہ منورہ کہلانے لگا۔ خود نبی کریم ﷺ نے اس شہر کا نام طابہ اور طیبہ رکھا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے تقریباً ۲۹ نام ہیں جیسے المدینہ، طیبہ، طابہ، سکینہ، عذرا، جابرہ، قحبہ، محببہ، محبورۃ، یثرب، ناجیہ، موفیہ، اکالۃ البلان، مبارکہ، محفوفۃ، مسلمہ، مجنۃ، قدسیہ، عاصمہ، مرزوقہ، شافیہ، فیرہ، محبوبہ، مرحومہ، مختنارہ، محرمہ، قاصمہ، طبابا وغیرہ۔

نیز مدینہ منورہ سے اگر کسی انسان کی نسبت کی جائے تو اسے مدنی لکھا جاتا ہے اور

Marfat.com

اگر کسی اور چیز کی نسبت کی جائے تو مدنی لکھا جاتا ہے اور یہ انداز مدینہ منورہ کے لیے خاص ہے، یعنی قیاس یہی کہتا ہے کہ مدینہ کی نسبت کرتے وقت یاء باقی رہے اور مدینی لکھا جائے لیکن اس کے برعکس زیادہ مشہور مدنی ہی ہے اور بعض حضرات مدینی لکھنے کے بھی قائل ہیں جیسے مشہور محدث علی بن عبد اللہ المدینی ابن المدینی کے نام سے مشہور ہیں اور یہ نسبت مدینہ منورہ کی طرف ہے۔

مشرکین یثرب اور اسلام

جب مسلمان یثرب میں وارد ہوئے تو اوس و خزرج کی اکثریت نے انہیں خوش آمدید کہا جو ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اس نئے شہر میں کسی سے دبنے یا اس کی بالادستی قبول کرنے کی نوبت نہ آئی۔ بعض مشرکین اسلام کے بارے میں شک و شبہے میں مبتلا تھے اور اپنے آبائی دین کو چھوڑنے میں تردّد محسوس کر رہے تھے لیکن انھیں مسلمانوں سے کوئی عداوت نہ تھی۔ یہ لوگ بعد میں اسلام قبول کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کے اہم رکن ثابت ہوئے۔

جنگ بعاث اور عبد اللہ بن اُبی

کچھ مشرکین بوجوہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بغض و کینہ رکھتے تھے لیکن حالات مسلمانوں کے لیے سازگار تھے، اس لیے مدمقابل آنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ ادھر جنگ بعاث کے نتیجے میں جو ہجرت سے پانچ برس قبل لڑی گئی تھی، مشرکین اور اوس و خزرج نے محسوس کیا تھا کہ اگر ہم نے نزاعی حالت یوں ہی برقرار رکھی تو یہود ہمیں نیست و نابود کر دیں گے۔ اس طرح ان میں اتفاق کا ماحول پیدا ہو گیا۔ جنگ بعاث میں عبد اللہ بن ابی بن سلول غیر جانبدار رہا تھا اس لیے حالات اس طرف جا رہے تھے کہ اوس و خزرج میں باہمی اتحاد ہو اور کسی غیر جانبدار فرد کو مشترکہ سربراہ بنا لیا جائے۔ لیکن اس فیصلے سے قبل ہی مدینہ میں شرک کا اندھیرا چھٹنا شروع ہو گیا اور اسلام کا اجالا اپنی پوری تابناکی سے مدنی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے سرگرم ہو گیا۔ لوگوں کی اسلام کی طرف تیزی سے رغبت نے عبد اللہ بن ابی کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور لوگ نبی ﷺ کی آمد کے انتظار میں

Marfat.com

لگ گئے۔ تبدیلیِ حالات کے پیش نظر عبد اللہ بن ابی بھی بظاہر ان مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا، حالانکہ اس سے قبل اس کے لیے ایک تاج بھی تیار ہو گیا تھا تاکہ اس کی باقاعدہ بادشاہی کا اعلان کر دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد کی وجہ سے اس کا یہ خواب چکنا چور ہو گیا اور وہ اپنی امیدوں کی اس شکست کا ذمہ دار رسول اللہ ﷺ کو قرار دیتا تھا۔ اس نے اپنی قوم کو دیکھتے ہوئے بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن اندر سے بدترین دشمنِ رسولؐ رہا اور کسی بھی موقع پر اپنی شرارت سے نہ چوکتا تھا۔ اس کے ہمنوا عموماً وہی لوگ تھے جو اس کے دربار میں بڑے بڑے عہدوں کی امید لگائے بیٹھے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات میں ان کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ یہ سارے لوگ انتہائی شریر اور اسلام دشمن تھے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں کفارِ مکہ اور یہودیوں سے بھی زیادہ ان لوگوں کا کردار رہا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ بعض سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیتے تھے۔

یثرب میں دعوت کی پہلی کرن

نبی کریم ﷺ مکی زندگی میں دعوتِ دین اور تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی میلہ، بازار، مجمع یا حج کے لیے لوگ آتے تو آپ ان لوگوں کو دعوتِ حق دیتے۔ اس سلسلے میں آپ کی حکمت یہ تھی کہ آپ رؤسائے قبائل کے پاس جاتے۔ اہل یثرب میں سے ایک نوجوان شاعر، ادیب، شاہ سوار، بہادر، جنگجو اور وسیع الذہن مدبر سوید بن صامت مکہ آیا اور نبی کریم ﷺ سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس سے قبل اس کے ہاتھ صحیفۂ لقمان لگ گیا تھا جسے وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ اس نے آپؐ کو امثالِ لقمان پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے اور آپ نے قرآن کریم کی بعض آیات تلاوت کیں۔ سوید کی فطرتِ سلیم فوراً پکار اٹھی ''ان هذا القول حسن'' یعنی یہ تو بہت اچھا کلام ہے۔ اس نے عدم تعصب سے کام لیتے ہوئے اس کلام کو اپنے سینہ میں مقام دیا۔ لیکن یثرب لوٹنے کے بعد قبیلوں کی آپس کی لڑائیوں میں مارا گیا۔ اس کے بارے میں بعد میں لوگوں نے تذکرہ کیا کہ وہ مرتے وقت مسلمان تھا اور تکبیر اس کی زبان پر تھی اور اس کے اسلام کا اثر اوس و خزرج پر

Marfat.com

پڑ چکا تھا۔

دوسرا یثربی نوجوان ایاس بن معاذ تھا۔ یہ یثرب کے اس وفد کا رکن تھا جو اس غرض سے مکہ آیا تھا کہ قریش سے خزرج کے خلاف حلیفانہ معاہدہ کرے اور امداد حاصل کرے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان لوگوں تک بات پہنچانے کا موقع نکالا، اسلام کا تعارف کرایا اور آیاتِ قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایاس بن معاذ اس وقت لڑکپن کے عالم میں تھا، کہنے لگا: ''اے میری قوم جس غرض کے لیے تم آئے ہو، اس سے یہ زیادہ بہتر ہے۔'' وفد کے سردار ابوالحسیر نے مٹھی بھر مٹی اس کے سینہ پر ماری اور کہا تم کیا غضب ڈھا رہے ہو، ہم اس مطلب کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو قریش کی حمایت حاصل کرنے آئے ہیں۔ اگر اس شخص کی بات مان لی تو الٹا قریش ہمارے بھی دشمن ہو جائیں گے۔ ایاس خاموش ہو گیا لیکن اس کے دل میں روشنی کی کرن نے گھر کر لیا تھا۔ یہ لوگ یثرب واپس چلے گئے اور یہ بیدار دل، روشن خیال نوجوان بھی جنگِ بعاث میں کام آ گیا۔

مسجد قبا میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قافلے کے ساتھ بخیر وعافیت ۸ ربیع الاول ۱۴ نبوی بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء قباء میں جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پورے ۵۳ سال مکمل ہوئی، ایک دن بھی کم یا زیادہ نہ تھی۔ ادھر مدینہ منورہ میں مسلمان شدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے، ان کو خبر ہو چکی تھی کہ آپ دس روز پہلے مکہ مکرمہ سے نکل چکے ہیں، اس طرح ہر روز لوگ صبح سے شام تک انتظار کے بعد واپس چلے جاتے۔

بالآخر وہ دن آ ہی گیا کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئی اور آفتاب دوعالم یثرب کی وادی میں طلوع ہوا جس نے سارے جہانوں کو منور کیا۔

Marfat.com

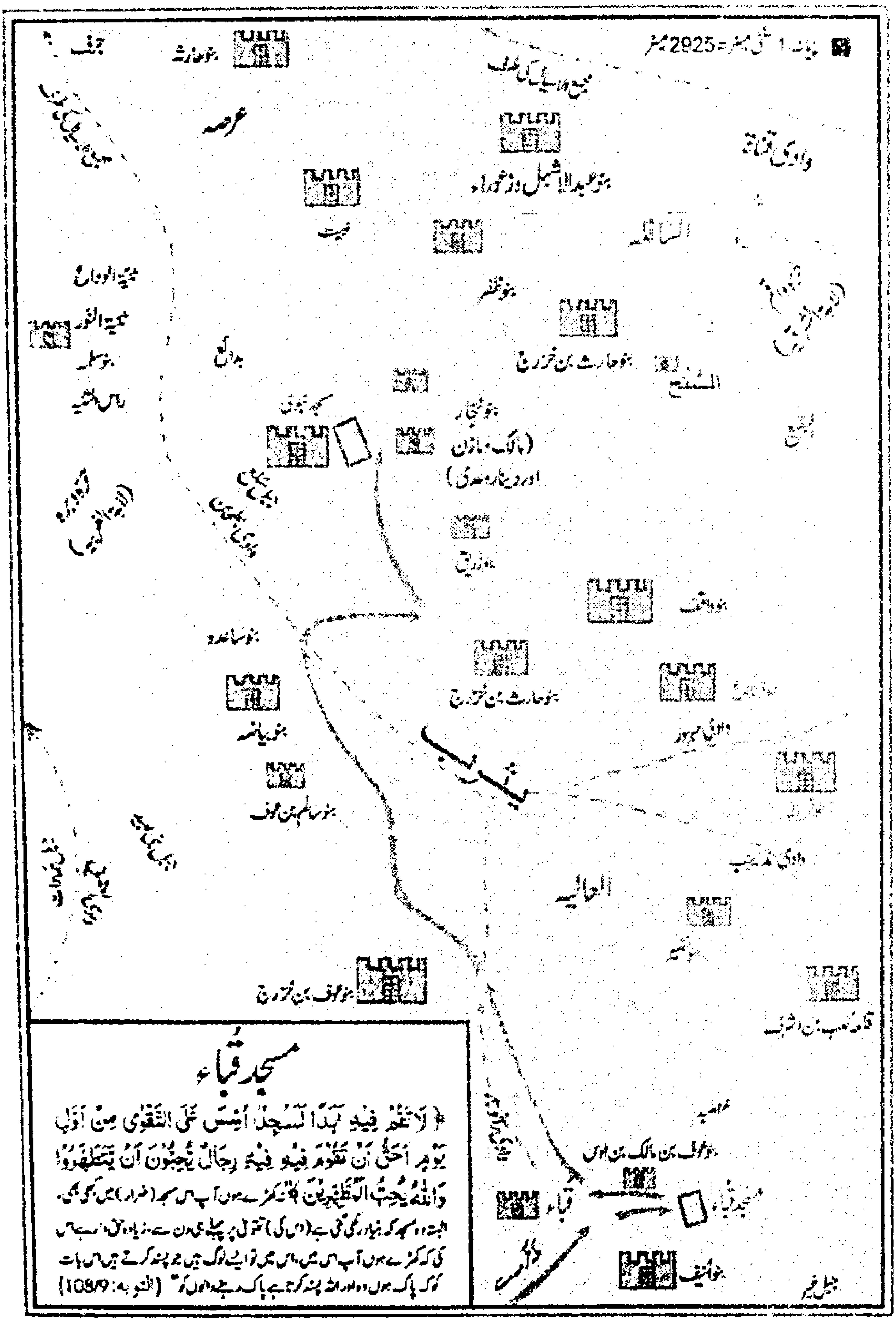

مسجد قباء

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ "نہ کھڑے ہوں آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی، البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی ہے (اس کی) تقویٰ پر پہلے ہی دن سے، زیادہ حق رکھتی ہے اس کی کہ کھڑے ہوں آپ اس میں، اس میں تو ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ پاک ہوں وہ اور اللہ پسند کرتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو۔" (التوبہ: 108/9)

Marfat.com

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال حکمت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جسمانی طور پر دیکھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے لگتے تھے جسم بھی قدرے فربہ تھا اور بال بھی آپ کی نسبت زیادہ سفید تھے۔ اس لیے وہ حضرات جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہ تھا جب حاضری کے لیے آتے تو آتے ہی سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کو سلام کرتے۔ حضور ﷺ خاموشی سے ایک طرف بیٹھے رہتے، حضرت ابو بکر صدیق نے جب یہ سب دیکھا کہ لوگ تو میرا استقبال کر رہے ہیں انہیں یہ بات اچھی نہ لگی کہ حضور سے پہلے میرا استقبال ہو رہا ہے، انہوں نے ایک چادر لی اور اس کو ایک طرف سے درخت سے باندھ دیا اور دوسری طرف سے خود پکڑ کر کھڑے ہو گئے تاکہ حضور ﷺ پر سایہ ہو، اس طرح لوگوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ کون ہیں۔ اب جو لوگ آتے وہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے۔

مسجد قباء کی تعمیر

زائرین مدینہ طیبہ زیارت کے دوران مسجد قباء بھی جاتے ہیں جو مدینہ منورہ کے اندر ایک وسیع عریض اور خوب صورت مسجد ہے۔ اس مسجد کی تاریخی حیثیت ہے اور اللہ تعالی نے اسے قرآن کریم میں مسجد تقوی کا نام دیا ہے یہ دنیا اسلام کی پہلی مسجد ہے یہاں نماز نفل پڑھنے کا ثواب عمرے کے برابر ہے،[1] اس وقت مدینہ منورہ یثرب کے نام سے مشہور تھا اور یہ جگہ قباء کہلاتی تھی جو مدینہ سے کم وبیش پانچ میل کے فاصلے پر تھی۔ آپ نے مدینہ داخل ہونے سے پہلے یہاں پڑاؤ کیا تھا اور آپ کی نسبت سے یہ جگہ بھی قیامت تک کے لیے بابرکت ہوگئی۔ ہر سال لاکھوں فرزندان توحید حج وعمرہ کے لیے جاتے ہیں وہ اس مسجد میں نماز ضرور ادا کرتے ہیں، اور اہل پاکستان کے لیے یہ بھی اعزاز ہے کہ آج کل اس مسجد کے امام آزاد کشمیر مظفر آباد کے ایک مشہور قاری اور حافظ ہیں۔

اس مسجد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے جسے خود

---

[1] سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۳۲۴۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کروایا، اس سے پہلے کوئی بھی مسجد نہیں بنائی گئی۔ آپ اس کو بناتے ہوئے خود پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے ساتھ شعر بھی گنگناتے۔ جو حمدیہ اشعار وہ کام کے دوران گنگنا رہے تھے ان کے الفاظ ابن ابی شیبہ نے یہ بیان کیے ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَا، يَتْلُو الْقُرْآنَ قَائِمًا وَقَاعِدًا، وَهُمْ يَبْنُونَ الْمَسْجِدَ (1)

ادھر پورا یثرب استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ جوق در جوق ایک جھلک دیکھنے کے لیے دوڑے آرہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہود اور مشرک بھی چلے آرہے تھے۔ ابن اسحاق ابن ہشام علامہ منصور پوری اور صفی الرحمن مبارک پوری نے چار روز قباء میں ٹھہرنے کو اختیار کیا ہے جب کہ امام بخاری امام مسلم امام احمد بن حنبل وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ آپ چودہ روز تک قباء میں ٹھہرے اور اس کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ (2)

قباء سے آپ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو بنو نجار کو پیغام بھیجا اور وہ تلواریں لٹکائے ساتھ ساتھ ہوگئے۔ اسی سفر کے دوران میں قبیلہ بنی سالم میں جمعے کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے وہاں لوگوں کو جمع کیا جن کی تعداد سو تھی۔ یہ نمازِ جمعہ پہلی جمعہ کی نماز تھی جو آپ نے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ادا کی۔

یثرب سے مدینہ

جمعہ کے بعد آپ ﷺ کا قافلہ یثرب میں داخل ہوا تو یثرب مدینہ طیبہ بن گیا، یہ وہ دن تھا جب دوعالم کی عظیم ترین ہستی کا استقبال اس شہر میں ہو رہا تھا جو بظاہر بے سروسامانی کے عالم میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مہاجر کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہو رہے

---

1 ابن أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي م:۲۳۵ھ، المُصَنَّف. رقم الحديث ۲۶۵۷۶ دار القبلة، بدون تاریخ۔

2 دیکھیے: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۲۸۔

Marfat.com

تھے۔ اور ادھر دشمن نے آپ کے سر کی قیمت سو اونٹ لگا رکھی تھی۔ چشم فلک نے دیکھا کہ لوگ اپنے محبوب کا استقبال کس طرح کر رہے ہیں۔ یثرب کا کوئی بھی شخص گھر میں نہ تھا۔ گلیاں تکبیر و تحمید سے گونج رہی تھیں، انصار کی بچیاں جذبات اور خوشی میں یہ اشعار گا رہی تھیں:

طلع البدر علينا ... من ثنيات الوداع[1]

وجب الشكر علينا ... ما دعا لله داع

أيها المبعوث فينا ... جئت بالأمر المطاع

انصار کا ہر شخص چاہتا تھا کہ آپ اس کے گھر کو رونق بخشیں، اگرچہ وہ لوگ اس قدر مالدار نہ تھے اور نہ اس کی گنجائش رکھتے تھے لیکن ہر ایک کا یہ جذبہ تھا کہ حضور ﷺ اسی کے گھر تشریف لے جائیں، اس لیے جس گھر سے بھی قافلہ گزرتا تو اونٹنی کی رسی تھام لیتا، آپ فرماتے اسے چھوڑ دو یہ حکم کی پابند ہے جہاں رکنا ہوگا خود رک جائے گی۔ چنانچہ اونٹنی چلتی رہی یہاں تک وہ خود ہی ایک جگہ پر جا کر رک گئی۔ اونٹنی رکی اور ادھر اُدھر دیکھا، پھر چل پڑی، پھر ادھر ادھر دیکھا اور واپس پہلی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔ حضرت ابو ایوب جلدی سے آگے بڑھے اور سامان اٹھا کر چل دیے۔ اس طرح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پیچھے چلتے ہوئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا المرء مع رحله (جہاں سامان وہیں انسان)۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہاں قریب ترین کس کا گھر ہے؟ ابو ایوب نے عرض کیا: میں اور میرا گھر یا رسول اللہ، یہ ہی تو دروازہ ہے، تو آپ نے فرمایا: چلو۔۔۔[2]

---

1. بعض سیرت نگاروں نے طلع کی جگہ اَشرق لکھا ہے اور مفہوم ایک ہی ہے، مبارکپوری، اور سلمان منصورپوری نے اَشرق کو ترجیح دی ہے جب کہ وفاء الوفاء میں سمہودی نے طلع لکھا ہے، الرحیق المختوم: ۱/۱۵۶، وفاء الوفاء: ۱/۲۰۴۔

2. ایضاً، حدیث نمبر: ۳۹۱۱۔

Marfat.com

مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ایک ہجری بمطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کی پہلی منزل میں آپ نے سات مہینے تک قیام کیا۔ اسی دوران میں آپ نے سب سے پہلا عملی کام جو کیا وہ اللہ کے گھر کی تعمیر تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ کی اونٹنی جس جگہ بیٹھ گئی تھی اسی جگہ آپ نے مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی جسے آپ نے خرید کر مسجد بنوائی، مسجد کی تعمیر کے دوران میں آپ خود گارا اور پتھر اٹھاتے، باقی صحابہ کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ یہ عظیم الشان مسجد اسلام کی سادگی کی ایک تصویر تھی۔ دیواریں کچی اینٹوں اور گارے کی تھیں۔ چھپر کھجوروں کے پتوں اور تنوں کا تھا۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا تھا۔ فرش پر صرف مٹی تھی۔ بارش میں چھت سے پانی آتا اور نیچے کیچڑ بن جاتا۔ بعد میں کنکریاں پھینک دی گئیں تاکہ کیچڑ نہ ہو۔

مسجد نبوی کا نقشہ

آج کی مسجد نبوی کو اگر دیکھا جائے تو پہلی مسجد نبوی کا نقشہ ذہن میں آسکتا ہے۔ آج جہاں سے محبان نبی صلاۃ وسلام پیش کرنے کے لیے جاتے ہیں اس کے بالکل بائیں طرف روضہ اقدس سے متصل روضۃ الجنۃ ہے جہاں نماز پڑھنے والا گویا جنت میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الجَنَّةِ ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' [1] یہ جگہ ہے جہاں منبرِ رسول ﷺ ہے۔ اسی پر آپ خطبہ دیتے تھے۔ آج کل اس جگہ پر جو قالین بچھایا گیا ہے اس کا رنگ مسجد کے دیگر قالینوں کے رنگ سے مختلف کر دیا گیا ہے تاکہ جگہ کے تعین میں آسانی ہو۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ صرف دو نوافل کا موقع مل سکے۔ یہی اصل میں وہ مسجد ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھی۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے

---

1 ایضاً حدیث نمبر: ۱۱۹۵۔

Marfat.com

کھڑے ہوں تو بالکل بائیں جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے تھے جہاں آپ کی تمام ازواج مطہرات کی رہائش تھی۔ ان میں سے قبلہ کی جانب پہلے نمبر پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا، جہاں روضہ مبارک اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مقبرے ہیں، اور اس کے ساتھ پیچھے کی طرف دیگر کمرے تھے۔ سید دو جہاں کے یہ کمرے چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے، اور اونچے اس قدر تھے کہ چھت سے ہاتھ لگتے تھے۔ کچے کمرے تھے جن کے دروازوں کی جگہ پردے لٹکے ہوتے تھے۔ ہر کمرے کی کھڑکی مسجد کی طرف کھلتی تھی۔ آخری کمرے کے بعد ایک اونچی جگہ تھی جسے صفہ کہا

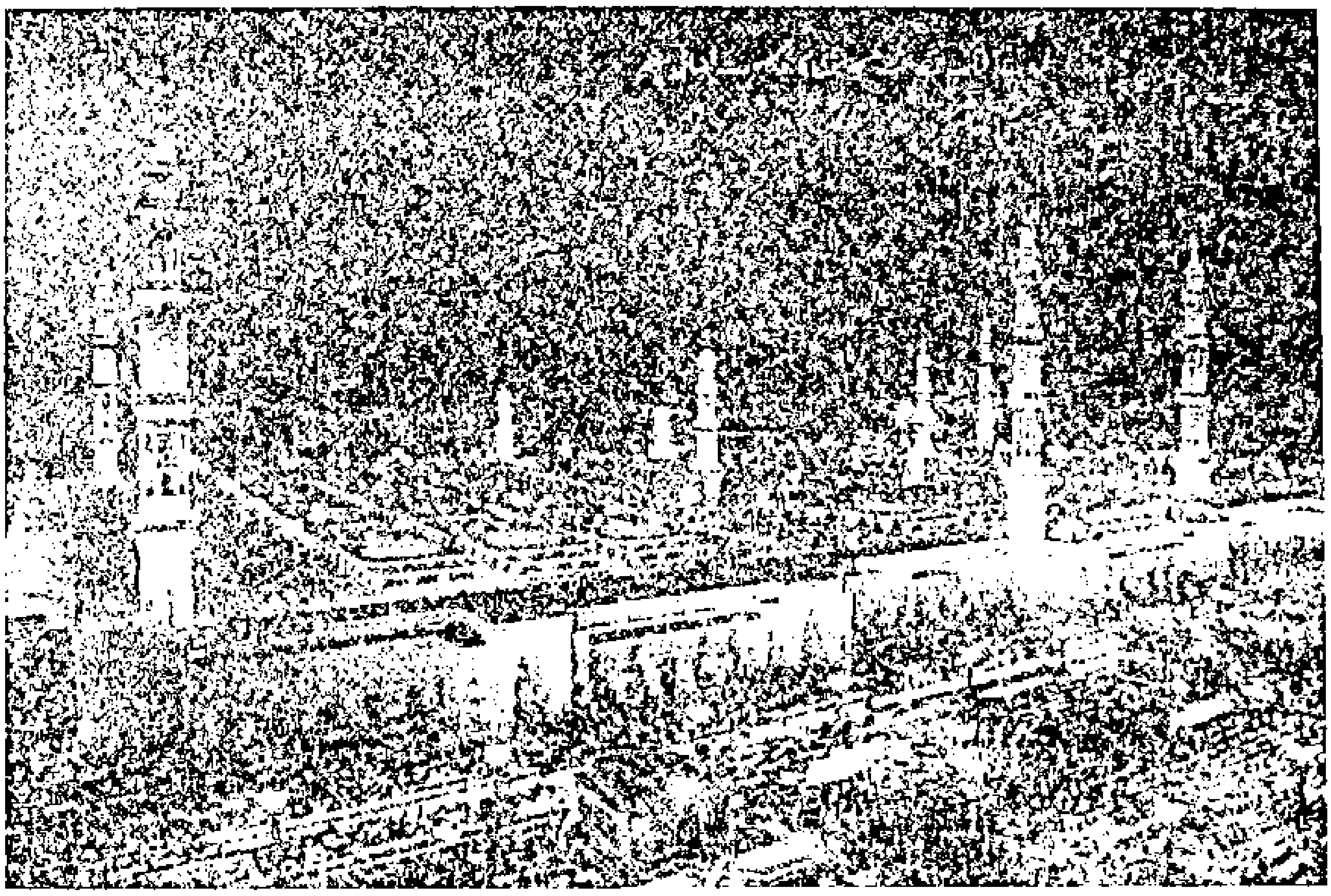

جاتا تھا۔ یہاں ایسے لوگ رہتے تھے جن کا گھر بار نہ تھا، اسلام قبول کر چکے تھے اور آغوشِ نبوی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ ایک مدرسہ تھا جہاں طالبانِ دین وشریعت موجود رہتے تھے۔ اہل مدینہ اپنی بساط کے مطابق ان کی روٹی پانی کا بندوبست کر دیا کرتے تھے۔ یہ جگہ اب بھی اسی نقشے کے مطابق ہے اور لوگ مسلسل وہاں بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اُس زمانے کی مسجد اسی قدر تھی اور اردگرد مدینہ شہر آباد تھا۔

Marfat.com

حجراتِ ازواج مطہرات

جب مسجد تعمیر ہو چکی تو مسجد کے ساتھ ہی، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے آپ کی ازواج مطہرات کے لیے مکانات بنائے گئے۔ اس وقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نکاح میں آچکی تھیں اس لیے دو ہی حجرے بنے۔ ازواج مطہرات آتی گئیں اور حجرے بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹہنیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، زینبؓ بنت جحش کے مکانات جانبِ شام تھے اور حضرت عائشہؓ، صفیہؓ اور سودہؓ کے حجرے دوسری جانب۔ یہ مکانات مسجد سے متصل تھے اس لیے دورانِ اعتکاف میں آپ مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی کہ آدمی کھڑا ہو کر اسے چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سید الکونین اور امام الانبیاء بنایا۔ جہانوں میں سے آپ سے افضل مخلوقِ خدا میں کوئی نہیں۔ لیکن ذرا تصور کیجیے کہ گھر کی لمبائی چوڑائی کیا ہے؟ یہ گھر کس چیز سے بنے ہیں؟ ان کی وسعت اور اونچائی کتنی ہے اور ان میں گزر اوقات کی کس قدر سہولتیں موجود ہیں؟ آپؐ کی یہ سادہ زندگی، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت، اس مادہ پرستانہ زمانے میں امت کے لیے خاص اہم پیغام ہے۔ اب ذرا امام الانبیاء کے کھانے پینے کا حال دیکھیں۔ آپؐ کے پڑوس میں سردارانِ انصار رہتے تھے۔ یہ لوگ آپؐ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپ گزر بسر فرما لیتے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ رات کے کھانے میں ہمیشہ بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کی والدہ نے اپنی جائیداد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کی آپؐ نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمنؓ کو دے دی اور خود فاقہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

مسجد کا کردار

مساجد، اور بطور خاص مسجد نبوی کی عظمت و فضیلت پر بڑی بڑی کتابیں لکھی

Marfat.com

جا چکی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد قبا اور مدینہ، دونوں مقامات پر مسجد کی تعمیر سے آغاز کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام میں مسجد کی کس قدر اہمیت ہے۔ یہ مسجد نومولود مدنی معاشرہ کی پہلی اینٹ تھی۔ یہی اسلام کے نقطۂ آغاز کا بنیادی نشان تھا۔ آپؐ نے مسجد کو تمام معاشرتی، سیاسی اور ریاستی سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا۔ اسی میں وہ دارالندوہ تھا جس میں مسلمان بیٹھ کر مشاورت کرتے تھے جس کی بنا پر مسجد ایک پارلیمنٹ کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ مسجد میں مسلمانوں کی تمام تر تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں۔ صفہ کے چبوترے پر جو کلاس روم قائم ہوا، اس سے فارغ ہونے والے حضرات نے لاکھوں مربع میل پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کی مختلف اور متنوع ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ یہ مسجد اسلامی ریاست کے مختلف وظائف کے لیے سول سیکریٹریٹ کا درجہ بھی رکھتی تھی۔ اس میں وہ فارن آفس بھی تھا جہاں سے دوسرے ملکوں اور سلطنتوں میں سفیر روانہ کیے جاتے تھے اور دوسرے ممالک کے سفراء کا استقبال کیا جاتا تھا۔ اسی مقام پر مسلمانوں کا وہ اسٹیٹ بنک بھی تھا جہاں اسلامی ریاست کے ہر نوع کے مالِ غنیمت، محاصل، صدقات جمع ہوتے تھے اور پھر انھیں حسبِ ضرورت تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ مسجد ہی وہ جگہ تھی جو ایک عدالت کی ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتی تھی۔ نیز مسجدِ رسولؐ کو اپلیلیٹ بورڈ کا درجہ بھی حاصل تھا کہ مختلف علاقوں کے گورنروں کے فیصلوں کے خلاف اگر کوئی اپیل مقصود ہوتی تو اس کا آخری فیصلہ یہیں سنا جاتا تھا۔ اس مسجد کو ایک اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس کا درجہ بھی حاصل تھا جہاں مختلف وفود کے ساتھ نہ صرف مذاکرات ہوتے تھے بلکہ انھیں اقامتی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی تھیں۔ مسجد اس دارالخلافہ کے لیے ایک کمیونٹی سنٹر کا درجہ رکھتی تھی جہاں پر کمیونٹی کو مختلف سماجی و معاشرتی مواقع پر اکٹھا ہونے کا موقع ملتا تھا حتیٰ کہ شادی اور نکاح کی تقریبات بھی مسجد میں انجام پاتیں۔ اسلامی افواج کے جنرل ہیڈ کوارٹر کے طور پر غزوات و سرایا کی تنظیم و تشکیل کے سارے مراحل بھی مسجد ہی میں طے پاتے تھے۔ الغرض اسلامی ریاست ہو یا معاشرہ، اس کی ہیئت ترکیبی کے تمام ادارے مسجد کے ساتھ وابستہ تھے۔ البتہ مسجد میں ان وظائف میں سے کوئی ذمہ داری انجام نہیں دی جاتی تھی جس کا تعلق بازار،

Marfat.com

منڈیوں یا سامان کی خرید و فروخت سے ہو۔ نبی کریم ﷺ کی اس سنت پر صدیوں تک عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ جہاں بھی مسلمانوں کی کوئی بستی قائم ہوئی اس کا آغاز مسجد سے ہوا۔ دنیا میں موجود لاکھوں مساجد اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے مسجد ہی سے بستی کا آغاز کیا۔ بچوں کو درس و تدریس اور قرآن، تفسیر، حدیث اور علوم مختلفہ کی تعلیم مساجد ہی میں دی جاتی رہی۔ تمام نامور علمائے اسلام، محققین و مفکرین کے سوانح سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعلیم کا آغاز مدارس و مساجد ہی سے ہوا، چاہے وہ علوم اسلامیہ کے ماہر ہوں یا فلکیات و کیمیا کے۔ یقیناً یہ سنت نبوی ہی تھی جس کی کرنیں چہار سو پھوٹیں اور ساری دنیا کو حقیقی معنوں میں روشنی کی نوید دے گئیں۔

مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے پالیسی خطاب

نبی کریم ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی دعوتی سرگرمیوں میں تیزی آگئی تھی اور مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے پہلے مدینہ کے گھر گھر میں جاں نثارانِ رسولؐ پیدا ہو چکے تھے۔ ہر قبیلہ میں اسلامی معاشرہ کے سرگرم کارکنان چاک و چوبند اور سرگرم تھے۔ قبیلہ حطمہ، واقف، وائل اور امیہ کے گھرانوں میں شرک کی تاریکی باقی رہ گئی تھی جن کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ معاشرہ کی تشکیل کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو پہلا اجتماعی خطبہ دیا اس کا لفظ لفظ اور جملہ جملہ دستورِ اسلام اور آئندہ بننے والی اسلامی ریاست کے لیے واضح ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ آپؐ نے اجتماعی دعوت دیتے ہوئے انتہائی جامع اور مختصر انداز میں تشکیلِ نو پانے والے معاشرے کے حقوق و فرائض کی وضاحت، حمد و ثنا کے بعد ان الفاظ میں کی:

أما بعد أيها الناس فقدموا لأنفسكم تعلمن والله ليصعقن أحدكم ثم ليدعن غنمه ليس لها راع ثم ليقولن له ربه وليس له ترجمان ولا حاجب يحجبه دونه ألم يأتك رسولي فبلغك وآتيتك مالا وأفضلت عليك فما قدمت لنفسك فلينظرن يمينا وشمالا فلا يرى شيئا ثم لينظرن قدامه فلا يرى غير جهنم فمن استطاع أن يقي وجهه من النار ولو بشق

Marfat.com

من تمرة فليفعل ومن لم يجد فبكلمة طيبة فإن بها تجزى الحسنة عشر أمثالها إلى سبع مئة ضعف والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته[1]

"لوگو! اپنی جانوں کے لیے وقت پر کچھ کمائی کر لو، خوب جان لو، اللہ کی قسم تم میں سے ہر ایک پر موت وارد ہو گی اور وہ اپنے گلے کو اس حال میں چھوڑ کر رخصت ہو گا کہ کوئی اس کا چرواہا نہ رہے گا۔ پھر اسے اس کے پروردگار کی طرف سے ایسے عالم میں خطاب کیا جائے گا جب کہ بیچ میں کوئی ترجمان نہ ہو گا۔ کہا جائے گا کہ کیا تجھ تک میرا رسول نہیں پہنچا تھا جس نے بات تجھے پہنچائی ہو، پھر کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا، اور تجھ پر نوازش نہیں کی تھی؟ تو پھر اپنی جان کے لیے تو نے کیا آگے بھیجا؟ پس وہ دیکھے گا دائیں بائیں، لیکن کچھ نہ دکھائی دے گا۔ پھر سامنے کی طرف نگاہ ڈالے گا، مگر جہنم کے سوا کچھ سامنے نہ ہو گا۔ سو جس کو بھی توفیق ہو کہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے عوض ہی اپنے چہرے کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے کچھ کرے۔ جو اتنا بھی نہ کر سکے وہ کوئی بھلی بات کہہ کر ہی بچاؤ کرے کیونکہ نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

ابن ہشام نے ابن اسحاق سے دوسرا خطابِ عام یوں نقل کیا ہے:

إن الحمد لله أحمده وأستعينه نعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له إن أحسن الحديث كتاب الله تبارك وتعالى قد أفلح من زينه الله في قلبه

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۳۰۔

Marfat.com

وأدخله في الإسلام بعد الكفر واختاره على ما سواه من أحاديث الناس إنه أحسن الحديث وأبلغه أحبوا ما أحب الله أحبوا الله من كل قلوبكم ولا تملوا كلام الله وذكره ولا تقس عنه قلوبكم فإنه من كل ما يخلق الله يختار ويصطفي وقد سماه الله خيرته من الأعمال ومصطفاه من العباد والصالح من الحديث ومن كل ما اوتي الناس الحلال والحرام فاعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا واتقوه حق تقاته وأصدقوا الله صالح ما تقولون بأفواهكم وتحابوا بروح الله بينكم إن الله يغضب أن ينكس عهده والسلام عليكم [1]

"ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد چاہتا ہوں، ہم سب اپنے دلوں کی شرارتوں اور اپنا اعمال کی خرابیوں کے مقابلے میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت سے محروم کر دے اس کے لیے کوئی رہنما نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور قابلِ عبادت و طاعت ہستی نہیں، وہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا حصہ دار نہیں، بلاشبہ بہترین بیان اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس شخص نے فلاح پائی جس کے دل میں اللہ نے اس کی محبت ڈال دی، اور جسے کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا اور جس نے اور سارے انسانی کلاموں کے مقابلے میں اس کلام کو اپنے لیے پسند کر لیا۔ یہ بہترین کلام ہے اور سب سے زیادہ مؤثر۔ تم وہی کچھ پسند کرو جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ سے اخلاص کے ساتھ محبت کرو۔ اللہ کے کام سے غفلت نہ برتو اور تمہارے دل اس کے لیے

---

[1] ایضاً: ۳/ ۳۰۔

Marfat.com

سخت نہ ہونے پائیں۔ چونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں سے بہتر کو چھانٹتا اور منتخب کرتا ہے، سو اس نے اعمال میں سے بہترین، اور بندوں میں سے برگزیدہ ترین، اور کلاموں میں سے پاکیزہ ترین کو متعین فرما دیا ہے۔ نیز انسانوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سب میں سے کچھ حلال ہے، کچھ حرام۔ پس اللہ کی غلامی اختیار کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس کے غضب سے اس طرح بچو جیسا کہ بچنے کا حق ہے اور اللہ کے حضور میں وہ سارے پاکیزہ اقوال سچ کر دکھاؤ جن کو تم اپنی زبانوں سے ادا کرتے ہو۔ اور اللہ کی رحمت کے ذریعے سے ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ استوار کرو۔ اگر اللہ کے ساتھ کیے ہوئے (ایمان کے) عہد کو توڑا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے، اور تم پر سلامتی ہو۔"

اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے یہ بنیادی خدوخال ہیں جو اس اساسی خطبہ میں بیان ہوئے اور انہی تعلیمات کی روشنی میں مستقبل کی تمام تر منصوبہ بندی عمل میں آئی۔

آغاز ہجرت پر بعض صحابہؓ کی مشکلات

ہجرت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عقائد اور نظریات جان و مال سے زیادہ عزیز ہیں چنانچہ ہجرت کرنے والوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنے گھر بار، مال و دولت، اہلِ خانہ اور دوست احباب کو چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں دارالہجرت کی طرف کوچ کیا۔

حضرت صہیبؓ رومیؔ مشہور صحابیِ رسول ہیں۔ وہ اہل مکہ میں سے نہیں تھے۔ انھوں نے مکہ میں اقامت اختیار کرلی تھی اور یہیں کام کاج اور کاروبار کیا۔ جب ہجرت کا موقع آیا تو قریش نے کہا، تم نے سارا مال و اسباب یہاں سے کمایا ہے اس لیے ہم اسے تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ انھوں نے بھرپور شانِ استغناء سے مال ان کے آگے پھینک دیا اور بے سروسامانی کے عالم میں مکہ کو خیرباد کہہ گئے۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس

Marfat.com

واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا "صہیب نے یقیناً منافع بخش تجارت کی ہے۔"

اسی طرح قریش نے حضرت ابو سلمہؓ کے راستے میں روڑے اٹکانے کے لیے بوقت ہجرت ان کی زوجہ محترمہ اور ننھے منے بچے کو روک لیا کہ اسے ہم ساتھ نہیں جانیں دیں گے، لیکن وہ اس آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے اور غمگسار بیوی اور آنکھوں کی ٹھنڈک بیٹے کو چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ تقریباً ایک سال تک روزانہ اُم سلمہؓ مکہ سے باہر وادی بطح نکل جاتیں اور روتے ہوئے سارا دن مدینہ کا راستہ دیکھتی رہتیں اور شام کو واپس آجاتیں۔ ظلم کی حد یہ کہ ابو سلمہ کے قبیلے والوں نے ام سلمہؓ سے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی یہ کہہ کر چھین لی کہ بچہ ہمارے قبیلے کا ہے، والد چلا گیا ہے تو بچہ ہمارے پاس رہے گا۔ اس طرح ام سلمہؓ نے انتہائی کرب میں شوہر اور بیٹے کی جدائی میں پورا سال گزار دیا۔ ایک سال تک اذیت کا طویل دورانیہ گزارنے کے بعد بعض خدا ترس لوگوں نے معاملہ کا حل نکالا۔ بچہ انھیں مل گیا اور وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا اور نہ آج کی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر میں آرام دہ گاڑیوں پر بیٹھ کر چلے جانے کا نام تھا، بلکہ وہاں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقیدۂ توحید پر ایمان لانے والوں کا نہایت کڑا امتحان لیا کہ اس میں وہی پاک ہستیاں کامیاب ہوسکتی تھیں۔

ہجرت کے بعد سرزمین مدینہ پر دوررس اثرات

اسلام کا اعلان تھا کہ وہ ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور اس کی روشنی میں عقائد، عبادات اور زندگی کے تمام تر معاملات کی تنظیم نو کی جائے۔ اس پیغام پر عمل درآمد کے لیے ایک علیحدہ خطۂ زمین اور ایک امت کی ضرورت تھی جہاں قرآن وسنت کے قوانین نافذ کیے جائیں، ان قوانین کی مدد سے ایک مثالی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس ریاست میں انسانی تاریخ کا بہترین معاشرہ ابھر کر سامنے آئے اور یہ مکمل معاشرہ تاقیامت بنی نوع انسان کے لیے مشعل راہ بن جائے۔ ہجرت کا مدینہ پر بڑا اثر یہ ہوا کہ یہاں کی سیاست کا نقشہ یکسر بدل گیا۔ پہلے یہودیوں کا سکہ چلتا تھا۔ مذہبی عہدوں پر انھی کے احبار

Marfat.com

قابض تھے جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے تھے۔ تجارتی لحاظ سے بھی ان کا کنٹرول تھا۔ اوس و خزرج کی لڑائیاں عروج پر تھیں۔ شرک و بت پرستی عام تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد یہاں حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ مکہ اور دیگر شہروں سے آنے والے مہاجرین کی کثرت سے وہاں کی معاشرت پر گہرے اثرات مرتب ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ مسلمان اپنی حیثیت منوانے لگے۔ اس طرح مدنی معاشرے میں ایک تنوع پیدا ہو گیا۔ اب اس شہر کی سابقہ آبادی میں نئے عناصر شامل ہو چکے تھے۔ اس معاشرے کا اجتماعی ڈھانچہ دینی عقائد اور محکم اصولوں کی مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا جا چکا تھا۔ قبائلی نظام کی جگہ جدید معاشرتی نظام نے لے لی تھی۔ قبیلہ کے تصور کی جگہ امت کا تصور ابھر کر سامنے آ چکا تھا۔ کوئی شخص کسی بھی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو جب وہ اسلام قبول کر لیتا تو اسلامی جماعت کا ایک اہم رکن بن جاتا تھا۔ مدینہ کی آبادی کی تقسیم عقائد اور اصولوں کی بنیاد پر ہو چکی تھی اور کل آبادی بجائے قبیلوں کے، تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی تھی، مومن، منافق اور یہود۔ مسلمان جہاں بھی تھے انھیں حکم دیا گیا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں، اس طرح مدینہ میں مسلمانوں کی آبادی روز بروز تیزی سے بڑھنا شروع ہو گئی اور یوں دیگر گروہوں کے مقابلے میں ان کی قوت و عظمت میں اضافہ ہو گیا۔ ادھر جو حضرات ہجرت کر کے مدینہ آتے انھیں یہاں مکمل اسلامی ماحول ملتا۔ رہن سہن، کھانا پینا، رسم و رواج، عبادات، معاملات، عدالتی نظام، تعلیم و تربیت، مسائل کے حل، تجارت، زراعت الغرض ہر میدان اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، یہ سب کچھ کسی اور جگہ میسر نہ تھا، سوائے ان قبائل کے کہ جنھیں نبی کریم ﷺ نے اپنی ہی جگہوں پر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ وہ قبائل تھے جو پورے کے پورے مسلمان ہو چکے تھے اور وہاں بذات خود ایک مکمل معاشرہ تشکیل پا چکا تھا جیسے قبیلہ مزنیہ، خزاعہ اور یمن کے بعض قبائل۔

ہجرت نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اسلام میں فضیلت کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ قبائلی تعصب یا خاندانی حسب و نسب یا علاقائی امارت۔ امت کا جو تصور مدنی معاشرے نے دیا اس کی مثال دنیا کے کسی بھی نظام میں نہیں ملتی جہاں ہر کالا گورا، پستہ قد، دراز قد، مکی، مدنی،

Marfat.com

نجدی، عراقی، یمنی، ہر قسم کی علاقائی عصبیت سے بالاتر ہو کر امت کے افراد کی طرح رہ رہے تھے اور ہر کسی کو امت کا ایک ذمہ دار فرد سمجھا جاتا تھا۔ اس سے قبل عرب میں لسانی، قبائلی، علاقائی اور نسبی تعصب عروج پر تھا لیکن ہجرت کے گہرے اور دور رس اثرات نے تمام جاہلانہ تعصبات و قسمت کا قلع قمع کر دیا۔

ہجرت کے نتائج

ا: قبل از ہجرت مکہ میں اسلامی تعلیمات کی نوعیت زیادہ تر نظری اور فکری تھی۔ وہاں وہ اپنے تصورات کو مکمل کر عملی جامہ نہ پہنا سکے تھے، نہ وہ دنیا کو پورے طور پر دکھا سکتے تھے کہ وہ دراصل کس قسم کے لوگ ہیں اور کس قسم کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ حقیقت کی دنیا میں تجرباتی طور پر سب کو دکھا سکیں کہ وہ کیسے اور کس طرح کے افراد تیار کرنا چاہتے ہیں، انسانوں کی کس قسم کی تربیت کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کس قسم کا نظام تعلیم و تربیت درکار ہے۔

۲: ہجرت درحقیقت اسلامی شعائر کے احیاء، ارتقاء اور تکمیل کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گئی۔ اس کے بغیر اسلامی شعائر اور عقائد کا تکمیلی شکل میں نظر آنا ممکن نہ تھا۔

۳: قبل از ہجرت کا زمانہ، نسلی مفادات، لسانی برتری اور تفوق یا علاقائی نظریات و تصورات کا زمانہ تھا۔ لیکن ہجرت نے ثابت کر دیا کہ اس امت کے نظریات بین الاقوامی، بین الانسانی اور عالمگیر ہیں۔ اب پچھلا دور ختم ہو گیا ہے اور حقیقی عالمگیریت اس امت کی صورت میں اب ظاہر ہو رہی ہے۔ آج کل کی مغربی عالمگیریت اور مدنی تعلیمات کی عالمگیریت میں فرق سیرت نبوی کے مطالعہ کے بعد سامنے آتا ہے۔ مدنی دور کی عالمگیریت میں قوتِ اخلاق و کردار، عدل و انصاف، الٰہی تعلیمات، باہمی ہمدردی، تمام تر مادی علائق اور تعصبات سے بالاتر تھے۔ لیکن آج کی عالمگیریت، مادی ترقی، علاقائی تعصب، رنگ و نسل کی فوقیت اور باطل نظریات کو ٹھونسنے سے عبارت ہے۔

۴: چوتھی اہم بات یہ ہے کہ ہجرت کے بعد قائم ہونے والی ریاست نے ثابت کر دیا کہ تنگ نظریات اور مفادات کی بنیاد پر ریاستیں اور بادشاہیاں کیا ہوتی ہیں اور اصولوں اور

Marfat.com

خدائی احکام پر قائم ہونے والی ریاست کیسی ہوتی ہے۔

۵: ہجرت کا ایک انتہائی بڑا اور اہم نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ ایک کثیر الطبقاتی (Cosmopolitan) شہر بن گیا جہاں مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف علاقائی پس منظر رکھنے والے باشندے بڑی تعداد میں نظر آنے لگے اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ سے علاقائی اور قبائلی رنگ ختم ہو گیا اور اسلامی عالمگیریت کے مظاہر نظر آنے لگے۔ اسی مدینہ کو مرکز بنا کر لوگ یہاں سے دعوتِ دین دینے کے لیے مختلف علاقوں میں پھیلنے لگے خصوصاً جن علاقوں سے لوگ آئے تھے انہی علاقوں میں بطور داعی جانا شروع ہو گئے۔ اس کے علاوہ بعض حضرات تجارتی مقاصد کے لیے بھی باہر جاتے اور ساتھ ساتھ دین کا پیغام بھی دیتے۔

ابتدائے اذان

بہت جلد مسلمانوں کو احساس ہوا کہ کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس سے سب کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ بعض نے کہا عیسائیوں کی طرح ناقوس بجانا چاہیے، بعض کی رائے تھی یہودیوں کی طرح سینگھ (بوق) میں آواز لگائی جائے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کیوں نہ کسی آدمی کو بھیجیں جو نماز کے لیے آواز لگائے۔ یہ تجویز نبی کریم ﷺ کو پسند آئی جب کہ ترمذی شریف ہی کی ایک روایت ہے کہ عبداللہ بن زید نے خواب میں اذان سنی جو انہیں یاد ہو گئی۔ صبح جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنا خواب سنایا جس پر آپ نے فرمایا:

إِنَّ هَذِهِ لَرُؤْيَا حَقٌّ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَإِنَّهُ أَنْدَى وَأَمَدُّ صَوْتًا مِنْكَ، فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا قِيلَ لَكَ، وَلْيُنَادِ بِذَلِكَ

بے شک یہ سچا خواب ہے۔ آپ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، ان کی آواز آپ سے بلند اور سانس لمبی ہے، انہیں وہ الفاظ بتاتے جائیں جو آپ کو خواب میں بتائے گئے ہیں، وہ انہیں پکاریں گے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب عمرؓ کے کانوں میں اذان کی آواز پڑی تو دوڑے ہوئے نبی

Marfat.com

کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اس حال میں کہ چادر پیچھے گھسٹ رہی تھی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، جو کچھ بلال نے کہا میں خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "الحمد للہ میں نے درست فیصلہ کیا۔"(۱)

باب بدء الاذان کے عنوان کے تحت بخاری مسلم اور نسائی نے بھی احادیث بیان کی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اعلان کرنے کا حکم دیا گیا اور الصلوٰۃ جامعہ کہہ کر پکارا گیا۔ اس سلسلے میں خود نبی کریم ﷺ نے خواب میں اور حضرت عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن زید اور دیگر صحابہ نے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کے الفاظ اور طریقہ کار دیکھا۔ سیرت کی کتابوں میں اس کی مزید تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں۔(۲)

اسلامی حکومت کے قیام اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے سیاسی معاہدے

ہجرت کی اجازت ملنے کے بعد مسلمان جوق در جوق مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ ہجرت کا لغوی معنی ہے "چھوڑنا" چنانچہ مسلمان اپنے گھر بار، مال اسباب تجارت، کاروبار حتیٰ کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہوا تھا تو وہ بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ اسی طرح اولاد نے والدین کو چھوڑا، والدین نے اولاد کو چھوڑا اور برادریاں منقسم ہو گئیں۔ اس لحاظ سے ہجرت کرنے والوں نے خالی ہاتھ ہجرت کی تھی۔ ان کی گزر بسر کے لیے آگے بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ مسلمانوں کی قلیل تعداد مدینہ میں تھی جو انصار کہلاتے تھے باقی سب یہودی اور مشرک تھے۔

نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی تو نہ صرف مکہ سے بلکہ گردونواح کے دیگر قبائل کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، وہ بھی مدینہ روانہ

---

۱ سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۸۹۔

۲ سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۸۹ یہاں سنن ترمذی کی روایت بیان کی گئی ہے جب کہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس کی مزید تفصیلات ملتی ہیں۔

Marfat.com

ہو گئے، یوں مدینہ منورہ میں عددی لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی جن میں مختلف قبائل اور علاقوں کے مسلمان شامل تھے۔ اب اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ مختلف الانواع طبائع کے مسلمان آپس میں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں گے بھی یا نہیں، دوسرا یہ کہ نئے آنے والے مہاجرین کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا مدینہ میں رہنے والوں کے لیے ضروری تھا۔ انصارِ مدینہ نے جس ایثار، ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا، دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مواخات کے نام سے صحابہ کرامؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

اہل مکہ تجارت پیشہ تھے جب کہ مدینہ میں زیادہ تر کھیتی باڑی کا رواج تھا اور انصار کے پاس زمینیں تھیں۔ مہاجرین کھیتی باڑی کرنا جانتے ہی نہ تھے اور تجارت کے لیے سرمایہ درکار تھا جو ان کے پاس نہیں تھا۔ اس لحاظ سے مدینہ منورہ میں مہاجرین پریشان ہونے لگے، وطن کی محبت بھی ستاتی تھی، پھر مدینہ میں مہاجرین کو ایک وبا نے آلیا اس پر نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بیماری کو جُحفہ منتقل فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت اسی طرح ڈال دے جیسے ہمیں مکہ محبوب ہے بلکہ مدینہ کو زیادہ محبوب بنا دے۔ قبول دعا کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کو مدینہ سے اس قدر پیار ہو گیا کہ جب سات آٹھ سال بعد مکہ فتح ہو گیا، مکہ والے مسلمان ہو گئے، دشمنیاں ختم ہو گئیں بیت اللہ شریف مسلمانوں کے پاس آ گیا مگر اس کے باوجود مہاجرین مدینہ چھوڑ کر مکہ نہ گئے بلکہ سب وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

تعمیر مسجد کے کام سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے انصار کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ آ گئے تو آپؐ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا کر دونوں کو سگے بھائیوں جیسے حقوق و فرائض کا حکم دیا۔ حکم سننا تھا کہ اس پر عمل شروع ہو گیا۔ اس وقت تک پینتالیس یا پچاس مہاجرین مدینہ میں تھے جن کی کفالت ضروری تھی۔

ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گیا، گھر کے سارے سامان کا جائزہ لیا

Marfat.com

اور ہر چیز آدھی کر کے اپنے بھائی کے لیے رکھ چھوڑی۔[1]

مہاجرین اور انصار کا رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ جب کسی انصاری کی وفات ہوتی تو اس کا مالِ وراثت اس مہاجر بھائی میں بھی تقسیم ہوتا تھا۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ[2]

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور ان کی امداد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔"

کتبِ سیرت میں ان صحابہ کرام کے نام اور تفصیل بیان ہوئی ہے جن کے درمیان مؤاخات قائم ہوئی۔[3]

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ مؤاخات کا بنیادی مقصد مہاجرین کی امداد، حوصلہ افزائی اور مدینہ میں ان کے لیے ٹھکانہ مہیا کرنا تھا نیز یہ کہ مقامی اور مہاجر کی بھائی بندی سے ان کے درمیان انس و محبت بڑھے، باہم شیر و شکر ہوں، کوئی جاہلانہ تعصب نہ اٹھنے پائے۔ لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ میں مہاجرین کے درمیان بھی آپس میں مؤاخات قائم ہوئی تھی جیسے حضرت حمزہ اور زید بن حارثہ کے درمیان، حضرت علیؓ کو خود نبی کریم ﷺ نے اپنا بھائی بنایا، حضرت زبیر اور ابن مسعودؓ وغیرہ کے درمیان۔ ابن سعد نے

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۵۸۰۔

2 سورۃ الانفال: ۷۲۔

3 سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۱۷۲۔۱۷۳

Marfat.com

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مہاجرین کے درمیان آپس میں مؤاخات قائم کی اور مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک الگ مؤاخات قائم کی۔ یہ مؤاخات باہمی ہمدردی غمگساری، پیار اور محبت کی بنیاد پر قائم کی گئی اور یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ یہ دونوں بھائی موت کے بعد ایک دوسرے کے مال کے بھی وارث ہوں گے۔ [۱]

حضرت سعد بن ربیع اور حضرت عبد الرحمان بن عوف کی باہمی مؤاخات

انصار کے ایثار، مسلسل قربانیوں اور مہاجرین کو ترجیح دینے کے واقعات فتح مکہ تک جاری رہے اور مؤاخات کا سلسلہ بھی فتح مکہ تک برقرار رہا۔ یہاں حضرت سعد بن ربیع اور عبد الرحمان بن عوف کا واقعہ قابل ذکر ہے۔

حضرت سعد انصاری تھے اور عبد الرحمان مہاجر جب ان کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا تو سعد نے کہا: میں سب سے مال دار ہوں میں آپ کو اپنا نصف مال دیتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں جسے تم پسند کرو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت کے بعد اس سے نکاح کر لینا۔ اس پیشکش پر حضرت عبد الرحمٰن نے کہا: "بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ، مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔ پھر انہوں نے مدینہ کے بڑے بازار یا منڈی کا راستہ پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ بنو قینقاع میں منڈی ہے۔ وہ وہاں چلے گئے۔ رات کو واپس آئے تو کھانا پینا اور پنیر مکھن وغیرہ ساتھ لے آئے۔ پھر روزانہ بازار جاتے رہے اور انہیں خاطر خواہ منافع ہونا شروع ہو گیا۔ پھر انہوں نے شادی بھی کر لی اور مہر میں کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا بھی دیا۔ شادی کے بعد جب حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ پر زردی دیکھی تھی تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا حضور! میں شادی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: أولم ولو بشاة، ولیمہ کرو چاہے ایک بکری ہی سہی۔ [۲]

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف مدینہ کے امیر ترین لوگوں میں شامل ہو گئے۔ خود

---

۱ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۳۸

۲ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۴۸۔

Marfat.com

کہتے کہ مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا مال تجارت، سات، سات سو اونٹوں پر آتا تھا اور جس روز مدینہ پہنچتا سارے شہر میں اس پر تبصرے ہوتے تھے۔

مہاجر صحابہ کرام نے میں سے اکثر نے کاروبار شروع کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی رؤسائے مدینہ میں شمار ہونے لگے۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرتِ روایات پر اعتراض کیا گیا کہ باقی صحابہ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا: اس میں میرا کیا قصور، اور لوگ تو بازاروں میں تجارت کرتے تھے اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

الغرض نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام میں وطن سے دوری، اہل و عیال اور خاندان کی جدائی کا احساس دور کرنے کی خاطر بھی یہ بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ پھر جب اسلام اور مسلمانوں کے قدم جم گئے، مہاجرین اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے، امور بتدریج بہتر ہو گئے، مہاجرین کی اجنبیت ختم ہو گئی۔ مدینہ منورہ ان کا وطن عزیز بن گیا، معاشی مسائل حل ہو گئے، ادھر غزوہ بدر میں مسلمانوں کو اللہ کی خصوصی نصرت سے فتح نصیب ہو گئی اور مہاجرین کے دل فتح کی خوشی و جذبات سے لبریز ہو گئے تو خود باری تعالیٰ نے مؤاخات میں قائم ہونے والے باقی قواعد و ضوابط کو برقرار رکھتے ہوئے وراثت میں مؤاخاتی بھائی کا حصہ ختم کر کے اسے حقیقی رشتہ داروں کے لیے خاص کر دیا، فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (1)

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

---

1 سورۃ الانفال: ۷۵۔

Marfat.com

اس کی مزید وضاحت سورۃ الاحزاب کی آیت ۶۱ میں بھی آئی ہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان بے مثال بھائی چارہ اور یہودیوں کے ساتھ سیاسی معاہدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی آباد کاری سے فارغ ہوئے تو ایک اہم معاملہ یہ درپیش تھا کہ یہاں ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل دی جائے، ایک فلاحی اسلامی مملکت قائم کی جائے، لیکن مدینہ منورہ میں آئے روز ایک طرف جوق در جوق مہاجرین آ رہے تھے دوسری طرف مدینہ میں دو بڑی طاقتیں موجود تھیں جو اپنے اپنے طریقے کے مطابق قبائلی انداز میں رہ رہے تھے، یہودیوں کے تین بڑے قبیلے مدینہ کے اطرف میں آباد تھے جو منڈیوں پر بھی قابض تھے اور سیاسی اثر رسوخ بھی رکھتے تھے، بیرون مدینہ ان کے اچھے خاصے تعلقات تھے، یہ تینوں قبیلے بنو نضیر، بنو قینُقاع اور بنو قریظہ اپنے اپنے برجوں اور قلعوں میں رہائش پذیر تھے۔ دوسری طرف اوس وخزرج تھے جو پرانے عربوں میں شمار ہوتے تھے لیکن باہمی لڑائیوں سے اپنی طاقت کھو چکے تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر مشرک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال حکمت سے ان دونوں طاقتوں سے مل کر مدینہ میں ایک مشترکہ حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ آپ نے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور انصار اور اوس وخزرج سے مل کر اسے لکھوایا جس کے مطابق تینوں طاقتیں یعنی مہاجرین انصار اور یہودی اکٹھے مدینہ میں رہیں گے اور ایک دوسرے کے معاون ومتعاون رہیں گے۔

مسلمانوں کے آپس میں معاہدے کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱: مسلمان ایک الگ اور مستقل امت ہیں۔

۲: مہاجرین اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت دیں گے اور مؤمنین کے درمیان عرف اور انصاف کے مطابق اپنے قیدیوں کا فدیہ دیں گے۔ اور انصار سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت دیں گے اور اہل ایمان کے درمیان عرف اور انصاف کے مطابق اپنے قیدیوں کا فدیہ دیں گے۔

Marfat.com

۳: اہل ایمان اپنے درمیان کسی بیکس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطاء و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۴: سارے راست باز مؤمنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا، یا اہل ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جویا ہو گا۔

۵: ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۶: کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کافر کے بدلے قتل کرے گا نہ کسی مؤمن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۷: اللہ کا ذمہ ایک ہو گا۔ ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہو گا۔

۸: جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں اُن کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۹: مسلمانوں کی صلح ایک ہو گی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا، بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر کوئی عہد و پیمان کریں گے۔

۱۰: مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۱: کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مؤمن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۲: جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہو گا، اس سے قصاص لیا

Marfat.com

جائے گا۔ سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا وارث راضی ہو جائے۔[1]

۱۳: تمام مسلمان اپنے آپ کو رضاکار سمجھیں گے۔

۱۴: مسلمان آپس میں امن و اتحاد قائم رکھیں گے جو اسلام کی بنیاد ہے۔

۱۵: اگر ان میں کوئی اختلاف ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔

۱۶: مسلمانوں کے مختلف عناصر کو حقوق و فرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھا جائے گا۔

۱۷: تمام معاملات کے لیے اور آپس میں اختلافات کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فیصلہ قطعی ہو گا۔[2]

یہود مدینہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس کا خلاصہ علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں بیان کیا ہے:

۱: خون بہا کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، اب بھی قائم رہے گا۔

۲: یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی، اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳: یہودی اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴: یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵: کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶: مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق دفاع میں شریک ہوں گے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۱/ ۵۰۲، الرحیق المختوم میں اس کا اردو خلاصہ دیکھیے: ۱/ ۲۵۹۔

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں میثاق مدینہ کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس میں جو شرائط معاہدہ بیان ہوئی ہیں ان کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۷: کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

۸: اسلامی ریاست کی سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہو گی اور یہودی بھی آپ کی قیادت وسیادت تسلیم کریں گے۔ اس طریقے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان اور یہودیوں کی متحدہ افواج کے سربراہ بھی ہو گئے۔

۹: ان کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

۱۰: شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔ [1]

مؤاخاتِ مدینہ کے فوائد

مدینہ میں جمع ہونے والے جانثارانِ نبی ایک مقصد اور ایک منزل کے راہی تھے، وہ ایک جماعت تھی، وہ خیر امت تھے اگرچہ وہ متفرق قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مختلف جغرافیائی حدود سے تعلق رکھتے تھے، ان کے رنگ بھی مختلف تھے لیکن مقصد زندگی کی یکجائی نے انہیں تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان مزید اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لیے ان کے ظاہری نفع نقصان میں بھی اتحاد پیدا فرما دیا اور انہیں سگے بھائیوں جیسے حقوق دے دیے تاکہ ہر مشکل اور آزمائش میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوں۔ عقیدے کی بنیاد پر بننے والا بھائی چارہ معاشرتی زندگی میں انقلاب برپا کرتا ہے۔ اسی مؤاخات کا نتیجہ یہ نکلا کہ پڑوس کے یہودی، منافق اور دور کے مشرکین مکہ، ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ وہ آپس میں بریشم کی طرح نرم اور دشمن کے مقابلے میں فولاد ثابت ہوئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور انہیں دنیا میں ایسی قوت، عظمت اور اقتدار دیا جس کے اثرات آج پندرھویں صدی میں بھی موجود ہیں بلکہ انہیں پاک طینت روحوں کی قربانیوں کے نتیجے میں آج ہم تک اسلام پہنچا ہے۔

مؤاخات بھی سنتِ نبوی ہے۔ جیسے دیگر سنتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، مسلمانوں کو

---

۱ دیکھیے، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی: ۱۶۴/۱، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

Marfat.com

آج بھی آپس میں مؤاخات کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کا ہمدرد اور غمگسار بننا چاہیے۔ اگر ہر امیر ایک غریب کو اپنا بھائی بنالے، ہر عالم ایک جاہل کو ساتھ ملالے، ہر طاقتور ایک کمزور کا بھائی بن جائے تو یہ معاشرہ مدنی معاشرے کا عکس پیش کر سکتا ہے۔ ہمارے اسلامی معاشروں سے غربت، تنگی، ظلم اور زیادتی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں بے شمار دینی اصلاحی، سیاسی مذہبی جماعتیں وجود میں آئی ہیں جن میں بھائی بھائی کا راگ تو الاپا جاتا ہے لیکن بھائی چارہ یا تو حلق سے اوپر تک ہوتا ہے یا جلسہ گاہ اور اجتماعی پروگرام تک محدود ہوتا ہے، کوئی کسی کی غمگساری نہیں کرتا، کسی کے کام نہیں آتا، کسی بھی سطح پر مؤاخاتِ مدینہ پر عمل نہیں کیا جاتا جس کے نتیجے میں اُمتِ مسلمہ زبوں حالی، تنزلی اور انحطاط کی ساری حدیں پار کر چکی ہیں۔

مؤاخات کے واقعات کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک طرف انصار نے ایثار کی بے مثال تاریخ رقم کی، جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے تو دوسری طرف مہاجرین نے عجیب استغناء کا مظاہرہ کیا کہ انصار کو تکلیف دیے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ اس طرح چشمِ فلک نے دیکھا کہ جو نہتے، چھوٹے سے یثرب میں جمع ہوئے تھے، تین اطراف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے، یہود منافقین اور قریش مکہ ان کے جانی دشمن تھے لیکن تربیتِ نبوی اور مؤاخاتِ نبوی کی بدولت رب تعالیٰ نے محض سات سال کے عرصے میں ان کو دنیا کی سپر طاقت بنادیا۔

صفہ اور اصحابِ صفہ

مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آباد کاری میں ایک طرف ایسے افراد شامل تھے جو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ آئے تھے اور مدینہ میں آپؐ کی خدمت میں ہر وقت طلبِ علم کے لیے حاضر رہتے تھے، ان کے پاس روٹی کپڑا اور مکان نہ تھا اور وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں رہتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں: ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور کبھی

Marfat.com

کبھار چار سو تک پہنچ جاتی تھی [1]۔ اگر آپ روضۃ الجنۃ کے پچھلے حصہ میں کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو آپ کے بائیں جانب جو اونچا چبوترہ ہو گا، وہی صفہ ہے جہاں بعض لوگ سعادت کے حصول کے لیے بیٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ یہ اس زمانے میں بھی ایک اونچی جگہ تھی جس پر کھجور کے پتوں کا سایہ کیا گیا تھا، اسی کو عربی میں صفہ کہتے ہیں۔ اصحابِ صفہ وہیں رہتے تھے۔ کسی کے پاس بھی مکمل تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا تک نہ تھا، کھانے کو کبھی ایک کھجور ملتی کبھی دو کھجوروں پر دن رات گزر جاتے۔ یہ حضرات ایک طرف نبی کریم ﷺ کے براہِ راست شاگرد بننے کا اعزاز حاصل کر رہے تھے تو دوسری جانب استاذ اور داعی کی صورت میں انہیں دور دراز قبیلوں میں بھیجا جاتا تھا۔

ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور قبلہ بیت المقدس سے مکہ کی طرف کیا گیا تو صفہ والی جگہ جو سابقہ مسجد کا اوّلین حصہ تھی، اب مسجد کا پچھلا حصہ بن گئی تھی۔ اس پر سائبان ڈال کر مہمان خانہ کے طور پر استعمال کیا جانے لگا اور بعد میں یہی دنیا کی پہلی یونیورسٹی بن گئی جہاں طعام و قیام کی ساری ذمہ داری جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے ذمہ لے کر طلبہ کی تدریس شروع کی۔

یہ جانثارانِ نبی رات بھر عبادت کرتے اور دن کو تبلیغ و جہاد میں مشغول رہتے۔ ان میں سے بعض نے شہادت کا درجہ حاصل کیا جیسے خریم بن فاتک اسدی، صفوان بن بیضاء، حارثہ بن نعمان، حنظلہ غسیل الملائکہ، ذوالبجادین، ابو سریحہ، سالم مولی ابو حذیفہ، زید بن خطاب وغیرہ۔ [2]

نبی کریم ﷺ اور اصحابِ صفہ

آپ ﷺ ہمیشہ صفہ والوں کا اپنے بچوں سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اکثر آپ ان کو گھر بلاتے۔ اگر صدقہ کی کوئی چیز آتی تو ساری ہی بھیج دیتے۔ اگر کہیں دعوت دی جاتی تو

---

۱ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ۱/ ۱۸۳۔

۲ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مسند احمد بن حنبل ۳۱۸۷۔

Marfat.com

ان کو شریک کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دودھ بھرے برتن کا تحفہ آیا۔ آپ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا: "صفہ والوں کو بلا لاؤ۔" اس برتن سے سب نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ یہ معجزۂ نبی تھا جس کا ظہور اُس موقع پر ہوا۔ آپ کے پاس جو بھی کھانا آتا ان کو بھی کھانے میں شریک کرتے۔ آپ نے اللہ کی قسم اٹھا کر فرمایا: لانخفی عنکم شیئا، "ہم آپ سے علیحدہ کچھ بھی نہیں کھاتے۔" ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ بھوک کی وجہ سے دورانِ نماز میں گر پڑے۔ لوگوں نے سوچا ان کو کوئی بیماری ہے یا آسیب کا اثر ہے۔ کبھی بے اختیار بھوک سے ان کی چیخیں نکل جاتیں۔ یہ حالت تمام اصل صفہ کی تھی لیکن وہ حضرات تمام تکالیف رضائے الٰہی، رضائے مصطفیٰ، دین کی سربلندی، حصولِ تقویٰ، حصولِ علم، عبادت، جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر برداشت کرتے تھے۔ آپ ان کی حوصلہ افزائی کرتے، ان کے پاس جاتے، ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔

ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ الزہرا حاضر خدمت ہوئیں۔ عرض کیا چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ آپ ان کے پاس ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ اپنی چارپائی پر بیٹھی تھیں، آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: الا أولکما علی شیءٍ خیر لکما من خادم "کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟" انہوں نے عرض کیا: "کیوں نہیں، یارسول اللہ ﷺ! فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہا کرو، تینتیس مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر۔ اور اپنے داماد اور بیٹی سے فرمایا میں تمہیں نہیں دے سکتا اس حال میں کہ اہلِ صفہ کو چھوڑ دوں اور ان کے پیٹ بھوک سے بے چین ہوتے رہیں۔ (لاأعطيكم وأدع أهل الصفة تلوى بطونهم من الجوع) آپؐ صحابہ کرامؓ کو بھی اہلِ صفہ کی پرورش اور خدمت پر ابھارتے تھے۔

آپ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ أَوْ سَادِسٍ

تم میں سے جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو بھی ساتھ

Marfat.com

لے لے۔ اگر چار کا ہو تو پانچویں اور چھٹے کو ساتھ لے لے۔

صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب شام کو ان کے پاس سے گزرتے تو کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ان طالب علموں کے لیے پانی لا کر مسجد میں رکھتے، یہاں تک کہ بعض غریب انصاری خود سارا دن مزدوری کر کے رات کو وہ مزدوری ان اہل صفہ کو دے جاتے تھے۔

مدنی معاشرے کی باہمی محبت، انس اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص دوسرے کا خیال رکھتا۔ غریب پروری عام تھی۔ دوسرے کے مہمان کو اپنا مہمان سمجھا جاتا تھا۔

تحویلِ قبلہ

۱۵ شعبان ۲ھ ۱۹ فروری ۶۲۴ء کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے کعبہ شریف کو قبلہ بنانے کا حکم دیا، اور دوران نماز ہی صفیں پھر گئی یہ تاریخی واقعہ جب پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۴ سال ۵ ماہ تھی۔

کعبہ شریف مکعب کی شکل میں اللہ کا پہلا گھر ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ [1]

جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے تو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے تھے جہاں سے بیت اللہ شریف اور مسجد اقصیٰ دونوں سامنے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ سے بیت المقدس شمال کی طرف ہے جب کہ بیت اللہ شریف جنوب میں ہے چنانچہ اب یہ ممکن نہ ہوتا کہ بیک وقت دونوں کو سامنے رکھا جاسکتا۔

بیت اللہ شریف ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بنایا تھا اور اہل مکہ کے مشرکین اس کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے جب کہ یہود و نصاریٰ بیت المقدس کو قبلہ مانتے تھے۔ نبی

---

۱ سورۃ آل عمران: ۹۶۔

Marfat.com

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد تقریباً ۱۶ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کیں لیکن آپ مسلسل آسمان کی طرف چہرہ مبارک اٹھا کر اس مسئلے کے حل کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے تھے اور اس کی مدد طلب فرماتے تھے۔

دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرتِ مدینہ کے بعد یہود و نصاریٰ کے عمل میں مطابقت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرماتے تھے کہ خالفوا الیھود والنصاری "یہود و نصاری کے خلاف عمل کرو" جیسے یہودی مونچھیں بڑی اور ڈاڑھی چھوٹی رکھتے تھے، آپ نے فرمایا "ڈاڑھی بڑی اور مونچھیں چھوٹی رکھو، یہود بائیں طرف مانگ نکالتے تھے آپؐ نے درمیان سے مانگ نکالنے کو سنت قرار دیا۔ یہودی جلدی سحری کرتے تھے آپؐ نے فرمایا آخر وقت میں سحری کرو۔ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے آپ نے فرمایا عاشورہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھو تاکہ یہودیوں سے مطابقت نہ ہو۔ اب قبلہ کا معاملہ درپیش تھا اور اس پر آپ کی بے چینی کا نقشہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں کھینچا ہے:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ [1]

یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

یوں منشاء نبوی کے مطابق یہ حکم ربانی نازل ہوا اور ۲ھ کے رجب یا شعبان کی

---

1 سورۃ البقرہ: ۱۴۴۔

Marfat.com

ایک دوپہر کو اللہ تعالیٰ نے دورانِ نمازِ ظہر قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل فرمادیا۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ بشر بن براء بن معرور کے ہاں آپ دعوت پر تھے اور ظہر کی نماز کی دو رکعات ادا کر چکے تھے کہ یکایک وحی کے ذریعے سے مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں اورآپ دورانِ نماز ہی بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف مڑ گئے۔[1]

اس کے بعد مدینہ کے تمام علاقوں میں منادی کرادی گئی اور سب لوگوں نے مکہ مکرمہ کی طرف رخ کرے کے نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کرنے والا اس حال میں پہنچا کہ لوگ نماز عصر ادا کر رہے تھے جب اعلان کی آواز سنی تو دورانِ نماز ہی میں امام اور مقتدی شمال سے جنوب کی طرف مڑ گئے یعنی امام جو سب سے آگے تھا اسے چل کر سب سے پیچھے جانا پڑا اور تمام صفیں بھی الٹی پھر گئیں۔ ظاہر ہے اس دوران میں صحابہ کرام کو چلنا بھی پڑا ہو گا۔ اس طرح دوسرے دن فجر کے وقت اہل قباء کے پاس پیغام پہنچا تو انہوں نے نماز مکہ مکرمہ کی طرف رخ کر کے ادا کی۔ مدینہ منورہ کی تمام مساجد کے محراب اس طرف ہوگئے جس طرف دروازے تھے اور دروازوں کو محرابوں کی جگہ کرنا پڑا۔

کعبے کی طرف رُخ کرنے کا مطلب

کعبے کی طرف رُخ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ دُنیا کے کسی کونے میں ہو، اُسے بالکل ناک کی سیدھ میں کعبے کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ مشکل ہے۔ اسی لیے کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ کعبے کی سیدھ میں۔ قرآن کی رُو سے ہم اس بات کے لیے ضرور مکلف ہیں کہ حتیّ الامکان صحیح سَمت کعبہ کی تحقیق کریں، مگر اس بات پر مکلف نہیں ہیں کہ ضرور بالکل ہی صحیح

---

1 اس میں اختلاف ہے کہ آیا ظہر کی نماز کے دوران وحی آئی یا بعد میں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعد میں وحی آئی تھی اور عصر کی نماز آپ نے مکہ مکرمہ کی جانب رخ کر کے ادا کی تھی۔

Marfat.com

سمت معلوم کرلیں۔ جس سمت کے متعلق ہمیں امکانی تحقیق سے ظنِ غالب حاصل ہو جائے کہ یہ سمتِ کعبہ ہے، اُدھر نماز پڑھنا یقیناً صحیح ہے۔ اور اگر کہیں آدمی کے لیے سمتِ قبلہ کی تحقیق مشکل ہو، یا وہ کسی ایسی حالت میں ہو کہ قبلے کی طرف اپنی سمت قائم نہ رکھ سکتا ہو (مثلاً ریل یا کشتی میں) تو جس طرف اسے قبلے کا گمان ہو، یا جس طرف رُخ کرنا اس کے لیے ممکن ہو، اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر دورانِ نماز میں صحیح سمتِ قبلہ معلوم ہو جائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہو جائے، تو نماز کی حالت ہی میں اس طرف پھر جانا چاہیے۔

یعنی اس سے مقصود یہ دیکھنا تھا کہ کون لوگ ہیں جو جاہلیّت کے تعصّبات اور خاک وخون کی غلامی میں مبتلاء ہیں، اور کون ہیں جو اِن بندشوں سے آزاد ہو کر حقائق کا صحیح ادراک کرتے ہیں۔ ایک طرف اہلِ عرب اپنے وطنی ونسلی فخر میں مبتلا تھے اور عرب کے کعبے کو چھوڑ کر باہر کے بیت المقدس کو قبلہ بنانا ان کی اِس قوم پرستی کے بُت پر ناقابلِ برداشت ضرب تھا۔ دُوسری طرف بنی اسرائیل اپنی نسل پرستی کے غرور میں پھنسے ہوئے تھے اور اپنے آبائی قبلے کے سوا کسی دُوسرے قبلے کو برداشت کرنا ان کے لیے محال تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بُت جن لوگوں کے دلوں میں بسے ہوئے ہوں، وہ اُس راستے پر کیسے چل سکتے تھے، جس کی طرف اللہ کا رسُول انہیں بُلا رہا تھا۔ اس لیے اللہ نے ان بُت پرستوں کو سچے حق پرستوں سے الگ چھانٹ دینے کے لیے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تاکہ جو لوگ عربیّت کے بُت کی پرستش کرتے ہیں، وہ الگ ہو جائیں۔ پھر اس قبلے کو چھوڑ کر کعبے کو قبلہ بنایا تاکہ جو اسرائیلیت کے پرستار ہیں، وہ بھی الگ ہو جائیں۔ اِس طرح صرف وہ لوگ رسُول کے ساتھ رہ گئے، جو کسی بُت کے پرستار نہ تھے، محض خدا کے پرستار تھے۔

تحویل قبلہ کے بعد یہودیوں کی دشمنی مزید کھل کر سامنے آگئی اور انہوں نے اپنے طعن وتشنیع کے رہے سہے تیر بھی چلا ڈالے اور کہنے لگے کہ محمدؐ ہر وہ کام کرتا ہے جس میں ہماری مخالفت ہوتی ہے۔ نیز جو یہودی بظاہر مسلمان ہوگئے تھے اور اندر سے یہودی تھے، ان کی منافقت بھی کھل کر سامنے آگئی کیونکہ انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کرنے سے

Marfat.com

انکار کر دیا۔

مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے تین دشمن

مکہ مکرمہ میں آپؐ کے ساتھ دشمنی روا رکھنے والے صرف قریش مکہ ہی تھے لیکن مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کا مقابلہ تین طرح کے دشمنوں سے تھا۔ یعنی منافقین، یہود اور اہل مکہ۔

منافقین۔ مدینہ منورہ میں جو مشرکین آباد تھے وہ اکثر یہودیوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک رسول آنے والا ہے، جب وہ آئے گا تو ہم دنیا پر چھا جائیں گے۔ ہمارے نبی نے ہمیں اس کی بشارت دی ہے۔ مشرکین بھی ان لوگوں کی طرف سے کان پڑی بات پر سنجیدگی سے دھیان دے رہے تھے کہ ہم اس نبی کو دیکھیں۔ چنانچہ جب آپؐ تشریف لائے تو مشرکین یعنی اوس و خزرج کے لوگوں نے آگے بڑھ کر نبوتِ محمدی کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کو تاریخ میں انصار کہا جاتا ہے اور جنہوں نے رشتہ داروں کو دکھانے کے لیے بظاہر اسلام قبول کیا، اندر سے مشرک ہی رہے، وہ منافقین ہیں اور یہ سب لوگ گھر کے بھیدی تھے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر ہر آن انہیں سخت نقصان پہنچاتے تھے۔

رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبَی

صحیح بخاری شریف کے باب التسلیم فی مجلس فیه اخلاط من المسلمین والمشرکین کے ضمن میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے عبد اللہ بن اُبَی کو رئیس یثرب بنایا جانا تھا، لیکن پھر آمدِ رسول ﷺ کی وجہ سے اس کی تاج پوشی نہ ہو سکی۔ وہ اندر ہی اندر اس بات پر سخت کڑھتا رہا، وہ اور اس کے بہت سے ساتھی بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن یہ سب لوگ مسلمانوں کے لیے کسی بھی بدترین عذاب سے کم نہ تھے۔

غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گدھے پر سوار ہو کر بنی الحارث، بنی خزرج کے محلے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے

Marfat.com

جا رہے تھے، آپ کے ساتھ اسامہ بن زید بھی سوار تھے۔راستے میں ایک جگہ بہت سے لوگ جمع تھے جن میں مسلمان، مشرک، بت پرست یہود وغیرہ شامل تھے۔ ان میں عبد اللہ بن اُبَی اور عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے۔ گدھے کے گزرنے سے غبار اٹھا تو عبد اللہ بن اُبَی اپنی چادر اپنی ناک پر ڈالتے ہوئے بولا، ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ آپ نے مجلس کو سلام کیا اور وہاں رک گئے۔ گدھے سے اترے، لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کیں، اس پر عبد اللہ بن اُبَی نے کہا: اے شخص! یہ جو کچھ تم کہتے ہو، یہ طریقہ مجھے پسند نہیں، اگر تمہاری بات سچ بھی ہے تو ہماری مجلسوں میں آکر ہمیں تنگ نہ کیا کرو اور جاؤ اپنے ٹھکانے پر، جو کوئی تمہارے پاس آئے اسے اپنے قصّے سناؤ۔ عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ ہمارے پاس تشریف رکھیں، ہمیں یہ بات بہت پسند ہے۔ چنانچہ مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں کے درمیان شدید تلخ کلامی شروع ہو گئی، قریب تھا کہ خون خرابہ ہو جاتا، آپ نے لوگوں کو ٹھنڈا کیا۔ اس کے بعد آپ سوار ہوئے اور انصار کے سردار سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے پہنچے۔ آپؐ نے فرمایا: سعد کیا آپ نے سنا کہ ابو خباب یعنی عبد اللہ بن اُبَی نے کیا کہا؟ سعد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے درگزر فرمایئے، آپ پر اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام کی بارش کی ہے، اللہ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، حالانکہ اس علاقے کے لوگوں نے اس کو سردار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ہمارا سردار بنایا تو اس سے برداشت نہ ہو سکا، اسی لیے اس نے یہ حرکت کی ہے۔[1]

بخاری شریف میں بیان ہونے والے اس واقع سے منافقین مدینہ کے رویے کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اُدھر قریش مکہ نے عبد اللہ بن اُبَی کو سربراہ انصار قرار دیتے ہوئے خط لکھا کہ: تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اس سے ضرور

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۸۹۹۔

Marfat.com

لڑیں گے، تم اس کو اپنے ہاں سے نکال دو یا ہم تمہاری طرف فوج کشی کریں گے اور تمہیں قتل کر کے تمہاری عورتوں کے ساتھ جو چاہیں گے کریں گے۔

گویا اس بات کا قریش کو بھی اندازہ تھا کہ یہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں۔

الغرض منافقین اپنی چالوں، ریشہ دوانیوں اور مکر و فریب سے مؤمنین کے لیے خطرہ بن چکے تھے۔ انہوں نے اپنے لیے الگ مسجد بھی بنالی جسے (قرآن میں) مسجد ضرار کا نام دیا گیا۔ غزوہ احد سے تین سو کی تعداد میں یہ لوگ عین اس وقت لوٹ آئے جب جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔ نیز یہی منافقین یہود اور قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف پل پل کی خبریں دیتے تھے۔ یہ لوگ مسلسل سرگرم رہے یہاں تک کہ اسلام کی عظمت و شوکت اور فتوحات کے بعد خود بخود ختم ہو گئے۔

یہود مدینہ

مدینہ منورہ میں یہودیوں کا کاروباری منڈیوں اور مارکیٹوں پر قبضہ تھا۔ (یہ لوگ) سودی کاروبار میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مدینہ کے اطراف میں یہود کے تینوں قبیلے بنو قینُقاع، بنو نَضیر اور بنو قُریظہ آباد تھے۔ (ان یہودیوں نے) اوس و خزرج (قبیلوں) کو (آپس میں) لڑا لڑا کر بالکل ختم کر دیا تھا اور مدینہ پر اپنی دولت اور اقتصادی برتری کی وجہ سے قیادت کے حق دار بن بیٹھے تھے۔

آمد رسول ﷺ کے بعد مدینہ منورہ کی سیاسی، سماجی معاشرتی اور عسکری فضا بدل چکی تھی، آپ نے یہود کے ساتھ برابری کی سطح پر معاہدے کیے، ان کو پورے پورے حقوق دیے۔ آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کو مذہبی آزادی ہو گی۔ آپ ان کے ساتھ میل جول رکھتے تھے۔ الہامی مذہب کے پیرو ہونے کے ناطے ان کو قریب کرنے کے لیے کوششیں فرماتے تھے، ان کے مذہب کا احترام کرتے، آپ ان چیزوں میں جن میں کوئی

Marfat.com

خاص حکم الٰہی نازل نہیں ہوتا تھا، اہل کتاب کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔[1]

یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے تو آپؐ نے بھی رکھا، قرآن کریم میں بھی ان کی قربت کے اصول بیان ہونے لگے۔ سورہ مائدہ میں ہے:

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ [2]

"اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔" اور فرمایا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ [3]

الغرض ہر قسم کی اہمیت اور توجہ کے باوجود یہودیوں نے مسلمانوں سے بدترین دشمنی کی۔ آپ کی ہجو کرتے، مسلمان خواتین پہ آوازے کستے، قریش مکہ کو حملہ کی دعوت دیتے، نومسلموں سے کہتے کہ اس مذہب سے تو تمہارا شرک والا مذہب ہی اچھا تھا، خود اسلام قبول کرتے اور پھر مرتد ہوجاتے تاکہ دیگر لوگ بھی ایسا ہی کریں۔

پوری کوشش کے باوجود یہودی مسلمانوں کی طرف سے ہمدردانہ رویے کے باوجود عداوت سے باز نہ آئے، بلکہ روز بروز دشمنی میں اضافہ ہی کرتے چلے گئے۔ ہر موقع پر انہوں نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، بالآخر معاہدے توڑنے کی بنا پر قریش مکہ سے تعاون کرنے اور عبداللہ بن اُبَی سے مل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کی سازشوں کی بنا پر آپؐ نے یہودیوں کو مدینہ بدر کیا، یہودی خیبر جا بسے پھر انہیں وہاں سے بھی نکالا گیا اور اور آخر کار پورے جزیرۂ عرب سے نکال باہر کیا۔

---

1. صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۵۵۸۔
2. سورۃ المائدۃ: ۵۔
3. سورہ آل عمران: ۶۴۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

أخرجوا اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب[1]

''یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دو۔''

ان کی انبیاء دشمنی، انسانیت دشمنی اور غیر یہودی کو جانوروں سے بدتر سمجھنا ان کی سرشت میں شامل ہے، جس پر آج بھی وہ قائم ہیں اور آج بھی وہ سود خور و مہاجن بن کر دنیا کی معاشیات پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، مسلمانوں کے کشت و خون کے پیچھے ہمیشہ انہی کا ذہن اور مال و دولت کار فرما ہوتا ہے۔

قریشِ مکّہ

مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے تیسرے دشمن وہی قریشِ مکہ تھے جن کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر آپ ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے، لیکن یہاں آمد کے بعد بھی وہ لوگ چین سے نہیں بیٹھے۔

مدینہ منورہ میں آپؐ نے انصار، مشرکین اور یہود سے مل کر ایک حکومت قائم کی تاکہ سب مل کر بیرونی دشمن سے محفوظ رہ سکیں۔

ادھر قریشِ مکہ نے رئیس المنافقین اور یہود کو پیغامات بھیجے کہ ہمارے مجرم کو پناہ مت دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔ اسی لیے آپ مدینہ منورہ میں اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھتے تھے بلکہ دفاع کی ہر صورت اختیار کرتے تھے۔

عن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم في أول ما قدم المدينة يسهر من الليل فقال ليت رجلا صالحا من أصحابي يحرسني الليلة فبينما نحن كذلك إذ سمعنا صوت السلاح قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من هذا قال أنا

---

1 دیکھیے، ابو بکر البزاز، مسند البزاز، مسند عمر بن الخطاب حدیث: ۲۳۰، اور صحیح مسلم: حدیث نمبر ۳۳۱۳۔

Marfat.com

سعد جئت أحرسك قالت ونام رسول الله صلى الله عليه وسلم۔۔۔[1]

(آپؐ شروع شروع میں مدینہ منورہ میں راتیں جاگ کر گزارا کرتے تھے اور فرماتے کاش! کوئی نیک آدمی رات کو پہرہ دیتا۔ ایک مرتبہ ہم اسی حال میں تھے کہ کسی اسلحہ بردار کی آواز سنائی دی، آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ آواز آئی میں سعد ہوں، آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہوا ہوں، حضرت عائشہ (راوی حدیث) کہتی ہیں تب جاکر آپ نے آرام فرمایا۔)

حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں:

كانوا لا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه[2]

(انصار ان کی حفاظت کے لیے ہتھیار بند ہو کر رات گزارتے تھے اور اسی طرح صبح ہو جاتی تھی)۔

قریش مکہ ۵۰۰ میل دور سے آکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو یہاں سکون سے نہیں رہنے دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو سارے معاملے کا ادراک تھا۔ (اس عرصہ میں) آپؐ نے اپنی حفاظت اور دشمن پر نظر رکھنے کے لیے وفود بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

مکہ مکرمہ تمام مذاہب کا مرکز تھا۔ ہر شخص کو بیت اللہ میں جانے کی اجازت تھی لیکن مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا تھا۔ قریش مکہ اپنی دشمنی میں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ آپؐ کے مہاجر صحابہ جو خود مکہ مکرمہ ہی کے رہنے والے تھے ان کو مکہ جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

کفارِ قریش اپنی دشمنی کو ختم کرنے کی بجائے مسلمانوں کی اس نئی پناہ گاہ کو بھی تباہ

---

1 النسائی، السنن، حدیث نمبر: ۸۲۱۷

2 الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، تفسیر سورۃ النور، حدیث نمبر: ۳۵۱۲۔

Marfat.com

کرنا چاہتے تھے۔

مکہ کا ایک رئیس کرز بن جابر فہری مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی چراہ گاہ پر حملہ آور ہوا اور تمام مویشی لے کر بھاگ گیا۔

کفار قریش کی طرف سے مدینہ کے اندر آکر حملہ کرنا ایک بڑی جسارت تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مستقبل میں ان کے ارادے کیا ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں مسلمان کسی قدر قریش کے ظلم و ستم سے محفوظ ہوئے تو مکہ میں دشمنان اسلام کو ان کا چین اور آرام سے رہنا پسند نہ آیا۔ ابو جہل نے تمام قبائل سے مشاورت شروع کر دی کہ ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے بلکہ ان صابیوں (بے دینوں) کا خاتمہ کر کے دم لیں گے۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سربراہ تھے، اسی دوران عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ اس لیے کہ قریش مکہ کی اصل دشمنی تو اپنے قریشی مسلمان بھائیوں سے تھی جو مکہ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ حضرت سعد اور امیہ بن خلف کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ وہ اُسی کے مہمان ہوئے۔ جب یہ دونوں طوافِ کعبہ کے لیے نکلے تو ابو جہل سے آمنا سامنا ہو گیا، اس نے امیہ سے پوچھا، یہ شخص کون ہے؟ امیہ نے کہا سعد مدینہ سے آئے ہیں۔ ابو جہل نے کہا تم لوگ صابیوں[1] کو پناہ دیتے ہو، اور سعد سے کہنے لگا: میں یہ کبھی نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آؤ۔ آج اگر تم امیہ کی پناہ میں نہ ہوتے تو کبھی بچ کر واپس نہ جاتے۔ اس پر حضرت سعد نے کہا: اگر تم ہمیں حج سے روکو گے تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔[2]

---

1 قریش مکہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور جو شخص کسی نئے مذہب کو اختیار کرتا اسے صابی کہتے تھے ان کے نزدیک اس کا مطلب تھا: بے دین ہونا۔

2 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۹۵۰۔

Marfat.com

ان واقعات سے قریش مکہ کے عزائم کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کس طرح کا سلوک کرنا چاہتے تھے۔ یہ دشمنی کم نہ ہوئی تھی بلکہ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ قریش یہودِ مدینہ اور منافقین سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ قریش اپنے دور کے جنگجو ترین لوگوں میں سے تھے۔ تلوار بازی ان کا مشغلہ تھا، لوٹ کھسوٹ، ڈاکے ڈالنا، قافلے لوٹنا، دشمن پر شب خون مارنا ان کو وراثت میں ملا تھا۔ اب یہ سب کچھ وہ مسلمانوں کے خلاف کرنا چاہتے تھے۔

الغرض نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں ایک دشمن سے بر سر پیکار تھے جب کہ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک نوزائیدہ مملکت میں آپ کو مختلف طبائع کے تین دشمنوں سے بیک وقت واسطہ پڑ گیا۔

یہودی معاشی طور پر مضبوط تھے اور بلا کے سازشی بھی، منافقین گھر کے بھیدی تھے اور اندر کی باتیں ان سے پوشیدہ رکھنا انتہائی مشکل کام تھا۔ قریش مکہ تلوار کے دھنی تھے اور قتال و جنگ میں اپنا لوہا منواتے تھے۔

اِذنِ جہاد

مسلمان مکہ مکرمہ میں مال و اسباب کے لحاظ سے بھی کمزور تھے اور عددی اعتبار سے بھی بہت کم تھے، چنانچہ پوری مکی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صبر و استقامت ہی کا حکم دیا۔

جب تمام صحابہ کرام مکہ مکرمہ سے نکل گئے، بعض قبا اور دیگر مدینہ منورہ منتقل ہو گئے، ادھر (معاذ اللہ) آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا گیا تو آپ بھی عازم مدینہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اب مسلمانوں کا مرکز بن چکا تھا، یہ ایک مضبوط پناہ گاہ تھی۔ مسلمانوں کی مدینہ آمد کے بعد اب انہیں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا۔ سب سے پہلے یہ اجازت دی گئی کہ جن لوگوں کو مارا جائے ان کو جواب دینے کی اجازت ہے کیوں کہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ[1]

ان لوگوں کو جن کے ساتھ قتال کیا جاتا ہے، انہیں (جواب دینے کی) اجازت دے دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا، بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

یہ جہاد کے بارے میں تدریجی احکامات کا آغاز تھا۔ اس کے بعد صریح الفاظ میں ان لوگوں سے لڑنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا گیا جو مسلمانوں سے آکر لڑیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ[2]

ان لوگوں سے فی سبیل اللہ لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔

یہ جہاد کا دوسرا مرحلہ تھا جب جنگ تھوپنے والوں سے جنگ کا واضح حکم دیا گیا اور یہ دفاعی جنگ کا حکم تھا کہ جو کوئی آکر آپ سے لڑے، اس کا جواب دو۔

اجازتِ جنگ کا تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ ارشاد ہوا: مشرکوں سے اسی طرح اکٹھے ہو کر لڑو جیسے وہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں۔

وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کَآفَّۃً[3]

تم مشرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں۔

چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک سال گزرنے کے بعد تیغ و سناں سے اس دین کی حفاظت ہونے لگی۔ دین اسلام اخلاق کردار اور اعلیٰ صفات کی حامل شخصیات کا مرہونِ منت تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے اعلیٰ کردار سے دشمنوں کے دلوں کو فتح کیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دین اور مسلمانوں کی حفاظت کا سہرا تلوار ہی کے سر ہے اور تیر و

---

1 سورۃ الحج:۳۹۔

2 سورۃ البقرۃ: ۱۹۰۔

3 سورۃ التوبہ:۳۶۔

Marfat.com

تلوار نے پوری مدنی زندگی میں نبی کریم ﷺ کو ایک مجاہد کمانڈر، نڈر سپہ سالار اور دشمن کے لیے فولاد بنائے رکھا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مدنی زندگی کا نمایاں کام صرف اور صرف اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت تھا۔ سیرت نگاروں نے سیکڑوں صفحات غزوات کے نام کر دیے۔ جنگوں کے حالات لکھنے والوں نے کتابوں کے نام ہی مغازی رکھ دیے، تاریخ نگاروں نے نبی کریم ﷺ کی مدنی زندگی کو تیغ و تفنگ کے نام سے منسوب کر دیا۔ اہل حدیث نے اپنی کتابوں میں کتاب الجہاد اور باب القتال کے نام سے بے شمار احادیث جمع کر ڈالیں، اہل فقہ نے اسلام کے قانون جنگ پر سیکڑوں صفحات بھر دیے، اس پر مستزاد یہ کہ دورِ حاضر کے مستشرقین اور یہود و نصاریٰ کے ہم نوا نام نہاد مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کو تلوار کا دھنی گردانا اور آج وہ آپؐ کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں (نعوذ باللہ)۔ قرآن کریم آپ کو رحمۃ للعالمین کہتا ہے۔ پوری مدنی زندگی میں آپ نے علم جہاد سر بلند رکھا کیونکہ جہاد اگر قرآن و سنت کے مطابق ہو تو وہ عین رحمت ہے۔ جہاد کے ذریعے سے مظلوم کی مدد کی جاتی ہے، ظالم کو آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے، حق دار کو اس کا حق دلایا جاتا ہے، لڑنے والے سے لڑا جاتا ہے، جو ہتھیار ڈال دے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا، جو معاہدہ کر لے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

غزوات و سرایا پر ایک نظر

غزوہ ایسی مہم جوئی یا نقل و حرکت کو کہا جاتا ہے جس کی قیادت رسالت مآب ﷺ نے کی ہو، چاہے وہ نقل و حرکت قتال کے لیے ہو، تبلیغ کے لیے ہو، صلح کرانے کے لیے ہو، یا کسی پیش آمدہ واقعہ سے پہلے خبر دار کرنے کے لیے۔

امام بخاریؒ نے باب مرض النبی ﷺ کے ضمن میں ایسے ۱۹ غزوات کا ذکر کیا ہے۔[1]

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۷۱۔

Marfat.com

سریہ ہر ایسی نقل و حرکت کو کہا جاتا ہے جو درج بالا مقاصد میں سے کسی مقصد کے حصول کے لیے کسی ایک یا بہت سے صحابہ نے کی ہو۔

جہاد اور شہادت کی فضیلت و اہمیت سے انکار کے بارے میں سوچنا بھی منافقت ہے لیکن کئی ایک کتبِ سیرت کا مطالعہ کرنے سے بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۲ھ سے ۹ھ تک صرف جنگیں ہی کیں اور جہاد و قتال جاری رکھا۔ مستشرقین کے اعتراضات اپنی جگہ، متقدمین سیرت نگاروں سے لے کر شبلی اور مبارک پوری تک سب نے "تلواروں کی چھاؤں" سے آغاز کیا ہے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اس سلسلے میں بھرپور تحقیق کی ہے اور تمام غزوات و سرایا کا ذکر کرتے ہوئے یہ تجزیہ کیا ہے کہ مدنی دور میں جو جنگیں ہوئی ہیں ان میں تمام تر دفاعی جنگیں تھیں یا فریق مخالف کی عہد شکنی کے جواب میں کارروائی کی گئی تھی۔ اور ان جنگوں کی تعداد سات ہے۔ غزوہ بدر میں قریش مکہ تقریباً 310 کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے مدینہ کی طرف آئے تھے اور ان کا مقصد مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔ غزوہ احد میں بھی وہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی خاطر مسلمانوں پر حملہ کرنے آئے تھے، غزوہ خندق میں بھی ان کا مقصد مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا تھا (نعوذ باللہ)۔ غزوہ خیبر ان یہودیوں کے خلاف تھا جنہوں نے مدینہ سے نکالے جانے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف دشمنی میں پیش پیش رہتے ہوئے کفارِ قریش کی مدد کی تھی۔ غزوہ خندق میں مسلمانوں کے خلاف لڑ چکے تھے اور اب پھر جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔

جنگ موتہ میں سفیر رسول حارث بن عمر ازدی کو غسانیوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس پر جنگ ہوئی اور تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ کفار کو شکست دی۔ فتح مکہ کو اگر جنگ قرار دیا جائے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر تھا جہاں سے کفار نے آپ کو ساتھیوں سمیت ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس سے قبل صلح حدیبیہ میں کفار کی طے شدہ شرائط کے مطابق معاہدہ ہوا جو انہوں نے خود توڑ دیا، اس کے باوجود بغیر کسی جنگ کے مکہ فتح ہوا، اور آپؐ نے

Marfat.com

عام معافی دے دی۔ غزوہ حنین انہی قبائل کے خلاف تھا جنہوں نے قریش مکہ سے مل کر بارہا مسلمانوں پر حملے کیے تھے۔ فتح کے بعد نبی رحمت ﷺ نے ان کے سب قیدی چھوڑ دیے تھے، بلکہ مال غنیمت بھی واپس کر دیا تھا۔

قاضی سلیمان منصور پوری نے پوری مدنی زندگی میں انہی سات جنگوں کو لڑائی یا غزوات قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو ۷۵ غزوات و سرایا کتبِ سیرت و مغازی میں مذکور ہیں، وہ جنگیں نہیں ہیں بلکہ درج ذیل اغراض و مقاصد کی خاطر نقل و حرکت تھی:

- تکمیلِ معاہدات اور تبلیغ و دعوت کے لیے جیسے صلح حدیبیہ غزوہ مروان وغیرہ۔
- حملہ آوروں کی نقل و حرکت جاننے کے لیے جیسے سریہ ابو قتادہ اور سریہ نخلہ وغیرہ۔
- دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے تاکہ وہ ڈر جائے اور حملہ نہ کرے۔ اس غرض کے لیے سب سے زیادہ نقل و حرکت رہی اور علامہ منصور پوری نے اس طرح کے غزوات و سرایا کی تعداد ۳۳ بیان کی ہے۔[1]
- ڈاکوؤں کو سزا دینے کے لیے جیسے سریہ عرینین اور سریہ ام قرضہ۔
- دیگر اقوام کی طرف سے معاہدات توڑنے اور غدر کرنے کی بنا پر، جیسے غزوہ بنو قینقاع، سریہ رجیع وغیرہ۔
- غلط فہمی کی بنا پر جیسے سریہ خلاد، سریہ عبداللہ بن رواحہ۔
- بت شکنی: یہ بت شکنی ان لوگوں کی مرضی کے مطابق تھی جن کے پاس بت تھے جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ نے قبیلہ بنو کنانہ کا بت توڑا۔ اسی طرح بنو ہذیل کا بت حضرت عمرو بن العاص نے اور قبیلہ اوس اور خزرج کا بت ''منات'' سعد الاشہلی نے توڑا تھا۔
- دشمنان جنگ کا تعاقب: جنگوں کے خاتمے پر آپؐ دشمن کے پیچھے دور تک

---

[1] قاضی محمد سلمان سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۲/ ۲۰۴ پروگریسو بکس لاہور ۱۹۹۹ء۔

Marfat.com

جاتے تھے تاکہ ان کی واپسی کا یقین ہو جائے اور اگر وہ پلٹ کر آئیں تو جواب دیا جا سکے جیسے غزوہ السویق، حمراء الاسد وغیرہ۔

• مقامی یا علاقائی واقعات میں مہم جوئی جیسے کعب بن اشرف کا قتل، ابن الحقیق کا قتل اور غلام کو گرفتار کرنا وغیرہ۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں چھ یا سات مسلح جنگیں کیں اور ان میں بھی کسی جنگ میں آپ کی طرف سے اقدامی وار نہیں کیا گیا بلکہ دشمن کی طرف سے ہی حملہ ہوا اور اس کا جواب دیا گیا، نیز ہر جنگ میں قریش مکہ بہر صورت فریق مخالف تھے اور غزوہ خیبر اور حنین میں بھی اصل سبب یہ تھا کہ یہودیوں نے خیبر میں اور ہوازن اور ثقیف نے حنین میں کفارِ قریش کی مدد کرنے کا جرم کیا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل دشمن آپ کے قبیلہ قریش ہی کے لوگ تھے۔ دیگر اقوام ان کی حلیف ہونے کی وجہ سے دشمنی کرتی تھیں یا ان سے مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوتی تھیں۔

قاضی سلیمان منصور پوری نے بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ہر ایک کوشش کا نام (جو انہوں نے جنگ سے بچنے کے لیے کی) لوگوں نے جنگ رکھ لیا ہے۔ یہ لوگ نہ واقعہ کی علت بیان کرتے ہیں نہ مسلمانوں کے مدعا کی تلاش، نہ مسلمانوں کے افعال کا تفحص اور پھر جلدی سے اپنی رائے بھی قائم کر لیتے ہیں۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے خبر مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی ہر نقل و حرکت جنگ ہی کے لیے تھی۔"[1]

نبی کریم ﷺ کے غزوات میں فریقین کا جانی نقصان اور دیگر اقوام کی مذہبی لڑائیوں میں جانی نقصان کا موازنہ

مندرجہ بالا تجزیہ کو یکسر رد بھی کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کے مدنی عہد

---

1 رحمۃ للعالمین: ۲/ ۱۸۲، ۱۸۳۔

Marfat.com

میں ۸۳ غزوات و سرایا ہوئے، پھر بھی نتائج درج ذیل تھے۔

مسلم	کافر
تمام جنگوں میں ایک مسلمان قیدی ہوا	۶۵۶۴ کفار گرفتار ہوئے
۱۲۷ مسلمان زخمی ہوئے	زخمی کوئی نہیں ہوا
۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے	۷۵۹ کفار قتل ہوئے

آپ ﷺ کے تمام غزوات و سرایا میں مرنے والے کل افراد کی تعداد ۱۰۱۸ ہے۔[۱]

قیدیوں کی تعدا اگرچہ زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر ان میں ۶۰۰۰ قیدی صرف جنگ حنین میں گرفتار ہوئے تھے جو آپ نے کمال رحمت کے باعث اپنی رضاعی بہن شیماء کے تعارف کے بعد نہ صرف آزاد کر دیے تھے بلکہ ان سے حاصل کردہ مال غنیمت بھی لوٹا دیا تھا۔ نیز انہیں کپڑے بھی دیے تھے۔ اس طرح بقایا تعداد ۵۶۵ ہے۔ ان میں سے بھی سب کے سب لطف و احسان کے تحت چھوڑ دیے گئے یا مسلمان ہو گئے تھے۔ صرف دو افراد اپنی سابقہ بدعہدیوں کے باعث سزا کے مستحق ٹھہرے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے عرب کے خون خوار قبائل میں جو شرک، بت پرستی، قتل و غارت، خاندانی لڑائیوں اور خرافات میں اس قدر گھری ہوئی تھی کہ اس دور کو دورِ جہالت کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے جو جدوجہد فرمائی اس سے ایسا انقلاب برپا ہوا کہ یتیموں کا مال لوٹنے والے یتیموں کے والی بن گئے، انتقام کے رسیا عفو و درگزر کے پیکر بن گئے، دوسرے کا مال اور عورتیں اپنے لیے حلال سمجھنے والے دوسروں کی عزت و مال کے نگہبان بن گئے۔ اس تبدیلی کے لیے مختصر ترین مدت میں ۱۰۱۸ افراد لقمہ اجل بنے۔

---

۱ ایضاً: ۲/ ۲۱۱۔

Marfat.com

ان مقتولین میں سے بھی ۶۰۰ ایسے یہود بنی قریظہ ہیں جنہوں نے عین جنگ میں دشمن کا ساتھ دیا تھا اور ایک عدالتی فیصلے کے مطابق ان کے ۶۰۰ افراد کو سزائے موت دی گئی تھی۔ اس طرح باقاعدہ جنگ میں کام آنے والوں کی تعداد صرف ۴۱۸ بنتی ہے۔ ڈاکٹر محمد عمارہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے تمام غزوات میں مجموعی طور پر ۲۰۳ کفار مارے گئے اور ۱۸۳ مسلمان شہید ہوئے۔[1]

غزوات رسول اور دیگر جنگوں میں مقتولین کی تعداد کا جائزہ

غزوات رسول میں ۳۸۶ یا ۴۱۸

یہودیوں کی غیر یہود کے ساتھ جنگوں میں مقتولین: ۱۶۳۵۶۵۰

یہودیوں کی آپس میں جنگوں میں مقتولین: ۳۵۲۸۲۷

یہ اعداد و شمار خود یہودیوں کی مقدس کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم میں مقتولین کی تعداد: ۸۵۳۸۳۱۵

زخمیوں کی تعداد: ۲۱۲۱۹۴۵۲

مجموعی انسانی جانوں کا خسارہ: ۳۷۵۰۸۶۸۶[2]

جب کہ دوسری جنگ عظیم میں تقریباً ۸۰۰۰۰۰۰ جانیں ضائع ہوئیں۔[3]

عیسائیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کے عدالتی احکامات کے مطابق قتل ہونے والوں کی تعداد: ۱۲۰۰۰۰۰۰۔ جنگ عظیم اول میں مختلف ممالک کے مقتولین کی تعداد بحوالہ اخبار ہمدم ۱۷ اپریل ۱۹۹۹ء۔

روس: ۱۷ لاکھ

---

[1] ڈاکٹر محمد عمارہ، الغرب والاسلام: ۸۴۔

[2] جنگ عظیم اول ۱۸-۱۹۱۴ صرف ۵ سال میں مقتولین کی مجموعی تعداد مذکور ہے جب کہ سید سلیمان منصور پوری نے اس کی مزید تفصیلات دی ہیں۔ دیکھیے رحمۃ للعالمین: ۲/ ۲۱۲۔

[3] جان ڈیون بورڈ، ائڈیالوجی آف محمد اینڈ قرآن بحوالہ رحمۃ للعالمین ۲/ ۲۱۲۔

Marfat.com

جرمنی: ۱۶لاکھ

فرانس: ۱۳لاکھ

اٹلی چارلاکھ: ۶۰ہزار

آسٹریا: ۸لاکھ

بلغاریہ: ایک لاکھ

رومانیہ: ایک لاکھ

سرویامانٹی نیگرو: ایک لاکھ

امریکہ: ۵۰ہزار

ترکی: ۲لاکھ ۵۰ہزار

بیلجیم: ایک لاکھ دوہزار

کل مقتولین: ۷۳لاکھ ۳۸ہزار

انٹرنیٹ کی مختلف ویب سائٹوں پر یہ تعداد کہیں زیادہ بتائی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہونے والے تمام غزوات میں مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہ کر سکی جب کہ دور حاضر میں آپؐ کی ذات اقدس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے اور مہذب کہلانے والوں کی طرف سے قتل و غارت کے جو ریکارڈ قائم ہوئے ان کی تصویر بھی پیش کی گئی ہے۔ آج بھی سب سے زیادہ نام نہاد مہذب اور ترقی یافتہ قوم اپنے جغرافیائی حدود سے ہزاروں میل دور جا کر جو گل کھلا رہی ہے، اس کی ہلکی سی تصویر موجودہ دور کے تیز ترین ذرائع ابلاغ کے باعث آئے روز دیکھنے میں آتی رہتی ہے، جب شہروں کے شہر اپنے باسیوں سمیت ملیامیٹ کر دیے جاتے ہیں، کہیں ڈرون حملوں سے نہتے شہری لقمۂ اجل بن جاتے ہیں، کہیں باراتیں خاک و خون میں لت پت کر دی جاتی ہیں، کہیں مساجد اپنے نمازیوں سمیت زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کو دیکھ کر غیر جانبدار مؤرخ خود فیصلہ کر لے گا کہ دہشت گرد کون ہے؟

Marfat.com

سرحدوں کی نگرانی کے لیے سب سے پہلی مہم

قریش مکہ، مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو چین سے نہیں رہنے دے رہے تھے اور مسلسل مہم جوئی سازشوں اور مخالفتوں میں مصروف تھے۔ اس بنا پر نبی کریم ﷺ نے بھی علاقے کی خبر گیری کے لیے مختلف اوقات اور اطراف میں صحابہ کرامؓ کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کو بھیجنے کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔

شعبان سنہ ۱ ہجری میں جنگ کی اجازت ملی تو اس کے بعد رمضان المبارک میں آپؐ نے اپنے چچا حمزہ بن عبد المطلب کی سربراہی میں ایک تیس رکنی دستے کو روانہ کیا تاکہ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگائے۔ سیف البحر کے ساحل پر ابو جہل تین سو شہسواروں کے ساتھ موجود پایا گیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں مجدی بن عمرو جہنی جو دونوں فریقوں کا حلیف تھا، درمیان میں حائل ہو گیا اور اس طرح بیچ بچاؤ ہو گیا اور فریقین نے اپنا اپنا راستہ لیا۔[1] اس کے ایک ماہ بعد آپ نے دشمنوں کی نقل و حرکت جاننے کے لیے حضرت عبیدہ بن الحارث کی قیادت میں ساٹھ یا ستر رکنی جماعت بھیجی جن میں سب کے سب مہاجرین تھے۔ اس جماعت کا جھنڈا مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب کے ہاتھ میں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ دوسری طرف ابو سفیان بھی بھاری نفری کے ساتھ نکلا ہوا تھا۔ بطن رابغ میں جو جحفہ سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے ان دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔[2] تاہم جنگ کی نوبت نہیں آئی۔[3]

حضرت عائشہؓ سے شادی

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی اور ان کا حجرہ مسجد سے متصل بنوایا۔ حضرت عائشہؓ بنت ابو بکر صدیقؓ ۹ سال تک حضور ﷺ کے ساتھ رہیں۔ آپ نے سب سے زیادہ احادیث روایت کیں۔ آپ بہت بڑی عالمہ، فقیہہ،

---

1 سیرۃ ابن ہشام، سریہ حمزۃ الیٰ سیف البحر: ۱/ ۵۹۵۔

2 الشامی، محمد بن یوسف الصالحی، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۶/ ۱۳۔

3 البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۷/ ۳۔

Marfat.com

مجتہدہ اور ماہر لغت تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے کسی بھی کنواری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے ۴۰۰ درھم مہر ادا کیا۔

ہجرت کے ۹ ماہ بعد ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں بیس، اکیس افراد پر مشتمل دستے کو قریش کے قافلے کا پتا لگانے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ لوگ ۴، ۵ روز کی مسافت کے بعد جب خرار پہنچے تو قافلہ وہاں سے نکل چکا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح

محرم ۲ھ میں جب آپؐ کی عمر مبارک ۵۳ سال اور دس ماہ تھی، اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کرایا۔ شوال ۲ھ میں رخصتی ہوئی۔ سیدہ فاطمہؓ نبی کریم ﷺ کی چوتھی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے دعوت اسلام کے ابتدائی دورِ ابتلاء کو نہ صرف دیکھا بلکہ قریش کے تمام ظلم و ستم سہنے میں اپنے والد ماجد کا ساتھ دیا۔ سیدہ خدیجہؓ آپ کی ولادت پر بے حد خوش ہوئیں کیونکہ ان کی اپنے والد گرامی سے مکمل مشابہت تھی۔ سیدہ سے نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں قریش کے نامی گرامی حضرات، عبد الرحمان بن عوف، ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے، لیکن آپؐ نے توقف فرمایا، یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے پیغام بھیجا۔ خود حضرت علی فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس پیغامِ نکاح لے کر جاؤں لیکن میرے پاس مہر کے لیے کچھ نہ تھا، تاہم میں نے پھر بھی پیغام نکاح دے دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس (مہر کے لیے) کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے فرمایا جو حطمی زرہ میں نے تمہیں دی تھی وہ کہاں ہے؟ عرض کیا میرے پاس ہے۔ فرمایا وہ دے دینا اور وہی زرہ نکاح کا مہر بن گئی۔ دونوں میاں بیوی نے دنیوی لحاظ سے بڑی کسمپرسی کی زندگی گزاری۔ کھانے اور پہننے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا، چکی پیس پیس کر حضرت فاطمہ کے ہاتھوں پر آبلے پڑ گئے تھے۔ ایک بار شکایت بھی کی لیکن آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں، کہنے لگیں، کیوں نہیں! فرمایا وہ کلمات جو مجھے جبریل نے بتائے ہیں، تم دونوں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ اور جب سونے کے لیے جاؤ تو ۳۳ مرتبہ

Marfat.com

سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی فرماتے ہیں، اس کے بعد میں نے کبھی یہ کلمات ترک نہیں کیے۔ ابن الکواء نے پوچھا کیا آپ نے جنگ صفین کے موقع پر بھی ترک نہیں کیے؟ فرمایا اے اہل عراق اللہ تمہیں غارت کرے، اس رات بھی میں نے یہ کلمات نہیں چھوڑے۔ (۱)

ولادت حسنین کریمین

سنہ ۳ ہجری میں سیدنا حسنؓ کی ولادت ہوئی جو شکل و صورت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھے اور ایک سال بعد سیدنا حسینؓ کی ولادت ہوئی۔ یہ دونوں بچے نبی کریم ﷺ کو بہت محبوب تھے۔ آپؐ فرماتے تھے اللھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما ''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں کو پسند فرما اور جو ان سے محبت کرے اس کو اپنا محبوب بنا۔''

صفر ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے قافلہ کی قیادت فرماتے ہوئے ودان تشریف لے گئے جو ابواء کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس سفر کا ایک مقصد قریش کے معاشی مقاطعہ کے پیش نظر شام سے آنے والے قافلے کو روکنا تھا۔ قافلہ تو نکل چکا تھا لیکن آپؐ پہلی بار کسی مہم میں خود مدینہ سے باہر نکلے تھے، اسی دوران میں آپ قبیلہ بنو ضمرہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تحریری معاہدہ ہوا۔ (۲)

اسی طرح ربیع الاول دو ہجری میں آپ بنفس نفیس بواط تشریف لے گئے۔ غزوہ سفوان جسے بدر اولیٰ کہا جاتا ہے، آپ کی قیادت میں ہوا جب کہ جمادی الاخریٰ میں آپؐ غزوہ ذوالعشیرہ میں تشریف لے گئے، ان تمام جنگی مہمات میں کوئی لڑائی یا قتل و غارت نہ ہوئی البتہ دشمن پر دھاک بیٹھ گئی کہ مسلمان باخبر ہیں اور ہماری کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔

تحویل قبلہ کا ذکر بالتفصیل گزر چکا ہے۔ یہ حکم بھی پندرہ شعبان ۲ ہجری کو نازل

---

۱ مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب: ۸۳۸۔

۲ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۷۵۔

Marfat.com

ہوا اور پہلی مرتبہ بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی گئی۔[۱]

فرضیتِ زکوٰۃ

کلمہ توحید کے بعد دوسرا رکن اسلام نماز ہے۔ نماز مسلمانوں پر شب معراج کے موقع پر فرض ہوئی تھی اور یہ نبوت کا دسواں سال تھا، جب کہ زکوٰۃ جو اسلام کا تیسرا رکن ہے، یہ بھی مکہ مکرمہ میں فرض ہوچکی تھی کیونکہ جو آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، ان میں صریحاً زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے لیکن اس کے تفصیلی احکام بتدریج نازل ہوئے۔ شروع شروع میں بالعموم خرچ کرنے کا حکم ہوتا اور نہ خرچ کرنے والے پر عتاب ہوتا تھا جیسا کہ سورۃ الماعون میں ہے۔ مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آمد کے بعد زکوٰۃ وصدقات کی ضرورت بڑھ گئی اور مسلمانوں کو خرچ کرنے پر ابھارا جانے لگا۔ حکم ہوا کہ جو زائد مال ہو خرچ کر دیا جائے۔[۲] پھر عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم ہوا کیونکہ لوگ وہ مال غریبوں کو دیتے تھے جو اپنے کام کا نہ رہا ہو جیسا کہ آج کل جب حادثات کے موقع پر مدد کی اپیل کی جاتی ہے تو لوگ پرانے کپڑے، ناکارہ بستر اور پھٹے جوتے دے کر بڑا احسان جتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز انتہائی ناپسند ہے۔ فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ[۳]

چنانچہ زکوٰۃ کے احکام بتدریج نازل ہوتے رہے اور بالآخر سورہ توبہ کی یہ آیت:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰہِ[۴]

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۱۴۴۔

۲ سورۃ البقرۃ: ۲۱۹۔

۳ سورۃ البقرۃ: ۲۶۸۔

۴ سورۃ التوبہ: ۶۰۔

Marfat.com

نازل ہوئی تو زکوٰۃ کے مصارف بھی طے ہو گئے اور ادائیگی کی مقدار بھی تفصیل سے بیان ہو گئی۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مختلف علاقوں میں اپنے نمائندے بھیج کر زکوٰۃ کی وصولی کو لازمی قرار دے دیا۔ اس کے بعد نماز کی طرح زکوٰۃ کی بھی مکمل پابندی ہوتی رہی یہاں تک کہ ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور فرمایا کہ جب تک لوگ زکوٰۃ نہ دیں گے میرے لیے ان کا خون بہانا جائز ہے، اللہ کی قسم اگر وہ لگام جو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کرتے تھے، روکیں گے تو ان سے لڑوں گا۔ (۱)

فرضیت روزہ

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارکان اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: بنی الاسلام علی خمس۔۔۔ الخ

اس لحاظ سے روزہ چوتھا رکن اسلام ہے۔ سنہ ۲ھ میں روزہ باقاعدہ طور پر مسلمانوں پر فرض ہوا، لیکن روزہ رکھنے کا موجودہ طریقہ اس وقت نافذ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے احکام بھی باقی ارکان کی طرح بتدریج نازل ہوئے۔ خود نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکی زندگی میں بھی اور مدنی زندگی میں بھی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ جب ماہ رمضان کی تخصیص کر دی گئی تو آپؐ نے ۹ مرتبہ رمضان المبارک کے پورے مہینے کے فرض روزے رکھے۔

شروع شروع میں قرآن کریم میں روزوں کی ترغیب دی گئی اور فرمایا گیا کہ روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اور جو روزہ نہ رکھنا چاہے وہ مسکین کو کھانا کھلا دے، اس طرح بعض لوگ روزہ رکھتے تھے اور بعض نہ رکھ کر فدیہ دے دیتے تھے۔ فرمایا: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲)

لیکن جب ایک ماحول بن گیا اور اکثر لوگوں نے اس فریضہ پر عمل شروع کر دیا تو سورۃ البقرہ میں روزے کے احکام نازل ہوئے۔ آغاز میں سابقہ شریعتوں کی طرح روزہ رکھنا

---

۱ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۱۵۵۶

۲ سورۃ البقرۃ: ۱۸۴۔

Marfat.com

ایک مشکل کام تھا اور اس میں بہت شدت تھی۔ روزہ چوبیس گھنٹے رکھنا ہوتا تھا یعنی مغرب کے بعد روزہ دار کے لیے اتنا ہی وقت ہوتا تھا کہ یا تو وہ نماز عشا پڑھ لے یا سو جائے، اگر یہ دونوں یا ان میں سے ایک کام بھی کر لیا تو اگلا روزہ شروع ہو جاتا تھا جو اگلے روز مغرب تک ہوتا تھا، نیز اس دوران میں کھانا پینا اور مباشرت وغیرہ منع ہو جاتی تھی، اور اگر رات مغرب کے بعد آنکھ لگ گئی یا نماز عشاء پڑھ لی تو روزہ شروع ہو جاتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"[1] کا حکم نازل ہوا تو لوگ عشاء پڑھ لیتے تھے اور پھر ان پر کھانا پینا اور عورتیں حرام ہو جاتی تھیں، یہاں تک کہ آئندہ شام تک روزہ رکھتے۔ ایک آدمی نے خیانت کر لی اور عشاء کے بعد مجامعت کر بیٹھا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سہولت، آسانی اور فائدے کی خاطر یہ رخصت دی اور فرمایا: عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ[2]

اسی طرح حضرت براءؓ کی روایت کے مطابق بعض اوقات لوگوں کو افطاری کیے بغیر ہی اونگھ یا نیند آنے کی وجہ سے کچھ کھائے پیے بغیر چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھنا پڑتا تھا۔ قیس بن صرمہ انصاری افطاری کے وقت گھر لوٹے اور بیوی سے کہا کچھ کھانے کے لیے ہے؟ کہنے لگیں میں آپ کے لیے کچھ لے آتی ہوں۔ چونکہ قیس سارا دن کھیتی باڑی کرتے تھے اس لیے تھکاوٹ کے باعث نیند آ گئی۔ جب اہلیہ واپس آئیں تو دیکھا کہ وہ سوئے پڑے ہیں، کہنے لگیں یہ تو بربادی ہو گئی (اس لیے کہ سونے سے اگلا روزہ شروع ہو جاتا تھا) اور قیس نے اسی طرح اگلا روزہ رکھ لیا، جب اگلے روز دوپہر کا وقت ہوا تو ان کو بھوک و پیاس سے غشی کے

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۸۳۔

[2] سورۃ البقرۃ: ۱۸۷۔

Marfat.com

دورے پڑنے لگے، یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو رخصت والی آیات نازل ہوئیں۔ [1]
اسی طرح دیگر کئی صحابہ سے سہو ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حالات بیان کیے،
اس کے بعد موجودہ طریقہ کار سے متعلق احکام نازل ہوئے۔

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۸۱۶۔

Marfat.com

باب پنجم

کفار کے نوزائدہ مسلم ریاست پر پے در پے حملے،

اسلامی قانون سازی صلح حدیبیہ، کفار قریش کا

مسلم قوت کو تسلیم کرنا

Marfat.com

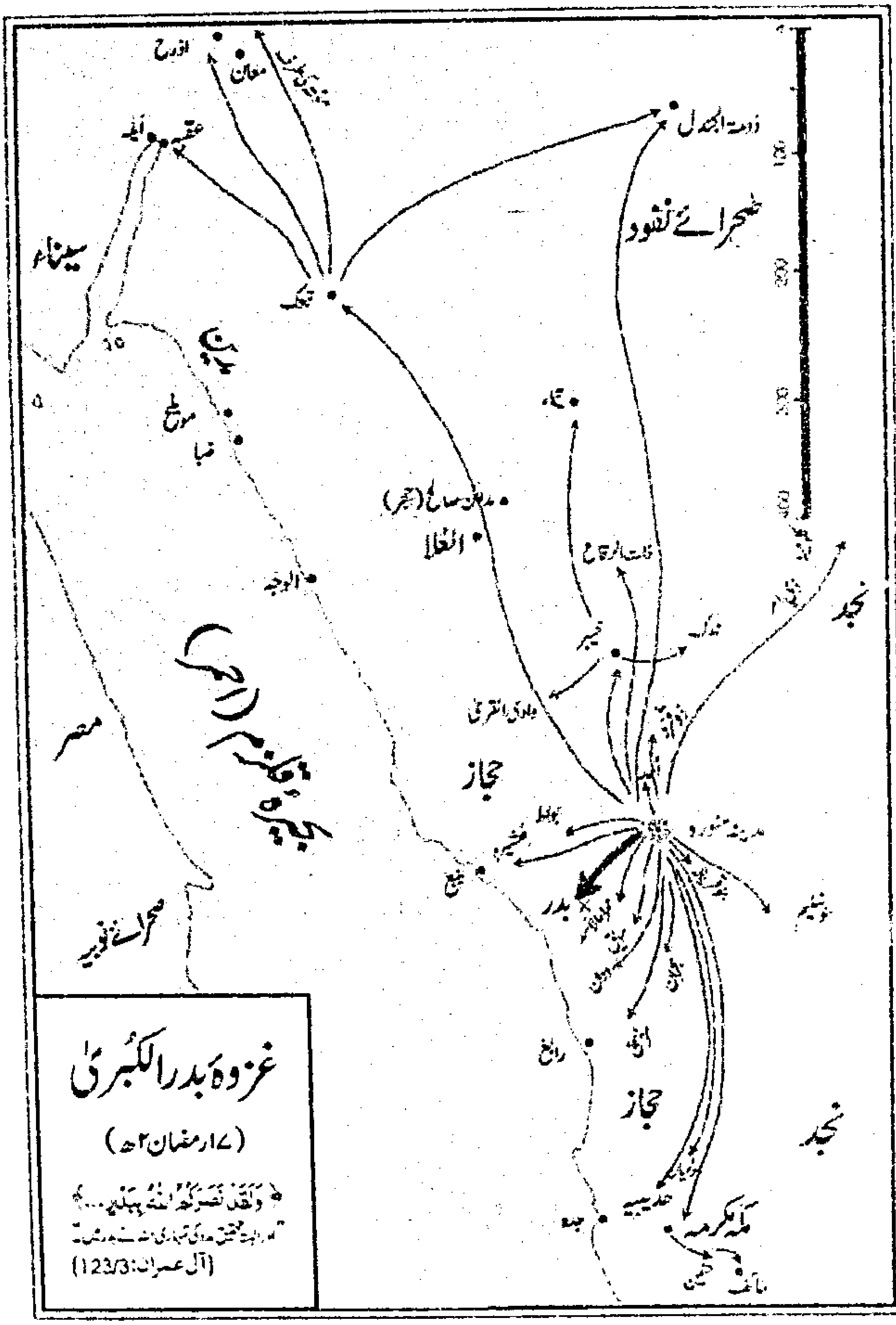
غزوہ بدر الکبریٰ
(۱۷ رمضان ۲ھ)
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ...
(آل عمران: 123/3)
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
سیناء
حجاز
نجد
مصر
صحرائے نوبیہ
تیماء
العلا
خیبر
وادی القریٰ
مدینہ منورہ
بدر
ینبع
رابغ
حجاز
نجد
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
جدہ

Marfat.com

غــــزوہ بدر

بدر مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ شہر کے وسط میں میدان بدر ابھی تک موجود ہے، یہاں قبرستان بھی ہے۔ گیٹ کے بالکل سامنے مسجد بدر ہے جو سعودی عرب کی دیگر مساجد کی طرح خوبصورت، کشادہ اور قیمتی قالینوں سے مزین ہے۔ آج کل مدینہ سے جدہ جانے والی سڑک یہاں قریب ہی سے گزرتی ہے لیکن یہ علاقہ انتہائی اونچے اور خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے اور سڑک نشیب میں وادیوں سے بل کھاتے ہوئے گزرتی ہے۔

تاریخ میں جس دن کو حق و باطل کے سب سے بڑے اور عظیم معرکہ کا نام دیا گیا ہے وہ اسی علاقے میں رونما ہوا تھا اگرچہ اس معرکہ میں صرف ۳۱۳ لوگ شامل تھے لیکن اہمیت کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے اہم جنگ تھی۔ غزوہ بدر کی اسلامی تاریخ میں اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے بدر میں شرکت کی اس پر منافقت کا شائبہ تک نہیں کیا جا سکتا۔ بدری ہونا ایک اعزاز تھا۔ جو حضرات بدر میں شرکت نہ کر سکے وہ اپنے آپ کو بدقسمت خیال کرتے تھے۔

Marfat.com

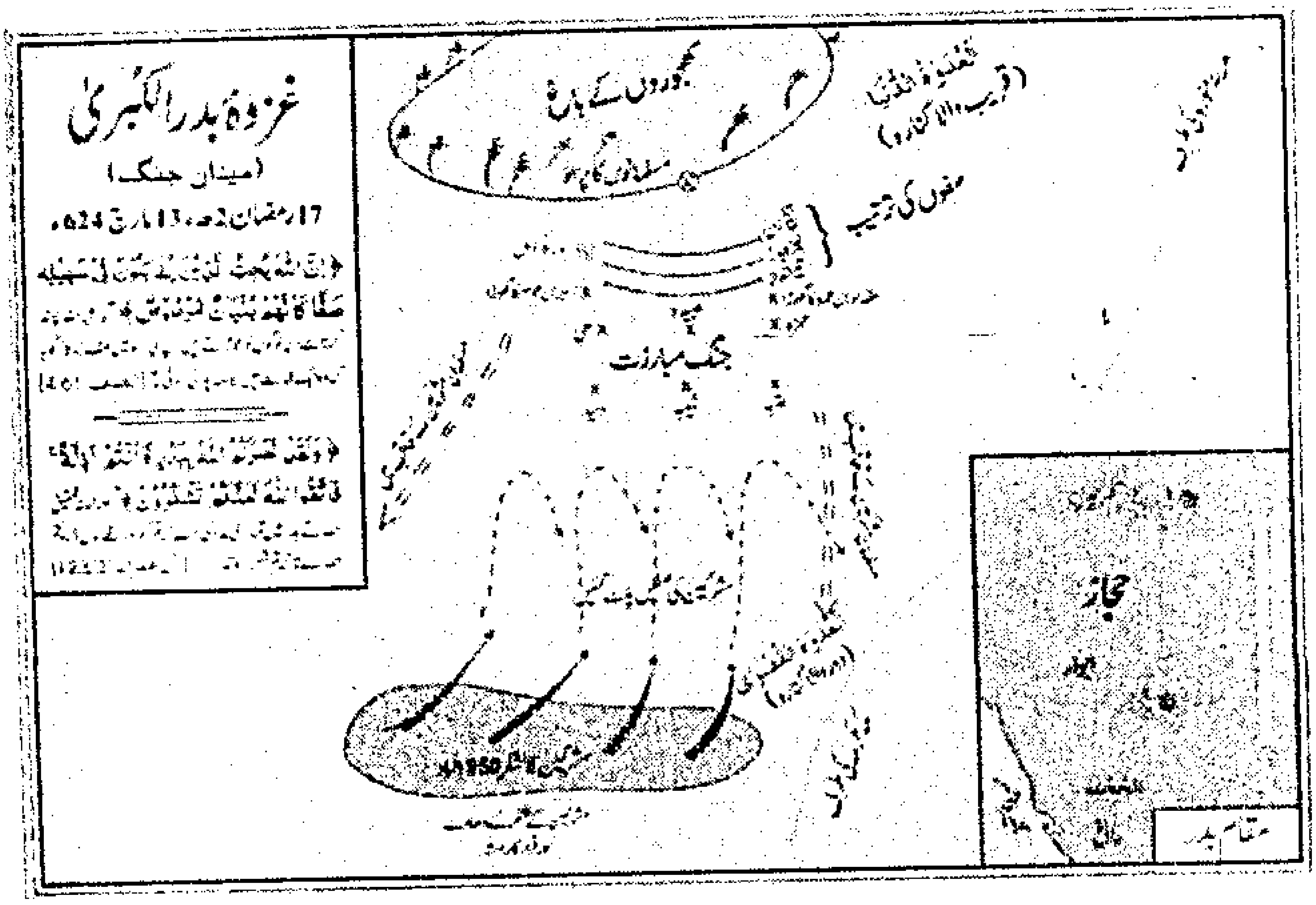
غزوۂ بدر الکبریٰ
(میدان جنگ)
17 رمضان 2ھ، 13 مارچ 624ء
کھجوروں کے باغ
صفوں کی ترتیب
جنگ مبارزت
حجاز
مقام بدر

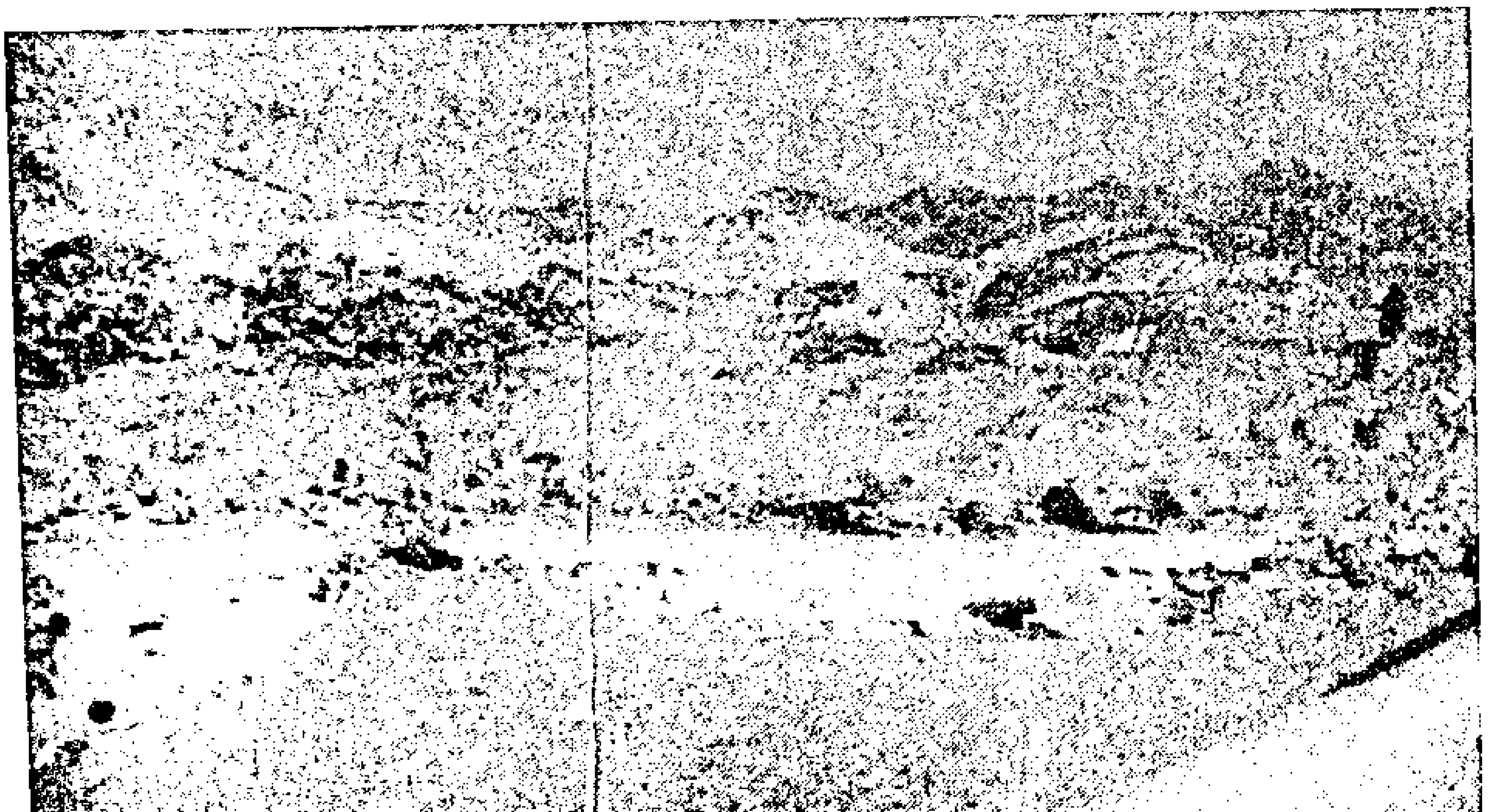

Marfat.com

غزوہ بدر کے اسباب

قریش نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں گھر بار، مال واسباب، عزیز رشتہ دار چھوڑ کر یثرب آبسے لیکن قریش نے انہیں وہاں بھی سکون کا سانس نہ لینے دیا۔ یہود اور مشرکین کو خطوط لکھے جن میں عبداللہ بن اُبَی بھی شامل تھا، کہ اس فتنے کو ختم کرو ورنہ ہم آکر تمہیں بھی محمد کے ساتھ قتل کر دیں گے (نعوذ باللہ)۔[1] قریش کے لوگوں نے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی چراہ گاہ پر حملہ بھی کیا۔ حضرت سعد بن معاذ، امیہ بن خلف کے پرانے دوست تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ پہنچے تو اس کے مہمان ہوئے۔ یہ دونوں طواف کے لیے نکلے تو وہاں ابو جہل سے سابقہ پیش آیا۔ اس نے سعد بن معاذ سے کہا: خدا کی قسم! اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جاتے۔ اس پر حضرت سعد نے فرمایا: "سنو! اگر تو نے مجھے اس سے روکا تو میں تجھے اس چیز سے روکوں گا جو تیرے لیے سخت تکلیف دہ ہوگی۔" ان کا اشارہ شام اور مکہ کے درمیان اس شاہراہ کی طرف تھا جہاں سے قریش کے قافلے گزرتے تھے۔[2]

اس کے علاوہ بھی دھمکیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جب کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر چھاپہ مارا اور مویشی لے کر بھاگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے پیچھے ۷۰ صحابہ کی جماعت بھیجی لیکن وہ بچ نکلا۔

غزوہ بدر کا ایک اور سبب یہ تھا کہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ۱۲ اصحاب پر مشتمل ایک جماعت وادی نخلہ بھیجی جس نے قریش کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا تھا۔ حرام مہینہ ہونے کی وجہ سے اہل عرب رجب میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب وہاں سے قریش کا قافلہ گزرا تو صحابہ نے اجتہاد کیا کہ اگر ان کو روکیں اور لڑائی ہو تو حرام مہینہ کا تقدس پامال ہوگا اور اگر آج ان کو جانے دیں تو کل تک یہ دور نکل جائیں گے، اس پر فیصلہ ہوا

---

1 ابو داؤد، السنن، باب ماجاء من خبر بنی النفیر، رقم الحدیث: ۳۰۰۴۰

2 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۶۳۲۔

Marfat.com

کہ حملہ کرتے ہیں۔ اس حملہ میں ایک تیر عمرو بن حضرمی کو جا لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا جب کہ عثمان اور حکیم کو زندہ پکڑ لیا گیا۔ اس قافلہ میں نوفل بھی شامل تھا جو بھاگ گیا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس واقعے پر سرزنش کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام مہینہ میں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اور کسی قسم کا سامان (مال غنیمت) نہ لیا۔ دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کر دی۔[1]

ان حالات سے اس کشمکش کا اندازہ ہوتا ہے جو قریش اور مسلمانوں کے درمیان جاری تھی۔ قریش، مدینہ پر ہر لحہ حملہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ مسلمان حضرت سعد کے فیصلے کے مطابق مکہ والوں کا معاشی راستہ بند کرنا چاہتے تھے اور شام سے مکہ آنے جانے والے قافلوں پر نظر رکھتے تھے۔ ادھر عمرو بن حضرمی کے قتل کے بعد اہل مکہ کو حملے کا مزید بہانہ مل گیا، حالانکہ اس غلطی کی تلافی بھی ہو چکی تھی۔

۱۲ رمضان، ۲ھ کو رسول اللہ ﷺ ۳۱۳ جانثاروں کی جماعت کے ساتھ شاہراہ شام کی طرف نکلے تاکہ اس قافلے کا راستہ روک سکیں جس کا تمام منافع مسلمانوں کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جانے والا تھا۔ قافلے کا سردار ابو سفیان تھا۔ اس کو جب مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے تیز رفتار قاصد مکہ بھیجا کہ جلدی سے آؤ، مسلمان ہمارے اوپر حملے کی تیاری کر چکے ہیں۔ یہ سن کر مکہ میں جنگ کا اعلان ہو گیا، کیونکہ شام سے آنے والے قافلے میں ایک ہزار لدے ہوئے اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار یعنی دو سو باسٹھ کلو گرام سونے کی مالیت کا سامان تھا اور اس قافلے کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔

شام سے قافلہ آ رہا تھا اور مکہ سے ایک ہزار کی تعداد میں قریش اپنے تمام سرداروں کے ساتھ نکل پڑے۔ ان کے پاس ایک سو گھوڑے، چھ سو زرہیں اور کثیر تعداد میں اونٹ تھے۔ ہر روز ۹ یا دس اونٹ کھانے کے لیے ذبح کیے جاتے تھے۔ ڈھول باجے اور ناچنے گانے والیاں بھی ساتھ تھیں اور شراب کی کثرت تھی۔

---

1. سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۵۹۰

Marfat.com

جب مکی فوج وادی عسفان سے ہوتی ہوئی جحفہ پہنچی تو ابو سفیان کا پیغام ملا کہ میں نے راستہ بدل لیا ہے اور بحفاظت نکل آیا ہوں، اب واپس آجاؤ۔ مگر مکی لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حکیم بن حزام نے دوڑ دھوپ شروع کی کہ جنگ نہ ہو۔ عتبہ بن ربیعہ جو مکی لشکر کا سپہ سالار تھا اس کی رائے بھی یہی تھی۔ فیصلہ ہونے ہی والا تھا کہ ابو جہل درمیان میں کود پڑا اور کہا یہ نہیں ہو سکتا، آج لڑائی ضرور ہو گی اور عتبہ کو طعنہ دیا کہ تمہارا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کی طرف سے لڑنے آ رہا ہے، اس لیے تیرا سینہ سوج گیا ہے۔ عتبہ یہ طعنہ برداشت نہ کر سکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

جنگ سے قبل ابو جہل نے دعا کی کہ اے اللہ ہم میں سے جو فریق قطع رحمی کرنے والا ہے، غلط کار ہے، اسے آج ختم کر دے اور اے اللہ جو فریق تیرا محبوب ہے، اس کی مدد فرما۔

حق و باطل کا یہ معرکہ بالآخر بدر کے مقام پر برپا ہوا۔ اس سے قبل شعبان ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت دینے کے ساتھ دو گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقابلے کا اشارہ دے دیا تھا، ایک شام سے آنے والا قافلہ اور دوسری مکہ سے آنے والی فوج۔ بدر میں ۳۱۳ نہتے مسلمان تھے جن کے پاس دو یا تین گھوڑے اور سفر کے لیے ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہو کر وہ سفر کرتے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے واضح فتح نصیب فرمائی۔ مسلمانوں کے ۱۴ مجاہدین شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصاری تھے جب کہ ۷۰ کفار واصل جہنم ہوئے جن میں سے اکثر سردارانِ قریش تھے۔ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید، ابو البختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام۔۔۔ سب کے سب مارے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام کفار کی لاشوں کو بدر کے قریب ایک گڑھے میں ڈلوا دیا۔

اس غزوہ میں کامیابی سے اسلامی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ تمام علاقے میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ارد گرد کے قبیلوں نے مسلمانوں کی قوت کا اعتراف کر لیا۔ مسلمان فاتحانہ انداز میں واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کی دعا بھی قبول کرتے

Marfat.com

ہوئے رسول اللہ ﷺ کی واضح مدد فرمائی۔ فرشتے خود اس جنگ میں شریک ہوئے۔ قرآن کریم میں اس جنگ پر بھرپور تبصرہ موجود ہے۔ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلہ۔۔۔۔۔الخ[1]

غزوہ بدر کی اہمیت اور ایمان کا امتحان

غزوہ بدر کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں خونی رشتے اور ایمانی رشتے کا امتحان تھا۔ دونوں طرف ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے اور وہ بھی آپس میں ملاقاتیں کرتے تھے، بات چیت کرتے تھے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر ایک بھائی دو سال پہلے مکہ چھوڑ آیا تھا، دوسرا مکہ ہی میں تھا۔ دو سال سے بچھڑے رشتے دار ملے مگر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لیے۔ ابو حذیفہؓ کے مدمقابل ان کا والد عتبہ تھا۔ ابو بکرؓ کے مدمقابل ان کا بیٹا تھا، عمرؓ کے مدمقابل ان کا ماموں تھا۔ مصعبؓ کے مقابل ان کا بھائی تھا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو مبارزت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تین انصاریوں کو بھیجا جس پر عتبہ نے کہا: اے محمد یہ کون ہیں، ہمارے مقابلے میں ہمارے ہی لوگوں (رشتہ داروں) کو بھیجو۔ چنانچہ عتبہ کے مقابلے میں حمزہ، شیبہ کے مقابلے میں ابو عبیدہ اور ولید کے مقابلے میں علیؓ کو بھیجا گیا۔ یہ نہایت کڑا امتحان تھا لیکن بالآخر خون کے رشتوں کی کشش کے مقابلے میں عقیدہ اور نظریہ حکمران رہا اور مسلمان اس آزمائش سے ہر لحاظ سے کامیاب نکلے۔

سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول ﷺ کی وفات

نبی کریم ﷺ ۱۲ رمضان ۲ھ کو بدر کی جانب روانہ ہوئے تو اس وقت سیدہ رقیہ چیچک کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ آپ کی عمر مبارک ۲۱ برس تھی اور عبداللہ آپ کی گود میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رقیہ کی تیمارداری کی خاطر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس رہنے کا حکم دیا اس لیے سیدنا عثمان غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ ادھر زید بن

---

1. غزوہ بدر کا تفصیلی ذکر سورہ انفال میں موجود ہے۔

Marfat.com

حارثہ فتح کی نوید لے کر مدینہ پہنچے تو سیدہ رقیہ کی تدفین ہو رہی تھی۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا آپ ؐ کی دوسری صاحبزادی تھیں سب سے بڑی سیدہ زینب تھیں اور رقیہ سے چھوٹی سیدہ ام کلثوم اور سب سے چھوٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا تھیں۔ سیدہ رقیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے دو ہجرتیں کیں، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔ جب سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ سن زواج کو پہنچیں تو پیارے چچا ابو طالب کے مشورے سے نبی کریم ﷺ نے اپنے ہی خاندان کے دو نوجوانوں عتبہ اور عتیبہ سے ان کا رشتہ طے کر دیا۔ یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے۔ جب آپؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو سب سے پہلے قریش آپ کے دشمن ہوئے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ عتبہ اور عتیبہ اور ابوالعاص تینوں محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں تاکہ ان کو اپنی پڑ جائے اور اپنے ہی غم میں گھلتے رہیں۔ اس موقع پر ابوالعاص نے جو زینب کے شوہر اور ان کی خالہ کے بیٹے تھے، مشرک ہونے کے باوجود، طلاق دینے سے انکار کر دیا مگر ابولہب کے دونوں بیٹوں نے رقیہ اور ام کلثوم کو طلاق دے دی۔ ربّ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ خاندان قریش کا حسین و جمیل، شریف، باوقار، عزت دار، دنیا میں جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والا پاک طینت اور کاملُ الحیاء والایمان سیدنا عثمان کے ساتھ نورِ رسالت کی کرنوں کا جوڑ بنے گا، اس طرح سیدنا عثمان سے سیدہ رقیہ کا رشتہ ہو گیا۔ شادی کے بعد ہی سیدنا عثمان اور سیدہ رقیہ دونوں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ دونوں نے حبشہ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کی۔ سیدہ رقیہ کے ہاں ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے مگر چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ (۱)

صدقۂ فطر اور نمازِ عیدُ الفطر

یہ پہلا رمضان تھا جب مسلمانوں پر پورے مہینے کے روزے فرض ہوئے۔ یعنی ۲۸ رمضان ۲ھ کو انہیں واجب قرار دیا گیا۔ بخاری اور مسلم نے روایت بیان کی ہے کہ

---

۱ طبقات ابن سعد، ذکر سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں زکوۃ الفطر کو فرض کیا[1] حدیث میں فرض کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد واجب ہے۔ اور صدقہ فطر عید الفطر سے پہلے نکالا جاتا ہے۔ اگر عید کے بعد ادا کیا جائے تو وہ ادا نہیں ہوتا۔ اس سال اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو عیدین جیسے دو دن نصیب فرمائے جن کی خوشی ہر سال، ہر مسلمان مناتا ہے۔ عید الفطر کی نماز بھی اسی وقت واجب قرار دی گئی۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ سال میں دو دن خوشیاں مناتے اور کھیلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان دونوں کے بجائے بہتر دن عطا فرمائے ہیں یعنی عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ۔[2] یکم شوال ۲ھ کو مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں پہلی عید منائی۔ (رمضان ۲ھ میں آپؐ کی عمر مبارک ۵۴ سال ۶ ماہ اور ۲۰ دن تھی جب آپؐ نے اپنے صحابہ کے ساتھ پہلی بار نماز عید ادا کی تھی)۔ اس کے بعد آج تک مسلمان تواتر کے ساتھ سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ عیدُ الفطر رمضان کے روزوں کے اختتام پر اور عیدُ الاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے احیاء کے لیے یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔

اس لحاظ سے یہ اہم ترین واقعات تھے یعنی غزوہ بدر میں فتح عظیم، پھر زکاۃ اور صدقہ فطر اور اس کے بعد عیدین کی خوشیاں۔ اس کے علاوہ اسی سال شوال میں حضرت فاطمہ کی شادی یعنی رخصتی ہوئی نیز نبی کریم ﷺ کی زیرِ قیادت غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی قینقاع اور غزوہ سویق بھی ہوا، جب کہ محرم ۳ھ میں آپؐ خود صحابہ کے ساتھ غطفان میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کی طرف فوجی قوت کے اظہار کے لیے نکلے تاکہ یہ لوگ مدینہ کی نوزائیدہ ریاست کے لیے کوئی بڑا خطرہ بننے کی کوشش نہ کریں، چنانچہ وہ لوگ جو مدینہ پہ حملہ کرنا چاہتے تھے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۰۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۸۴۔

2 سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۱۳۴۔

Marfat.com

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے نکاح

آپ کی عمرِ مبارک ۵۵ سال اور پانچ ماہ تھی جب آپ نے حضرت حفصہ سے نکاح کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی خفیسؓ بن حذافہ سے ہوئی تھی اور دونوں نے ہجرت مدینہ کی تھی۔ خفیسؓ غزوہ بدر میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور انہی زخموں کی تاب نہ لا کر شہادت پائی۔ خفیسؓ کی کوئی اولاد سیدہ حفصہ سے نہ تھی۔ جب عدّت گزر گئی تو حضرت عمر کو ان کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی۔ اتفاق سے حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ بھی وفات پا گئی تھیں۔ انہوں نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ میری بیٹی بھی بیوہ ہو گئی ہے اس سے نکاح کر لو۔ حضرت عثمان خود اکیلے اور انتہائی پریشان تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان سے بہتر کوئی فرد نظر نہ آیا، دوسرا یہ کہ وہ عثمان کا غم بھی ہلکا کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت عثمان نے پہلے کوئی جواب نہ دیا، پھر کہا عمر میرا ابھی ارادہ نہیں۔ اس طرح حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ شادی کر لیجیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی معذرت کر لی۔ یہ بات حضرت عمر پر بہت گراں گزری کہ معاشرے کے صالح ترین دونوں افراد نے انکار کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کوئی بات چھپا کر نہ رکھتے تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں کا شکوہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> يتزوج حفصة من هو خير من عثمان و يتزوج عثمان من هي خير من حفصه[1]
>
> (حفصہ سے وہ شخص شادی کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان اس خاتون سے شادی کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہے۔)

چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے نکاح کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی تیسرے نمبر کی بیٹی سیدہ ام کلثوم کا نکاح کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان کا لقب

---

1 المقريزي (المتوفى: ۸۴۵ھ)، إمتاع الأسماع: ۶/۳۶، دار الكتب العلمية - بيروت۔

Marfat.com

ذوالنورین پڑ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا سسر بننے کی سعادت بخشی جب کہ اس سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کو سسر بنا کر ان کے لیے سعادتِ عظیمہ کا دروازہ کھولا تھا۔ اس طرح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سارے غم جاتے رہے اور سیدہ حفصہ جو شہیدِ بدر کی بیوہ تھیں، انہیں جہانوں کا سب سے اعلیٰ وافضل ساتھی نصیب ہوا۔

سیدہ حفصہ کو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طلاق دے دی تھی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس پر اس قدر روئے اور اللہ کے آگے گڑگڑائے کہ دوسرے ہی روز جبریل تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا یہ خاتون بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور روزے رکھنے والی ہے، یعنی عابدہ ہے اس سے رجوع کیجیے[1]، یہ آپ کی جنت میں بھی بیوی ہو گی۔ سیدہ حفصہ حافظۂ قرآن تھیں، عالمہ تھیں، کئی احادیث کی راویہ تھیں، صاحب الرائے تھیں۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور میں لکھا جانے والا قرآن کا نسخہ شہادتِ عمر کے بعد سیدہ حفصہ کے پاس آ گیا تھا۔ انہوں نے سیدنا عثمان کو دیا تھا اور حضرت عثمان نے اس نسخے کی کاپیاں اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں بھیجی تھیں۔ حضرت حفصہ نے مدینہ میں وفات پائی۔

مسلمانوں پر قریش کا دوسرا بڑا حملہ یا غزوۂ احد اسباب

غزوہ بدر میں بدترین شکست کے بعد قریش نے مکہ پہنچ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس وقت تک ماتم نہ کریں گے جب تک مسلمانوں سے اس کا بدلہ نہ لے لیں چنانچہ ابو سفیان جو قافلہ لے کر نکل گیا تھا اور شریکِ جنگ نہیں تھا، اس کی سربراہی میں مسلمانوں پر بڑے حملہ کی تیاری شروع ہو گئی۔ مکہ کے تمام بڑے سردار قتل ہو چکے تھے۔ ہر گھر میں ماتم کا سماں تھا۔ ہر شخص انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں کی جماعتیں اہل مکہ کی تجارتی شاہراہ پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ مسلمانوں کے لیے قریش سے کھلم کھلا جنگ کے بعد ان کا معاشی راستہ روکنا مزید ضروری ہو گیا تھا۔ قریش نے متعدد مرتبہ مدینہ پر حملہ کرنے کی

---

1 ایضاً۔

Marfat.com

کوشش کی لیکن مسلمانوں کا نظامِ جاسوسی نہایت بہترین تھا اور مسلمان مجاہدین ہمہ وقت اِرد گرد گشت کرتے رہتے تھے۔

غزوہ احد سے پہلے ابوسفیان کا حملہ

ایک مرتبہ ابوسفیان خود دو سو کی تعداد میں سواروں کے ساتھ مدینہ آیا۔ اپنے لشکر کو باہر بٹھا کر رات کے اندھیرے میں یہودیوں کے پاس آکر جنگ کے معاملات اور حملہ کرنے کے بارے میں مشاورت کی اور فیصلہ ہوا کہ یہ موقع مناسب نہیں ہے۔ مشاورت اور یہودی سردار سلام بن مشکم کے ہاں طعام و قیام کے بعد ابوسفیان اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور جاتے ہوئے ایک دستہ بھیج کر عریض نامی کھیتوں پر حملہ کرایا۔ اس دستے نے کھیتوں اور پھلوں کو نقصان پہنچانے کے بعد آگ لگادی اور ایک انصاری اور ان کے حلیف کو قتل کر کے بھاگ گئے۔ یہ اطلاع ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کا تعاقب کیا اور کرکرۃ الکدر تک گئے لیکن وہ غارت گر بھاگ چکے تھے اور جاتے ہوئے وزن ہلکا کرنے کی خاطر اپنی ستو کی بوریاں گراتے گئے جس کی وجہ سے اس تعاقب کا نام غزوہ السویق پڑ گیا۔ سویق عربی میں ستّو کو کہتے ہیں۔[1]

غزوہ احد کا ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ صفوان بن امیہ کو جو مکہ کا ایک رئیس تھا، قریش کے شام جانے والے قافلے کا سربراہ بنایا گیا تو اس نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ مسلمان راستہ روک لیتے ہیں، ہمیں اس کا کوئی مستقل حل ڈھونڈنا ہوگا۔ اس پر اسود بن عبد المطلب نے مشورہ دیا کہ مغربی راستہ چھوڑ کر مشرقی راستہ اختیار کیا جائے یعنی مکہ سے شام جانے والا اصل راستہ جو مدینہ کے قریب سے گزرتا ہے، اس کو چھوڑ کر مدینہ کے مشرق سے ہوتے ہوئے بڑا چکر کاٹ کر تبوک سے باہر نکلا جائے، اس طرح کہ موجودہ دور کے ریاض، قصیم اور عرعر سے ہوتے ہوئے مدینہ کو اپنے بائیں ہاتھ رکھ کر شام کا سفر کیا جائے۔
اس فیصلہ کی خبر مدینہ پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ نے سو گھڑ سواروں کا ایک دستہ حضرت

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۴۔

Marfat.com

زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ کیا جس نے راستے میں قافلہ پر یلغار کی اور پورا قافلہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔ صفوان سمیت کئی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے قافلے کو راستہ بتانے والے فرات بن حبان کو گرفتار کر لیا اور بہت بڑی مقدار میں مالِ غنیمت حاصل کیا جو تقریباً ایک لاکھ درہم کے برابر تھا۔ یہ واقعہ بھی غزوہ احد کا ایک سبب بنا کہ قریش نے فیصلہ کیا کہ روز روز کے اس قصے کو ختم کر کے ہی دم لیا جائے۔

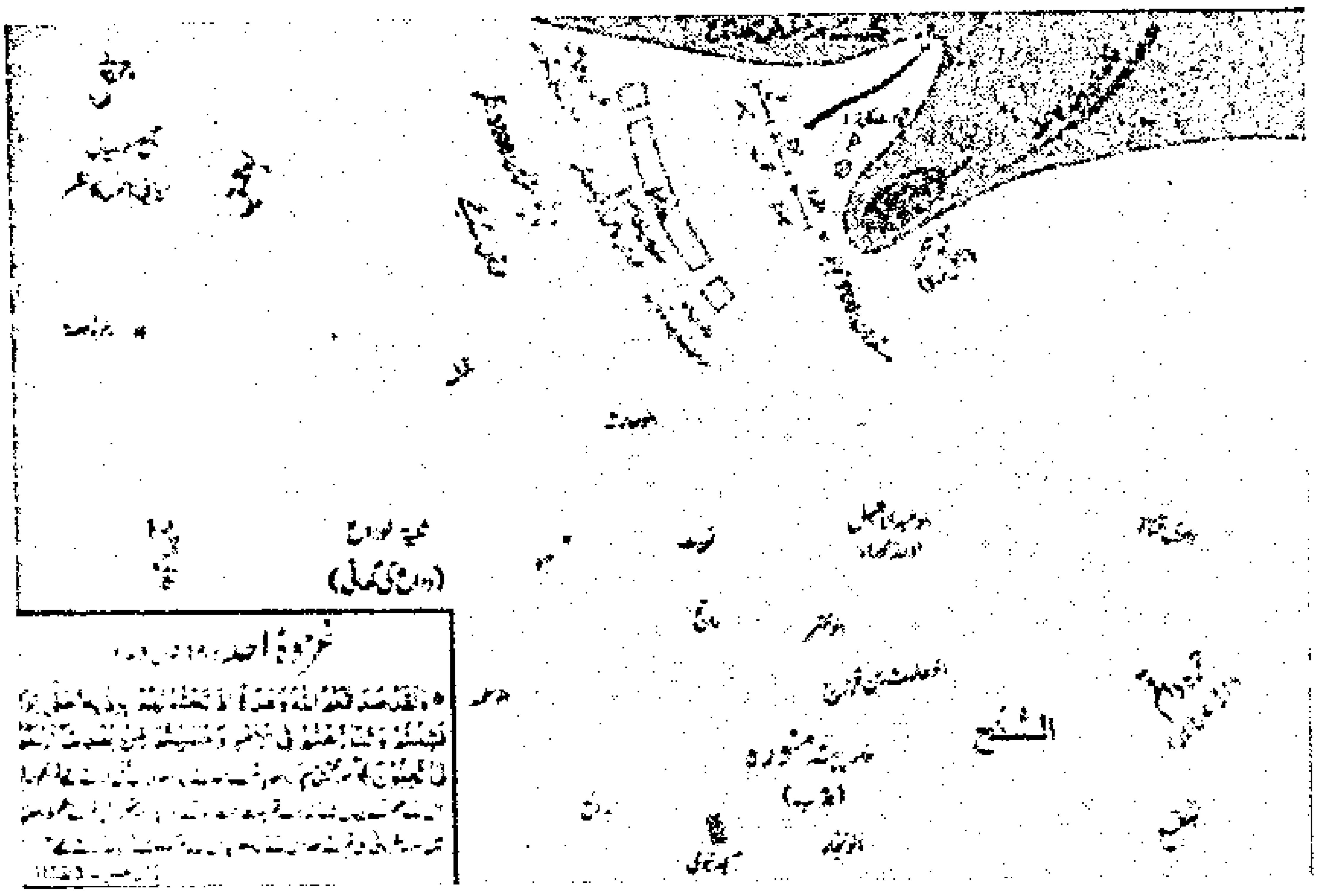

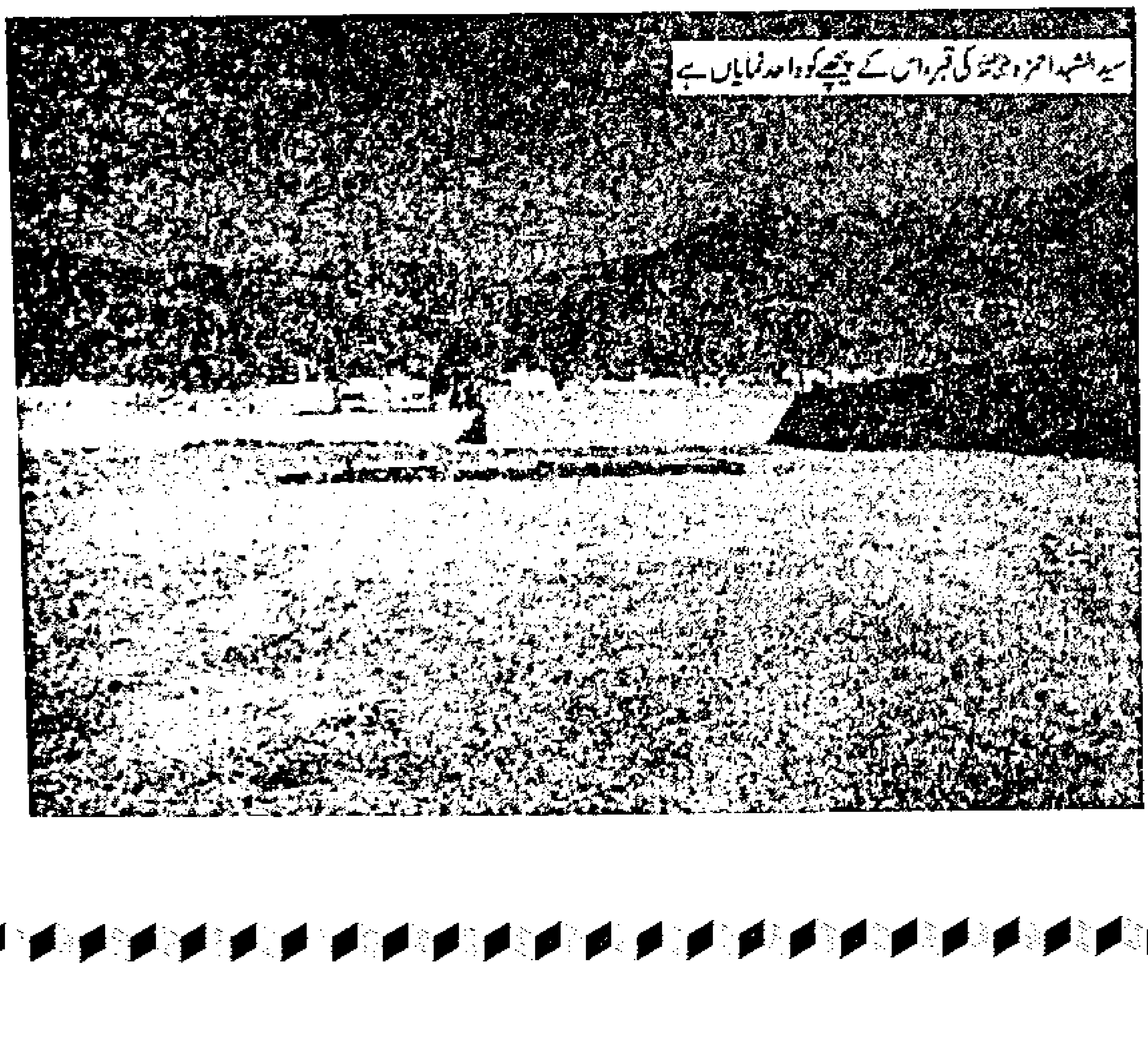

Marfat.com

غزوہ احد کے لیے لشکر مکہ کی روانگی

مکی لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جن میں ایک ہزار قریش اور دو ہزار دیگر قبائل کے لوگ تھے۔ ان کے پاس تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہیں تھیں۔ قریش اپنے ساتھ ۱۵ یا ۱۷ عورتیں بھی لائے تھے جن کی سردار ہند زوجہ ابوسفیان تھی۔ ابوسفیان اس فوج کا کمانڈر تھا اور خالد بن ولید گھڑ سواروں کا قائد جب کہ عکرمہ بن ابی جہل بھی اس کے مرکزی قائدین میں شامل تھا (یہ تینوں بعد میں مسلمان ہوئے)۔

عَلَم برداری کا فریضہ قبیلہ عبدالدار ہی کے پاس تھا جن کے بارہ افراد غزوہ بدر میں باری باری قتل کر دیئے گئے تھے۔ جوشِ انتقام اس قدر زیادہ تھا کہ اس قبیلہ کے افراد نے بہادری کے بے مثال ریکارڈ قائم کیے۔ ان بارہ میں سے آٹھ علم برداروں کو صرف حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔

میدان احد کا انتخاب

مدینہ منورہ حاضری دینے والے اکثر مسلمان میدان احد کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور یقیناً وہاں جا کر مسلمان کا ایمان اور جذبۂ ایمانی خوب بڑھ جاتا ہے۔ یہ جگہ موجودہ مسجد نبوی اور اس وقت کے مدینہ منورہ سے شمال کی جانب اور پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اور آج کل مدینہ شہر تقریباً اس پہاڑ تک پھیل چکا ہے۔ رنگ روڈ میدانِ احد کے پاس سے گزرتی ہے۔ آج کل کا احد غالباً مقبرہ احد ہے جہاں ستر صحابہ کرام کے مقابر ہیں۔ اگر چار دیواری سے اندر دیکھیں تو سیدنا حمزہؓ کی جگہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ باقی سب معمولی نشانات ہیں۔ یہیں پر وہ ٹیلہ بھی ابھی تک موجود ہے جہاں رسول اللہ نے حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ۵۰ تیر اندازوں کا رسالہ مقرر کیا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قریشی لشکر مدینہ شہر سے گزر کر دوسری جانب کوہ احد کے دامن میں لنگر انداز ہوا۔ اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایک قافلہ لاہور سے اسلام آباد کے لیے نکلے اور وہ اسلام آباد شہر میں داخل ہونے کے بجائے مشرقی جانب سے کہوٹہ نیلور اور بھارہ کہو کے پیچھے سے ہوتا ہوا مارگلہ پہاڑی کے دامن میں پڑاؤ کرے۔

Marfat.com

دراصل لشکرِ قریش کی جاسوسی کا نظام نہ ہونے کے برابر تھا۔ انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ مسلمان مدینہ سے باہر نہیں نکلیں گے اور ہم احد کے دامن میں جہاں ارد گرد کھجوروں کے باغات اور چشمے، ہیں اور زمین بھی نرم ہے، یہاں آرام کرنے کے بعد مدینہ شہر میں داخل ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس مدینہ میں مشاورت کے بعد طے پایا کہ ہم احد میں جا کر آمنے سامنے لڑیں گے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مدنی لشکر مکی لشکر سے گزر کر بالکل پہاڑ کے دامن میں اترا اور یہ جگہ نسبتاً بلند تھی۔ پیچھے متصل پہاڑ تھا۔ آپ کے ساتھ ۱۰۰۰ افراد تھے جن میں سے ۳۰۰ منافقین عبداللہ بن اُبَی کے ساتھ عین میدان سے واپس آ گئے۔ اس طرح ایک طرف سات سو نہتے مجاہدین اور دوسری طرف تین ہزار اسلحہ سے لیس، اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار مشرکین تھے جو انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ معرکے کے آغاز ہی میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت طلحہ، حضرت ابو دجانہ، حضرت ابو عبیدہ، الغرض تمام صحابہ نے جانثاری کی تاریخ رقم کی اور دیکھتے ہی دیکھتے مشرکین کو ان کے خیموں سے بھی پرے دھکیل دیا، تمام عَلَم بردار قتل کر دیئے گئے، مشرکین کا عَلَم زمین پر گر گیا اور اسے اٹھانے والا کوئی نہ بچا۔ اس طرح مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ پسپا ہو گئے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ٹانگوں سے کپڑے اٹھا کر بھاگنے لگیں۔[1] جب مسلمان مکمل طور پر فتح حاصل کر چکے تو مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ ادھر ۵۰ افراد کا دستہ جو پہاڑی پر تعینات تھا اور جس نے اپنا کام بخوبی سرانجام دیتے ہوئے تین مرتبہ خالد بن ولید کے حملہ کو پسپا کیا تھا، جب کہ خالد بن ولید دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ عقب سے حملہ کرنا چاہتا تھا، جبل رماۃ پر متعین ان لوگوں نے جب دیکھا کہ کفار بھاگ چکے ہیں اور مالِ غنیمت سمیٹا جا رہا ہے تو وہ بھی اسے جمع کرنے دوڑ پڑے۔ ان

---

1 احادیث اور سیرت میں یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دیکھیے، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۴۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲/۷۷۔

Marfat.com

کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت سمجھایا کہ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تم نے اس وقت تک پہاڑی مورچہ نہیں چھوڑنا جب تک کہ میں حکم نہ دوں، چاہے تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں اور چاہے تم دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت جمع کر رہے ہیں، تم نے اسی جگہ پر ڈٹے رہنا ہے[1] لیکن تیر اندازوں نے اپنے کمانڈر کی بات یہ کہہ کر نہ مانی کہ اب ہم جیت چکے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا کر مالِ غنیمت جمع کریں گے۔ یوں چالیس تیر انداز پہاڑی چھوڑ گئے۔ اب صرف دس تیر انداز باقی تھے۔ یہ دیکھ کر خالد بن ولید اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ لوٹا اور تمام تیر اندازوں کو قتل کرتا ہوا مالِ غنیمت سمیٹنے والے مسلمانوں پر پیچھے سے بھرپور حملہ کر دیا اور نعرہ لگایا تو آگے بھاگنے والے مشرکین بھی پلٹ آئے۔ اس طرح مسلم لشکر جیسے چکی کے دو پاٹوں میں پس گیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو کوئی راستہ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اس بھگدڑ میں خود مسلمان مسلمانوں پر تلواریں چلانے لگے۔ خالد بن ولید کا لشکر نبی کریم ﷺ کے بالکل قریب آ گیا اور آپ ﷺ کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر جانثاران نبی یکے بعد دیگرے دفاعِ رسول میں کٹنے لگے۔ ۷ صحابہ کرام نے تیروں اور تلواروں کے آگے ڈھال بن کر آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ حضرت ابو دجانہ دشمن کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے اور اس قدر تیر جسم پر لگے کہ تیر ہی تیر نظر آتے تھے، جسم کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا اور اس طرح شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

محمد ﷺ کے شہید کر دیے جانے کی افواہ

اسی دوران میں یہ افواہ پھیل گئی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کے گرد گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ جو نو صحابہ کرام آپ کی حفاظت پر مامور تھے ان میں سے ۷ کٹ چکے تھے، صرف حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ باقی رہ گئے

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۹۱۔

Marfat.com

تھے۔[1] مشرکین آپ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ عتبہ جو سعد بن ابی وقاص کا بھائی تھا اس نے آپؐ پر منجنیق سے پتھر پھینکا جس سے آپ گر گئے اور آپ کا داہنا پچھلا دانت شہید ہو گیا۔ عبد اللہ بن شہاب زہری نے آپ کی پیشانی پر وار کیا۔ عبد اللہ بن قمئہ نے آپ پر تلوار سے وار کیا جو آپ کے کندھے پر لگا۔ زرہ کی وجہ سے زیادہ زخم تو نہ آیا، البتہ آپ ایک ماہ تک اس کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اس نے ایک اور وار کیا جس سے چہرہ مبارک زخمی ہوا اور خود کی دو کڑیاں اس میں گھس گئیں، آپ زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے، سر پر شدید چوٹ تھی۔ یہ انتہائی نازک موقع تھا۔ ایک طرف دو صحابہ اور دوسری طرف ۱۰۰ شہسوار تھے۔ جب آپ نے باآواز بلند صحابہ کو پکارا تو جس کے کان میں آواز پڑی، دوڑ کر آپ کی طرف آیا، یُوں تقریباً ۱۲ صحابہ آپ کے قریب پہنچ گئے اور پہلے سے موجود دونوں صحابہ کی جانبازی میں ان کا ساتھ دینے لگے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی تھی۔ ان کی شہادت سے یہ افواہ ہر طرف پھیل گئی کہ محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ صحابہ کرام مایوس ہو گئے، کئی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے، چند مدینہ کی طرف چل پڑے، کسی کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس انتہائی انتشار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کی انتہا میں صحابہ کے رویے مختلف تھے۔ بعض نے کہا کہ جس کام کی خاطر آپ کی جان قربان ہو گئی، اس پر ہم بھی قربان ہوں گے، کسی نے کہا اب جینے کا کیا فائدہ، کسی نے کہا محمد ﷺ تو اپنا دین پہنچا چکے تھے، اب ہمیں آگے کام کرنا ہے۔ اس انتہائی نازک صورت حال میں جب صرف حضرت طلحہؓ رسول اللہ کا دفاع کر رہے تھے، سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ طلحہ آپ کے آگے بچھ رہے ہیں۔ ابو بکر صدیق فرماتے ہیں میں نے دیکھتے ہی کہا طلحہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ نے مجھے اور ابو عبیدہ سے فرمایا اپنے بھائی (طلحہ) کو سنبھالو اس نے جنت واجب کر لی ہے۔ بعد میں

---

1 ایضاً، حدیث نمبر: ۱۷۸۹۔

Marfat.com

حضرت ابو دجانہ، علی بن ابی طالب، عمر بن الخطاب، ابو طلحہ، مالک بن سنان، سہل بن حُنیف، ام عمارہ نسیبہ بنت کعب، حاطب بن ابی بلتعہ، قتادہ بن نعمان اور مالک بن سنان بھی پہنچ گئے۔[1]

دفاع کا خوبصورت انداز

یہ موقع تھا جب مشرکین مسلمانوں پر مکمل طور پر غالب آ چکے تھے اور کئی مسلمان جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ مسلمانوں نے جانبازی کے ایسے مظاہرے کیے کہ تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مذکورہ بالا ۱۰ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کے گرد اس انداز میں حصار قائم کیا کہ سب کی پیٹھیں نبی کریم ﷺ کی جانب تھیں اور چہرے دشمن کی طرف تھے۔ وہ گول دائرے کی صورت میں آپ کا دفاع کرنے لگے مگر مشرکین نے مزید گھیرا سخت کر لیا۔ ان انتہائی نامساعد حالات میں ان دس صحابہ کرام نے اس انداز سے دشمن کو روکا کہ جنگ کا پانسہ پھر پلٹ گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے دور سے دیکھا تو خوشی سے با آواز بلند پکارنے لگے حضور تو زندہ ہیں، جس سے مسلمانوں میں ایک مہمیز سی پیدا ہوئی، اس خوشی کی لہر نے جمے خون کو گرما دیا اور صحابہ کرام پوری پامردی اور حوصلے سے دوبارہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ اس طرح حضور اکرم صحابہ کے ساتھ اپنے خیموں تک پہنچ گئے لیکن ابو سفیان اور خالد بن ولید نے وہاں تک بھی پیچھا کیا۔ اس وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کے ساتھ مل کر انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

مشرکین میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ محمد (ﷺ) قتل کر دیے گئے ہیں اس لیے زیادہ تر نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ ان کی بعض عورتیں مسلمان شہداء کا مثلہ کر رہی تھیں۔ اس موقع پر ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبا لیا اور ان کے کان اور

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت و تاریخ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہیں جیسے دیکھتے ہیں ابن ہشام، ابن سعد، واقدی۔۔۔۔

Marfat.com

ناک کاٹ کر ہار بنالیا۔ دیگر کئی اور شہداء کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ ابوسفیان نے جانے سے پہلے باآواز بلند پوچھا کہ کیا محمد زندہ ہیں؟ مسلمانوں نے حکم نبوی پر خاموشی اختیار کی۔ اس نے پوچھا کیا ابو بکر زندہ ہیں؟ پھر سب خاموش رہے، پھر اس نے کہا کیا عمر زندہ ہیں؟ اس طرف سے سب خاموش رہے۔ اس نے کہا چلو ان سے تو جان چھوٹی۔ یہ سن کر حضرت عمر نے باآواز بلند کہا: او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں اور ابھی تیری رسوائی کا سامان باقی ہے۔ الغرض اس نے حضرت عمر سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی محمد زندہ ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ابوسفیان نے کہا آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر ملاقات ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کے ذریعے سے کہلوایا کہ ٹھیک ہے اب یہ ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہے۔

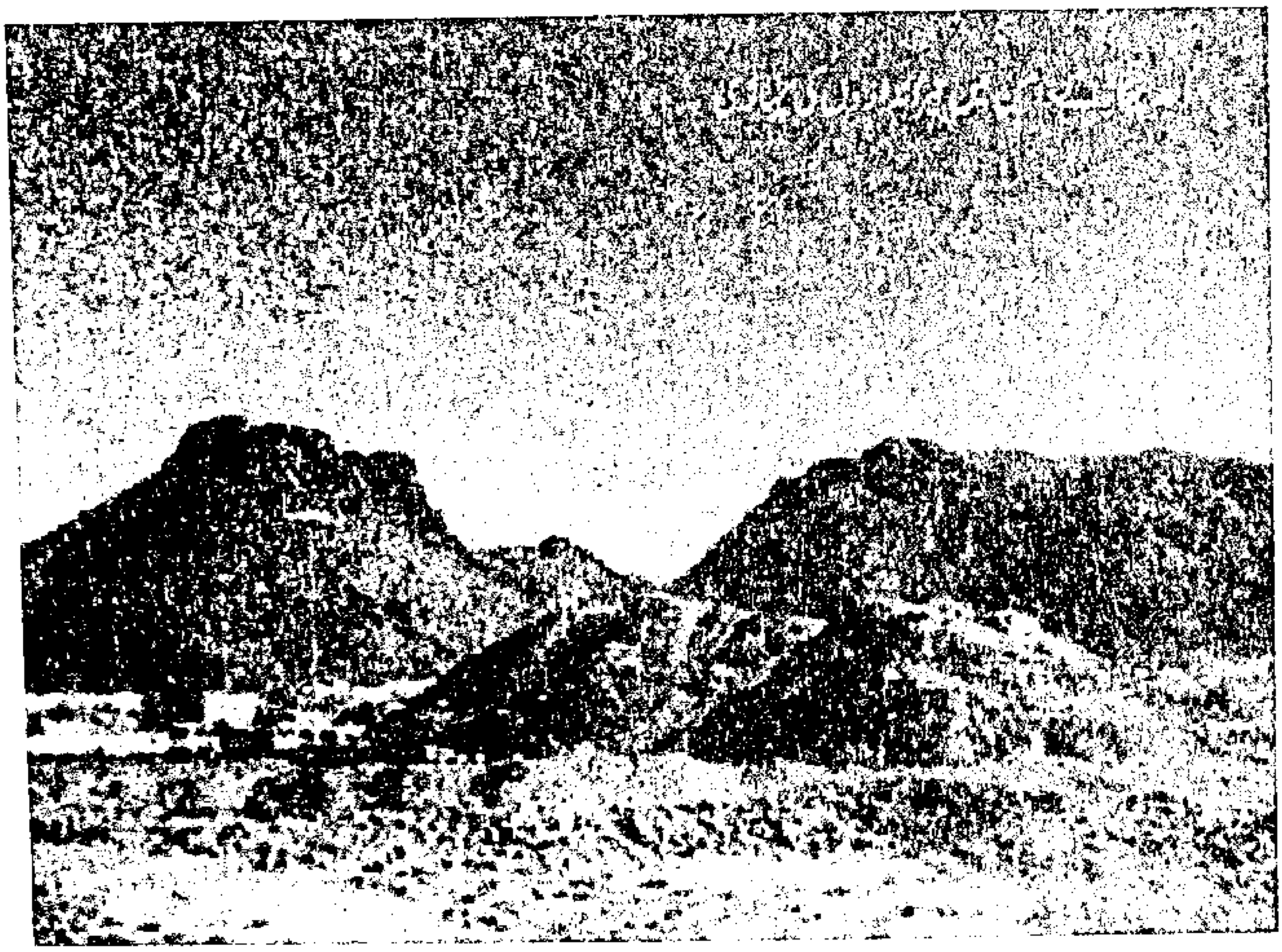

Marfat.com

حمـــراءُ الاسد تک دشمن کا تعاقب

۷شوال کی رات آپ ﷺ نے غزوہ احد کے اسباب و نتائج پر غور و خوض میں گزاری اور علی الصبح یہ اعلان فرمایا کہ جو لوگ احد میں شریک تھے، سب تیار ہو جائیں، ہم نے دشمن کا پیچھا کرنا ہے۔ اس پر زخموں سے چور صحابہ کرام تیار ہو گئے حالانکہ ہر گھر میں ماتم برپا تھا لیکن آپ سمجھتے تھے کہ اس موقع پر اگر پیچھا نہ کیا گیا تو کہیں دشمن پلٹ کر مدینہ پر حملہ نہ

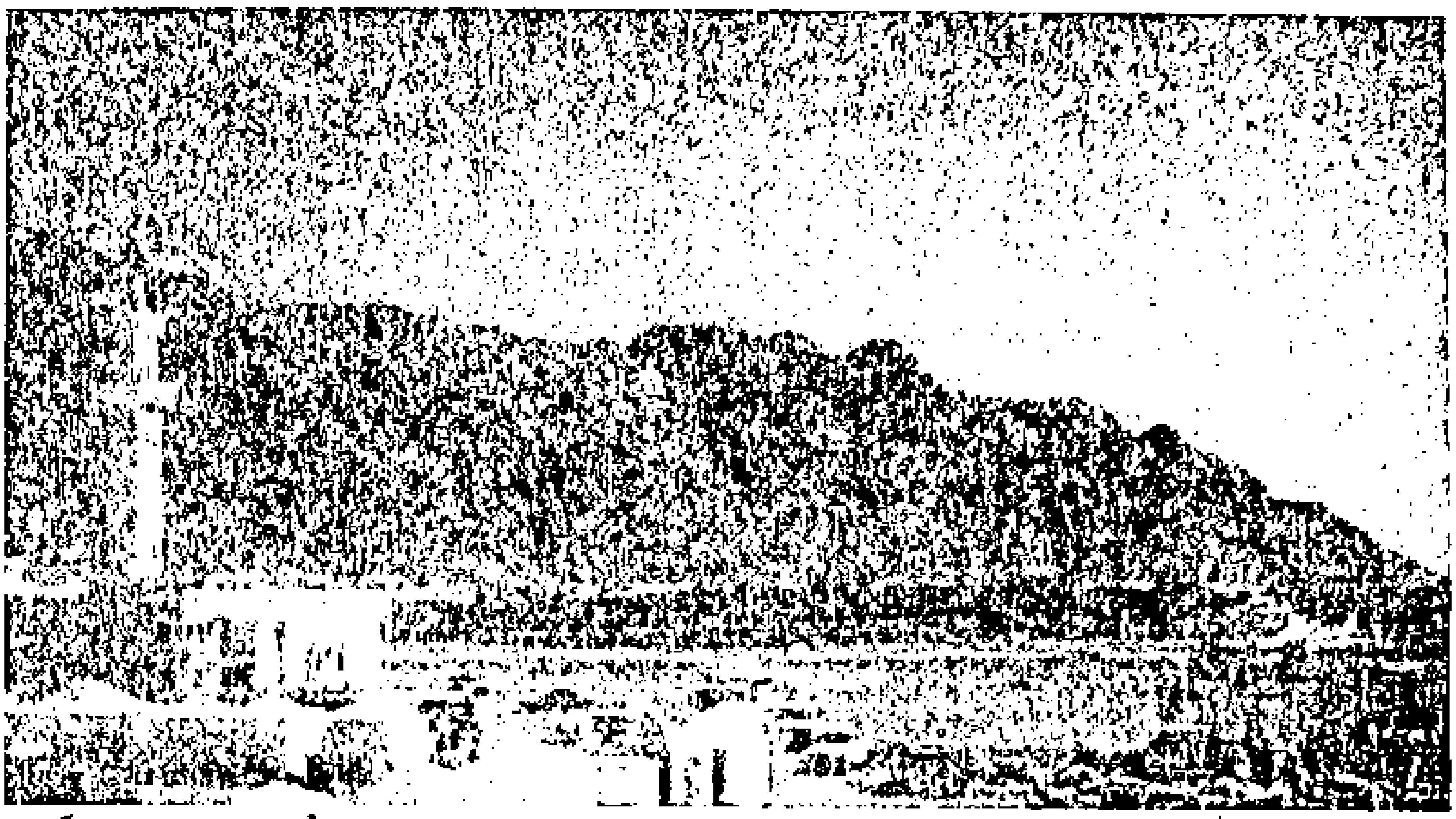

کر دے۔ آپ ﷺ مدینہ سے ۸ میل دور حمراء الاسد پہنچ گئے اور دشمن کو اطلاع بھیجی کہ ہم تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔ ادھر لشکر قریش واقعی واپسی کا ارادہ کر چکا تھا۔ تقریباً ۳۶ میل کے فاصلے پر پہنچ کر انہیں خیال آیا کہ ہم نے واپس آکر غلطی کی ہے، ہم تو جیت چکے تھے اب دوبارہ واپس جا کر مسلمانوں کی جڑ کاٹ دیں لیکن مسلمانوں کے تعاقب کی خبر نے ان پر ایسا رعب طاری کیا کہ انہوں نے مکہ واپسی ہی میں عافیت سمجھی۔ آپ ﷺ نے ۹، ۱۰ شوال ۳ھ، وہیں حمـــراء الاسد میں قیام کیا اور پھر واپس مدینـــہ منورہ تشریف لے آئے۔

غزوہ احد میں فتح کس کی ہوئی

غزوہ احد میں کفارِ قریش انتقام کی غرض سے آئے تھے اور انہوں نے حملہ بھی کر دیا لیکن جنگ کا پہلا دور مکمل طور پر مسلمانوں کے حق میں رہا اور کفار کے قدم اکھڑ گئے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا، دوسرا دور وہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم رسول کی نافرمانی کی سزا سارے لشکر کو دی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تیر انداز

Marfat.com

اپنی جگہ پر رہیں اور کسی بھی حالت میں وہاں سے نہ ہٹیں جب تک کہ میں حکم نہ دوں لیکن صحابہ نے اجتہاد کر کے پہاڑی چھوڑ دی جس کے نتیجے میں جنگ کا پانسہ کفار کے حق میں مکمل طور پر پلٹ گیا، تاہم یہ دوسرا دور مکمل نہیں ہوا تھا کہ کفار کی فوج نے اپنا سامان سمیٹا اور واپس چل دیے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کفار فاتح رہے تھے تو فتح حاصل ہونے کی عربوں میں چند نشانیاں تھیں جو پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً (۱) فاتح مفتوحین کو تہس نہس کر کے میدان میں دو تین روز رہتے۔ (۲) فاتح مال غنیمت جمع کرتے۔ (۳) فاتحین مفتوحین میں سے جو ہاتھ لگتا اسے قیدی بنا لیتے (۴) فاتحین شہر پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کا اعلان کرتے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ شہر بالکل قریب تھا اور مسلمان فوج زخموں سے چور احد میں پڑی تھی، اس کے باوجود وہ لوگ نہ تو مدینہ کی طرف گئے اور نہ مسلمانوں کو قیدی بنا کر ساتھ لے گئے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان نے خود ہی یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ہم فاتح نہیں ہیں بلکہ ویسے ہی جنگ ختم کر کے جا رہے ہیں۔ دوسری جانب مُسلم لشکر کو لیجیے کہ پہلے دور میں وہ فاتح رہا لیکن دوسرے دور میں انتہائی نازک صورتِ حال رہی، شکست مکمل طور پر نظر آ رہی تھی لیکن چند جانبازوں نے نہ تو عَلم گرنے دیا اور نہ دشمن ان کے سپہ سالار تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس لحاظ سے جنگ میں مسلمانوں کی شکست ہو جانے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ (۱) مسلمانوں نے آخر وقت تک میدان نہیں چھوڑا۔ (۲) کفار مسلمانوں کی قیام گاہ اور خیموں تک نہ پہنچ سکے۔ (۳) مسلمانوں کو واپس بھاگنے پر اور میدان چھوڑنے پر مجبور نہ کر سکے۔ (۴) آخری وقت جنگ ختم ہو گئی، قریش احد چھوڑ کر چلے گئے لیکن مسلمان احد ہی میں موجود رہے۔ ان امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی۔ مزید بر آں اگر یہ دیکھنا ہو کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی یا نہیں تو یہ دیکھیں کہ (۱) میدان جنگ میں آخری موقع پر

---

۱ پوری مدنی زندگی میں جتنے بھی غزوات ہوئے ان میں صرف ایک مسلمان قیدی ہوا

Marfat.com

قریش کا پلڑا بھاری تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو بالکل مجبور کر دیا تھا۔ (۲) مسلمانوں کے ستر کے لگ بھگ فوجی شہید ہو چکے تھے۔ کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کے مثلے کر دیے تھے۔ (۳) میدانِ احد میں کفار ہی فاتحانہ گھوم رہے تھے۔ (۴) مسلمانوں میں سے بعض افراد مدینہ کی طرف بھاگ چکے تھے، تاہم مسلمانوں نے آخری دم تک نہ تو ہتھیار پھینکے اور نہ مغلوب ہوئے۔ علامہ ابن قیم، مولانا صفی الرحمان مبارک پوری اور قاضی سلیمان منصور پوری نے اس پر یہی رائے دی ہے کہ اس جنگ کا فیصلہ ہار جیت کی صورت میں نہیں ہوا تھا، بس فریقین میں لڑائی ہوئی اور فیصلہ کن مرحلہ نہیں آیا۔ البتہ کفار خوش تھے کہ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ فیصلہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابو سفیان نے جاتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ہمارا مقابلہ آئندہ سال بدر کے میدان میں ہو گا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ ٹھیک ہے، ہم تیار ہیں۔ [1]

قرآن کریم نے بھی اس غزوے پر یہی تبصرہ کرتے ہوئے فریقین کی جنگ کو غیر فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ [2]

قوم کے پانے میں کمزور نہ پڑو۔ اگر تم کو تکلیف ہو رہی ہے تو ان کو بھی تمہاری طرح تکلیف ہو رہی ہے اور تم اللہ سے اس بات کی امید رکھتے ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے۔

غزوہ احد سے حاصل ہونے والے فوائد

ا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے کے بجائے اجتہاد سے

---

1. سیرۃ ابن ہشام غزوۂ احد: ۲/ ۶۰۔
2. سورۃ آل عمران، ۳: ۱۰۴۔

Marfat.com

کام لیا جس سے یہ نقصان ہوا کہ بالکل جیتی ہوئی جنگ ہاتھ سے نکل گئی۔

۲۔ تکلیف اور غلطی کے بعد انسان سنبھل جاتا ہے اور آئندہ اس طرح کی غلطی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھی ابتلاء سے گزار کر کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

۳۔ آزمائش کی گھڑی میں واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ سچا کون ہے اور مخلص کون، کمزور دل کون ہے اور منافق اور دشمن کون۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا وہ سب ظاہر ہو گئے۔

۴۔ اس جنگ میں صبر اور استقامت کی اعلیٰ تعلیم دی گئی۔

۵۔ بعض مسلمانوں نے ایمان بالآخرۃ اور نبی کریم ﷺ کے فرمان پر ایسے عمل کیا کہ دنیا کے لیے اس سے بڑی مثال نہیں ملتی جیسے کھجور کھاتے ہوئے پھینک دینا کہ جنت میں اس سے اچھی کھجور ملے گی۔

۶۔ اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے کر بلا تاخیر جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اصیرمؓ نامی صحابی نے کلمہ پڑھا، جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں انہوں نے کوئی بھی نماز نہ پڑھی تھی۔ [1]

۷۔ اسلام کے لیے لڑ مرنے پر جنت ہے اور قومیت پہ لڑنے اور مر جانے والے کے لیے جہنم ہے۔ اس کی مثال غزوہ احد میں قزمانی نامی شخص کی ہے جس نے بڑی دلیری سے داد شجاعت دی اور زخموں سے چور اپنے محلے میں پہنچا اور کہنے لگا میں اپنی قوم کی خاطر لڑ رہا تھا، اور کوئی مقصد نہ تھا۔ بالآخر اس نے شدتِ تکلیف سے خود کو ذبح کر

---

1 ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۹۴۔

Marfat.com

دیا۔[1]

سیدہ زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۵ سال ۹ ماہ تھی جب آپ نے سیدہ زینب بنت خزیمہ سے عقد نکاح کیا۔ یہ ذی القعدہ یا ذی الحجہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔ سیدہ زینب بنت خزیمہ، قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں ان کے پہلے شوہر کا نام جہم بن عمرو تھا، جو ان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس سے علیحدگی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی بیوی بنیں اور وہ بدر میں شہادت پا گئے تھے۔[2]

ایک روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن جحش سے نکاح ہوا تھا اور انہوں نے احد میں جام شہادت نوش فرمایا تو یہ بیوہ ہو گئیں۔ قاضی محمد سلمان نے رحمۃ العالمین میں دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔[3] حضورؐ سے نکاح کے بعد چند ماہ تک حیات رہیں اور پھر ربیع الثانی ۴ ہجری میں وفات پا گئیں۔ بوقت وفات عمر مبارک صرف ۳۰ برس تھی۔ سیدہ زینب دوسری اور آخری زوجہ طاہرہ تھیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ آپؐ نے خود جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ سیدہ خدیجہ اور سیدہ زینب کے علاوہ تمام امہات المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندہ رہیں۔

سیدہ زینبؓ نے بیت نبوی میں انتہائی قلیل عرصہ گزارا اور عنفوان شباب ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئیں لیکن ایسے دو القاب آپ کی ذات گرامی کے ساتھ منسلک ہو گئے جن سے بہتر القاب نہیں ہو سکتے، ایک ام المساکین اور دوسرا ام المؤمنین۔ آپ ہمیشہ مساکین و فقرا کا خیال رکھتی تھیں اور ان پر خرچ کرتیں۔ جود و سخا کی یہ صفت اسلام لانے کے بعد نہیں بلکہ قبول اسلام سے پہلے، بلکہ دورِ جاہلیت ہی میں وہ ام المساکین کے لقب سے مشہور ہو گئی

---

1. ایضاً: ۲/۹۷۔
2. سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۴۷۔
3. منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۲/۴۴۶۔

Marfat.com

تھیں۔

قانون وراثت کی تفصیل

قانون وراثت کی تفصیل سورۃ نساء کی متعدد آیات میں نازل ہوئی۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرنے والوں کے ورثاء جن میں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ ماں کی طرف کے رشتہ داروں کا بھی ذکر بھی کیا اور قانون وراثت میں کوئی ابہام باقی نہ رہا۔ اس سے پہلے ذوی الفروض کا ذکر ہوتا تھا لیکن اب ذوی الارحام کا بھی ذکر کیا گیا نیز ماں باپ اور بیوہ کے حصوں کی تفصیل بیان ہوئی۔ اب تک مسلمان مشرکہ عورت سے شادی کر سکتا تھا اور جن صحابہ کرام کی بیویاں مشرک تھیں وہ ان کے ساتھ رہتی تھیں مگر اب یہ حکم نازل ہو گیا کہ مسلمان مشرکہ سے شادی نہ کرے، اگرچہ وہ اسے کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگے۔

حرمت شراب کا حکم

اسلام کے احکام میں تدریج کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ الٰہی تعلیمات میں اس کی سب سے بڑی مثال حرمتِ شراب ہے۔ شراب مکہ ومدینہ میں ایک متداول مشروب تھا۔ ہر خاص وعام شراب بناتا اور پیتا تھا۔ اس کو پینا نہ صرف یہ کہ عار یا شرم کی بات نہ تھی بلکہ شرابی کو سخی وکریم کا لقب دیا جاتا تھا۔ جس کے ہاں زیادہ شراب نوشی ہوتی وہ قوم کا لیڈر ہوتا تھا اور حالت شراب میں لوگ آپے سے باہر ہو جاتے تو ان کی سخاوت، کرم، شجاعت اور بندہ پروری نمایاں ہو جاتیں، نہ انہیں جان کی فکر رہتی تھی نہ مال کی۔ اس لیے ایسی عادت کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انتہائی حکیمانہ اسلوب اختیار کیا۔ سب سے پہلے مکہ مکرمہ ہی میں حکم نازل ہوا:

وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا (1)

"(اسی طرح) کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق

---

1 سورۃ النحل: ۶۷۔

Marfat.com

بھی۔یقیناً اِس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔"

اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ یہ جو تم ان پھلوں سے بناتے ہوں اس میں سکر (نشہ) بھی ہے اور اچھا رزق بھی، یہ دو قسم کے کھانے پینے ہیں اچھے اور نشہ والے۔

اس کے بعد ایسے بھی ہوتا تھا کہ بعض لوگ مسجد میں آتے، نماز پڑھتے لیکن نشے کی وجہ سے انہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ کیا پڑھا اور کتنا پڑھا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس بات سے پریشان تھے کہ شراب حلال بھی ہے اور حالت غیر بھی کر دیتی ہے۔اب دوسرا حکم نازل ہوا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا [1]

"پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

اس آیت میں گزشتہ آیت کی نسبت زیادہ تفصیل سے بتا دیا گیا کہ اس میں نفع تو ہے لیکن گناہ نفع کی نسبت بہت زیادہ ہے مگر اب بھی حرمت کا واضح حکم نہیں دیا گیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کے بارے میں نفرت بڑھتی چلی جائے۔ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ایک صحابی نے نماز پڑھائی اور انہیں نشے کی وجہ سے پتہ ہی نہ چلا کہ قرآن کتنا اور کیا پڑھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بات پہنچی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ [2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اُس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔"

اس آیت میں شراب پینے کے بعد نماز پڑھنے سے روک دیا گیا یہاں تک کہ نشہ کی

---

[1] سورۃ البقرۃ:۲۱۹۔

[2] سورۃ البقرۃ:۴۳

Marfat.com

حالت جاتی رہے۔ اسی طرح ظہر کے بعد لوگ شراب نہ پیتے کیونکہ عصر تک نشہ نہ جاتا تھا، عصر کے بعد اس لیے نہ پیتے کہ مغرب کی نماز خراب نہ ہو اور مغرب کے بعد اس لیے نہ پیتے کہ عشاء کی نماز خراب نہ ہو اور عشاء کی نماز تاخیر سے ہوتی اس لیے بعد میں نیند کے غلبے سے یہ کام نہ ہو پاتا۔ اس طرح لوگوں میں یہ عادت کم تر ہوتی چلی گئی۔

آخری حکم

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ اللہ تعالیٰ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی قطعی حکم دے دے تاکہ ہم یکسو ہو جائیں۔[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ربیع الاول ۴ ہجری میں قطعی حکم نازل فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جُوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، اُمیّد ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔"

حکمت الٰہی کے مطابق بتدریج اس عادت کو پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا، اب جو شخص شراب پی رہا تھا اس نے پیالہ ہاتھ سے چھوڑ دیا، جس کے حلق میں تھی اس نے الٹی کی، جس کے گھر مٹکے پڑے تھے اس نے مدینہ کی گلیوں میں بہا دیے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے، جو یہ آیت پڑھے اور اس کے پاس شراب ہو تو نہ اسے پیئے اور نہ بیچے۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے شراب گلیوں میں بہا دی۔[3]

---

۱ المستدرک علی الصحیحین کتاب التفسیر، ۳۱۵۶، ۳۱۵۵۔

۲ سورۃ المائدۃ: ۹۰۔

۳ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۳۱۵۶۔

Marfat.com

ثمامہ کے ساتھ حکمت عملی اور فتح نجد کی نوید

جانثاران رسول مشرقی سرحدوں کی دیکھ بھال کے لیے نجد کی طرف گئے تو واپسی پر ثمامہ بن اثال نامی سردار کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: ثمامہ تمہارے پاس کہنے کو کیا ہے، تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ کہنے لگے: اے محمد! اگر آپ قتل کر دو گے تو خون کا بدلہ ہوگا،[1] اور اگر احسان کرو گے تو شکر گزار رہوں گا، اگر مال چاہتے ہو تو جتنا مانگو، ملے گا۔ آپؐ مکالمہ کے بعد تشریف لے گئے دوسرے روز پھر یہی مکالمہ، اور یہی سوال جواب ہوئے۔ تیسرے روز پھر آپؐ نے پوچھا تو ثمامہ نے وہی جوابات دیے، اس پر آپ نے فرمایا: ثمامہ کو رہا کر دو۔

رہائی کے بعد وہ فوراً قریبی نخلستان گئے، غسل کیا اور واپس آکر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد وہ اسلام کے لیے عظیم سرمایہ ثابت ہوئے۔ انہوں نے اسی موقع پر فرمایا: اللہ کی قسم اس دنیا میں آپ سے زیادہ نفرت مجھے کسی سے نہ تھی اور اب آپ سے زیادہ محبت کسی سے نہیں۔ پہلے اس دین سے برا دین کوئی نہیں لگتا تھا، اب اس دین سے اچھا دین کوئی لگتا۔ اللہ کی قسم آپ کے شہر سے ناپسندیدہ شہر میری نظر میں کوئی نہ تھا، اب اس شہر سے محبوب شہر کوئی نہیں رہا۔ میرا عمرہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن ان لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا اب آپ حکم فرمائیں تو میں عمرہ کے لیے جاؤں؟ آپؐ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ مکہ پہنچے۔ اہل مکہ نے کہا: ثمامہ! سنا ہے تم بھی بے دین ہو گئے؟

فرمایا: نہیں، میں رسول اللہ پر ایمان لا کر مسلمان بن گیا ہوں اور یہ بھی سن لو یمامہ سے تمہارے لیے گندم کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 قاضی عیاض نے یہی مفہوم بیان کیا ہے جب کہ اس کا دوسرا مفہوم یہ بنتا ہے کہ میں واجب القتل ہوں، قتل ہو جاؤں گا تو آپ پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اصل الفاظ ہیں: ان تقتل، تقتل ذا دم

Marfat.com

اجازت نہ دے دیں۔ (۱)

چنانچہ یمامہ پہنچنے کے بعد ثمامہ نے اعلان کر دیا کہ یہاں سے مکہ کے لیے کوئی اناج نہیں جائے گا بلکہ مکمل اقتصادی پابندی ہو گی جب تک کہ رسول اللہ حکم نہ دے دیں۔ اہل مکہ نبی کریمؐ کے نہ صرف جانی دشمن تھے بلکہ پے در پے حملے کر چکے تھے اور اب بھی حملے کی تیاری کر رہے تھے، اس کے باوجود انہوں نے درخواست کی کہ: اے محمد ہمارے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں، ہمارے اناج کو بند نہ کیا جائے۔ رحمت عالمؐ نے ثمامہ کو لکھا کہ اہل مکہ کو اناج لے جانے دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تدبر نے ثمامہ کو جانثار بنا دیا اور ثمامہ بہترین مؤمن ثابت ہوئے، مسلمانوں کے لیے رحمت اور کافروں کے لیے عذاب بن گئے۔ انتہائی مشکل حالات میں دین پر ڈٹے رہے۔ مسیلمہ کذاب کے زمانے میں اہل حق کے ساتھ رہے۔ وہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے مدینہ سے جا کر عمرہ کیا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ وہ یمامہ اور نجد میں دشمنانِ رسولؐ کے خلاف بہترین ہتھیار ثابت ہوئے۔

تبلیغی وفود

ادھر رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے تبلیغی ودعوتی وفود بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی سلسلہ میں عاصم بن ثابت انصاریؓ کی قیادت میں دس رکنی وفد بعض قبائل کی تعلیم و تبلیغ کے لیے روانہ کیا تو ان لوگوں نے اسلامی احکام سیکھنے کے بجائے تمام داعیانِ اسلام کو شہید کر دیا۔ اسی طرح اہل نجد کی طرف ۷۰ قراء کرام جو قرآن کریم کے بہترین معلم تھے، ان کے کہنے پر بھیجے لیکن ظالموں نے تمام افراد کو بری طرح شہید کر دیا، صرف تین صحابہ زندہ بچے جن میں سے حضرت کعب بن زید زخمی حالت میں تھے اور خندق تک زندہ رہے۔ اسی طرح حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری اور حضرت منذرؓ بن عقبہ بن عامر اونٹوں کے ساتھ تھے، انہیں خبر ہوئی تو دوڑتے ہوئے آئے، منذرؓ بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور عمروؓ بن امیہ

---

۱ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۶۴۔

Marfat.com

ضمری قید ہو کر دشمن کے قبضے میں آ گئے۔ بعد میں انہیں دشمنوں کے سردار عامر بن طفیل نے اپنی ماں کی نذر کے طور پر رہا کر دیا۔[1]

حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری نے واپسی پر قرقرہ کے مقام پر بنی کلاب کے دو آدمیوں کو بے خبری سے سوتے دیکھا تو دونوں کو دشمنی کا بدلہ لینے کی نیت سے قتل کر دیا حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا امان نامہ موجود تھا۔ آپ نے ان دونوں کی دیت ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ مسلمانوں اور یہودیوں سے دیت کی رقم جمع کرنے میں مشغول تھے کہ بنی نضیر کے محلے میں یہودیوں نے آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا جو بعد میں بنی نضیر کے مدینہ سے اخراج کا سبب بنا۔

نبی کریم کی بد دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، رحمت للعالمین ہیں لیکن مظلوموں کی دادرسی اور مدد، اور ظالموں کو آڑے ہاتھوں لینا اور ان پر بد عا کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور یہی رحمت ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بئر معونہ کے نام سے مشہور ہے جسے حادثۂ قراء بھی کہا جاتا ہے۔ آپؐ کو ان دونوں واقعات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپؐ نے ان پر ایک مہینہ لگاتار قنوت نازلہ میں بد دعا کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے صحابہ کو بئر معونہ پر بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا آپ نے تیس روز تک ان پر بد دعا کی۔ آپ نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ پر بد دعا کرتے تھے اور فرماتے تھے عصیہ نے اللہ اور رسول کی معصیت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی جس میں شہید ہونے والوں کی حکایت اس طرح بیان ہوئی: "ہماری قوم کو خبر دو کہ ہم اپنے پروردگار سے بحالت رضا ملے ہیں اور ہم اس سے راضی ہیں۔" اس کے بعد آپؐ نے قنوت کو پڑھنا بند کر دیا۔[2]

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۸۳۔

2 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۹۰۔

Marfat.com

بنی نضیر کی بدعہدی اور سزا

مذکورہ بالا واقعات کے بعد یہودیوں کی جرأت وجسارت اس قدر بڑھ گئی کہ انہوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی کلاب کے ان دو مقتولین کی دیت جمع کرنے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ آپؐ بنی نضیر کے ہاں ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور دیت کی بات کی تو یہود کہنے لگے اے ابو القاسم! آپ کی منشاء کے مطابق ہم آپ کی مدد کریں گے۔ پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ علیحدگی میں ملے اور کہنے لگے بڑا اچھا موقع ہے، ایسا موقع دوبارہ نہیں ملے گا، کیوں نہ اس شخص سے جان چھڑا لی جائے۔ کوئی آدمی اس گھر کی چھت پر چڑھے اور اوپر سے ایک بڑا پتھر یا چکی کا پاٹ دے مارے۔ عمرو بن جحاش نے کہا میں یہ کام کروں گا اور وہ مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بذریعہ وحی اطلاع کر دی اور آپ وہاں سے اٹھے اور واپس تشریف لے گئے۔ (۱)

صحابہ کرام اس سرعت اور جلدی کو نہ سمجھ سکے اور وہاں سے آپؐ کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں ایک شخص نے جو مدینہ سے آرہا تھا، بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ تب صحابہ کرام جلدی سے وہاں پہنچے اور دریافت کیا تو آپؐ نے سب کچھ بیان کر دیا۔ پھر آپؐ نے فوراً ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ مدینہ چھوڑ دو۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس کے بعد تمہارا کوئی فرد یہاں دیکھا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اب ان کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ انہوں نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن عبداللہ بن ابی جس نے احد میں مسلمانوں سے دھوکا کر کے اپنی منافقت کا پردہ خود فاش کر دیا تھا، بنی نضیر کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا: ”بھاگنے کی ضرورت نہیں، ڈٹ جاؤ، گھر بار کیوں چھوڑتے ہو؟ میرے دو ہزار آدمی تمہارے ساتھ قلعہ

---

۱ البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۸۵۔

Marfat.com

بند ہو کر لڑیں گے اور جان کی بازی لگا دیں گے اور اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی نکل پڑیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کے آگے نہ جھکیں گے، تمہاری مدد کریں گے اور بنو قریظہ اور بنو غطفان بھی تمہارے ساتھ ہیں۔"

یہ سن کر یہودیوں نے اپنے بھاگنے کے ارادے ترک کر دیے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ ہم اپنے گھر نہیں چھوڑیں گے تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔

مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ بنو نضیر نے رسول اللہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی جو جسارت کی ہے، اس کے لیے ان سے لڑنا ہے اور وقت و حالات کا تقاضا یہی ہے۔ ان حالات میں دب جانا ہمیشہ کے لیے دب جانے کے مترادف ہو گا چنانچہ جب حی بن اخطب کا جواب موصول ہوا تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا والی بنا کر بنو نضیر کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لوگ قلعے کے اندر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیے البتہ چند روز کے محاصرے کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور کوئی بھی باہر سے ان کی مدد کو نہ آیا۔ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا اور انہوں نے مدینہ چھوڑنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ جتنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہو لے جاؤ، بال بچے بھی لے جاؤ البتہ ہتھیار ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے مکانات گرائے، کھڑکیاں دروازے کڑیاں اور کھونٹیاں تک لاد کر لے گئے جب کہ ان کے باغات، زمینیں، اسلحہ اور دیگر سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوا۔ آپؐ نے اس مال میں سے خود بھی رکھا اور مدینہ کے فقیر مہاجرین میں بھی تقسیم کیا۔ اسی واقعہ کے بارے میں تفصیلی احکام سورۃ الحشر میں بیان ہوئے جہاں مالِ غنیمت، مالِ فئے (جو دشمن سے جنگ کے بغیر حاصل ہو) اور جہادی احکام مذکور ہیں۔

بدر کے مقام پر حسب وعدہ پڑاؤ

ابو سفیان نے غزوہ احد کے اختتام پر باآواز بلند کہا تھا کہ اگلے سال بدر میں ملاقات ہو گی (ان موعد کم بدر للعام المقبل)۔ آپؐ نے کہلایا تھا کہ ہم بدر میں آئیں گے (نعم ھی بیننا وبینکم)۔ چنانچہ آپ حسب وعدہ ۱۵۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ آٹھ روز تک بدر میں دشمن کا

Marfat.com

انتظار کرتے رہے۔[1] ابو سفیان بھی مشرکین کے ساتھ مر الظہران تک آیا، لیکن آگے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور قحط کا بہانہ کر کے لوٹ گیا۔

غزوہ نجد یا غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولی ۴ھ میں پیش آیا جس میں کوئی جنگ نہ ہوئی اور دشمن موقع سے فرار ہو گیا۔ نجد کی طرف سے اطلاعات مل رہی تھیں کہ بدوؤں نے ایک بھاری جمعیت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کا پروگرام بنایا ہے۔ اس اچانک یلغار سے ان کی ہوا اکھڑ گئی اور نجد میں اسلامی ریاست کی دھاک بیٹھ گئی۔ سیرت نگاروں میں اس پر اختلاف ہے کہ آیا نجد کی طرف پیش قدمی ہی کو غزوہ ذات الرقاع کہا جاتا ہے یا عسفان کی پیش قدمی کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے۔[2]

حضرت ام سلمہؓ سے نکاح

ام المؤمنین ام سلمہ کا نام ہند بنت ابو امیہ تھا اور آپ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ بھی دور جاہلیت ہی سے اعلیٰ اخلاق و کردار اور جود و کرم میں اپنی مثال آپ تھیں۔ قبل از اسلام آپ کی شادی عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال سے ہوئی۔ اپنے بیٹے سلمہ کی پیدائش پر دونوں کنیت سے معروف ہو گئے (یعنی ام سلمہ اور ابو سلمہ) اور ان دونوں کا اصل نام لوگوں کی زبان پر نہ آیا۔ ابو سلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی اور پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہونے کے ساتھ ساتھ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کرنے میں بھی اوّلیت رکھتے ہیں۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت ام سلمہ کے خاندان والوں نے ان کو اور ان کے بچے کو جانے سے روک دیا اور ابو سلمہ تن تنہا مدینہ چلے گئے۔ شوہر کے فراق میں ام سلمہ رو رو کر نڈھال ہو گئیں اور ایک سال تک مسلسل اسی جگہ

---

1 سیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۲۹۲۔

2 تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد، سیرت نبوی، غزوہ نجد، ۲۶-۲۷، صفی الرحمن مبارک پوری، رحیق المختوم، ۴۰۵۔

Marfat.com

آکر بیٹھ جاتیں اور روتی رہتی تھیں جہاں شوہر ان سے جدا ہوئے تھے۔ ابو سلمہ بھی عظیم الاستقامت تھے کہ ہجرت کی خاطر اور دین اسلام کی خاطر بیوی بچے مال واسباب، سب کچھ قربان کرتے ہوئے مدینہ چلے گئے۔ بالآخر ام سلمہ کے خاندان والوں کو خود ان پر ترس آگیا اور انہوں نے ام سلمہ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔[1] مدینہ منورہ میں ان کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے درة، عمر اور زینب۔ ابو سلمہ نے بدر میں شرکت فرمائی اور بدری ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ احد کی جنگ میں ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہوسکے، آپ نے جمادی الآخر ۳ ہجری میں وفات پائی۔ بوقت وفات زبان پر الفاظ تھے اللھم اخلفنی فی اھلی بخیر۔[2] چنانچہ ابو سلمہ کی عظیم قربانیوں اور دونوں کی خدمات، قربتِ نبوی اور کثیر العیال بیوہ ہونے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے ان کے شوہر کی آخری دعا قبول فرمالی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جانشین بنادیا۔ آپ سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو پیغام نکاح بھیجا لیکن ام سلمہ نے انکار کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح بھیجا تو قبول کر لیا اور شوال ۴ ہجری میں نکاح ہوا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، صاحبِ رائے صحابہ میں شمار ہوتی تھیں۔ عقل دانش اور علم وبصیرت میں کمال حاصل تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اصحاب کرامؓ کو آغاز میں صلح کی شرائط پسند نہ آئیں تو انہوں نے حلق و تقصیر کرانے کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے میں تاخیر کی تو آپ بہت پریشان ہوئے اور واپس اپنے خیمے میں تشریف لائے تو اہی زوجہ محترمہ سے ذکر کیا تو انہوں نے عرض کیا:

يَا نَبِيَّ اللهِ أَتُحِبُّ ذٰلِكَ؟ اخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ

---

1 البدایۃ والنہایۃ: ۴۔۱۶۹۔

2 اے اللہ میرے اہل خانہ کا بہتر بندوبست فرمانا اور اچھا نگہبان عطا فرمانا۔

Marfat.com

كَلِمَةً حَتَّى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ[1]

"اے اللہ کے نبی آپ تشریف لے جایئے، کسی سے کوئی بات نہ کیجیے،
اپنی قربانی کیجیے اور اپنے حجام کو بلایئے اور حلق کروایئے۔"

آپؐ نے ایسے ہی کیا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کی اتباع میں یہ سارے کام کر دیے۔
ان کے ہاں نزول قرآن ہوتا تھا۔ انہوں نے ۳۷۸ احادیث روایت کی ہیں۔ یزید بن معاویہ کے زمانے میں ۶۲ ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۴ برس تھی۔[2]

مُرَیسیع کا واقعہ اور اطرافِ مدینہ سے حملوں کی تیاری (شعبان ۵ ہجری)

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ قریشِ مکہ تو نوزائیدہ مدنی ریاست کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہی تھے لیکن اندرونِ مدینہ سے یہودیوں کے تمام قبائل اور منافقین بھی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قریش سے پیچھے نہ تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ارد گرد کے دیگر قبائل بھی قریش سے ملتے جا رہے تھے اور یہ منصوبہ بن رہا تھا کہ اکٹھے ہو کر مدینہ پر ایک بڑا حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے۔ واقعہ رجیع، بئر معونہ اور نجدی قبائل کی پیش قدمی اسی منصوبے کا نقطۂ آغاز تھا۔

مدینہ منورہ کے قریب ہی قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق آباد تھی جن کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں اور تعلق بن گیا تھا۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابوضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، جس کی تصدیق ہو گئی تو آپؐ ان کی بیخ کنی کے لیے ۲ شعبان ۵ ہجری کو مریسیع کے لیے روانہ ہو گئے جہاں یہ قبیلہ آباد تھا۔ بنی مصطلق تو بھاگ گئے لیکن اہل مریسیع نے مزاحمت کی بالآخر دس افراد قتل ہوئے اور چھ سو

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۳۵۔

[2] تاریخوں میں اختلافات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ۵۹ ہجری میں رحلت ہوئی تھی۔ 'رحمۃ للعالمین' میں قاضی سلیمان نے اس کو لیا ہے۔

Marfat.com

گرفتار کر لیے گئے۔ (۱)

عبد اللہ بن ابی کا ظالمانہ کردار اور خانوادہ نبوت کے اخلاق و کردار پر حملہ

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ غزوہ احد میں عبد اللہ بن ابی تین سو افراد کو لے کر عین اس وقت الگ ہو گیا تھا جب جنگ شروع ہوا چاہتی تھی۔ مریسیع کے مقام پر بھی منافقین خاصی تعداد میں مال غنیمت کے لالچ میں شامل تھے۔ بنی مصطلق کی بیخ کنی کے بعد ابن ابی نے مسلمانوں کو لڑانے کی خاطر جاہلی تعصب کو خوب ہوا دینے کی کوشش کی۔ چشمہ مریسیع پر پانی بھرتے ہوئے حضرت عمر کے نوکر جہجاہ جو مہاجرین کی طرف سے تھے اور سنان بن وبر جہنی میں دھکم پیل ہو گئی۔ سنان نے کہا، انصار آؤ میری مدد کرو، اس پر جہجاہ غفاری نے کہا: مہاجرو آؤ میری مدد کرو۔ اس طرح مہاجرین وانصار میں تلواریں سونت لی گئیں۔ قریب تھا کہ بڑا حادثہ رونما ہو جاتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو روکا اور جاہلانہ تعصب پر خوب سرزنش کی اور فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہ بہت بدبودار ہے۔ (۲)

عبد اللہ بن ابی نے واقعہ کی خبر ہوتے ہی خوب شور ہنگامہ کیا، کہنے لگا: ان لوگوں کی یہ ہمت کہ پردیسی ہو کر ہمارے علاقے میں آکر ہمارے حریف بن رہے ہیں اور مقابلہ کر رہے ہیں، اللہ کی قسم ہماری اور ان کی حالت پر تو وہ مثال صادق آتی ہے جو بزرگوں نے بیان کی ہے کہ اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا کرو تاکہ وہ تمہی کو کھا جائے۔ خدا کی قسم اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں سے جو عزت دار ہو گا وہ ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ پھر لوگوں سے کہنے لگا یہ مصیبت تم نے خود گلے ڈالی ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں نہ صرف رہنے کی جگہ دی بلکہ اپنے مال بھی انہیں دے دیے، اب بھی اگر ان کا راشن پانی بند کر دو تو یہ مہاجر کہیں اور جا بسیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر ہو گئی تھی۔ حضرت عمر نے ابن اُبَی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبَی نے

---

۱ طبقات ابن سعد، غزوہ بنی مصطلق: ۴/۱۹۸۔

۲ سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۹۰۔

Marfat.com

عرض کیا: حضور! میں خود اپنے باپ کو قتل کروں گا، مجھے اجازت دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا: نہیں، میں اس پر مزید مہربانیاں کروں گا۔

ابن اُبَی کے بیٹے عبد اللہؓ مدینہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ کا راستہ روک لیا اور فرمایا: آج عزت دار ہی شہر میں داخل ہو گا۔ اگر رسول اللہ اجازت نہ دیں تو تم شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے باپ کی بہت عزت، قدر، احترام اور خدمت کرتے تھے لیکن اس کی اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے غیرت ایمانی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

ابن اُبَی نے یہ بات بھی اچھالی کہ محمد پانچ شادیاں کر چکے ہیں حالانکہ شریعت چار کی اجازت دیتی ہے۔ اس نے اپنے دیگر منافقین ساتھیوں سے مل کر حضرت زینب کے نکاح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو مسخ کرنے کے لیے خوب استعمال۔ حضرت زینب آپ کے منہ بولے بیٹے کی بیوی تھیں، طلاق کے بعد آپؐ نے ان سے شادی کر لی تاکہ منہ بولے بیٹے اور حقیقی بیٹے میں فرق واضح ہو سکے اور جاہلانہ رسم ختم ہو سکے۔

یہود اور منافقین گزشتہ تجربات سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمان تلوار کے زور سے زیر نہیں ہو سکتے، ان کو ختم کرنے کا سب سے آسان راستہ یہ ہے کہ ان کے اخلاقیات اور کردار پر حملے کیے جائیں۔ اس منصوبے کا آغاز انہوں نے بیتِ نبوت پر حملے سے کیا اور اس غیر اخلاقی یلغار کا سرغنہ عبد اللہ بن اُبَی ہی تھا جس نے مہاجرین اور انصار کو لڑانے کے بعد آپؐ کے کردار کو مشکوک کرنے کی سعی لاحاصل کی اس لیے کہ نبی کریمؐ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا تھا، فرمایا: وَاللّٰہُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (1)

"اور اللہ آپ کو لوگوں سے حفاظت میں رکھے گا۔"

آپؐ کی ذاتِ گرامی پر حملہ ہوا کہ اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دلوا کر خود نکاح کر لیا تھا حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس نکاح کو سارے جہاں والوں کے لیے تاقیامت عظیم

---

1 سورۃ المائدہ: ۶۷۔

Marfat.com

حکمتوں سے بھر دیا اور متبنیٰ کی غلط رسم اس طرح تاراج کر دی گئی کہ کوئی اور یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ یہ واحد نکاح ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود کرایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا [1]

"پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کردار کشی کی جسارت: (شعبان ۵ ہجری)

ابن اُبی نے دوسرا بڑا وار بیت رسول اللہ پر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگا دی۔ اس واقعہ نے اتنی اہمیت اختیار کر لی کہ مدینہ شہر خاموشاں بن گیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ انگشت بدندان رہ گئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے تعلقات منقطع کر لیے تاکہ عرش سے اس کا فیصلہ ہو جائے۔ اس سارے واقعہ اور مدینہ میں پھیلے اس زہر کا خود ام المؤمنین سیدہ عائشہ کو علم تک نہ تھا۔[2]

تاریخ و سیرت کی کتابوں میں واقعہ افک کے نام سے خانوادۂ نبوی کی اس الم ناک حالت کا تذکرہ موجود ہے جسے قرآن کریم نے عرش سے پاکیزگی کردار کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ مزین کر دیا اور سیدہ عائشہ کے بیٹے بیٹیاں قیامت تک ان کی اس براءت اور پارسائی کا

---

1 سورۃ الاحزاب: ۳۷۔

2 ابن اُبی منافقوں کا سرغنہ تھا اور سیرت نگاروں نے اس کے مجرمانہ کردار پر بھرپور روشنی ڈالی ہے، ابن سعد، واقدی، ابن ہشام کے علاوہ خود احادیث کی کتابوں میں یہ واقعات بالتفصیل موجود ہیں۔

Marfat.com

مطالعہ اللہ کی زبان میں کرتے رہیں گے۔ آیات الافک کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ نے بھرپور روشنی ڈالی ہے جو واقعے کو سمجھنے میں بے حد مفید و معاون ثابت ہوتی ہے۔ درج ذیل تفصیل تفہیم القرآن سے قارئین کے استفادے کے لیے نقل کی گئی ہے:

یہ شوشہ (قصہ مریسیع) ابھی تازہ ہی تھا کہ اسی سفر میں اس (عبداللہ بن اُبی) نے ایک اور خطرناک فتنہ اٹھادیا، اور فتنہ بھی ایسا کہ اگر نبی ﷺ اور آپؐ کے جانثار صحابہ کمال درجہ ضبط و تحمل اور حکمت و دانائی سے کام نہ لیتے تو مدینے کی نوخیز مسلم سوسائٹی میں سخت خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔ یہ حضرت عائشہ پر تہمت کا فتنہ تھا۔ اس کا واقعہ خود انہی کی زبان سے سنیے جس سے پوری صورت حال سامنے آ جائے گی۔ بیچ بیچ میں جو امور تشریح طلب ہوں گے انہیں ہم دوسری معتبر روایات کی مدد سے قوسین میں بڑھاتے جائیں گے تاکہ جناب صدیقہؓ کے تسلسل بیان میں خلل نہ واقع ہو۔ واضح رہے کہ یہ کسی ایک روایت کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جتنی روایتیں حضرت عائشہ سے اس سلسلے میں مروی ہیں، ان سب کو جمع کر کے ہم نے ان کا خلاصہ نکال لیا ہے۔ فرماتی ہیں:

حضرت عائشہ کی عرش الٰہی سے براءت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔[1] غزوہ بنی المصطلق

---

[1] اس قرعہ اندازی کی نوعیت لاٹری کی سی نہ تھی۔ دراصل تمام بیویوں کے حقوق برابر کے تھے، ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی، اب اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی کو انتخاب کرتے تو دوسری بیویوں کی دل شکنی ہوتی، اور ان میں باہم رشک و رقابت پیدا ہونے کے لیے بھی یہ ایک محرک بن جاتا، اس لیے آپ قرعہ اندازی سے اس کا فیصلہ فرماتے تھے۔ شریعت میں قرعہ اندازی ایسی ہی صورتوں کے لیے ہے جب کہ چند آدمیوں کا

Marfat.com

کے موقع پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے ساتھ گئی۔ واپسی پر جب ہم مدینے کے قریب تھے، ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا، اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ میں اٹھ کر رفع حاجت کے لیے گئی، اور جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی، اور اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت اپنے ہودے میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ ہم عورتیں اس زمانے میں غذا کی کمی کے سبب سے بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ میرا ہودہ اٹھاتے وقت لوگوں کو یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ وہ بے خبری میں خالی ہودہ اونٹ پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔ میں جب ہار لے کر پلٹی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر اپنی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئی اور دل میں سوچ لیا کہ آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی ڈھونڈتے ہوئے آ جائیں گے۔ اسی حالت میں مجھ کو نیند آ گئی۔ صبح کے وقت صفوان بن معطل سُلَمی اس جگہ سے گزرے جہاں میں سو رہی تھی اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے، کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے۔ (یہ صاحب بدری صحابیوں میں سے تھے۔ ان کو صبح دیر تک سونے کی عادت تھی،[1] اس لیے یہ بھی لشکر گاہ میں کہیں

جائز حق بالکل برابر ہو، اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو، مگر حق کسی ایک ہی کو دیا جا سکتا ہو۔ تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الاحزاب، ۳۳۔

ابو داؤد اور دوسری کتب سنن میں یہ ذکر آتا ہے کہ ان کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی تھی کہ یہ کبھی صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھتے۔ انہوں نے عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرا خاندانی عیب ہے، دیر تک سوتے رہنے کی اس کمزوری کو میں کسی طرح دور نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا جب آنکھ کھلے نماز ادا کر لیا کرو۔ بعض محدثین نے ان کے قافلے سے پیچھے رہ جانے کی یہ وجہ بیان کی ہے مگر بعض دوسرے محدثین اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس خدمت پر مقرر کیا تھا کہ رات کے

Marfat.com

پڑے سوتے رہ گئے تھے اور اب اٹھ کر مدینے جا رہے تھے)۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اونٹ روک لیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا انا للہ و انا الیہ راجعون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی یہیں رہ گئیں۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر فوراً اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی، لا کر اپنا اونٹ میرے پاس بٹھا دیا اور الگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جا لیا جب کہ وہ ابھی ایک جگہ جا کر ٹھیرا ہی تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ نہ چلا تھا کہ میں پیچھے چھوٹ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھا دیے اور ان میں سب سے پیش پیش عبداللہ بن اُبَی تھا۔ مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں۔

مدینے پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں اس بہتان کی خبریں اُڑ رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی، مگر مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی وہ یہ کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی تھی۔ آپ گھر میں آتے تو بس گھر والوں سے یہ پوچھ کر رہ جاتے: کیف تیکم (کیسی ہیں یہ؟) خود مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپ سے اجازت لے کر میں اپنی ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت حاجت کے لیے میں مدینے کے باہر گئی۔ اس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلا نہ تھے اور ہم لوگ جنگل ہی جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مِسطح بن اُثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ (دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے خاندان کی کفالت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی، مگر اس احسان کے باوجود مِسطح بھی ان لوگوں میں شریک ہو گئے تھے جو حضرت

اندھیرے میں کوچ کرنے کی وجہ سے اگر کسی کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو صبح اسے تلاش کر کے لیتے آئیں۔ دیکھیے، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الاحزاب، ۳۳۔

Marfat.com

عائشہؓ کے خلاف اس بہتان کو پھیلا رہے تھے)۔ راستے میں ان کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا غارت ہو مسطح۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو، اور بیٹا بھی وہ جس نے جنگ بدر میں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے کہا بٹیا، کیا تجھے اس کی باتوں کی کچھ خبر نہیں؟ پھر انہوں نے سارا قصہ سنایا کہ افتا پرداز لوگ میرے متعلق کیا باتیں اڑا رہے ہیں۔ (منافقین کے سوا خود مسلمانوں میں سے جو لوگ اس فتنے میں شامل ہو گئے تھے ان میں مسطح، حسّان بن ثابت مشہور شاعر اسلام، اور حمنہ بنت جحش، حضرت زینبؓ کی بہن کا حصہ سب سے نمایاں تھا)۔ یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا، وہ حاجت بھی بھول گئی جس کے لیے آئی تھی، سیدھی گھر گئی اور رات بھر رو رو کر کاٹی۔

آگے چل کر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور اسامہ بن زید کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا یا رسول اللہ، بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں پائی۔ یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے جو اڑایا جا رہا ہے۔ رہے علی تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ عورتوں کی کمی نہیں ہے، آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں، اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت کار لونڈی کو بلا کر حالات دریافت فرمائیں۔ چنانچہ خدمت گار کو بلایا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی۔ اس نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جا سکے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا، مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزامات لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے۔ بخدا میں نے نہ تو اپنی بیوی ہی میں کوئی برائی دیکھی ہے، اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جاتی ہے۔ وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر

Marfat.com

آیا بھی نہیں۔ اس پر اسید بن حُضیر[1] نے (بعض روایات میں سعد بن معاذ) نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ، اگر وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں، اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو آپ حکم دیں، ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔ یہ سنتے ہی سعد بن عبادہ، رئیس خزرج اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے جھوٹ کہتے ہو، تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن کاٹنے کا نام صرف اس لیے لے رہے ہو کہ وہ خزرج میں سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم کبھی یہ نہ کہتے کہ ہم اس کی گردن مار دیں گے۔[2] اسید بن حضیر نے جواب میں کہا، تم منافق ہو اسی لیے منافقوں کی حمایت کرتے ہو۔ اس پر مسجد نبوی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ اَوس اور خزرج مسجد ہی میں لڑ پڑتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھنڈا کیا اور پھر منبر سے اتر آئے۔ عبداللہ بن اُبی نے یہ شوشہ چھوڑ کر بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق کی عزت پر حملہ کیا۔ دوسری طرف اس نے اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاقی وقار کو گرانے کی کوشش کی۔ تیسری طرف اس نے یہ ایک ایسی چنگاری پھینکی تھی کہ اگر اسلام اپنے پیروؤں کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا تو مہاجرین اور انصار، اور خود انصار کے بھی دونوں قبیلے آپس میں لڑ مرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگایا گیا تھا اس کو افک کے لفظ سے تعبیر

---

1 بعض روایات میں سعد بن مُعاذ، غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے نام لینے کے بجائے سید اوس کے الفاظ استعمال فرمائے ہوں گے، کسی راوی نے اس سے مراد حضرت معاذ کو سمجھ لیا، کیونکہ اپنی زندگی میں وہی قبیلہ اوس کے سردار تھے اور تاریخ میں وہی اس حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ حالانکہ دراصل اس واقعہ کے وقت ان کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر اوس کے سردار تھے۔

2 ملاحظہ ہو الاصابہ لابن حجر، اور الاستیعاب لابن بعد البر، ذکر سعد بن عبادہ۔ صفحہ ۱۰۔۱۱

Marfat.com

کرنا خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس الزام کی مکمل تردید ہے۔ اِفک کے معنی ہیں بات کو الٹ دینا، حقیقت کے خلاف کچھ سے کچھ بنا دینا۔ اسی مفہوم کے اعتبار سے یہ لفظ قطعی جھوٹ اور افترا کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور اگر کسی الزام کے لیے بولا جائے تو اس کے معنی سراسر بہتان کے ہیں۔

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق جو واقعات ہیں ان کا خلاصہ خود حضرت عائشہ کے مطابق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے۔ میں روتی رہی۔ میرے والدین انتہائی پریشانی اور رنج و غم میں مبتلا رہے۔ آخر کار ایک روز حضورؐ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر اور امّ رومان (حضرت عائشہ کی والدہ) نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے، اس لیے وہ دونوں بھی پاس آکر بیٹھ گئے۔ حضور نے فرمایا عائشہ، مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمہاری براءت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر واقعی تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو، بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہو کر توبہ کرتا تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا آپ رسول اللہ کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا بیٹی، میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا آپ ہی کچھ کہیں۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں حیران ہوں، کیا کہوں۔ اس پر میں بولی آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے، اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں ___ اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں ___ تو آپ لوگ نہ مانیں گے، اور اگر خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی ___ اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی ___ تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوبؑ کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر نہ یاد آیا۔ آخر میں نے کہا اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسفؑ کے والد نے کہی تھی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب کہ حضرت یعقوبؑ کے

Marfat.com

سامنے ان کے بیٹے بن یمین پر چوری کا الزام بیان کیا گیا تھا۔ سورۃ یوسف، رکوع ۱۰ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے) یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے اور وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگرچہ یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہو گی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے۔ مگر میرا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ میری براءت ظاہر فرما دے گا۔ اتنے میں یکایک حضورؐ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی، حتیٰ کہ سخت جاڑے کے زمانے میں بھی موتی کی طرح آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ہم سب خاموش ہو گئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی۔ مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضورؐ بے حد خوش تھے۔ آپ نے ہنستے ہوئے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ مبارک ہو عائشہ، اللہ نے تمہاری براءت نازل فرما دی۔ اور اس کے بعد حضورؐ نے دس آیتیں سنائیں (یعنی آیت نمبر ۱۱ سے نمبر ۲۱ تک)۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ
خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ
يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ
تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ
هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن
نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ
أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ
الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

Marfat.com

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[1]

"جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا، اور جس شخص نے اِس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے عذابِ عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اُسی وقت کیوں نہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے؟ وہ لوگ (اپنے الزام کے ثبوت میں) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں، اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم و کرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ (ذرا غور تو کرو، اُس وقت تم کیسی سخت غلطی کر رہے تھے) جب کہ تمہاری ایک زبان سے دُوسری زبان اس جھوٹ کو لیتی چلی جا رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ اُسے سُنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سُبحان اللہ، یہ تو ایک بہتانِ عظیم ہے۔" اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مؤمن ہو۔ اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔"

میری والدہ نے کہا کہ اٹھو اور رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا میں نہ ان کا

---

[1] سورۃ النور، ۲۴:۲۰-۱۱۔

Marfat.com

شکریہ ادا کروں گی نہ آپ دونوں کا، بلکہ اللہ کا شکر کرتی ہوں جس نے میری براءت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔

اس موقع پر یہ نکتہ لطیف بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت عائشہ کی براءت بیان کرنے سے پہلے پورے ایک رکوع میں زنا اور قذف اور لعان کے احکام بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے دراصل اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے کہ زنا کے الزام کا معاملہ کوئی تفریحی مشغلہ نہیں ہے جسے نُقل محفل کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ ایک نہایت سنگین بات ہے۔ الزام لگانے والے کا الزام اگر سچا ہے تو وہ گواہی لائے۔ زانی اور زانیہ کو انتہائی ہولناک سزا دی جائے گی۔ اگر جھوٹا ہے تو الزام لگانے والا اس لائق ہے کہ اس کی پیٹھ پر ۸۰ کوڑے برسا دیے جائیں تاکہ آئندہ وہ یا کوئی اور ایسی جرأت نہ کرے۔ اور یہ الزام اگر شوہر لگائے تو عدالت میں لعان کر کے اسے معاملہ صاف کرنا ہوگا۔ اس بات کو زبان سے نکال کر کوئی شخص بھی خیریت سے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ یہ مسلم معاشرہ ہے جسے دنیا میں بھلائی قائم کرنے کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ اس میں نہ زنا ہی تفریح بن سکتی ہے اور نہ اس کے چرچے ہی خوش باشی اور دل لگی کے موضوع قرار پاسکتے ہیں۔

روایات میں صرف چند آدمیوں کے نام ملتے ہیں جو یہ افواہیں پھیلا رہے تھے: عبداللہ بن اُبی، زید بن رفاعہ (جو غالباً رفاعہ بن زید یہودی منافق کا بیٹا تھا)، مِسطح بن اُثاثہ۔ حسّان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش۔ ان میں سے پہلے دو منافق تھے اور باقی تین مؤمن تھے جو غلطی اور کمزوری سے اس فتنے میں پڑ گئے تھے۔ ان کے سوا اور جو لوگ اس گناہ میں کم و بیش مبتلا ہوئے ان کا ذکر حدیث و سیرت کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا۔

مذکورہ بالا آیات سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک سے متعلق احکام کے ساتھ ساتھ مؤمن معاشرے کے لیے دروس و اسباق پنہاں ہیں جن کا خلاصہ تفہیم القرآن کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے:

منافقین نے یہ شوشہ اس لیے چھوڑا تھا کہ مسلمانوں کو اس میدان میں شکست دی جائے جو ان کے تفوق کا اصل میدان تھا، یعنی اخلاق جس میں فائق ہونے ہی کی وجہ سے وہ

Marfat.com

ہر میدان میں اپنے حریفوں سے بازی لیے جا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی مسلمانوں کے لیے سببِ خیر بنا دیا۔ اس موقع پر ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، دوسری طرف حضرت ابو بکر اور ان کے خاندان والوں نے، اور تیسری طرف عام اہل ایمان نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ یہ لوگ برائی سے کس قدر پاک، کیسے انصاف پسند اور کس درجہ کریم النفس واقع ہوئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ان لوگوں کی گردنیں اڑا دینے کے لیے کافی تھا جنہوں نے آپ کی عزت پر یہ حملہ کیا تھا، مگر مہینہ بھر تک آپ صبر سے سب کچھ برداشت کرتے رہے، اور جب اللہ کا حکم آ گیا تو صرف ان تین مسلمانوں کو، جن پر جرم قذف ثابت تھا، حد لگوا دی، منافقین کو پھر بھی کچھ نہ کہا۔ حضرت ابو بکر کا اپنا رشتہ دار، جس کی اور جس کے گھر بھر کی وہ کفالت بھی فرماتے تھے، ان کے دل و جگر پر یہ تیر چلاتا رہا، مگر اللہ کے اس نیک بندے نے اس پر بھی نہ برادری کا تعلق منقطع کیا، نہ اس کی اور اس کے خاندان کی مدد ہی بند کی۔ ازواج مطہرات میں سے کسی نے بھی سوکن کی بدنامی میں ذرہ برابر حصہ نہ لیا، بلکہ کسی نے اس پر ادنیٰ درجے میں بھی اپنی رضا اور پسند کا، یا کم از کم قبولیت کا اظہار تک نہ کیا۔ حتیٰ کہ حضرت زینب کی سگی بہن حمنہ بنت جحش محض ان کی خاطر ان کی سوکن کو بدنام کر رہی تھیں، مگر خود انہوں نے سوکن کے حق میں کلمہ خیر ہی کہا۔ حضرت عائشہ کی اپنی روایت ہے کہ ازواج رسول اللہ میں سب سے زیادہ زینب ہی سے میرا مقابلہ رہتا تھا، مگر واقعہ افک کے سلسلے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ عائشہ کے متعلق تم کیا جانتی ہو تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ، خدا کی قسم، میں اس کے اندر بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ حضرت عائشہ کی اپنی شرافتِ نفس کا حال یہ تھا کہ حضرت حسان بن ثابت نے انہیں بدنام کرنے میں نمایاں حصہ لیا، مگر وہ ہمیشہ ان کے ساتھ عزت اور تواضع ہی سے پیش آتی رہیں۔ لوگوں نے یاد دلایا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس نے آپ کو بدنام کیا تھا تو یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ یہ وہ شخص ہے جو دشمنانِ اسلام شعراء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف سے منہ توڑ جواب دیا کرتا تھا۔ یہ تھا ان لوگوں کا حال جن کا اس معاملے سے

Marfat.com

براہ راست تعلق تھا۔ اور عام مسلمانوں کی پاکیزہ نفسی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری سے ان کی بیوی نے جب ان افواہوں کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے: ایوب کی ماں اگر تم عائشہ کی جگہ اس موقع پر ہوتیں تو کیا ایسا فعل کرتیں؟ وہ بولیں: خدا کی قسم میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی۔ حضرت ابو ایوب نے کہا تو عائشہ تم سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا، صفوان تو مجھ سے اچھا مسلمان ہے۔ اس طرح منافقین جو کچھ چاہتے تھے، نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا اور مسلمانوں کا اخلاقی تفوق پہلے سے زیادہ نمایاں ہو گیا۔

پھر اس میں خیر کا ایک اور پہلو بھی تھا، اور وہ یہ کہ یہ واقعہ اسلام کے قوانین و احکام اور تمدنی ضوابط میں بڑے اہم اضافوں کا موجب بن گیا۔ اس کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہدایات حاصل ہوئیں جن پر عمل کر کے مسلم معاشرے کو ہمیشہ کے لیے برائیوں کی پیداوار اور ان کی اشاعت سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور پیدا ہو جائیں تو ان کا بروقت تدارک کیا جا سکتا ہے۔

مزید برآں اس میں خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں نہیں ہیں، جو کچھ اللہ بتاتا ہے وہی کچھ جانتے ہیں، اس کے ماسوا آپ کا علم اتنا ہی کچھ ہے جتنا ایک بشر کا ہو سکتا ہے، ایک مہینے تک آپ حضرت عائشہؓ کے معاملے میں سخت پریشان رہے۔ کبھی خادمہ سے پوچھتے تھے، کبھی ازواج مطہرات سے، کبھی حضرت علیؓ سے اور کبھی حضرت اسامہؓ سے۔ آخر کار حضرت عائشہؓ سے فرمایا تو یہ فرمایا کہ اگر تم نے یہ گناہ کیا ہے تو توبہ کرو اور نہیں کیا تو امید ہے کہ اللہ تمہاری بے گناہی ثابت کر دے گا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ پریشانی اور یہ پوچھ گچھ اور یہ تلقینِ توبہ کیوں ہوتی؟ البتہ جب وحیِ خداوندی نے حقیقت بتا دی تو آپ کو وہ علم حاصل ہو گیا جو مہینہ بھر تک حاصل نہ تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تجربے اور مشاہدے کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اس غلو اور مبالغے سے بچانے کا انتظام فرما دیا جس میں عقیدت کا اندھا جوش بالعموم اپنے پیشواؤں کے معاملے میں لوگوں کو مبتلا کر دیتا ہے۔ بعید نہیں کہ

Marfat.com

مہینہ بھر تک وحی نہ بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کے پیش نظر یہ بھی ایک مصلحت رہی ہو۔

جو صورتِ معاملہ حضرت عائشہ اور صفوان بن معطل کے ساتھ پیش آئی تھی وہ یہی تو تھی کہ قافلے کی ایک خاتون (قطع نظر اس سے کہ وہ رسول کی بیوی تھیں) اتفاق سے پیچھے رہ گئی تھیں اور قافلے ہی کا ایک آدمی جو خود اتفاق سے پیچھے رہ گیا تھا، انہیں دیکھ کر اپنے اونٹ پر ان کو بٹھا لایا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ معاذ اللہ یہ دونوں تنہا ایک دوسرے کو پا کر گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اس کا یہ کہنا اپنے ظاہر الفاظ کے پیچھے دو اور مفروضے بھی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ قائل (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) اگر خود اس جگہ ہوتا تو کبھی گناہ کیے بغیر نہ رہتا، کیونکہ وہ اگر گناہ سے رکا ہوا ہے تو صرف اس لیے کہ اسے صنف مقابل کا کوئی فرد اس طرح تنہائی میں ہاتھ نہ آگیا، ورنہ ایسے نادر موقع کو وہ چھوڑنے والا نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جس معاشرے سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کی اخلاقی حالت کے متعلق اس کا گمان یہ ہے کہ یہاں کوئی عورت بھی ایسی نہیں ہے اور نہ کوئی مرد ایسا ہے جسے اس طرح کا کوئی موقع پیش آجائے اور وہ گناہ سے باز رہ جائے۔ یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ معاملہ محض ایک مرد اور ایک عورت کا ہو۔ اور بالفرض اگر وہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے ہوں، اور عورت جو اتفاقاً قافلے سے بچھڑ گئی تھی، اس مرد کے کسی دوست یا رشتہ دار یا ہمسائے یا واقف کار کی بیوی، بہن، یا بیٹی ہو تو معاملہ اور بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ اس کے معنی پھر یہ ہو جاتے ہیں کہ کہنے والا خود اپنی ذات کے متعلق بھی اور اپنے معاشرے کے متعلق بھی ایسا سخت گھناؤنا تصور رکھتا ہے جسے شرافت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ کون بھلا آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس کے کسی دوست یا ہمسائے یا واقف کار کے گھر کی کوئی عورت اگر اتفاق سے کہیں بھولی بھٹکی اسے راستے میں مل جائے تو وہ پہلا کام بس اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے ہی کا کرے گا، پھر کہیں اسے گھر پہنچانے کی تدبیر سوچے گا۔ لیکن یہاں تو معاملہ اس سے ہزار گنا زیادہ سخت تھا۔ خاتون کوئی اور نہ تھیں، رسول اللہ کی بیوی تھیں جنہیں ہر مسلمان اپنی ماں سے بڑھ کر احترام کے لائق سمجھتا تھا، جنہیں اللہ نے خود ہر مسلمان پر ماں کی طرح حرام قرار دیا تھا۔ مرد نہ صرف یہ کہ اسی قافلے کا ایک آدمی، اسی فوج کا ایک سپاہی اور اسی شہر کا

Marfat.com

ایک باشندہ تھا، بلکہ وہ مسلمان تھا، ان خاتون کے شوہر کو اللہ کا رسول اور اپنا ہادی و پیشوا مانتا تھا، اور ان کے فرمان پر جان قربان کرنے کے لیے جنگ بدر جیسے خطرناک معرکے میں شریک ہو چکا تھا۔ اس صورت حال میں تو اس قول کا ذہنی پس منظر گھناؤنے پن کی اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس سے بڑھ کر کسی گندے تخیل کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ مسلم معاشرے کے جن افراد نے یہ بات زبان سے نکالی یا اسے کم از کم شک کے قابل خیال کیا انہوں نے خود اپنے نفس کا بھی بہت برا تصور قائم کیا اور اپنے معاشرے کے لوگوں کو بھی بڑے ذلیل اخلاق و کردار کا مالک سمجھا۔

یہ بات تو قابل غور تک نہ تھی۔ اسے تو سنتے ہی ہر مسلمان کو سراسر جھوٹ اور کذب و افتراء کہہ دینا چاہیے تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص یہاں یہ سوال کرے کہ جب یہ بات تھی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق نے اسے کیوں نہ اوّل روز ہی جھٹلا دیا اور کیوں انہوں نے اسے اتنی اہمیت دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر اور باپ کی پوزیشن عام آدمیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک شوہر سے بڑھ کر کوئی اپنی بیوی کو نہیں جان سکتا اور ایک شریف و صالح بیوی کے متعلق کوئی صحیح الدماغ شوہر لوگوں کے بہتانوں پر فی الواقع بدگمان نہیں ہو سکتا، لیکن اگر اس کی بیوی پر الزام لگا دیا جائے تو وہ اس مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ اسے بہتان کہہ کر رد کر بھی دے تو کہنے والوں کی زبان نہ رکے گی، بلکہ وہ اس سے بڑھ کر یہ کہیں گے کہ بیوی نے میاں صاحب کی عقل پر کیسا پردہ ڈال رکھا ہے، سب کچھ کر رہی ہے اور میاں یہ سمجھتے ہیں کہ میری بیوی بڑی پاک دامن ہے۔ ایسی ہی مشکل ماں باپ کو پیش آتی ہے۔ وہ غریب اپنی بیٹی کی عصمت پر صریح جھوٹے الزام کی تردید میں اگر زبان کھولیں بھی تو بیٹی کی پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ کہنے والے یہ کہیں گے کہ ماں باپ ہیں، اپنی بیٹی کی حمایت نہ کریں گے تو اور کیا کریں گے۔ یہ چیز تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور ام رومان کو اندر ہی اندر غم سے گھلائے دے رہی تھی، ورنہ حقیقت میں کوئی شک ان کو لاحق نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خطبے ہی میں صاف فرما دیا تھا کہ میں نے نہ اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس

Marfat.com

کے متعلق یہ الزام لگایا جا رہا ہے۔

اس جگہ کسی شخص کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہاں الزام کے غلط ہونے کی دلیل اور بنیاد محض گواہوں کی غیر موجودگی کو ٹھیرایا جا رہا ہے اور مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی صرف اس وجہ سے اس کو صریح بہتان قرار دو کہ الزام لگانے والے چار گواہ نہیں لائے ہیں۔ یہ غلط فہمی اُس صورتِ واقعہ کو نگاہ میں نہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے جو فی الواقع وہاں پیش آئی تھی۔ الزام لگانے والوں نے الزام اس وجہ سے نہیں لگایا تھا کہ انہوں نے، یا ان میں سے کسی شخص نے وہ بات دیکھی تھی جو وہ زبان سے نکال رہے تھے، بلکہ صرف اس بنیاد پر اتنا بڑا الزام تصنیف کر ڈالا تھا کہ حضرت عائشہؓ قافلے سے پیچھے رہ گئی تھیں اور صفوان بعد میں ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلے میں لے آئے۔ کوئی صاحبِ عقل آدمی بھی اس موقع پر یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ حضرت عائشہ کا اس طرح پیچھے رہ جانا، معاذاللہ کسی ساز باز کا نتیجہ تھا۔ ساز باز کرنے والے اس طریقہ سے تو ساز باز نہیں کیا کرتے کہ سالار لشکر کی بیوی چپکے سے قافلے کے پیچھے ایک شخص کے ساتھ رہ جائے اور پھر وہی شخص اس کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر دن دہاڑے، ٹھیک دوپہر کے وقت لیے ہوئے علانیہ لشکر کے پڑاؤ پر جا پہنچے۔ یہ صورت حال خود ہی ان دونوں کی معصومیت پر دلالت کر رہی تھی۔ اس حالت میں اگر الزام لگایا جا سکتا تھا تو صرف اس بنیاد پر ہی لگایا جا سکتا تھا کہ کہنے والوں نے اپنی آنکھوں سے کوئی معاملہ دیکھا ہو ورنہ قرائن، جن پر ظالموں نے الزام کی بنا رکھی تھی، کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رکھتے تھے۔[1]

ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ بنت حارث سے نکاح

مریسیع میں بنی مصطلق سے معرکہ کے بعد بہت اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے واقعہ افک، انصار اور مہاجرین میں نزاع، عبداللہ بن اُبی کی اسلام دشمنی کا واضح اظہار تھا۔ اسی غزوہ کے بعد جو لوگ قیدی بنائے گئے ان میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار

---

1 تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ النور آیات ۲۰-۱۱۔

Marfat.com

حارث بن ابی ضرار بن خبیب کی وہ بیٹی بھی شامل تھی جس کا شوہر مسافع بن صفوان مریسیع کے مقام پر قتل ہو چکا تھا۔

یہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے جب جویریہؓ کو قیدیوں میں شامل کر کے لایا گیا تو ان کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ مال غنیمت اور قیدیوں کے تقسیم میں جویریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں تو انہوں نے ثابتؓ سے کہا: میں غلام یا لونڈی نہیں بننا چاہتی۔ میں اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں، آپ مجھ سے میری قیمت لے لیں اور مجھے آزاد کر دیں۔ لیکن ان کے پاس رقم نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قیمت ادا کر دی اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے عقد میں لے لیا۔ [1]

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں تربیتِ نبوی سے انقلابی تبدیلی آئی۔ آپ سارا سارا دن روزہ سے رہتیں، کثرت سے نوافل پڑھتیں، نماز فجر کے بعد تا دیر ذکر اذکار میں مصروف رہتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہ سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے اتنی بڑی رحمت نہیں بنی۔ جب آپؐ نے ام المؤمنین جویریہ سے شادی کی تو مسلمانوں نے یہ کہہ کر بنی مصطلق کے قیدی رہا کر دیے کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کے سسرالی ہیں۔ اس طرح تقریباً سو گھرانے غلامی سے آزاد ہوئے۔ صرف یہی نہیں، بنی مصطلق مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آفت اور بلا بن چکے تھے، ان کے ابو سفیان سے گہرے روابط تھے، دشمنی میں وہ قریش مکہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بن چکے تھے۔ ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام اور نکاح نبوی سے بنی مصطلق مسلمان ہو گئے اور مدینہ کی ایک خطرناک سرحد محفوظ ہو گئی۔

---

1. اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ یا ۶ھ میں سے کس سال ہوا تھا۔ نیز ابن حجر نے لکھا ہے کہ جویریہ کے والد نے حضور سے عرض کیا تھا کہ قیمت لے کر اسے چھوڑ دیں، پھر حضور نے فرمایا، جویریہ کو اختیار دیتے ہیں، وہ جو فیصلہ کرنا چاہے، کر لے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ ام المؤمنین نماز فجر کے بعد ذکر میں مصروف تھیں کہ نبی کریمؐ تشریف لائے، دیکھا کہ اپنے مصلے پر بیٹھی ہیں۔ آپ واپس تشریف لے گئے اور دیر بعد دوبارہ آئے تو دیکھا کہ جویریہ اسی طرح ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ فرمایا: لم تزالی فی مصلاک منذ خرجت؟[1]

عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا: اس کے بعد یہ چار کلمات تین تین مرتبہ پڑھ لیا کرو، تمہارے سارے دن کے ذکر کا اجر اور ان کا اجر برابر ہوگا: سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ و مداد کلماتہ[2]

الغرض ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کثرت سے نماز، نوافل، روزے اور دیگر عبادات میں مشغول رہتیں۔ کسی کو کسمپرسی کے عالم میں نہیں دیکھ سکتی تھیں، خود بھی آزاد رہنا پسند کرتی تھیں حالانکہ کچھ بھی پاس نہیں تھا، پھر بھی حضرت ثابتؓ سے کہا، مجھے آزاد کر دو میں رقم ادا کر دوں گی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی کریمؐ سے عرض کیا میں غلام کو آزاد کرنا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر ہے کہ تم اسے اپنے بھائی کو تحفہ میں دے دو جو گاؤں میں رہتا ہے، اس کے کام آئے گا اور اس کا تمہیں زیادہ اجر ملے گا۔[3]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ ہونے سے تین روز قبل میں نے خواب دیکھا کہ چاند یثرب کی طرف سے آکر میری گود میں گر جاتا ہے۔ میں نے یہ خواب کسی کو سنانا پسند نہ کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے ساتھ مریسیع آگئے۔ پھر ہم قید ہو گئے تو میں نے خواب کے بارے میں سوچا اور جب آپؐ نے مجھے آزاد کر کے میرے ساتھ شادی کر لی تب بھی میں نے اپنی قوم کو کچھ نہیں بتایا بلکہ خود مسلمانوں

---

۱ ”جب سے میں گیا ہوں تم مسلسل اپنی جائے نماز پر ہو؟“

۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۲۶۔

۳ النسائی، السنن، حدیث نمبر: ۴۹۳۵۔

Marfat.com

نے یہ خبر مشہور کی۔[1]

بالکل اسی طرح حضرت صفیہ نے بھی خواب دیکھا، ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر نیل پڑا ہوا دیکھا تو دریافت کیا یہ نشان کیسا ہے؟ حضرت صفیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی فوج کی آمد سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ ایک چاند یثرب کی طرف سے آتا ہے اور میری گود میں گر پڑتا ہے اور اللہ کی قسم اس وقت تک مجھے آپ کی شان کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی، چنانچہ یہ خواب میں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے میرے چہرے پر زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا: تم اس بادشاہ کو چاہتی ہو تو مدینہ میں آیا ہے، یہ نشان اسی تھپڑ کا ہے۔[2]

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے بعد نام تبدیل کر کے جویریہ رکھ دیا اور وہ تاریخ میں ام المؤمنین سیدہ جویریہ ہی معروف ہیں۔ آپ نے پینسٹھ برس عمر میں ۵۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔[3]

حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح

شوال پانچ ہجری میں، جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۷ سال آٹھ ماہ ہوئی کہ اللہ تعالی نے ایک جاہلانہ رسم کے خاتمے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح خود حضرت زینب بنت جحش سے کر دیا، اس واقعے کو حضرت زینب ہمیشہ فخر سے بیان کرتی تھیں کہ باقی ازواج مطہرات کے نکاح تو زمین پر ہوئے جب کہ میرا نکاح تو خود عرش والے نے کرایا۔[4] اور نکاح کی آیات سورہ احزاب میں نازل ہو گئیں جنہیں تا

---

1 الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۶۷۸۱۔

2 ابن قیم، زاد المعاد الی خیر العباد، فصل فی القدوم الی خیبر: ۳/۲۹۰۔

3 الذھبی، شمس الدین، سیر أعلام النبیہ: ۳/ ۲۳۲۔

4 امام ترمذی نے اپنی سنن میں حدیث بیان کی ہے کہ: فَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: زَوَّجَكُنَّ أَهْلُكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللَّهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ

Marfat.com

قیامت غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہیں گے، لیکن دوسری طرف اسی نکاح کو دشمنانِ اسلام اور منافقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا، اور نہ صرف یہ کہ اُس دور کے کفار اس پر افسانہ گوئی کرتے رہے بلکہ آج کے کفار و منافقین، گستاخ رسول اور مستشرقین بھی اس واقعے کو اپنے انداز میں بیان کر کے اہانت رسول کا ارتکاب کرتے ہیں، سادہ لوح مسلمانوں کو لاجواب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ حضرت زید سے سیدہ زینب کا نکاح خود آپ ؐ نے کیا تھا اور اس کا مقصد آقا و غلام کے فرق کو مٹانا تھا اور پھر طلاق دینے کے بعد اللہ تعالی نے یہ نکاح رسول اللہ ﷺ سے اس لیے کرادیا تاکہ لے پالک بچے کی حیثیت اور قانونی پوزیشن واضح کر دی جائے کہ وہ اصل صلبی اولاد کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس موقع پر جو طوفان اٹھایا گیا اس پر متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں سید ابو الاعلی مودودی نے سیر حاصل بحث کرتے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل سے کفار، منافقین اور مستشرقین کے اعتراضات کو آڑے ہاتھوں لیا ہے، آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:

نکاحِ زینبؓ پر پروپیگنڈے کا طوفان:

کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب حریف کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صریح طور پر دیکھ لیتے ہیں، اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اسے بڑھا رہی ہیں اور ان کی اپنی کمزوریاں انہیں گرا رہی ہیں، تو یہ فکر لاحق ہونے کے بجائے کہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اُس کی خوبیاں اخذ کریں، وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ اس کے اندر بھی اپنے ہی جیسی برائیاں پیدا کر دیں، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو اس پر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں نظر نہ آئیں۔ یہی ذہنیت تھی جس نے اِس مرحلے پر دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کا رخ جنگی کارروائیوں سے ہٹا کر رذیلانہ حملوں اور داخلی فتنہ انگیزیوں کی طرف پھیر دیا۔ اور

سَمَاوَاتٍ: سیدہ زینب دیگر ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تمہیں تو تمہارے گھر والوں نے بیاہ کر دیا ہے میرا نکاح تو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔

سنن ترمذی، تفسیر سورۃ الاحزاب، حدیث: ۳۲۱۳، دار البشار بیروت۔

Marfat.com

چونکہ یہ خدمت باہر کے دشمنوں کی بہ نسبت خود مسلمانوں کے اندر کے منافقین زیادہ اچھی طرح انجام دے سکتے تھے، اس لیے بالارادہ یا بلا ارادہ طریق کار یہ قرار پایا کہ مدینہ کے منافقین اندر سے فتنے اٹھائیں اور یہود و مشرکین باہر سے اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

متبنیٰ کی حیثیت

ذی القعدہ ۵ ھ میں ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب سے تَبَنِّیَت (دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا اور خاندان میں اسے بالکل اصلی بیٹے کی حیثیت دے دینا) کی جاہلانہ رسم کا خاتمہ کرنے کے لیے خود اپنے متبنیٰ (زیدؓ بن حارثہ) کی مطلّقہ بیوی (زینبؓ بنت جحش) سے نکاح کیا۔ اس موقع پر مدینے کے منافقین پروپیگنڈا کا ایک طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر سے یہود و مشرکین نے بھی ان کی آواز ملا کر افترا پردازیاں شروع کر دیں۔ انہوں نے عجیب عجیب قصے گھڑ گھڑ کر پھیلا دیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے، اور کس طرح بیٹے کو ان کے عشق کا علم ہوا اور وہ طلاق دے کر بیوی سے دست بردار ہو گیا، اور پھر کس طرح انہوں نے خود اپنی بہو سے بیاہ کر لیا۔ یہ قصے اس کثرت سے پھیلائے گئے کہ مسلمان تک ان کے اثرات سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ محدثین اور مفسرین کے ایک گروہ نے حضرت زینبؓ اور زید کے متعلق جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں آج تک ان من گھڑت قصوں کے اجزا پائے جاتے ہیں اور مستشرقین مغرب ان کو خوب نمک مرچ لگا کر اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت زینبؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی (اُمیمہ بنت عبد المطلب) کی صاحبزادی تھیں بچپن سے جوانی تک ان کی ساری عمر آپؐ کی آنکھوں کے سامنے گزری تھی، ان کو اتفاقاً ایک روز دیکھ لینے اور معاذ اللہ ان پر عاشق ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر اس واقعہ سے ایک ہی سال پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو مجبور کر کے حضرت زید سے ان کی شادی کرائی تھی۔ ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش اس شادی سے ناراض تھے۔ خود حضرت زینبؓ اس پر راضی نہ تھیں،

Marfat.com

کیونکہ ایک آزاد کردہ غلام کی بیوی بننا قریش کے اعلیٰ ترین گھرانے کی بیٹی طبعاً قبول نہ کر سکتی تھی۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں معاشرتی مساوات قائم کرنے کی ابتدا خود اپنے خاندان سے کریں، انہیں حکماً اس پر راضی کیا تھا۔ قرآن کریم میں حکم نازل ہوا کہ:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا(۱)

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

سید مودودی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور مقاتل بن حیّان کہتے ہیں کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے لیے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب حضورؐ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینبؓ نے کہا، انا خیر منه حسباً (۲) "میں اُس سے نسب میں بہتر ہوں۔" ابن سعد کا بیان ہے کہ انہوں نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ لا ارضاه لنفسی وانا ایّم قریش۔ (۳) "میں اُسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں۔" اسی طرح کا اظہارِ ناراضا

---

۱ سورۃ الاحزاب: ۳۶۔

۲ الزرقانی، أبو عبد الله، شرح الزرقاني علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة: ۱۶۷/۷، دار الکتب العلمیة، بیروت.

۳ المستدرک علی الصحیحین، باب ذکر زینب بنت جحش، حدیث نمبر: ۶۷۷۵۔

Marfat.com

مندی اُن کے بھائی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ حضرت زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی (اُمیمہ بنت عبد المطلب) کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی، اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ حضورؐ کی اپنی پھوپھی زاد بہن ہے، اور اس کا پیغام آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اسے سنتے ہی حضرت زینبؓ اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامّل سرِ اطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح پڑھایا، خود حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ۶۰ درہم مہر ادا کیا، چڑھاوے کے کپڑے دیے، اور کچھ سامان خوراک گھر کے خرچ کے لیے بھجوا دیا۔ یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے، مگر جو حکم اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظامِ زندگی پر ہوتا ہے، اس کی رو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادیِ رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان ہونا اور اپنے لیے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویّوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً حکمِ خدا اور سول کے آگے جھک جانا ہو گا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔

یہ ساری باتیں دوست اور دشمن سب کو معلوم تھیں، اور یہ بھی کسی سے چھپا ہوا نہ تھا کہ حضرت زینب کا احساسِ فخرِ نسبی ہی وہ اصل وجہ تھی جس کی بنا پر ان کا اور زید بن حارثہ کا نباہ نہ ہو سکا اور آخر کار طلاق تک نوبت پہنچی۔ مگر اس کے باوجود بے شرم افترا پردازوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بدترین اخلاقی الزامات لگائے اور ان کو اس کثرت سے رواج دیا کہ

Marfat.com

آج تک ان کا یہ پروپیگنڈا اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔ یہ کام ہونا تھا کہ حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان یکلخت اُٹھ کھڑا ہوا۔ مشرکین اور منافقین اور یہود سب آپ کی پے در پے کامیابیوں سے جلے بیٹھے تھے۔ اُحد کے بعد احزاب اور بنی قریظہ تک دو سال کی مدت میں جس طرح وہ زک پر زک اُٹھاتے چلے گئے تھے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آگ لگ رہی تھی۔ وہ اس بات سے بھی مایوس ہو چکے تھے کہ اب وہ کھلے میدان میں لڑ کر کبھی آپ کو زیر کر سکیں گے۔ اس لیے انہوں نے اس نکاح کے معاملے کو اپنے لیے ایک خدا داد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُس اخلاقی برتری کو ختم کر سکیں گے جو اُن کی طاقت اور اُن کی کامیابیوں کا اصل راز ہے۔

قرآن کریم میں حضرت زید کے طلاق اور اس کے بعد حضرت زینب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰي زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا[1]

"اے نبیؐ، یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔ اُس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۷۔

Marfat.com

کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تا کہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے تھا۔ نبی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملہ میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔"

حضرت زید نے بار بار شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینبؓ نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر ان سے نکاح کرنا قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اپنے دِل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں، اُن کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں، اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زیدؓ کو اپنے برابر کا نہ سمجھا، اور اسی وجہ سے دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدّت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

قرآن کریم میں اس معاملے کے بارے میں یوں تبصرہ ہوتا ہے:

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰي زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (۱)

"اُس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر

---

۱ ایضاً۔

Marfat.com

چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا۔"

بعض لوگوں نے اس فقرے کا اُلٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت زینبؓ سے نکاح کے خواہش مند تھے، اور آپؐ کا جی چاہتا تھا کہ حضرت زیدؓ ان کو طلاق دے دیں، مگر جب انہوں نے آکر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپؐ نے معاذاللہ اوپری دِل سے ان کو منع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم دِل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ حالاں کہ اصل بات اس کے برعکس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمادیا ہے

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا[1]

"پیروی کرو اُس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جا رہا ہے، اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو اللہ پر توکل کرو، اللہ ہی وکیل ہونے کے لیے کافی ہے۔"

یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دے چکے تھے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ محسوس فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی تھا کہ مُنہ بولے رشتوں کے معاملہ میں جاہلیت کے رسوم و اَوہام پر ضرب لگانے کا یہ ٹھیک موقع ہے، اب آپ خود آگے بڑھ کر اپنے منہ بولے بیٹے (زیدؓ) کی مطلّقہ سے نکاح کر لینا چاہیے تاکہ یہ رسم قطعی طور پر ٹوٹ جائے۔ لیکن جس وجہ سے حضورؐ اس معاملہ میں قدم اُٹھاتے ہوئے جھجک رہے تھے وہ یہ خوف تھا کہ اس سے کفار و منافقین کو، جو پہلے ہی آپؐ کی پے درپے کامیابیوں سے جلے بیٹھے تھے، آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے لیے زبردست ہتھیار مل جائے گا۔ یہ خوف کچھ اپنی بدنامی کے اندیشے سے نہ تھا بلکہ یہ کہ اس سے اسلام کو زک پہنچے گی، دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ جو اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں بدگمان ہو جائیں گے، بہت سے غیر جانبدار لوگ دشمنوں میں

---

[1] سورۃ الاحزاب: ۳-۲

Marfat.com

شامل ہو جائیں گے، اور خود مسلمانوں میں سے کمزور عقل و ذہن کے لوگ شکوک و شبہات میں پڑ جائیں گے، اس لیے حضورؐ یہ خیال کرتے تھے کہ جاہلیت کی ایک رسم کو توڑنے کی خاطر ایسا قدم اُٹھانا خلافِ مصلحت ہے جس سے اسلام کے عظیم تر مقاصد کو نقصان پہنچ جائے۔

جس زمانے میں حضرت زیدؓ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جارہی تھی اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زیدؓ جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہو گا۔ لیکن چوں کہ حضورؐ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے ___ اور وہ بھی عین اس حالت میں جب کہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپؐ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا، اِس لیے آپؐ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اسی بنا پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپؐ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اِس بلا میں پڑنے سے بچ جاؤں، ورنہ اس کے طلاق دے دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنا ہو گی اور پھر مجھ پر وہ کیچڑ اُچھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اولو العزمی اور رضا بقضا کے بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اور اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپؐ سے لینا چاہتا تھا۔ ”تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو“ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہی بات اس آیت کی تشریح میں امام زین العابدین حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے چکا تھا کہ زینبؓ آپ کی بیویوں میں شامل ہونے والی ہیں، مگر جب زیدؓ نے آکر اُن کی شکایت آپؐ سے کی تو آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمھیں پہلے خبر دے چکا تھا کہ میں تمہارا نکاح زینبؓ سے کرنے والا ہوں، تم زیدؓ سے یہ بات کہتے وقت اُس بات کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ ابن جریر، ابن کثیر

Marfat.com

بحوالہ ابن ابی حاتم علامہ آلوسی نے بھی تفسیر رُوح المعانی میں اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عتاب کا ماحصل یہ ہے کہ تم نے زیدؓ سے یہ کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، حالانکہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ زینبؓ تمہاری بیویوں میں شامل ہوں گی۔

حضرت زیدؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور ان کی عدّت پوری ہو گئی۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا[1] حاجت پوری کر چکا کے الفاظ سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زیدؓ کی اس سے کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اور یہ صورتِ حال محض طلاق دے دینے سے رونما نہیں ہوتی، کیوں کہ عدّت کے دَوران میں شوہر کو اگر کچھ دلچسپی باقی ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اور شوہر کی یہ حاجت بھی مطلقہ بیوی سے باقی رہتی ہے کہ اس کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل جائے۔ اس لیے مطلّقہ بیوی کے ساتھ اس کے سابق شوہر کی حاجت صرف اُسی وقت ختم ہوتی ہے جب عدّت گزر جائے۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا تھا۔

زَوَّجْنٰكَهَا، ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس پر فخر کیا کرتی تھیں کہ باقی بیویوں کے نکاح تو زمین پر ہوئے جب کہ میرا نکاح عرش پر ہوا، خود اللہ تعالیٰ نے نکاح کر دیا[2]۔ یہ اعزاز کی بات تو تھی ہی ساتھ ساتھ اس رسم کو توڑ دیا گیا جو عربوں میں اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ اس کو توڑنا ناممکن نظر آرہا تھا کیوں کہ یہ الفاظ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی ضرورت اور مصلحت کی خاطر کرایا تھا جو اس تدبیر کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے پوری نہ ہو سکتی تھی۔ عرب میں منہ بولے رشتوں کے بارے میں جو غلط رسوم رائج ہو گئی تھیں، ان کے توڑنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ، اللہ کا رسول خود آگے بڑھ کر ان کو توڑ ڈالے۔ لہٰذا یہ

---

[1] ایضاً۔

[2] صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۶۹۸۴۔

Marfat.com

نکاح اللہ تعالیٰ نے محض نبی کے گھر میں ایک بیوی کا اضافہ کرنے کی خاطر نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت کی خاطر کروایا۔

دوسرے مسلمانوں کے لیے تو اس طرح کا نکاح محض مباح ہے مگر بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ایک فرض تھا جو اللہ نے آپ پر عائد کیا تھا یعنی انبیاء کے لیے ہمیشہ سے یہ ضابطہ مقرر رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم بھی آئے اس پر عمل کرنا ان کے لیے قضائے مُبرَم ہے جس سے کوئی مفر اُن کے لیے نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر کوئی کام فرض کر دے تو اسے یہ کام کر کے ہی رہنا ہوتا ہے خواہ ساری دُنیا اس کی مخالفت پر تُل گئی ہو۔ اس سے اگلی آیت میں مزید وضاحت فرما دی تاکہ جو کوئی کسی بھی قسم کا اعتراض کر سکتا تھا وہ ختم ہو گیا فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا[1]

"(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

اس ایک فقرے میں اُن تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے جو مخالفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نکاح پر کر رہے تھے۔

اُن کا اوّلین اعتراض یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی بہو سے نکاح کیا ہے حالانکہ آپؐ کی اپنی شریعت میں بھی بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، یعنی جس شخص کی مطلقہ سے نکاح کیا گیا ہے وہ بیٹا تھا کب کہ اس کی مطلقہ سے نکاح حرام ہوتا؟ تم لوگ تو خود جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سرے سے کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اچھا، اگر منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے تب بھی اس

---

[1] سورۃ الاحزاب: ۴۰۔

Marfat.com

کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا زیادہ سے زیادہ بس جائز ہی ہو سکتا تھا، آخر اس کا کرنا کیا ضروری تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا مگر وہ اللہ کے رسولؐ ہیں، یعنی رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے اس کے بارے میں تمام تعصّبات کا خاتمہ کر دیں اور اس کی حلت کے معاملے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا اور وہ خاتم النبیین ہیں، یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح اُن کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کر دے، لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ اس رسمِ جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔

اس کے بعد مزید زور دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اِس رسمِ جاہلیّت کو ختم کرا دینا کیوں ضروری تھا اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اب اُس کی طرف سے کوئی نبی آنے والا نہیں ہے لہٰذا اگر اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے اُس نے اس رسم کا خاتمہ اب نہ کرایا تو پھر کوئی دوسری ہستی دُنیا میں ایسی نہ ہو گی جس کے توڑنے سے یہ تمام دُنیا کے مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے۔ بعد کے مصلحین اگر اسے توڑیں گے بھی تو ان میں سے کسی کا فعل بھی اپنے پیچھے ایسا دائمی اور عالمگیر اقتدار نہ رکھے گا کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں لوگ اس کا اتباع کرنے لگیں، اور ان میں سے کسی کی شخصیت بھی اپنے اندر اس تقدس کی حامل نہ ہو گی کہ کسی فعل کا محض اُس کی سُنت ہونا ہی لوگوں کے دِلوں سے کراہیت کے ہر تصوّر کا قلع قمع کر دے۔[1]

پردے کا حکم

یکم ذی القعدۃ پانچ ہجری کو اس وقت پردے کا باقاعدہ حکم نازل ہوا جب آپ کا

---

1. تفہیم القرآن جلد چہارم، سورۃ الاحزاب تفسیر آیات ۴۰-۳۷۔

Marfat.com

نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا اور لوگ ولیمہ میں شرکت کے لیے آپ کے گھر آئے ہوئے تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں آیۃ الحجاب کے بارے میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تو وہ بھی اسی کمرے میں موجود تھیں جہاں ولیمہ ہو رہا تھا۔ کھانا تیار کیا گیا، قوم کو کھلایا گیا، جب کہ بعض لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر جاتے اور لوٹ آتے، پھر جاتے اور پھر واپس آتے اس حال میں کہ جو لوگ باتیں کر رہے تھے وہ باتوں ہی میں مصروف تھے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو، نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ۔ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبیؐ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۷۹۴۔

2 سورۃ الأحزاب: ۵۳۔

Marfat.com

اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔"

امام ابن الجوزی کہتے ہیں کہ آیت الحجاب کے نزول سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ علیہ وسلم عرب کے طور طریقے پر ہی تھے یہاں تک کہ پردے کا حکم نازل ہو گیا۔ حضرت عمر نے بار بار اس طرف توجہ دلائی تھی کہ امہات المؤمنین کو پردہ کرنا چاہیے لیکن آپؐ کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے جب تک کہ اللہ تعالی کی طرف سے کوئی واضح وحی نہ آ جائے۔[1]

غزوہ خندق (احزاب)

نکاح زینب سے چند روز بعد یعنی ذی القعدۃ پانچ ہجری ہی میں عرب کے تمام قبائل نے مشترکہ طور پر ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ کی نوزائیدہ ریاست پر ایک بڑا حملہ کر دیا۔ اس وقت اہل مدینہ جن میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور مشرکین بھی تھے اس قابل نہ تھے کہ اس بڑے حملے کا جواب دے سکیں چنانچہ آپ نے فوری طور پر حضرت سلمان فارسی کی رائے کے مطابق مدینہ کے گرد خندق کھدوا کر اپنا دفاع کیا، اس لیے اس غزوے کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے، نیز غزوہ احزاب اس لیے کہ بہت سے قبائل نے مل کر یہ حملہ کیا تھا۔[2]

یہ غزوہ دراصل عرب کے بہت سے قبائل کا ایک مشترکہ حملہ تھا جو مدینے کی اس طاقت کو کچل دینے کے لیے کیا گیا تھا ___ اس کی تحریک بنی النَّضِیر کے اُن لیڈروں نے

---

1 ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن، کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۸۳/۱، دار الوطن، الریاض

2 احزاب حزب کی جمع ہے اور حزب کا معنی جماعت گروہ جتھہ وغیرہ ہے۔

Marfat.com

کے تھی جو جلاوطن ہو کر خیبر میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہوں نے دَورہ کر کے قریش اور غطفان اور ہُذیل اور دوسرے بہت سے قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مدینے پر ٹوٹ پڑیں۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے شوال ۵ھ[1] میں قبائل عرب کی اتنی بڑی جمعیت اس چھوٹی سی بستی پر حملہ آور ہو گئی جو اس سے پہلے عرب میں کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔

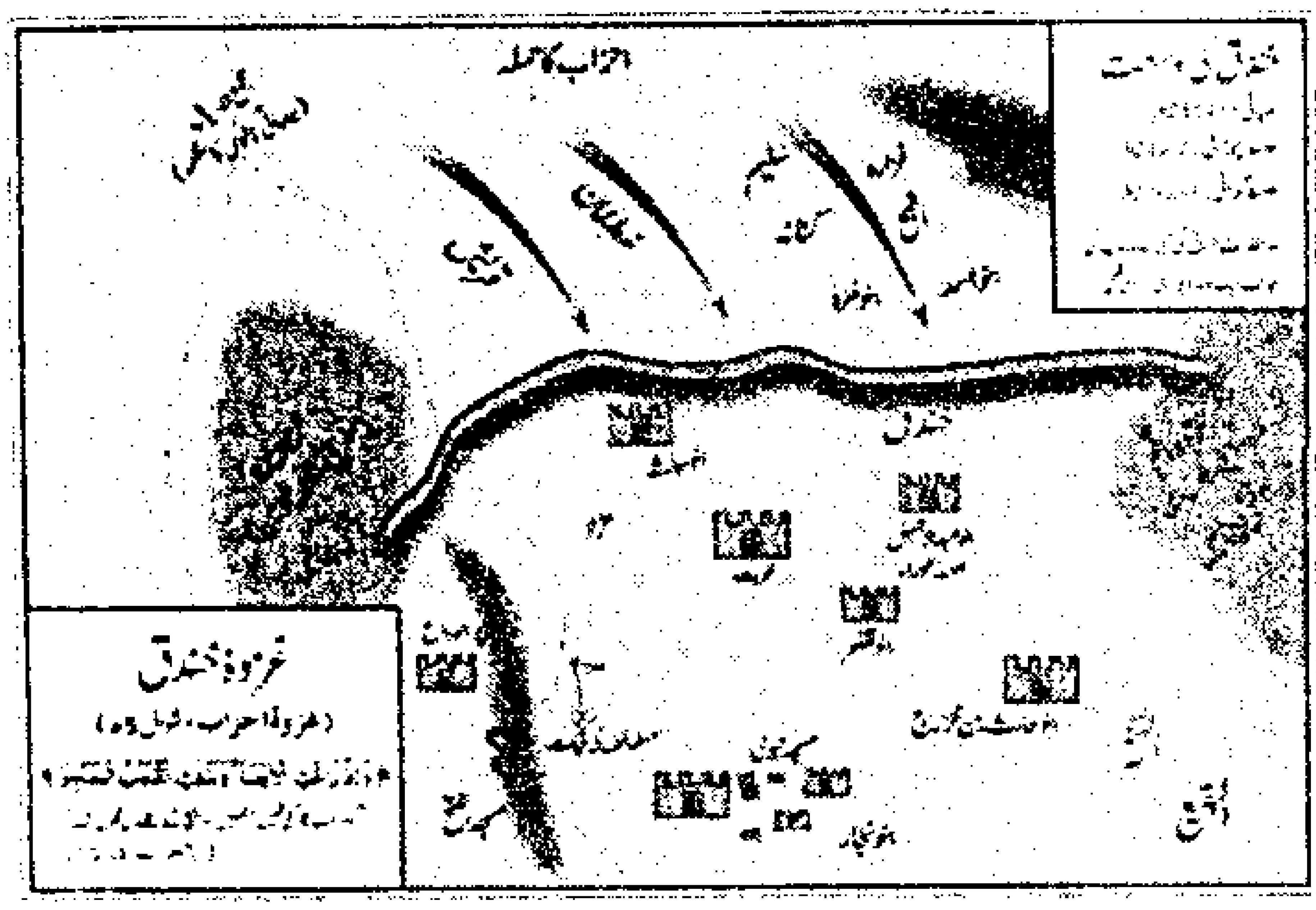

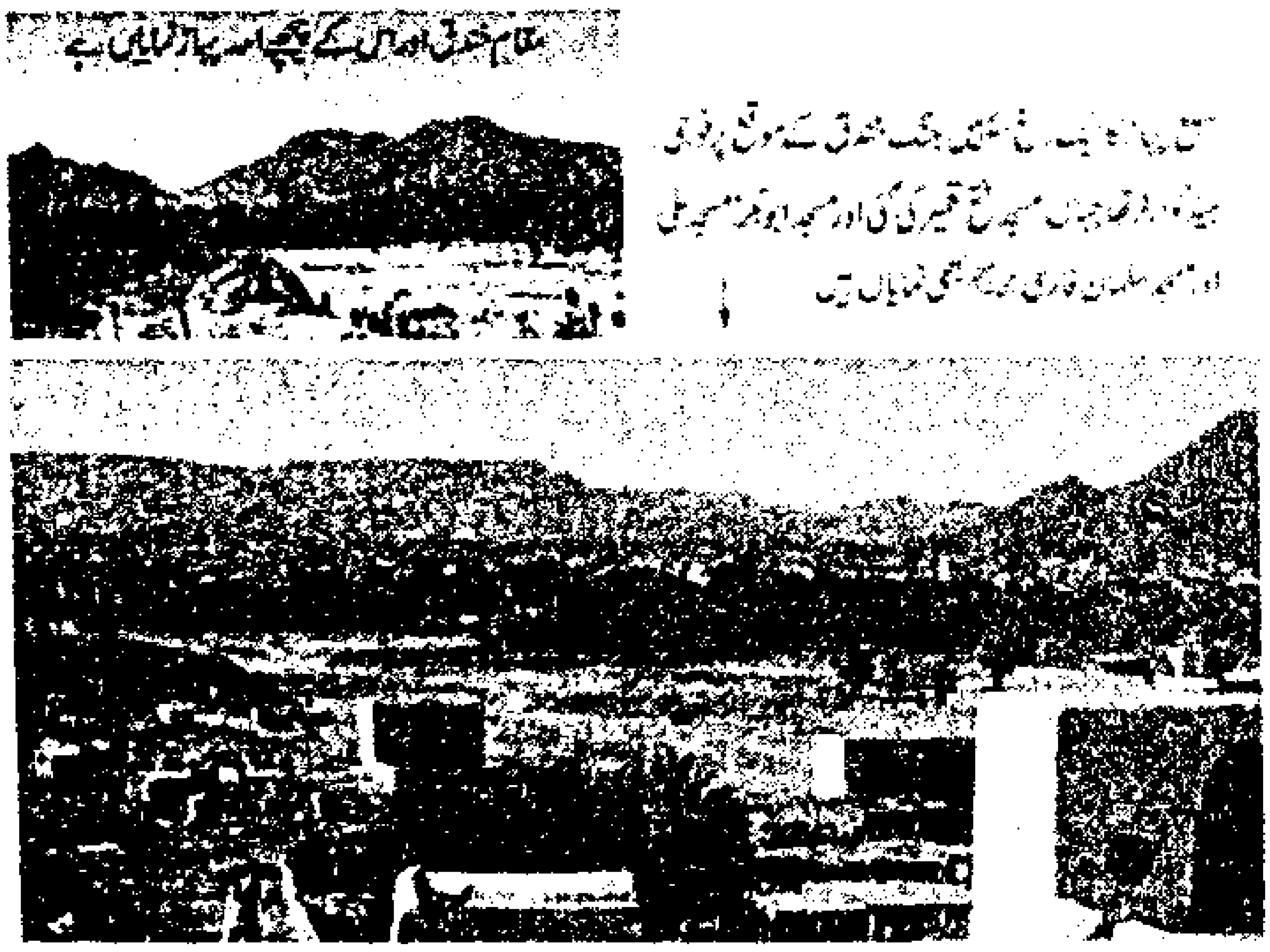

1 یہ محاصرہ مہینہ بھر قائم رہا تھا اس لیے شوال اور ذیعقدہ دونوں ماہ کے ایام اس میں شامل ہیں۔

Marfat.com

یہ حملہ اگر اچانک ہوتا تو سخت تباہ کُن ہوتا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں بے خبر بیٹھے نہ تھے بلکہ آپ کے خبر رساں اور ہمدرد اور متاثرین جو تمام قبائل میں موجود تھے، آپ کو دشمنوں کی نقل و حرکت سے برابر مطلع کرتے رہتے تھے۔ قبل اس کے کہ یہ جمِّ غفیر آپ کے شہر پہنچتا، آپ نے چھ دن کے اندر مدینہ کے شمال غربی رُخ پر ایک خندق کھُدوالی اور کوہ سَلع کو پشت پر لے کر تین ہزار فوج کے ساتھ خندق کی پناہ میں مدافعت کے لیے تیار ہوگئے۔ مدینہ کے جنوب میں باغات اس کثرت سے تھے (اور اب بھی ہیں) کہ اس جانب سے کوئی حملہ اس پر نہ ہو سکتا تھا۔ مشرق میں حَرّات (لاوے کی چٹانیں) ہیں جن پر سے اجتماعی فوج کشی آسانی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یہی کیفیت مغربی جنوبی گوشے کی بھی ہے۔ اس لیے حملہ صرف اُحد کے مشرقی اور مغربی گوشوں سے ہو سکتا تھا اور اسی جانب حضورؐ نے خندق کھدوا کر شہر کو محفوظ کر لیا تھا۔ یہ چیز سرے سے کفار کے جنگی نقشے میں تھی ہی نہیں کہ انہیں مدینے کے باہر خندق سے سابقہ پیش آئے گا، کیونکہ عرب اس طریقِ دفاع سے ناآشنا تھے، اس لیے انہیں موسم سرما میں ایک طویل محاصرے کے لیے تیار ہونا پڑا جس کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔

اس کے بعد کفار کے لیے صرف ایک ہی تدبیر باقی رہ گئی تھی، اور وہ یہ کہ بنی قُریظہ کے یہودی قبیلے کو غدّاری پر آمادہ کریں جو مدینہ طیّبہ کے جنوب مشرقی گوشے میں رہتا تھا۔ چوں کہ اس قبیلے سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ تھا جس کی رو سے مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا، اس لیے مسلمانوں نے اس طرف سے بے فکر ہو کر اپنے بال بچّے اُن گڑھیوں میں بھجوا دیے تھے جو بنی قریظہ کی جانب تھیں اور اُدھر مدافعت کا کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ کفار نے اسلامی دفاع کے اس کمزور پہلو کو بھانپ لیا۔ اُن کی طرف سے بنی نضیر کا یہودی سردار حُیَیّ بن اخطب بنی قُریظہ کے پاس بھیجا گیا تاکہ انہیں معاہدہ توڑ کر جنگ میں شامل ہونے پر آمادہ کرے۔ ابتداءً اُنہوں نے اس سے انکار کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ ہے

Marfat.com

اور آج تک کبھی ہمیں ان سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جب ابنِ اخطب نے ان سے کہا کہ دیکھو، میں اس وقت عرب کی متحدہ طاقت اس شخص پر چڑھالایا ہوں، یہ اسے ختم کر دینے کا نادر موقع ہے، اس کو اگر تم نے کھو دیا تو پھر دوسرا کوئی موقع نہ مل سکے گا، تو ذہن میں بسی اسلام دشمنی اخلاقی پاس و لحاظ پر غالب آگئی اور بنی قریظہ عہد توڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے سے بھی بے خبر نہ تھے۔ آپؐ کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی اور آپؐ نے فوراً انصار کے سرداروں (سعد بن عُبادہ، سعد بن مُعاذ، عبد اللہ بن رواحہ اور خوّات بن جُبیر) کو ان کے پاس تحقیقِ حال اور فہمائش کے لیے بھیجا۔ چلتے وقت آپؐ نے اُن کو ہدایت فرمائی کہ اگر بنی قُریظہ عہد پر قائم رہیں تو آکر سارے لشکر کے سامنے علی الاعلان یہ خبر سُنا دینا۔ لیکن اگر وہ نقضِ عہد پر مُصر ہوں تو صرف مجھ کو اشارۃً اس کی اطلاع دے دینا تاکہ عام مسلمان یہ بات سُن کر پست ہمّت نہ ہو جائیں۔ یہ حضرات وہاں پہنچے تو بنی قریظہ کو پوری خباثت پر آمادہ پایا اور انہوں نے برملا ان سے کہہ دیا کہ لا عقد بیننا و بین محمد ولا عھد۔ "ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔" اس جواب کو سن کر وہ لشکرِ اسلام میں واپس آئے اور اشارۃً حضورؐ سے عرض کر دیا: عَضَل و قارہ۔ یعنی قبیلہ عَضَل و قارہ نے رَجیع کے مقام پر مبلّغین اسلام کے وفد سے جو غدّاری کی تھی، وہی کچھ اب بنی قریظہ کر رہے ہیں۔ [2]

یہ خبر بہت جلدی مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور ان کے اندر اس سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیوں کہ اب وہ دونوں طرف سے گھیرے میں آگئے تھے اور ان کے شہر کا وہ حصّہ خطرے میں پڑ گیا تھا جدھر دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اور سب کے بال بچّے بھی اسی جانب تھے۔ اس پر منافقین کی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں اور انہوں نے اہل ایمان

---

1. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۲۰/۲۔
2. ایضاً: ۲۲۱/۲۔

Marfat.com

کے حوصلے پست کرنے کے لیے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کر دیے۔ کسی نے کہا کہ ہم سے وعدے تو قیصر و کسریٰ کے ملک فتح ہو جانے کے کیے جا رہے تھے، اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں ہمیں جا کر اُن کی حفاظت کرنی ہے۔ کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کر دو۔ یہ ایسی شدید آزمائش کا وقت تھا جس میں ہر اس شخص کا پردہ فاش ہو گیا جس کے دِل میں ذرّہ برابر بھی نفاق موجود تھا۔ صرف صادق و مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس کڑے وقت میں بھی فداکاری کے عزم پر ثابت قدم رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک موقع پر بنی غطفان سے صلح کی بات چیت شروع کی اور ان کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ مدینے کے پھلوں کی پیداوار کا تیسرا حصّہ لے کر واپس چلے جائیں۔ لیکن جب انصار کے سرداروں (سعدؓ بن عُبادہ اور سعدؓ بن مُعاذ) سے آپؐ نے اِن شرائط صلح کے متعلق مشورہ طلب کیا تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ، یہ آپؐ کی خواہش ہے کہ ہم ایسا کریں یا یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمارے لیے اسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے؟ یا آپؐ ہمیں بچانے کے لیے یہ تجویز فرما رہے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا میں صرف تم لوگوں کو بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہوں، کیوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سارا عرب متحد ہو کر تم پر پِل پڑا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان کو ایک دوسرے سے توڑ دوں۔ اس پر دونوں سرداروں نے بالاتفاق کہا کہ اگر آپؐ ہماری خاطر یہ معاہدہ کر رہے ہیں تو اسے ختم کر دیجیے۔ یہ قبیلے ہم سے اُس وقت بھی ایک حبّہ خراج کے طور پر نہ لے سکے تھے جب ہم مشرک تھے، اور اب تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا شرف ہمیں حاصل ہے۔ کیا یہ اب ہم سے خراج لیں گے؟ ہمارے اور ان کے درمیان اب صرف تلوار ہی ہے، یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور ان کا فیصلہ کر دے۔ یہ کہہ کر انہوں نے معاہدے کے اس مسودے کو چاک کر دیا جس پر ابھی دستخط نہ ہوئے تھے۔

اسی دوران میں قبیلۂ غَطفان کی شاخ اَشجَع کے ایک صاحب نُعَیم بن مسعُود مسلمان

Marfat.com

ہو کر حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ابھی تک کسی کو بھی میرے قبول اسلام کا علم نہیں، آپؐ مجھ سے اس وقت جو خدمت لینا چاہیں میں اسے انجام دے سکتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم جا کر دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوئی تدبیر کرو (اسی موقعہ پر آپؐ نے فرمایا تھا الحرب خدعۃ۔ یعنی جنگ میں دھوکا دینا جائز ہے۔) چنانچہ وہ پہلے بنی قُریظہ کے پاس گئے جن سے ان کا بہت میل جول تھا، اور ان سے کہا کہ قریش اور غطفان تو محاصرے سے تنگ آ کر واپس بھی جا سکتے ہیں، ان کا کچھ نہ بگڑے گا، مگر تمہیں مسلمانوں کے ساتھ اسی جگہ رہنا ہے، وہ لوگ اگر چلے گئے تو تمہارا کیا بنے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اس وقت تک جنگ میں حصّہ نہ لو جب تک اِن باہر سے آئے ہوئے قبائل کے چند نمایاں آدمی تمہارے پاس یرغمال کے طور پر نہ بھیج دیے جائیں۔ یہ بات بنی قُریظہ کے دِل میں اُتر گئی اور انہوں نے متحدہ محاذ کے قبائل سے یرغمال طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر یہ صاحب قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ بنی قریظہ کچھ ڈھیلے پڑتے نظر آ رہے ہیں، بعید نہیں کہ وہ تم سے یرغمال کے طور پر کچھ آدمی مانگیں اور انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر کے اپنا معاملہ صاف کر لیں۔ اس لیے ذرا ان کے ساتھ ہوشیاری سے معاملہ کرنا۔ اس سے متحدہ محاذ کے لیڈر بنی قُریظہ کی طرف سے کھٹک گئے اور انہوں نے قُرظی سرداروں کو پیغام بھیجا کہ اس طویل محاصرے سے اب ہم تنگ آ گئے ہیں، اب ایک فیصلہ کن لڑائی ہو جانی چاہیے، کل تم اُدھر سے حملہ کرو اور ہم اِدھر سے یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بنی قُریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک آپ لوگ اپنے چند نمایاں آدمی یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے نہ کر دو، ہم جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس جواب سے متحدہ محاذ کے لیڈروں کو یقین آ گیا کہ نعیم کی بات سچی تھی۔ انہوں نے یرغمال دینے سے انکار کر دیا اور اس سے بنی قُریظہ نے سمجھ لیا کہ نعیم نے ہم کو ٹھیک مشورہ دیا تھا۔ اِس طرح یہ جنگی چال بہت کامیاب ثابت ہوئی اور اس نے دشمنوں کے کیمپ میں پھوٹ ڈال دی۔

اب محاصرہ پچیس دن سے زیادہ طویل ہو چکا تھا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے پانی اور غذا اور چارے کی فراہمی بھی مشکل تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اور پھوٹ

Marfat.com

پڑ جانے سے بھی محاصرین کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اس حالت میں یکایک ایک رات سخت آندھی کے زور سے دشمنوں کے خیمے الٹ گئے اور ان کے اندر شدید افراتفری برپا ہو گئی۔ قدرت خداوندی کا یہ کاری وار وہ نہ برداشت کر سکے۔ راتوں رات ہر ایک نے اپنے گھر کی راہ لی اور صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان میں ایک دشمن بھی موجود نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کو دشمنوں سے خالی دیکھ کر فوراً ارشاد فرمایا: لن تغزوکم قریش بعد عامکم ھٰذا ولکنکم تغزونھم۔[1] یعنی اب قریش کے لوگ تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔ یہ حالات کا بالکل صحیح اندازہ تھا۔ قریش ہی نہیں، سارے دشمن قبائل متحد ہو کر اسلام کے خلاف اپنا آخری داؤ چل چکے تھے۔ اس میں ہار جانے کے بعد اب ان میں یہ ہمت ہی باقی نہ رہی تھی کہ مدینے پر حملہ آور ہونے کی جرأت کر سکتے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ۲۵۴/ ۲۔

Marfat.com

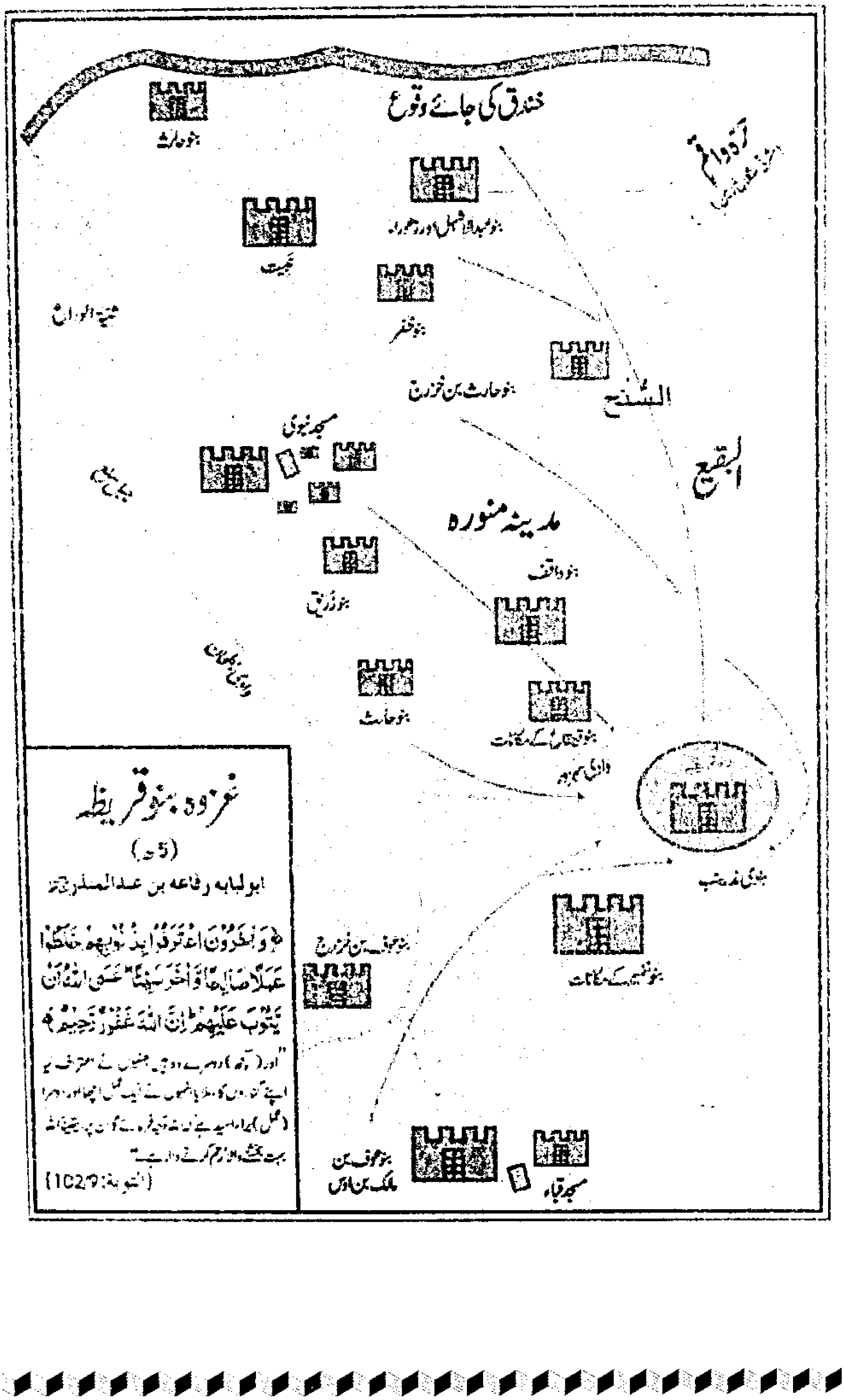
خندق کی جائے وقوع
بنو حارثہ
بنو ظفر
بنو حارث بن خزرج
مسجد نبوی
مدینہ منورہ
البقیع
بنو زریق
بنو حارثہ
بنو نضیر کے مکانات
مسجد قباء
غزوہ بنو قریظہ
(5ھ)
ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذرؓ
﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾
(التوبۃ: 9:102)

Marfat.com

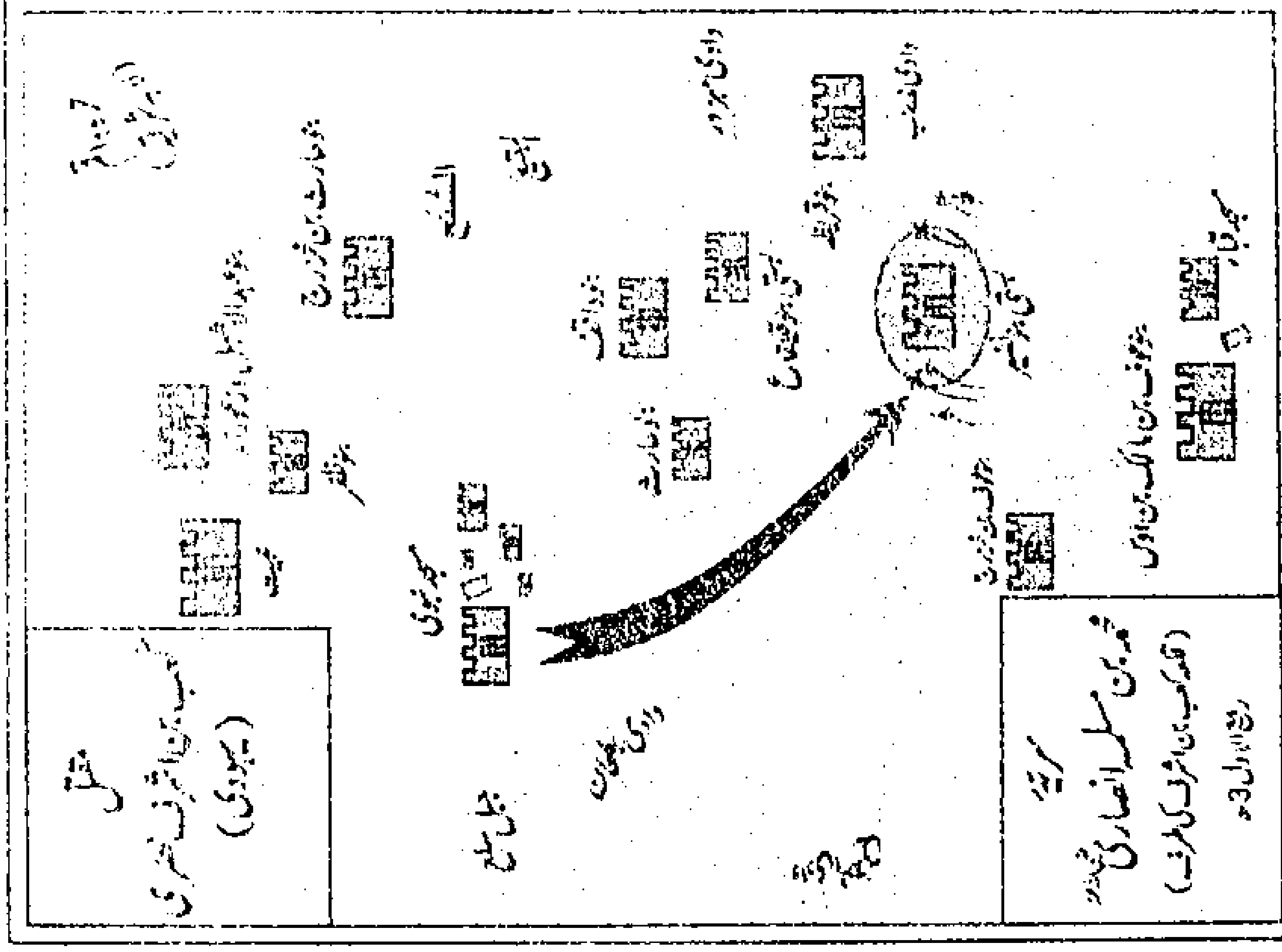

Marfat.com

یہود بنی قریظہ کی بدعہدی اور سزا

خندق سے پلٹ کر جب حضورؐ گھر پہنچے تو ظہر کے وقت جبرئیلؑ نے آکر حکم سنایا کہ ابھی ہتھیار نہ کھولے جائیں، بنی قریظہ کا معاملہ باقی ہے، ان سے بھی اسی وقت نمٹ لینا چاہیے۔ یہ حکم پاتے ہیں حضورؐ نے فوراً اعلان فرمایا: أَنْ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ. فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ. فَصَلَّوْا دُونَ بَنِي قُرَيْظَةَ. وَقَالَ آخَرُونَ: لَا نُصَلِّي إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ. قَالَ: فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِنَ الْفَرِيقَيْنِ[1] "کوئی عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک دیار بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے تو بعض لوگوں نے نماز فوت ہونے کے ڈر سے راستے ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی اور بعض نے کہا کہ ہم اسی جگہ جا کر نماز پڑھیں گے جہاں آپؐ نے حکم دیا ہے، چاہے وقت ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ آپ نے دونوں کو کچھ نہیں کہا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی آپؐ نے حضرت علیؓ کو ایک دستے کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر بنی قریظہ کی طرف روانہ کر دیا۔ وہ جب وہاں پہنچے تو یہودیوں نے کوٹھوں پر چڑھ کر نبی ﷺ اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی، لیکن یہ بدزبانی ان کو اس جرم عظیم کے خمیازے سے کیسے بچا سکتی تھی کہ انہوں نے عین لڑائی کے وقت معاہدہ توڑ ڈالا اور حملہ آوروں سے مل کر مدینے کی پوری آبادی کو ہلاکت کے خطرے میں مبتلا کر دیا۔ حضرت علیؓ کے دستے کو دیکھ کر وہ سمجھے تھے کہ یہ محض دھمکانے آئے ہیں۔ لیکن جب حضورؐ کی قیادت میں پورا اسلامی لشکر وہاں پہنچ گیا اور ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا گیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ محاصرہ کی شدت کو وہ دو تین ہفتوں سے زیادہ برداشت نہ کر سکے اور آخر کار انہوں نے اس شرط پر اپنے آپ کو نبی ﷺ کے حوالے کر دیا کہ قبلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی

---

1 صحیح مسلم، باب المغادرۃ بالغزو، حدیث نمبر: ۱۷۷۰۔

Marfat.com

اللہ عنہ ان کے حق میں جو فیصلہ بھی کریں، وہ مان لیں گے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اس امید پر حکم بنایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اَوس اور بنی قریظہ کے درمیان جو حلیفانہ تعلقات مدّتوں سے چلے آرہے تھے وہ ان کا لحاظ کریں گے اور اُنہیں بھی اسی طرح مدینہ سے نِکل جانے دیں گے جس طرح پہلے بنی قَینُقاع اور بنی النضیر کو نِکل جانے دیا گیا تھا۔ خود قبیلۂ اَوس کے لوگ بھی حضرت سعدؓ سے تقاضا کر رہے تھے کہ اپنے حلیفوں کے ساتھ نرمی برتیں۔ لیکن حضرت سعدؓ ابھی ابھی دیکھ چکے تھے کہ پہلے جن دو یہودی قبیلوں کو مدینہ سے نِکل جانے کا موقع دیا گیا تھا وہ کس طرح گردوپیش کے سارے قبائل کو بھڑکا کر مدینے پر دس بارہ ہزار کا لشکر چڑھا لائے تھے۔ اور یہ معاملہ بھی ان کے سامنے تھا کہ اس آخری یہودی قبیلے نے عین بیرونی حملے کے موقع پر بدعہدی کر کے اہل مدینہ کو تباہ کر دینے کا کیا سامان کیا تھا، اس لیے انہوں نے فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیے جائیں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے، اور ان کی تمام املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اس فیصلے پر عمل کیا گیا اور جب بنی قریظہ کی گڑھیوں میں مسلمان داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگِ احزاب میں حصہ لینے کے لیے ان غدّاروں نے پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو ڈھالیں فراہم کی تھیں۔ اگر اللہ کی تائید مسلمانوں کے شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ سارا جنگی سامان مدینہ پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا جب کہ مشرکین یکبارگی خندق پار کر کے ٹوٹ پڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس انکشاف کے بعد تو اس امر میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ حضرت سعدؓ نے ان لوگوں کے معاملہ میں جو فیصلہ دیا وہ بالکل حق تھا۔[1]

---

[1] الشامی، محمد بن یوسف الصالح، سبل الھدی والرشاد، فی سیرۃ خیر العباد، وذکر فضائلہ وأعلام نبوتہ وأفعالہ وأحوالہ فی المبدأ والمعاد: ۸/ ۴، ۳۳۱/ ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۱۴ھ۔

Marfat.com

شراب، جوئے کی تحریم، قانونِ وراثت اور عائلی قوانین کی تکمیل

دشمن کے پے در پے حملوں اور مسلسل کشاکش کے باوجود غزوہ احد اور غزوہ خندق کے درمیانی عرصہ میں نئے مسلم معاشرے کی تعمیر، اور ہر پہلو میں زندگی کی اصلاح کا کام برابر جاری رہا۔ یہی زمانہ تھا جس میں قوانین نکاح و طلاق قریب قریب مکمل ہو گئے اور وراثت کا قانون بنا، شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا، اور معیشت و معاشرت کے دوسرے بہت سے پہلوؤں میں نئے ضابطے نافذ کیے گئے۔

ہجرت کے پانچویں اور چھٹے سال کی مختصر مہمات

۵ -۶ ہجری کے دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف نوعیت کے وفود ارسال کیے جن میں تبلیغی وفود، دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگانے کی مہمیں، ڈاکوؤں کی سرکوبی اور اور سرحدوں کی حفاظت سے متعلق امور شامل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ ہجری کے اواخر یعنی ذی الحجہ میں عبد اللہ بن عتیک کی قیادت میں ایک وفد بھیجا، اسی سال بنی قریظہ کو سبق سکھایا گیا، محمد بن مسلمہ کو شاتم رسول اور گستاخِ صحابہ کعب بن اشرف کا کام تمام کرنے کے لیے ارسال کیا۔ جب کہ یکم ربیع الاول چھ ہجری کو غزوہ بنی لحیان رونما ہوا۔ آپ اسی سال ربیع الآخر میں غزوہ غابہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، نیز حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں جمادی الآخر چھ ہجری میں سریہ طوف اور رجب میں سریہ وادی القری واقع ہوا اور شعبان چھ ہجری میں حضرت زید بن حارثہ کو بھیجا، اسی مہینہ میں حضرت عبیدہ بن الجراح کو سریہ سیف البحر جب کہ حضرت علی بن اَبی طالب کو سریہ فدک کے لیے روانہ کیا، یہ ساری مختصر مہمات تھیں جن کا مقصد کفار پر مسلمانوں کی دھاک بٹھانا اور یہ بتانا تھا کہ اسلامی ریاست اپنے اردگرد رونما ہونے والے تمام واقعات سے نہ صرف باخبر ہے بلکہ مسائل کے حل کے لیے ہمہ تن مصروف کار بھی ہے۔

ان واقعات اور مہمات میں سے عبد اللہ بن عتیک کی مہم کا جو ابن ابی الحقیق گستاخ رسول کو سزا دینے اور محمد بن مسلمہ کی مہم جس کا تعلق شاتم رسول کعب بن اَشرف کی سرکوبی سے ہے، کا تذکرہ صحیح احادیث کی روشنی میں تفصیل سے کیا جاتا ہے تاکہ دور حاضر

Marfat.com

میں اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی کے لیے ان واقعات سے سبق حاصل ہو سکے۔

عبد اللہ بن عتیک اور شاتمِ رسول ابو رافع بن ابی الحقیق کی سرکوبی

ایک روایت ہے کہ اس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا۔ یہ خیبر میں رہتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرزمین حجاز میں ایک قلعہ میں رہتا تھا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ علامہ زہری کا قول ہے کہ اس کا قتل کعب بن اشرف کے بعد ہوا۔ واقعے کی نزاکت اور دورِ حاضر میں اس کی ضرورت کی خاطر مکمل سند کے ساتھ بخاری شریف میں مذکور حدیث ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي رَافِعٍ الْيَهُودِيِّ رِجَالًا مِنَ الأَنْصَارِ، فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَتِيكٍ، وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُؤْذِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُعِينُ عَلَيْهِ، وَكَانَ فِي حِصْنٍ لَهُ بِأَرْضِ الحِجَازِ، فَلَمَّا دَنَوْا مِنْهُ، وَقَدْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَرَاحَ النَّاسُ بِسَرْحِهِمْ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لِأَصْحَابِهِ: اجْلِسُوا مَكَانَكُمْ، فَإِنِّي مُنْطَلِقٌ، وَمُتَلَطِّفٌ لِلْبَوَّابِ، لَعَلِّي أَنْ أَدْخُلَ، فَأَقْبَلَ حَتَّى دَنَا مِنَ البَابِ، ثُمَّ تَقَنَّعَ بِثَوْبِهِ كَأَنَّهُ يَقْضِي حَاجَةً، وَقَدْ دَخَلَ النَّاسُ، فَهَتَفَ بِهِ البَوَّابُ، يَا عَبْدَ اللَّهِ: إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ أَنْ تَدْخُلَ فَادْخُلْ، فَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُغْلِقَ البَابَ، فَدَخَلْتُ فَكَمَنْتُ، فَلَمَّا دَخَلَ النَّاسُ أَغْلَقَ البَابَ، ثُمَّ عَلَّقَ الأَغَالِيقَ عَلَى وَتَدٍ، قَالَ: فَقُمْتُ إِلَى الأَقَالِيدِ فَأَخَذْتُهَا، فَفَتَحْتُ البَابَ، وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُسْمَرُ عِنْدَهُ، وَكَانَ فِي عَلاَلِيَّ لَهُ، فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْهُ أَهْلُ سَمَرِهِ صَعِدْتُ إِلَيْهِ، فَجَعَلْتُ كُلَّمَا فَتَحْتُ بَابًا أَغْلَقْتُ عَلَيَّ مِنْ دَاخِلٍ، قُلْتُ: إِنِ القَوْمُ نَذِرُوا بِي لَمْ يَخْلُصُوا إِلَيَّ حَتَّى أَقْتُلَهُ، فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ فِي بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَسْطَ عِيَالِهِ، لاَ أَدْرِي أَيْنَ هُوَ مِنَ

Marfat.com

الْبَيْتِ. فَقُلْتُ: يَا أَبَا رَافِعٍ، قَالَ: مَنْ هَذَا؟ فَأَهْوَيْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَأَضْرِبُهُ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ وَأَنَا دَهِشٌ، فَمَا أَغْنَيْتُ شَيْئًا، وَصَاحَ، فَخَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ، فَأَمْكُثُ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا الصَّوْتُ يَا أَبَا رَافِعٍ؟ فَقَالَ: لِأُمِّكَ الْوَيْلُ، إِنَّ رَجُلًا فِي الْبَيْتِ ضَرَبَنِي قَبْلُ بِالسَّيْفِ، قَالَ: فَأَضْرِبُهُ ضَرْبَةً أَثْخَنَتْهُ وَلَمْ أَقْتُلْهُ، ثُمَّ وَضَعْتُ ظِبَةَ السَّيْفِ فِي بَطْنِهِ حَتَّى أَخَذَ فِي ظَهْرِهِ، فَعَرَفْتُ أَنِّي قَتَلْتُهُ، فَجَعَلْتُ أَفْتَحُ الأَبْوَابَ بَابًا بَابًا، حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى دَرَجَةٍ لَهُ، فَوَضَعْتُ رِجْلِي، وَأَنَا أُرَى أَنِّي قَدِ انْتَهَيْتُ إِلَى الأَرْضِ، فَوَقَعْتُ فِي لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ، فَانْكَسَرَتْ سَاقِي فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ، ثُمَّ انْطَلَقْتُ حَتَّى جَلَسْتُ عَلَى الْبَابِ، فَقُلْتُ: لاَ أَخْرُجُ اللَّيْلَةَ حَتَّى أَعْلَمَ: أَقَتَلْتُهُ؟ فَلَمَّا صَاحَ الدِّيكُ قَامَ النَّاعِي عَلَى السُّورِ، فَقَالَ: أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ أَهْلِ الْحِجَازِ. فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي، فَقُلْتُ: النَّجَاءَ، فَقَدْ قَتَلَ اللَّهُ أَبَا رَافِعٍ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: «ابْسُطْ رِجْلَكَ» فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا، فَكَأَنَّهَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ[1]

یوسف بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن موسیٰ نے ان سے بیان کیا کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے روایت کی، انہوں نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو جو انصار تھے ابو رافع یہودی کی طرف بھیجا اور ان لوگوں کا قائد حضرت عبد اللہ بن عتیک کو بنایا۔ ابو رافع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام سے ایذا دیتا تھا اور آپ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ وہ حجاز میں اپنے ایک قلعے میں رہتا تھا، جب یہ گروہ قلعہ کے

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۳۸۔

Marfat.com

قریب پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ واپس جا رہے تھے، اب عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم حضرات اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ میں چلتا ہوں دربان سے بچ کر کوشش کروں گا شاید میں کسی طرح قلعے میں داخل ہو جاؤں وہ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گئے، پھر انہوں نے چادر لپیٹ لی گویا وہ رفع حاجت کر رہے ہیں۔ لوگ قلعے میں داخل ہو گئے۔ دربان نے پکارا اے اللہ کے بندے اگر تو اندر داخل ہونا چاہتا ہے تو ہو جا کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں، اب میں اندر چلا گیا، اور چھپ گیا۔ جب لوگ اندر آگئے تو دربان نے دروازہ بند کر دیا پھر اس نے چابیاں اندر ایک کھونٹی کے ساتھ لٹکا دیں۔ اب میں اٹھا چابیاں لیں اور دروازہ کھول لیا۔ ابو رافع کے پاس قصہ گو بیٹھے تھے وہ اپنے ایک بالا خانے میں تھا جب اس کے پاس سے قصہ گو چلے گئے تو میں اوپر چڑھا۔ میں جو دروازہ بھی کھولتا اندر سے اسے بند کر کے آگے بڑھتا تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل بھی جائے تو مجھ تک نہ پہنچ پائیں اور میں اسے قتل کر سکوں، میں اس تک پہنچ گیا، وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل خانہ کے درمیان سو رہا تھا، مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس حصے میں ہے، میں نے پکارا اے ابو رافع! اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں آواز کی طرف لپکا اور اسے تلوار کی ایک ضرب لگائی مجھ پر دہشت طاری تھی۔ یہ ضرب کافی نہیں تھی، وہ چلایا۔ میں کمرے سے نکل گیا۔ میں کچھ فاصلے پر رک گیا پھر اندر داخل ہو کر کہا اے ابو رافع یہ آواز کیا تھی؟ وہ بولا تیری ماں مرے (اس نے اب اسے کوئی اپنا محافظ سمجھا ہو گا) ابھی ایک شخص نے کمرے میں مجھے تلوار ماری ہے، فرماتے ہیں پھر میں نے زور سے تلوار کی ضرب لگائی لیکن وہ ابھی بھی مرا نہیں تھا۔ پھر میں نے تلوار

Marfat.com

کی نوک اس کے پیٹ میں اتار دی۔ تلوار پیچھے سے نکل گئی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر گیا ہے اب میں ایک ایک دروازہ کھول کر باہر نکل کر ایک سیڑھی سے اترا، میں نے سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں مگر میں تو چاندنی رات میں نیچے گر چکا تھا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے پگڑی سے اسے باندھ دیا۔ پھر چل کر میں گیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور اپنے طور پر کہا کہ میں رات کو باہر نہیں نکلوں گا جب تک مجھے پتہ نہ چل جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب سحری کو مرغ بولا تو موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر آیا اور کہا اہل حجاز کا تاجر ابو رافع مر گیا ہے۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا نجات ہو گئی، اللہ تعالی نے ابو رافع کو ہلاک کر دیا۔ اب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا پاؤں پھیلاؤ، میں نے اپنا پاؤں پھیلایا آپ نے اس پر ہاتھ مبارک پھیرا تو ایسا معلوم ہوا کہ اسے کبھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

یہی روایت حضرت براء سے ایک اور سند کے ذریعے سے امام بخاری یوں روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا شُرَيْحٌ هُوَ ابْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ البَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي رَافِعٍ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَتِيكٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُتْبَةَ، فِي نَاسٍ مَعَهُمْ، فَانْطَلَقُوا حَتَّى دَنَوْا مِنَ الحِصْنِ» فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَتِيكٍ: امْكُثُوا أَنْتُمْ حَتَّى أَنْطَلِقَ أَنَا فَأَنْظُرَ، قَالَ: فَتَلَطَّفْتُ أَنْ أَدْخُلَ الحِصْنَ، فَفَقَدُوا حِمَارًا لَهُمْ، قَالَ: فَخَرَجُوا بِقَبَسٍ يَطْلُبُونَهُ، قَالَ: فَخَشِيتُ أَنْ أُعْرَفَ، قَالَ:

Marfat.com

فَغَطَّيْتُ رَأْسِي وَجَلَسْتُ كَأَنِّي أَقْضِي حَاجَةً. ثُمَّ نَادَى صَاحِبُ الْبَابِ. مَنْ أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ فَلْيَدْخُلْ قَبْلَ أَنْ أُغْلِقَهُ. فَدَخَلْتُ ثُمَّ اخْتَبَأْتُ فِي مَرْبِطِ حِمَارٍ عِنْدَ بَابِ الْحِصْنِ. فَتَعَشَّوْا عِنْدَ أَبِي رَافِعٍ. وَتَحَدَّثُوا حَتَّى ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ. ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى بُيُوتِهِمْ. فَلَمَّا هَدَأَتِ الْأَصْوَاتُ. وَلاَ أَسْمَعُ حَرَكَةً خَرَجْتُ. قَالَ: وَرَأَيْتُ صَاحِبَ الْبَابِ. حَيْثُ وَضَعَ مِفْتَاحَ الْحِصْنِ فِي كَوَّةٍ. فَأَخَذْتُهُ فَفَتَحْتُ بِهِ بَابَ الْحِصْنِ. قَالَ: قُلْتُ: إِنْ نَذِرَ بِي الْقَوْمُ انْطَلَقْتُ عَلَى مَهَلٍ. ثُمَّ عَمَدْتُ إِلَى أَبْوَابِ بُيُوتِهِمْ. فَغَلَّقْتُهَا عَلَيْهِمْ مِنْ ظَاهِرٍ. ثُمَّ صَعِدْتُ إِلَى أَبِي رَافِعٍ فِي سُلَّمٍ. فَإِذَا الْبَيْتُ مُظْلِمٌ. قَدْ طَفِئَ سِرَاجُهُ. فَلَمْ أَدْرِ أَيْنَ الرَّجُلُ. فَقُلْتُ: يَا أَبَا رَافِعٍ قَالَ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: فَعَمَدْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَأَضْرِبُهُ وَصَاحَ. فَلَمْ تُغْنِ شَيْئًا. قَالَ: ثُمَّ جِئْتُ كَأَنِّي أُغِيثُهُ. فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا أَبَا رَافِعٍ؟ وَغَيَّرْتُ صَوْتِي. فَقَالَ: أَلاَ أُعْجِبُكَ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ. دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ فَضَرَبَنِي بِالسَّيْفِ. قَالَ: فَعَمَدْتُ لَهُ أَيْضًا فَأَضْرِبُهُ أُخْرَى. فَلَمْ تُغْنِ شَيْئًا. فَصَاحَ وَقَامَ أَهْلُهُ. قَالَ: ثُمَّ جِئْتُ وَغَيَّرْتُ صَوْتِي كَهَيْئَةِ الْمُغِيثِ فَإِذَا هُوَ مُسْتَلْقٍ عَلَى ظَهْرِهِ. فَأَضَعُ السَّيْفَ فِي بَطْنِهِ ثُمَّ أَنْكَفِئُ عَلَيْهِ حَتَّى سَمِعْتُ صَوْتَ الْعَظْمِ ثُمَّ خَرَجْتُ دَهِشًا حَتَّى أَتَيْتُ السُّلَّمَ. أُرِيدُ أَنْ أَنْزِلَ فَأَسْقُطُ مِنْهُ. فَانْخَلَعَتْ رِجْلِي فَعَصَبْتُهَا. ثُمَّ أَتَيْتُ أَصْحَابِي أَحْجُلُ. فَقُلْتُ: انْطَلِقُوا فَبَشِّرُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَإِنِّي لاَ أَبْرَحُ حَتَّى أَسْمَعَ النَّاعِيَةَ. فَلَمَّا كَانَ فِي وَجْهِ الصُّبْحِ صَعِدَ النَّاعِيَةُ. فَقَالَ: أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ. قَالَ: فَقُمْتُ أَمْشِي مَا بِي قَلَبَةٌ. فَأَدْرَكْتُ أَصْحَابِي قَبْلَ أَنْ يَأْتُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَشَّرْتُهُ

احمد بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ شریح بن مسلمہ نے ان سے بیان کیا

Marfat.com

کہ ابراہیم بن یوسف اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو اسحاق سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت براء بن عازب سے سنا ہے کہ رسول اللہؐ نے ابورافع کی طرف عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن عتبہ کو کچھ اور لوگوں کے ساتھ بھیجا۔ وہ چلتے چلتے قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ اب عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا آپ لوگ رک جائیں میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ اب میں قلعے میں داخلے کے حیلے سوچنے لگا، (ان قلعہ والوں) کا گدھا گم ہو گیا تھا۔ وہ روشنی لے کر اسے ڈھونڈنے نکلے۔ مجھے پہچانے جانے کا خوف ہوا۔ میں نے اپنا سر پاؤں ڈھانپ لیا اور یوں بیٹھا گویا کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھا ہوں۔ پھر دربان دروازے سے پکارا جو داخل ہونا چاہتا ہے تو وہ اندر آجائے ورنہ میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ میں اندر داخل ہو کر قلعہ کے دروازے کے قریب گدھوں کے باندھنے کی جگہ میں چھپ گیا۔ لوگوں نے شام کا کھانا ابورافع کے پاس کھایا، پھر باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا پھر وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ جب آوازیں رک گئیں اور حرکات ختم ہو گئیں تو میں نکلا، فرماتے ہیں میں نے نگران کو دیکھا جہاں اس نے قلعہ کے دروازے کی چابی آلے میں رکھی تھی۔ میں نے چابی لی، اور قلعے کا دروازہ اندر سے کھول دیا۔ فرماتے ہیں میں نے کہا اگر لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تو میں آہستہ آہستہ چلتا جاؤں گا، اب میں نے ان کے گھروں کے دروازوں کا قصد کیا اور باہر سے انہیں بند کرتا گیا (تاکہ وہ باہر آکر میرا تعاقب نہ کرسکیں) پھر میں ایک سیڑھی کے ذریعے سے ابو رافع کی رہائش گاہ کی طرف چڑھ گیا، دیکھتا ہوں کہ گھر میں اندھیرا ہے، دیا بجھا دیا گیا تھا۔ مجھے پتہ نہ چل سکا کہ وہ مردار کہاں ہے، میں

Marfat.com

نے آواز دی اے ابو رافع! وہ بولا کون ہے؟ فرماتے ہیں میں نے آواز کا پیچھا کیا اور ضرب لگائی وہ چلایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، پھر میں پلٹا گویا اس کی مدد کے لیے آرہا ہوں۔ میں نے کہا ابو رافع تجھے کیا ہے؟ میں نے اپنی آواز بدل لی، اس نے کہا تیری ماں مرے میں حیران ہوں ابھی ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھے تلوار ماری، میں نے پھر اس کی آواز کا پیچھا کیا اور اسے ایک اور تلوار ماری مگر یہ وار بھی مفید ثابت نہ ہوا، وہ چلایا تو اس کے گھر والے اٹھ گئے۔ فرماتے ہیں میں پھر آگیا۔ اس طرح آواز بدلی گویا میں مددگار ہوں، میں نے دیکھا کہ وہ پشت کے بل لیٹا ہوا ہے۔ میں نے تلوار اس کے پیٹ میں اتار دی، پھر تلوار کو دبایا مجھے ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی۔ پھر میں دہشت زدہ ہو کر نکلا، سیڑھی کے پاس آیا۔ میں اترنا چاہتا تھا کہ گر گیا اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ میں نے اس پر پٹی باندھی۔ پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ میں اس طرح چل رہا تھا جیسے پاؤں میں بیڑیاں ہوں۔ میں نے کہا چلو اور نبی کریم کو جا کر خوش خبری دو، میں یہاں سے اس وقت جاؤں گا جب اس کی موت کی خبر سن لوں گا، جب صبح کی پو پھوٹی تو موت کی خبر دینے والا اوپر چڑھا اور کہا میں اعلان کرتا ہوں کہ ابو رافع مر گیا ہے، وہ فرماتے ہیں میں اٹھ کر چلنے لگا، مجھے اب کوئی درد نہ تھا، نبی کریمؐ کے پاس پہنچنے سے پہلے میں اپنے ساتھیوں سے مل گیا، اور میں نے خود آپ کو خوش خبری سنائی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے رات کو یہ لوگ اس گستاخ کا قلع قمع کرنے گئے تھے اور جرم یہ تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو اذیت دیتا تھا اور آپ سے عداوت رکھتا تھا: [1]

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی یہ جماعت خود روانہ فرمائی تھی جن کے امیر حضرت عبد اللہ بن ابی عتیک مقرر ہوئے اور ابو رافع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قتل کیا گیا اور جب راستے میں ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو آپ صبر و استقامت سے اور کامیابی کی خوشی سے درد بھول کر خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اس طرح رب تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ ہاتھ سے آپ کو فوری شفائے کاملہ عطا فرمائی۔

مسلمان نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی سے مرتد ہو جاتا ہے

بخاری شریف میں بیان ہوا ہے کہ:۔

عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَبَلَغَ ذَٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ وَلَمْ أَكُنْ لِأُحَرِّقَهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذَٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ [2]

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ سیدنا علی نے کچھ لوگوں کو جلا دیا جو مرتد ہوئے تھے۔ اس بات کی اطلاع حضرت ابن عباس کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا اگر معاملہ میرے پاس آتا تو میں انہیں نہ جلاتا کیونکہ نبی کریم نے فرمایا: اللہ تعالی کے عذاب سے تم عذاب نہ دو (آگ میں جلانا اللہ تعالی کا عذاب ہے) میں تو انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا دین تبدیل کر دے (مسلمان سے کافر ہو جائے) تو اسے قتل کر دو۔ اس بات کی خبر سیدنا علی کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا ابن عباس نے سچ کہا۔

---

1. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ابن تیمیہ، الصارم المسلول علی شاتم الرسول: ۱۲۰
2. الترمذی ابو عیسی محمد بن عیسی السنن رقم الحدیث: ۱۴۵۸

Marfat.com

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو کافر بھی توبہ کرتا ہے تو دنیا اور آخرت میں اس کی توبہ قبول ہے، مگر اس کافر کی توبہ قبول نہیں جو نبی پاک کی شان میں بکواس کرتا ہے۔

سریہ محمد بن مسلمہ اور کعب بن اشرف کا قتل

محدثین نے کعب بن اشرف کے بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن مفہوم ایک ہی ہے کہ وہ ظالم بدمعاش یہودی رسولِ خدا کا دشمنِ صریح تھا، مسلمانوں کو تکالیف دیتا تھا، رسول اللہ کی ہجو کرتا تھا، آپ کی شان میں گستاخی کرتا تھا، کفار کا ساتھ دیتا تھا۔ قریب قریب تمام محدثین نے اس کا واقعہ نقل کیا ہے اور اس سے کئی احکام کا استنباط کیا ہے۔

Marfat.com

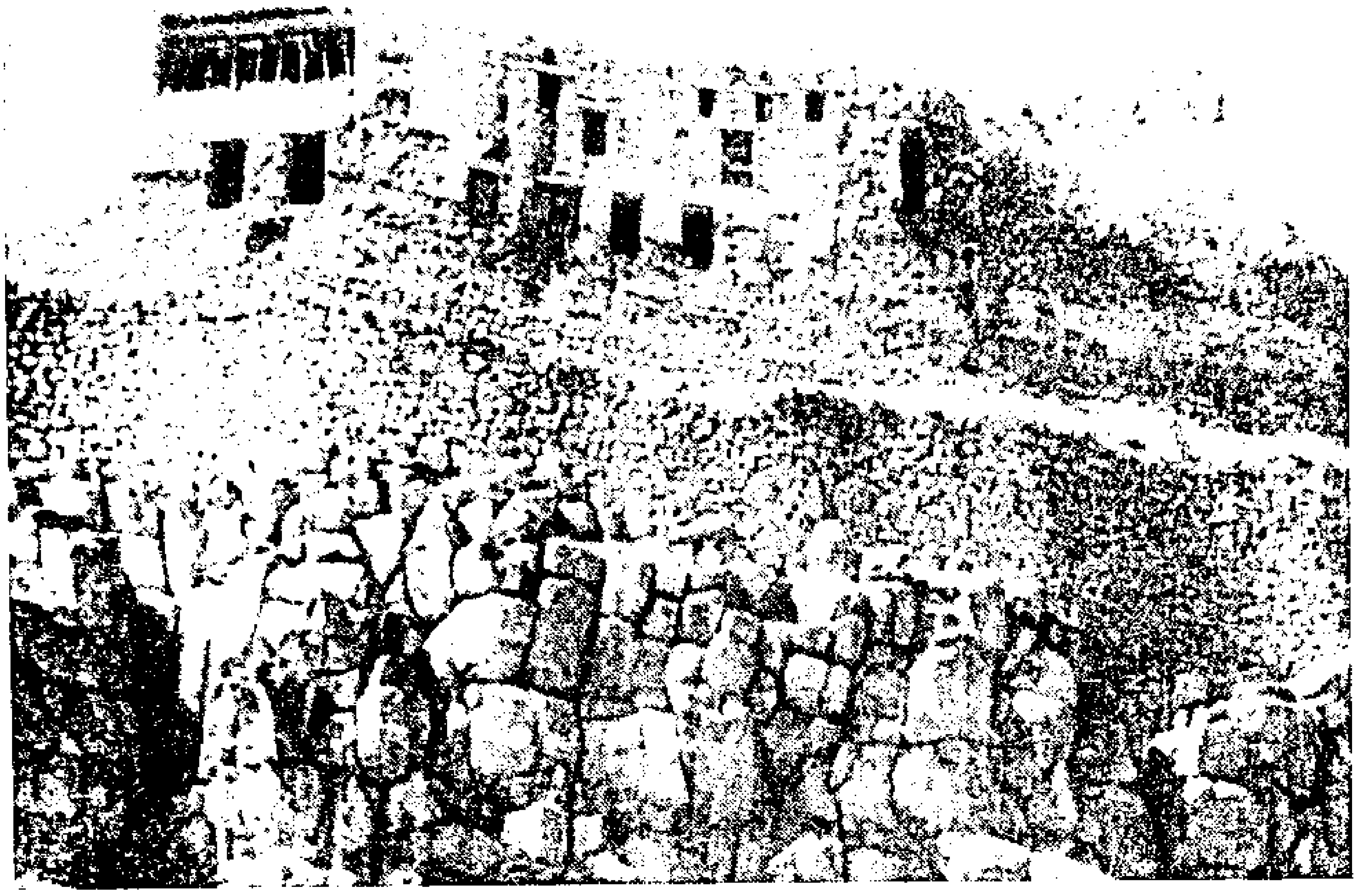

حضرت جابرؓ سے کعب بن اشرف کے متعلق واقعہ کی روایت مختلف محدثین نے بیان کی ہے اور اسی مفہوم میں متعدد احادیث مختلف طرق سے بیان ہوئی ہیں۔ درج ذیل حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے انتہائی تفصیل سے سارا قصہ بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ، فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ»، فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا، قَالَ: «قُلْ»، فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً، وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ، قَالَ: وَأَيْضًا وَاللَّهِ لَتَمَلُّنَّهُ، قَالَ: إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ، فَلاَ نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ، وَقَدْ أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ وحَدَّثَنَا عَمْرٌو غَيْرَ مَرَّةٍ فَلَمْ يَذْكُرْ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ أَوْ:

Marfat.com

فَقُلْتُ لَهُ: فِيهِ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ؟ فَقَالَ: أُرَى فِيهِ وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ فَقَالَ: نَعَمِ، ارْهَنُونِي، قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ تُرِيدُ؟ قَالَ: ارْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ، قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ، قَالَ: فَارْهَنُونِي أَبْنَاءَكُمْ، قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ أَبْنَاءَنَا، فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ، فَيُقَالُ: رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ، هَذَا عَارٌ عَلَيْنَا، وَلَكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي السِّلَاحَ فَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ، فَجَاءَهُ لَيْلًا وَمَعَهُ أَبُو نَائِلَةَ، وَهُوَ أَخُو كَعْبٍ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَدَعَاهُمْ إِلَى الْحِصْنِ، فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: أَيْنَ تَخْرُجُ هَذِهِ السَّاعَةَ؟ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ، وَأَخِي أَبُو نَائِلَةَ، وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو، قَالَتْ: أَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ يَقْطُرُ مِنْهُ الدَّمُ، قَالَ: إِنَّمَا هُوَ أَخِي مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ وَرَضِيعِي أَبُو نَائِلَةَ إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلَى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ، قَالَ: وَيُدْخِلُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مَعَهُ رَجُلَيْنِ قِيلَ لِسُفْيَانَ: سَمَّاهُمْ عَمْرٌو؟ قَالَ: سَمَّى بَعْضَهُمْ قَالَ عَمْرٌو: جَاءَ مَعَهُ بِرَجُلَيْنِ، وَقَالَ: غَيْرُ عَمْرٍو: أَبُو عَبْسِ بْنُ جَبْرٍ، وَالْحَارِثُ بْنُ أَوْسٍ، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ عَمْرٌو: جَاءَ مَعَهُ بِرَجُلَيْنِ، فَقَالَ: إِذَا مَا جَاءَ فَإِنِّي قَائِلٌ بِشَعَرِهِ فَأَشَمُّهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمُونِي اسْتَمْكَنْتُ مِنْ رَأْسِهِ، فَدُونَكُمْ فَاضْرِبُوهُ، وَقَالَ مَرَّةً: ثُمَّ أُشِمُّكُمْ، فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ مُتَوَشِّحًا وَهُوَ يَنْفَحُ مِنْهُ رِيحُ الطِّيبِ، فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رِيحًا، أَيْ أَطْيَبَ، وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو: قَالَ: عِنْدِي أَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ وَأَكْمَلُ الْعَرَبِ، قَالَ عَمْرٌو: فَقَالَ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ رَأْسَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَشَمَّهُ ثُمَّ أَشَمَّ أَصْحَابَهُ، ثُمَّ قَالَ: أَتَأْذَنُ لِي؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا اسْتَمْكَنَ

Marfat.com

مِنْهُ، قَالَ: دُونَكُمْ. فَقَتَلُوهُ. ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ[1]

علی بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ سفیان نے ان سے بیان کیا کہ عمرو کہتے ہیں میں نے جابر بن عبد اللہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون کعب بن اشرف کا ذمہ لیتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ محمد بن مسلمہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، انھوں نے عرض کیا پھر مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اسے کچھ تعریفی کلمات کہہ سکوں۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس گئے اور کہا کہ یہ صاحب (نبیؐ) ہم سے صدقہ طلب کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں تھکا دیا ہے میں تجھ سے بیع سلف (مقررہ میعاد کا سودا) کرنے آیا ہوں، اس نے کہا قسم بخدا آپ لوگ ان سے ضرور تنگ ہوں گے، محمد نے کہا ہم نے ان کی پیروی کی ہے، ہم نہیں چاہتے کہ انہیں چھوڑ دیں، یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں کہ ان کا انجام کار کیا ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں ایک یا دو وسق بطور ادھار میعادی دے دو[2]، (مرۃ کے علاوہ دوسرے راوی وسق کا ذکر چھوڑ گئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اس میں ایک یا دو وسق کا ذکر ہے، تو وہ بولے میری رائے

---

1. صحیح البخاری، بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ حدیث: ۴۰۳۷ مزید دیکھیے صحیح مسلم، باب قتل کعب بن الاشرف طاغوت الیہودی حدیث: ۱۸۰۱۔ ابو داود، السنن بَابُ فِي الْعَدُوِّ يُؤْتَى عَلَى غِرَّةٍ وَيُتَشَبَّهُ بِهِمْ حدیث: ۲۷۶۸

2. بیع سلف یہ ہوتی ہے کہ چیز خرید کر اس کی ادائیگی بعد میں وقتِ مقررہ پر کی جائے، وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اور صاع چار کلو کا ہوتا ہے، اس طرح وسق ۲۴۰ کلو کا ہوا۔

Marfat.com

یہی ہے کہ ایک یا دو وسق کا ذکر حدیث میں ہے) کعب کہنے لگا جی دیتا ہوں مگر تم مجھے رہن دو۔ محمد اور ان کے ساتھیوں نے کہا کون سی چیز تو رہن رکھنا چاہتا ہے، وہ کہنے لگا مجھے اپنی عورتوں کو بطور رہن دے دو، محمد اور ان کے ساتھی بولے ہم تجھے اپنی عورتیں کیسے رہن دے سکتے ہیں؟ تو تو عربوں میں بہت حسین ہے، بدی ہو سکتی ہے۔ وہ کہنے لگا پھر اپنے بیٹے مجھے رہن دے دو انہوں نے جواب دیا ہم کیسے اپنے بیٹے تجھے رہن دے دیں ان میں سے کسی کو گالی دی جائے گی تو کہنے والا کہے گا کہ ایک وسق یا دو وسق میں اسے رہن رکھ دیا گیا تھا، یہ بات اس کے لیے عار ہو گی۔ لیکن ہم تجھے لامہ رہن کر دیتے ہیں۔ سفیان نے بتایا کہ لامہ کا مطلب اسلحہ ہے۔ محمد بن مسلمہ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ رات کو آئے گا، وہ رات کو حسب وعدہ آئے۔ اب ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے جو کعب کے رضائی بھائی تھے۔ اس نے انہیں قلعے کی طرف بلایا، وہ قلعے سے اتر کر ان کے پاس آ گیا۔ اس کی بیوی نے کہا اس وقت کدھر جا رہے ہو، اس نے بیوی سے کہا کہ وہ محمد بن مسلمہ اور میرے بھائی ابو نائلہ ہیں۔ (عمرو کے سوا باقی راوی کہتے ہیں اس کی بیوی نے کہا: میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے بیوی کو جواب دیا وہ تو صرف محمد بن مسلمہ اور میرا رضائی بھائی ابو نائلہ ہیں، بڑا تو وہ ہوتا ہے کہ رات کو اگر اسے نیزے کی مار کی طرف بلایا جائے تو وہ آگے بڑھتا ہے اور لازماً جواب دیتا ہے۔ راوی نے بتایا کہ محمد بن مسلمہ دو مردوں کے ساتھ آئے تھے سفیان (راوی) سے کہا گیا کہ عمرو راوی نے ان کے نام لیے تھے، انہوں نے جواب دیا بعض کے نام لیے تھے، عمرو نے کہا تھا کہ وہ اپنے ساتھ دو مردوں کو لائے تھے، عمرو کے علاوہ باقی راوی بتاتے ہیں کہ

Marfat.com

ساتھ آنے والے آدمی ابو عبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر تھے، عمرو کہتے ہیں کہ (محمد بن مسلمہ) کے ساتھ دو آدمی تھے، محمد نے ساتھوں سے کہا جب وہ آئے گا تو میں اس کے بالوں کی بات کروں گا اور ان کو سونگھوں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر پر قابو پالیا ہے تو تم اسے پکڑ کر قتل کر دینا۔ ایک دفعہ یہ بھی کہا کہ وہ خوشبو تمہیں بھی سونگھاؤں گا۔ خوشبو کی مہکیں بکھر رہی تھیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا میں نے آج کے دن جیسی خوشبو کبھی نہیں محسوس کی (عمرو کے علاوہ باقی راوی کہتے ہیں کہ محمد نے کہا میرے سامنے سب عربوں کا سردار اور سب عربوں سے کامل ترین عطر والا شخص کھڑا ہے) عمرو نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا حضرت محمد نے کعب سے کہا، کیا تو مجھے سر کو سونگھنے کی اجازت دے سکتا ہے اس نے کہا ہاں اجازت ہے، انھوں نے اس کے سر کو سونگھا پھر خوشبو اپنے ساتھیوں کو سنگھائی، پھر کعب سے کہا ایک دفعہ پھر اجازت دے سکتے ہو، اس نے کہا اجازت ہے۔ جب اس پر قدرت پالی تو ساتھیوں سے کہا کرو جی کام، ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔

اس حدیث میں تفصیل ہے جس سے دیگر احادیث کی وضاحت ہو جاتی ہے، مختلف راویوں کے الفاظ میں جو فرق ہے اسے امام بخاری نے واضح فرمایا ہے۔

کعب بن اشرف کے قتل کے اسباب

۱۔ نبی کی شان میں دریدہ دہنی، سب و شتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔ فرمایا فإنه قد آذى الله ورسوله. وہ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتا تھا

۲۔ آپ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔

۳۔ غزلوں اور بے ہودہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطورِ تشبیب (یعنی حسن

Marfat.com

کا) تذکرہ کرتا تھا۔

۴- غدر (دھوکہ دہی) اور نقض عہد۔

۵- لوگوں کو آپ کے مقابلہ کے لیے اُبھارتا، اُکساتا اور ان کو جنگ پر آمادہ کرتا تھا۔

۶- کھانے کی دعوت کے بہانے آپ کے قتل کی سازش کرتا تھا۔

۷- دین اسلام پر طعن کرتا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے محمد بن مسلمہ اور کعب بن اشرف کے قصے کی وضاحت کرتے ہوئے امام مازنی کا قول نقل کیا ہے کہ:

إِنَّمَا قَتَلَهُ كَذَلِكَ لِأَنَّهُ نَقَضَ عَهْدَ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَجَاهُ وَسَبَّهُ وَكَانَ عاهده أن لا يُعِينَ عَلَيْهِ أَحَدًا ثُمَّ جَاءَ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ مُعِينًا عَلَيْهِ[1]

کعب بن اشرف مسلمانوں اور خود رسول اللہ کو تکلیف دینے سے باز نہ آیا تو آپ ؐ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کے قتل کے لیے لشکر روانہ کرو۔[2]

حافظ بن حجر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
فقد آذانا بشعره وقوى المشركين۔ اس نے اپنی ہجو سے ہمیں تکلیف دی اور مشرکین

---

[1] النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (المتوفى: ٦٧٦ھ) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ١٢/ ١٦١، دار إحياء التراث العربي- بيروت، الطبعة: الثانية، ١٣٩٢۔

[2] أبو بكر البيهقي أحمد بن الحسين بن علي دلائل النبوة، (المتوفى: ٤٥٨ھ) : دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث۔

Marfat.com

کی حوصلہ افزائی کی۔[1]

محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں کو کعب کے قلع قمع کے لیے بھیجتے ہوئے آپ نے فرمایا: انْطَلِقُوا عَلَى اسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ أَعِنْهُمْ يَعْنِي النَّفَرَ الَّذِينَ وَجَّهَهُمْ إِلَى كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ[2] اللہ کا نام لے کر جاؤ، اے اللہ ان کی مدد فرما۔ آپ بقیع غرقد تک ان کے ساتھ گئے اور ان کو روانہ کرتے ہوئے ان کے لیے خود دعا فرمائی۔

قتل کا سب سے قوی سبب آپ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی، سب و شتم اور آپ کی ہجو میں اشعار کہنا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔[3]

کعب بن اشرف کے بارے میں بیہقی نے تفصیل سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

أن كَعَبَ بْنَ الْأَشْرَفِ الْيَهُودِيَّ كَانَ شَاعِرًا، وَكَانَ يَهْجُو رَسُولَ اللَّه صلى الله عليه وسلم وَيُحَرِّضُ عَلَيْهِ كُفَّارَ قُرَيْشٍ فِي شِعْرِهِ، وَكَانَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ وَأَهْلُهَا أخلاطا مِنْهُمُ الْمُسْلِمُونَ الَّذِينَ تَجْمَعُهُمْ دَعْوَةُ رَسُولِ الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْهُمُ الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ يَعْبُدُونَ الْأَوْثَانَ، وَمِنْهُمُ الْيَهُودُ وَهُمْ أَهْلُ الْحَلْقَةِ وَالْحُصُونِ، وَهُمْ حُلَفَاءُ لِلْحَيَّيْنِ: الْأَوْسِ، وَالْخَزْرَجِ. فَأَرَادَ رسول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ اسْتِصْلَاحَهُمْ كُلَّهُمْ. وَكَانَ الرَّجُلُ يَكُونُ مُسْلِمًا وَأَبُوهُ مُشْرِكٌ. وَالرَّجُلُ يَكُونُ مُسْلِمًا وَأَخُوهُ

---

1 العسقلاني أحمد بن علي بن حجر فتح الباري شرح صحيح البخاري باب قوله باب قتل كعب بن الأشرف دار المعرفة-بيروت، ۱۳۷۹ھ۔

2 احمد بن حنبل المسند رقم الحدیث: ۲۳۹۱۔

3 ابن تيمية تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الصارم المسلول على شاتم الرسول: ۱/ ۲۰۴، ۲۲۰ الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية۔

Marfat.com

مُشْرِكٌ. وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حِينَ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه أَشَدَّ الْأَذَى فَأَمَرَ اللّٰهُ تَعَالَى رَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِينَ بِالصَّبْرِ عَلَى ذٰلِكَ۔۔۔۔۔۔

''کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا تھا اور قریش مکہ کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں ہر رنگ و نسل کے لوگ تھے ان میں وہ مسلمان بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جمع ہوئے تھے اور ان میں مشرکین بھی تھے جو بتوں کو پوجتے تھے اور ان میں یہودی بھی تھے جو ہتھیاروں اور قلعوں کے مالک تھے اور وہ بھی تھے جو اوس اور خزرج کے حلیف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لا کر عوام کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ایک آدمی مسلمان ہوتا تو اس کا باپ مشرک ہوتا۔ کوئی دوسرا مسلمان ہوتا تو اس کا بھائی مشرک ہوتا اور آپ کی آمد پر مشرکین اور یہود آپ کے خلاف برسرپیکار ہو گئے تو اللہ تعالے نے مسلمانوں کو ان کافروں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا۔۔۔۔''[1]

شعبان چھ ہجری سے ذی القعدہ چھ ہجری تک کی مختلف مہمات

عمرہ کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے شعبان چھ ہجری سے ذوالقعدہ تک آپؐ نے دعوتی، تبلیغی اور دیگر مہمات میں چند اکابر صحابہ کو ارسال کیا نیز اسی عرصے میں دشمن کی ریشہ دوانیوں اور نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے بھی مدینہ سے باہر بعض صحابہ

---

[1] البیہقی دلائل النبوۃ باب ماجاء فی قتل کعب: ۳/ ۱۹۷۔

Marfat.com

کرام کو ارسال کیا جن میں مشہور مہمات درج ذیل ہیں:

اہل فَدَک کی خبر گیری کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شعبان میں، دومتہ الجندل کے لیے حضرت عبد الرحمن بن عوف کو رمضان میں، جب کہ اسی سال ماہ شعبان میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قِرفَہ کی خبر گیری کے لیے روانہ کیا، اور عبد اللہ بن رواحہ کو یسیر بن رزام کی خبر لینے کے لیے بھیجا جو خیبر میں قبیلہ غطفان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے جمع کر رہا تھا۔ نیز حضرت کرز بن حابر فہری کی قیادت میں ان اہلِ عکل اور عُرَینہ کے سر کوبی کے لیے آپ نے ایک دستہ روانہ کیا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت سے مدینہ میں ٹھہرایا تھا اور وہ ایمان لے آئے تھے، ان کے علاج کے لیے آپ نے اونٹوں اور اونٹنیوں کا انتظام کیا تھا تا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پییں، یہی ان کی بیماری کا علاج تھا لیکن جب وہ تندرست ہو گئے تو مرتد ہوتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے یسار کو قتل کر دیا اور مال واسباب سمیت بھاگ گئے۔ ان تمام کو پکڑ لیا گیا تھا اور عبرت ناک سزا دی گئی تھی۔ (۱)

صلح حدیبیہ ذی القعدۃ ۶ھ

ذی قعدہ ۶ ہجری بمطابق ۱۳ مارچ ۶۲۸ء میں، آپ نے صحابہ کرام میں منادی کرائی کہ میں عمرہ کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک ۵۸ سال ۷ ماہ تھی۔ مکہ مکرمہ کو چھوڑے ہوئے چھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، اور مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مملکت کسی حد تک مضبوط ہو چکی تھی۔ کئی قریبی اور دور کے دشمنوں سے یا تو مصالحت ہو چکی تھی یا وہ اس مملکت کی مضبوط حیثیت تسلیم کر چکے تھے، جب حالات سازگار ہوئے تو آپ گزشتہ چھ سال سے جس عظیم عبادت سے دور تھے اس طرف متوجہ ہوئے کہ اس سال بد ترین دشمنوں جنھوں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا، کے گڑھ میں جا کر اللہ کی وحدانیت کو بیان کیا جائے۔ (۲)

---

۱ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: ۳۲۹/۳، وقاضی سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۱/ ۴۴۶۔

۲ ایضاً۔

Marfat.com

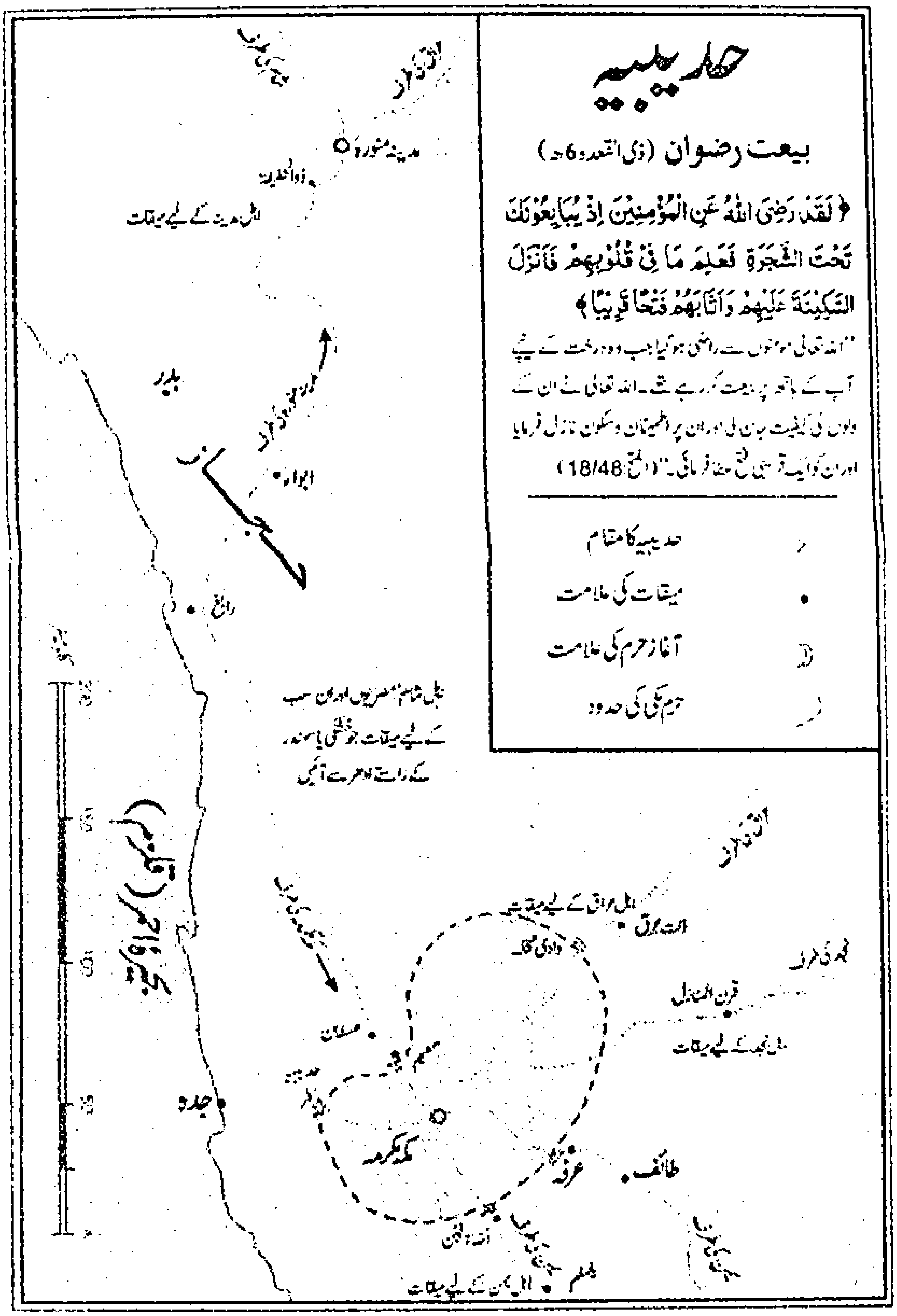
حدیبیہ
بیعت رضوان (ذی القعدہ 6ھ)
﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾
"اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 18/48)
حدیبیہ کا مقام
میقات کی علامت
آغاز حرم کی علامت
حرم مکی کی حدود
مدینہ منورہ
بدر
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف

Marfat.com

سید دو عالم کا خواب اور اس کی تعبیر (فتح مبین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کے ہمراہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ اور نبی کا خواب وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا[1]

"فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمھیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔"

اس لیے در حقیقت یہ نرا خواب نہ تھا بلکہ ایک الٰہی اشارہ تھا جس پر عمل کرنا ضروری تھا۔ بظاہر اس ہدایت پر عمل کرنے کی کوئی صورت ممکن نظر نہ آتی تھی۔ کفار قریش نے ۶ سال سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا اور اس پوری مدت میں انھوں نے کسی مسلمان کو حج اور عمرے تک کے لیے حدود حرم کے قریب نہ پھٹکنے دیا تھا۔ اب آخر یہ کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صحابہ کی ایک جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے دیں گے۔ عمرے کا احرام باندھ کر جنگی ساز و سامان ساتھ لیے ہوئے نکلنا گویا خود لڑائی کو دعوت دینا تھا اور غیر مسلح جانے کے معنی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں ڈالنے کے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص یہ نہ سمجھ سکتا

---

1 سورۃ الفتح: ۲۷۔

Marfat.com

تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر عمل کیا جائے تو کیسے۔

مگر پیغمبر کا منصب یہ تھا کہ اس کا رب جو حکم بھی اس کو دے وہ بے کھٹکے اس پر عمل کر گزرے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا تامل اپنا خواب صحابہ کرام کو سنا کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آس پاس کے قبائل میں بھی آپ نے اعلان عام کرادیا کہ ہم عمرے کے لیے جارہے ہیں جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آجائے۔ جن لوگوں کی نگاہ ظاہری اسباب پر تھی انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ ان میں سے کوئی آپ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ مگر جو اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان رکھتے تھے انہیں اس امر کی کوئی پروا نہ تھی کہ انجام کیا ہوگا۔ ان کے لیے بس یہ کافی تھا کہ اللہ کا اشارہ ہے اور اس کا رسول تعمیل حکم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز ان کو رسول اللہ کا ساتھ دینے سے روک نہ سکتی تھی۔ چنانچہ ۱۴۰۰ اصحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اس نہایت خطرناک سفر پر جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

ذی القعدہ ۶ھ کے آغاز میں یہ مبارک قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا۔ ذوالحلیفہ (مدینے کے قریب میقات پر) پہنچ کر سب نے عمرے کا احرام باندھا، قربانی کے لیے ۷۰ اونٹ ساتھ لیے جن کی گردنوں میں ھدی کی علامت کے طور پر قلاوے پڑے ہوئے تھے۔ ایک ایک تلوار ساتھ رکھ لی جس کی تمام زائرین حرم کو عرب کے معروف قاعدے کے مطابق اجازت تھی اور اس کے سوا کوئی سامان جنگ ساتھ نہ لیا۔ اس طرح یہ قافلہ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا ہوا بیت اللہ کی طرف چل پڑا۔

اس وقت مکہ اور مدینے کے تعلقات کی جو نوعیت تھی، عرب کا بچہ بچہ اس کو جانتا تھا۔ ابھی پچھلے سال ہی تو شوال ۵ھ میں قریش نے قبائل عرب کی متحدہ طاقت کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کی تھی اور غزوہ خندق کا مشہور معرکہ پیش آچکا تھا۔ اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے بڑے قافلے کے ساتھ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو پورے عرب کی نگاہیں اس عجیب سفر کی طرف مرکوز ہوگئیں اور لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یہ قافلہ لڑنے کے لیے نہیں جارہا ہے بلکہ ماہ حرام میں، احرام

Marfat.com

باندھ کر، ھدی کے اونٹ ساتھ لیے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرنے جارہا ہے اور قطعی طور پر غیر مسلح ہے۔

قریش کے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس اقدام نے سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ ذی القعدہ کا مہینہ ان حرام مہینوں میں سے تھا جو صدہا برس سے عرب میں حج و زیارت کے لیے محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس مہینے میں جو قافلہ احرام باندھ کر حج یا عمرے کے لیے جارہا ہو اسے روکنے کا کسی کو حق نہ تھا، حتٰی کہ کسی قبیلے سے اس کی دشمنی بھی ہو تو عرب کے مسلمہ قوانین کی رو سے وہ اپنے علاقے سے اس کے گزرنے میں مانع نہ ہو سکتا تھا۔ قریش کے لوگ اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر ہم مدینے کے اس قافلے پر حملہ کر کے اسے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں تو پورے ملک میں اس پر شور مچ جائے گا۔ عرب کا ہر شخص پکار اٹھے گا کہ یہ سراسر زیادتی ہے۔ تمام قبائل عرب یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ ہر قبیلہ اس تشویش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آئندہ کسی کو حج اور عمرہ کرنے دینا یا نہ کرنے دینا اب ہماری مرضی پر موقوف ہے، جس سے بھی ہم ناراض ہوں گے اسے بیت اللہ کی زیارت کرنے سے اسی طرح روک دیں گے جس طرح آج مدینے کے ان زائرین کو روک رہے ہیں۔

یہ ایسی غلطی ہوگی کہ جس سے سارا عرب ہم سے منحرف ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اتنے بڑے قافلے کے ساتھ بخیریت اپنے شہر میں داخل ہو جانے دیتے ہیں تو پورے ملک میں ہماری ہوا اکھڑ جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے مرعوب ہو گئے۔ آخر کار بڑی شش و پنج کے بعد ان کی جاہلانہ حمیت ان پر غالب آ گئی اور انہوں نے اپنی ناک اونچا رکھنے کی خاطر یہ فیصلہ کیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو شہر میں داخل نہیں ہونے دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شخص کو مخبر کی حیثیت سے آگے بھیج رکھا تھا تاکہ وہ قریش کے ارادوں اور ان کی نقل و حرکت سے آپ کو بروقت مطلع کرتا رہے۔ جب آپ عسفان پہنچے تو اس نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگ پوری

Marfat.com

تیاری کے ساتھ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور خالد بن ولید کو انہوں نے ۲۰۰ سواروں کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف آگے بھیج دیا ہے تاکہ وہ آپ کا راستہ روکیں۔ قریش کی چال یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے ان کو اشتعال دلائیں اور پھر اگر لڑائی ہو جائے تو پورے ملک میں یہ مشہور کر دیں کہ یہ لوگ دراصل آئے ہی لڑنے کے لیے تھے، عمرے کا بہانہ کیا تھا اور احرام محض دھوکہ دینے کے لیے باندھ رکھا تھا۔

آپؐ نے یہ اطلاع پاتے ہی فوراً راستہ بدل دیا اور ایک نہایت دشوار گزار راستہ سے سخت مشقت اٹھا کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں بنی خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقا اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ آپ کس غرض کے لیے آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، صرف بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف ہمارے پیش نظر ہے۔ یہی بات ان لوگوں نے جا کر قریش کے سرداروں کو بتا دی اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرین حرم کا راستہ نہ روکیں۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور انہوں نے احابیش کے سردار حلی بن علقمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ کو واپس جانے پر آمادہ کرے۔ سردارانِ قریش کا مقصد یہ تھا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس کی بات نہ مانیں گے تو وہ ان سے ناراض ہو کر پلٹے گا اور پھر احابیش کی پوری طاقت ہمارے ساتھ ہو گی۔ مگر جب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سارا قافلہ احرام بند ہے، ھَدِی کے اونٹ سامنے کھڑے ہیں جن کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں، اور یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں تو آپؐ سے کوئی بات کیے بغیر مکہ کی طرف پلٹ گیا اور اس نے جا کر قریش کے سرداروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بیت اللہ کی عظمت مان کر اس کی زیارت کے لیے آئے ہیں، اگر تم ان کو روکو گے تو احابیش اس کام میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دیں گے۔ ہم تمہارے حلیف اس لیے نہیں بنے کہ تم حرمتوں کو پامال کرو اور ہم اس میں تمہاری حمایت کریں۔

Marfat.com

پھر قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور اس نے اپنے نزدیک بڑی اچھی طرح سمجھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ آپ مکہ میں داخل ہونے کے ارادے سے باز آجائیں، مگر آپ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو بنی خزاعہ کے سردار کو دیا تھا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے والے بن کر ایک دینی فریضہ بجالانے کے لیے آئے ہیں۔ واپس جاکر عروہ نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں، مگر خدا کی قسم، میں نے اصحاب محمد کو جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا فدائی دیکھا ہے ایسا منظر کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے ہاں بھی نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ محمد وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب پانی کا ایک قطرہ تک زمین پر نہیں گرنے دیتے اور سب اپنے جسم اور کپڑوں پر مل لیتے ہیں۔ اب تم لوگ سوچ لو کہ تمہارا مقابلہ کس سے ہے۔[1]

حدیبیہ کے مقام پر عمرہ کرنے والوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے تیرہ میل کے فاصلے پر تھی۔ یہاں سے آپ نے اہل مکہ کو اپنی آمد کا مقصد سمجھانے کے لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سفیر بن کر جانے کو کہا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضور میرے اوپر وہ لوگ پہلے ہی بہت غضب ناک ہیں اور وہاں میرے قبیلے کے ایسے لوگ بھی نہیں جو مجھے پناہ دے سکیں اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ عثمان بن عفان کو بھیجیں، ان کا مضبوط قبیلہ بھی وہاں آباد ہے اور لوگوں سے مناسب تعلقات بھی ہیں۔ آپؐ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور یہ پیغام دے کر مکہ روانہ کیا کہ ان کو بتاؤ ہم لڑنے نہیں آئے، ہماری آمد کا مقصد عمرہ ادا کرنا ہے، تم انہیں پہلے اسلام کی دعوت دینا، یہ بھی حکم دیا کہ مکہ میں موجود مسلمان مرد و خواتین کے پاس جانا اور انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی نوید سنادی ہے اور اہل ایمان اب مکہ میں چھپ کر نہیں رہیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بن کر مکہ پہنچے

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۷۳۱ و ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۶۷/۴، دار الفکر ۱۴۰۷ھ۔

Marfat.com

اور قریش کے سرداروں کو آپ کا پیغام دیا، انہوں نے پیغام سننے کے بعد کہا کہ ان کو چھوڑو، البتہ تم جاؤ اور عمرہ ادا کرلو، اس پیش کش کو حضرت عثمان نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اس وقت تک عمرہ نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ عمرہ نہ کرلیں۔"(۱)

جب قریش مکہ نے حضرت عثمان کا غیر متوقع جواب سنا تو ان کا غصہ مزید بڑھ گیا اور انہوں نے حضرت عثمان کو گرفتار کرلیا۔ اس گرفتاری سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے، اس افواہ کا سننا تھا کہ مسلمانوں کے اندر کھلبلی مچ گئی یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا نبرح حتی نناجز القوم(۲) "ہم ضرور عثمان کا بدلہ لیں گے۔"

بیعتِ رضوان

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ کوئی اس وقت تک میدان چھوڑ کر نہیں جائے گا جب تک کہ ہم عثمان کا بدلہ نہ لے لیں، چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے بیعت کی ان کا نام ابوسنان اسدی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اس بیعت کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا اور یہ خوشخبری سنادی کہ جس جس نے یہ بیعت کی ہے اللہ اس سے راضی ہوگیا۔ سورۃ الفتح میں ارشاد باری تعالی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔(۳)

"اللہ مؤمنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے

---

۱ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۲/ ۳۵۸۔

۲ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۲/ ۳۱۵۔

۳ سورۃ الفتح: ۱۸۔

Marfat.com

ان پر سکینت نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔"

اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خوش خبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا جنہوں نے اس خطرناک موقع پر جان کی بازی لگا دینے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا اور رسولؐ کے ہاتھ پر سر فروشی کی بیعت کر کے اپنے صادق الایمان ہونے کا صریح ثبوت پیش کر دیا۔ وقت وہ تھا کہ مسلمان صرف ایک ایک تلوار لیے ہوئے آئے تھے۔ صرف چودہ سو کی تعداد میں تھے۔ جنگی لباس میں بھی نہ تھے بلکہ احرام کی چادریں باندھے ہوئے تھے۔ اپنے جنگی مستقر (مدینہ) سے ڈھائی سو میل دور تھے، اور دشمن کا گڑھ، جہاں سے وہ ہر قسم کی مدد لا سکتا تھا، صرف ۱۳ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لیے ان لوگوں کے اندر خلوص کی کچھ بھی کمی ہوتی تو وہ اس انتہائی خطرناک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ جاتے اور اسلام کی بازی ہمیشہ کے لیے شکست کھا جاتی۔ ان کے اپنے اخلاص کے سوا کوئی خارجی دباؤ ایسا نہ تھا جس کی بنا پر وہ اس بیعت کے لیے مجبور ہوتے۔ ان کا اس وقت خدا کے دین کے لیے مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق و مخلص اور خدا اور رسولؐ کی وفاداری میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سندِ خوشنودی عطا فرمائی۔ اور اللہ کی سند خوشنودی عطا ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص ان سے ناراض ہو، یا ان پر زبان طعن دراز کرے تو اس کا اعتراض ان پر نہیں بلکہ اللہ پر ہے۔

اس پر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس وقت اللہ نے ان حضرات کو یہ خوشنودی کی سند عطا کی تھی اس وقت تو یہ مخلص تھے مگر بعد میں یہ خدا اور رسول کے بے وفا ہو گئے، وہ شاید اللہ سے یہ بد گمانی رکھتے ہیں کہ اسے یہ آیت نازل کرتے وقت ان کے مستقبل کی خبر نہ تھی، اس لیے محض اس وقت کی حالت دیکھ کر اس نے یہ پروانہ انہیں عطا کر دیا، اور غالباً اسی بے خبری کی بنا پر اسے اپنی کتاب پاک میں بھی درج فرما دیا تاکہ بعد میں بھی، جب یہ لوگ بے وفا ہو جائیں، ان کے بارے میں دنیا یہ آیت پڑھتی رہے اور اس خدا کے علمِ غیب کی داد دیتی رہے جس

Marfat.com

نے معاذاللہ ان بے وفاؤں کو یہ پروانہ خوشنودی عطا کیا تھا۔[1]

چنانچہ بیعت رضوان اس قدر جذباتی انداز میں ہوئی کہ صحابہ کرام نے ایک سے بڑھ کر ایک، دادِ شجاعت دی اور موت پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم عثمان کا بدلہ لیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ ایک صحابی نے تو تین بار آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ پورے چودہ سو میں سے ایک شخص ایسا تھا جس نے بیعت نہیں کی اور وہ اس دوران میں چھپتا پھر رہا تھا۔[2]

اُدھر قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لوگ اگر جنگ کے بغیر ہی ٹل جائیں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ خون خرابہ نہ ہو، اس سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں کو واپس بھیجنے کے لیے بات چیت کا راستہ اپناتے ہوئے اپنے دو سفیر بھیجے، پہلے عروہ بن مسعود کو بھیجا پھر سہیل بن عمروؓ کو صلح نامہ لکھوانے کے لیے بھیجا۔ جب آپ نے سہیل کو دیکھا تو فرمایا: لوگو اس میں آپ کے لیے آسانی ہے، دشمن نے صلح کا پروگرام بنا لیا ہے۔ یہ شخص جو آرہا ہے یہ صلح کا معاہدہ کرے گا۔ چنانچہ سہیل کے ساتھ طویل بحث مباحثے کے بعد صلح کی شرائط طے ہو گئیں۔[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرائط صلح لکھوانا شروع کیں تو فرمایا لکھو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہیل بن عمرو نے کہا: رحمن کو تو ہم نہیں جانتے لکھو باسمك اللھم۔

اس پر مسلمانوں نے اعتراض کیا اور کہاں ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے ہی لکھو، اس کے بعد آپ نے فرمایا لکھو: اس بات پر محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان معاہدہ ہوا

---

1 تفہیم القرآن: تفسیر سورۃ الفتح آیت نمبر: ۱۸۔

2 اس کا نام جد بن قیس تھا اور یہ قبیلہ بنو سلمہ سے تھا، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴/ ۱۳۵۔

3 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۵۸۰۔

Marfat.com

یہاں پھر سہیل نے روکا اور کہا:

اگر ہم اس بات کو مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو بیت اللہ سے کیوں روکتے؟ اور آپ سے لڑائی کیوں کرتے؟ اس میں لکھو، محمد بن عبد اللہ،

آپ نے اس بات کو بھی مان لیا اور فرمایا اللہ کی قسم میں اس کا رسول ہوں چاہے تم مجھے جھٹلاتے رہو۔[1]

صلح حدیبیہ میں طرفین کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے

۱۔ دس سال تک فریقین آپس میں جنگ سے باز رہیں گے

۲۔ اس سال مسلمان عمرہ ادا کیے بغیر واپس جائیں گے

۳۔ اگلے سال عمرہ کے لیے آئیں گے

۴۔ جو شخص اسلام قبول کر کے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر رسول اللہ کی طرف جائے گا اسے واپس مکہ بھیج دیا جائے گا، مدینہ سے جو شخص قریش کی طرف واپس آئے گا اسے اجازت ہو گی۔

۵۔ چوری اور خیانت نہیں ہو گی چھپ کر کوئی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔

۶۔ جو کوئی محمد کے ساتھ شامل ہونا چاہے اسے اجازت ہو گی اور جو کوئی قریش کے ساتھ شامل ہونا چاہے اسے بھی اجازت ہو گی۔

۷۔ اس سال تو مکہ میں محمد اور ان کے ساتھی داخل نہیں ہوں گے البتہ اگلے سال عمرہ کے لیے آئیں گے تو قریش، مکہ کو ان کے لیے خالی کر دیں گے تا کہ وہ مکہ میں داخل ہوں اور عمرہ کریں۔

۸۔ جب مکہ میں داخل ہوں تو اس وقت ان کے پاس کو زائد اسلحہ نہ ہو، صرف تلوار اور وہ بھی نیام میں ہو۔

۹۔ مدینہ سے آنے والا مکہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس رہنا چاہے اسے

---

1 ایضاً، حدیث نمبر: ۲۵۸۰-۲۷۳۱۔

Marfat.com

منع نہیں کیا جائے گا۔

ان شرائط کے طے ہونے کے دوران میں مسلمان نہایت جذباتی ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم دین حق پر ہوتے ہوئے اس قدر نیچے لگ رہے ہیں۔[۱]

شرائط ابھی تحریر کی جارہی تھیں کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو قید سے بھاگ کر مسلمانوں کے درمیان آکر گر گئے، سہیل فوراً بولا: اے محمد ہماری شرائط پر عمل کا آغاز اسی واقعے سے ہوگا، یعنی شرط کے مطابق ابو جندل کو مکہ واپس جانا ہوگا۔ آپ نے بلا تامل ابو جندل کو واپس کر دیا۔ ابو جندل نے کہا: او مسلمانوں کیا میں اسی حال میں واپس ظلم کی چکی میں پسنے کے لیے مشرکوں کے حوالے کر دیا جاؤں گا، میں تو بڑی مشکل سے رسے توڑ کر آیا ہوں، آپؐ نے فرمایا: "ہمارے اور قریش کے درمیان معاہدہ ہوا ہے، اب ہم معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔" اس کے بعد آپ نے ابو جندل کو صبر کی وصیت کی اور ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "ابو جندل صبر کرو اجر پاؤ گے اور اللہ تمہارے اور تم جیسے دوسرے صحابہ کے لیے راستہ نکالے گا۔"[۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط پر اتفاق کر لیا حالانکہ بعض شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور ان سے مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا جس پر صحابہ کرام کو بہت پریشانی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، حضرت عمر نے عرض کیا تو ہم اپنے دین کے معاملے میں اس قدر کمتر کیوں ہو رہے

---

۱ صلح حدیبیہ کی شرائط کو قریب قریب تمام محدثین اور سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، احمد، ابن ہشام ابن کثیر ابن سعد وغیرہ نے ایک مفہوم اور مختلف الفاظ کے ساتھ اس صلح کو بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں بیان کیا گیا ہے۔

۲ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۹۲۷۔

Marfat.com

ہیں؟(۱)

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حکم کے مطابق یہ شرائط طے کر رہے تھے جن میں بظاہر مسلمانوں کی کمزوری نظر آ رہی تھی جس پر حضرت عمر جیسے غیرت مند صحابی صبر نہ کر سکے، حضرت عمر نے حضور سے جرح کی کہ یہ کیسی شرائط ہیں، اس پر آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد جب سورۃ الفتح نازل ہوئی تو آپؐ نے قاصد کو حضرت عمر کے پاس بھیجا اور فرمایا جاؤ عمر کو بتاؤ کہ اللہ نے اسی کے بارے میں سورۃ الفتح نازل کر دی ہے۔ اس پر حضرت عمر کو بڑا تعجب ہوا اور عرض کیا یہ فتح ہے!؟ فرمایا: "ہاں یہ فتح ہے۔"(۲)

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سفیر بن کر مکہ گئے اور پیچھے صلح حدیبیہ کی روشنی میں مسلمان مکہ میں داخل نہ ہو سکے تو بعض صحابہ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہم تو یہاں رہ گئے اور عثمان نے تو عمرہ کر لیا ہو گا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ذَلِكَ ظَنِّي بِهِ أَنْ لَا يَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ حَتَّى يَطُوفَ مَعَنَا میرا عثمان کے بارے میں یہی گمان ہے کہ وہ ہمارے بغیر کعبہ کا طواف نہیں کرے گا، چنانچہ جب معاہدہ طے ہو گیا تو حضرت عثمان بھی مکہ سے واپس آ گئے۔ آتے ہی بعض صحابہ نے کہا: عثمان کیا طواف کر کے آئے ہو؟ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بارے میں تمہارا گمان بہت برا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ایک سال بھی مجھے وہاں رکنا پڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہوتے تو میں تب بھی اس وقت تک طواف نہ کرتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیتے۔ قریش نے تو مجھے طواف کی پیش کش کی تھی کہ آؤ طواف کر لو لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر مسلمانوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اللہ کی طرف سے علم رکھتے ہیں اور ہم سے زیادہ

---

۱ ایضاً: ۱۸۹۲/۷۔

۲ ایضاً: ۱۸۹۲/۷۔

Marfat.com

حسن ظن رکھتے ہیں۔[۱]

سیدہ ام سلمہؓ کی فضیلت اور معاملہ فہمی

جب صلح حدیبیہ کی شرائط لکھ دی گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا: اٹھو اور جانور ذبح کرو اور سر منڈوا لو، راوی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم کوئی بھی نہ اٹھا۔ آپ نے تین بار فرمایا، لیکن مجمع میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ آپ پریشانی کے عالم میں اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور ام سلمہ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس پر زوجہ مطہرہ ام سلمہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو تو آپ خود نکلیے اور ان میں سے کسی سے بھی بات نہ کیجئے، اور اپنا جانور ذبح کیجئے اور حجام کو بلائیے اور اپنا سر منڈوا لیجئے، آپ نے ان کے مشورے کے مطابق ایسا ہی کیا۔ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو بادلِ نخواستہ اٹھے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے اور سب انتہائی تنگ اور غمگین تھے۔[۲]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشاورت اور شوریٰ کے لیے ضروری نہیں کہ مرد ہو یا عورت ہو بلکہ ضروری یہ ہے کہ مشورہ دینے والا صاحب الرائے، صحیح فکر اور معاملہ فہم ہو، علم عمل اور تقویٰ میں ممتاز ہو، حالات پر گہری نظر رکھتا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ کے مشورے کے مطابق فوری عمل کر لیا اس سے خود عورت کی تکریم کا پہلو عیاں ہوتا ہے کہ اسلام میں عورت کی کس قدر قدر و منزلت ہے، حالانکہ آج کل دشمنانِ اسلام نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ اسلام میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں، وہ عورت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، عورت کو اس کا حق نہیں دیا جاتا، جب کہ اس واقعے میں ہم دیکھتے ہیں کہ خود وقت کا نبی اور اولو العزم و جلیل القدر پیغمبر جس کو براہ راست اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہدایات ملتی ہیں، عورت کے مشورے

---

۱ المغازی للواقدی: ۱/ ۶۰۲۔

۲ صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۲۷۳۱۔

Marfat.com

کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حدیبیہ کے موقع پر پیش آنے والے واقعات سے دروس واسباق

۱۔ جن لوگوں نے سچے دل اور نیک نیتی سے موت پر بیعت کی اللہ تعالی نے ان کی مغفرت کا اعلان کر دیا اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو لوگ اپنے قول و قرار میں سچے اور اپنے نبی سے سچی محبت رکھتے ہیں اللہ تعالی ان کو سربلند کرتا ہے۔ جن لوگوں کا ظاہر اور باطن ایک تھا انہوں نے بڑھ چڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اللہ تعالی نے ان کی فضیلت میں قرآن کریم میں آیات نازل فرمائیں جو قیامت تک اس بات کی سند ہیں کہ یہ لوگ کس قدر کھرے اور سچے ہیں۔

۲۔ اس طرح کی بیعت کا کفار پر اس قدر رعب پڑ گیا کہ وہ صلح کی میز پر آ گئے۔ انہیں علم ہو گیا کہ جو لوگ نہتے ہو کر اس قدر بڑی بیعت کر رہے ہیں ان سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔

۳۔ اس بیعت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ واقعی صحابہ کرام آپؐ کی ذات سے اپنی جانوں اور مالوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، اور آپ کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار تھے۔

۴۔ صلح کی شرائط لکھتے ہوئے صحابہ کرام یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کمزور پڑ رہے ہیں، ہماری توہین ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صلح کی بعض شرائط پر شدید اعتراض اور تحفظات تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر اور دیگر بعض صحابہ نے اس کا برملا اظہار بھی کر دیا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیصلہ آ گیا کہ شرائط یہی منظور کی جائیں گی تو سب نے سر تسلیم خم کر دیا، اس لیے کہ نبی کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے، حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو میں ابو جندل کو یہ ظلم کی چکی میں پسنے کے لیے واپس کبھی نہ جانے دیتا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا ممکن نہ تھا۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنی رائے کا برملا اظہار کر دیا کرتے تھے اس لیے اس موقع پر بھی بہت جذباتی تھے اور بعد میں ایک عرصہ تک اس خوف میں مبتلا

Marfat.com

رہے کہ پتہ نہیں کب اللہ کی طرف سے میرے بارے میں کوئی سخت حکم آجائے، اس لیے کہ میں نے آپ کی رائے کی شدید مخالفت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک عرصہ تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے کتراتا تھا اور نماز روزے اور صدقات کی کثرت کرتا رہا کہ کہیں میرے اوپر عذاب نہ نازل ہو جائے۔

۱۔ اس واقعے سے صحابہ کو تعلیم دی گئی کہ اگرچہ بعض فیصلے آپ کو عقل وخرد کی خلاف ہی کیوں نہ لگیں، اگر اللہ اور رسول کی طرف سے فیصلہ ہو جائے تو اس پر عمل لازم ہے۔

۲۔ اس واقعے میں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مشاورت کے بے حد فوائد ہیں اور مشاورت کے لیے جنس کی شرط نہیں ہیں نیز عورت کی اسلام میں بہت بڑی حیثیت مقام اور مرتبہ ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اضطراب کے بعد حضرت ام سلمہ کے مشورے کے مطابق خود جانور ذبح کر کے بال منڈوا لیے اور اس عمل کو دیکھتے ہوئے تمام صحابہ کرام نے بھی اتباع نبی میں یہ عمل کر دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر دوسروں سے کوئی کام کروانا ضروری ہو تو خود پہل کر کے دوسروں سے کام کروایا جاسکتا ہے اور یہ تعلیم وتربیت کا بہترین اسلوب ہے جو ہمیں حدیبیہ کے واقعے سے ملتا ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کو کس قدر محبت تھی اس کا اظہار بھی اس موقع پر ایک غیر مسلم کی زبان سے ہو رہا ہے۔ عروہ بن مسعود وہ پہلا شخص تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش نے بھیجا تھا کہ جا کر ان سے بات چیت کرو۔ اس نے آتے ہی عجیب منظر دیکھا اور یہ منظر جا کر مکہ میں بیان کر دیا۔ حدیث وسیرت کی کتابوں میں اس واقعے کو یوں بیان کیا جاتا ہے، عروہ نے جا کر کہا: اے میری قوم: اللہ کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں، اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اس قدر عزت وتکریم کرتے نہیں پایا، جس قدر محمد کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت وتکریم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم منہ سے وہ کلی کا

Marfat.com

پانی یا تھوک نکالتے ہیں تو وہ بھی نیچے نہیں گرنے دیتے بلکہ اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں، جب کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کو دوڑ کر پورا کرتے ہیں، جب وضو کرتے ہیں تو اس پانی کے لیے آپ سے لڑ پڑتے ہیں، جب وہ لوگ بات کرتے ہیں تو ان کے سامنے آواز پست رکھتے ہیں، عزت واحترام کی خاطر ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، انہوں نے تمہیں جو منصوبہ بھیجا ہے وہ عقل کو لگتا ہے، اس قبول کر لو[1]

۵۔ وقت نے ثابت کیا کہ صلح حدیبیہ اصل میں فتح مبین تھی۔ اس صلح کے اس قدر دور رس اثرات تھے کہ فتح مکہ کا راستہ اسی سے کھلتا ہے اگرچہ مسلمانوں کو اُس وقت اس کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو سکا۔

دور جدید کے معروف عالم دین اور سیرت نگار ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے صلح حدیبیہ کے ضمن میں بعض اہم مسائل اور حکمتیں بیان کی ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ جب کوئی مسلمان عمرے کے لیے احرام باندھ لے اور راستے میں کوئی رکاوٹ آ جائے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ احرام کھول دے، عمرہ نہ کرے اور نہ اس کی کوئی قضا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ کو سر میں خارش وغیرہ کی وجہ سے سر منڈوانے کی اجازت دے دی حالانکہ وہ احرام میں تھے۔ اور اس کا فدیہ ایک بکری ذبح کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بیان ہوا۔

۳۔ بارش کے دوران میں گھروں میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

۴۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مشرکین سے یا دشمن سے صلح کے معاہدے کی آخری حد دس سال ہے۔

۵۔ اگر معاہدے کے مطابق کوئی مسلمان کفار کی طرف سے ظلم کی چکی

---

[1] ایضاً: حدیث نمبر: ۲۷۳۱۔

Marfat.com

میں پس رہا ہو اور مسلمانوں سے ملنے کے لیے آئے تب بھی معاہدے پر عمل جاری رکھنا جائز ہے۔

۶۔ ستاروں اور علم النجوم کو ماننا کفر ہے اور درست یہ ہے کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اشیا سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، جیسے آپ کے وضو کا پانی وغیرہ، اور آپ کی اس خصوصیت میں دیگر صالحین اور اولیا شامل نہیں۔[1]

۸۔ یہ سنت بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی سو تا رہ جائے یا نماز بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے چاہے وقت گزر ہی گیا ہو کیوں کہ حدیبیہ سے واپسی پر مسلمان سوتے رہ گئے اور فجر کی نماز کا وقت گزر گیا، جب سورج خوب گرم ہوا تو ان کی آنکھ کھلی اور اسی وقت نماز ادا کی۔[2]

۹۔ پہلی بار قریش نے یہ تسلیم کیا کہ مسلمان بھی ایک قوت ہیں اور ان سے معاہدہ کر کے ان کی اہمیت کو تسلیم کر لیا۔

۱۰۔ اس صلح کی وجہ سے مسلمان اپنے بدترین دشمن کی طرف سے امن میں آگئے اور ایک بدترین خطرے سے محفوظ ہو گئے تاکہ کھل کر دین کی نشر و تبلیغ کا کام کر سکیں، اس لیے زہری نے کہا ہے کہ فتح مکہ سے بڑی فتح تو صلح حدیبیہ تھی، لوگوں کو پر امن ماحول میں ملنے جلنے کا موقع مل گیا، ایک دوسرے سے مکالمہ، مکہ میں رشتہ داروں سے میل جول، اسی پر تو ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس امن کی صورت حال کی وجہ سے یہ نمایاں فرق پڑا کہ حدیبیہ کے موقع پر جو مسلمان نکلے، وہ چودہ سو کی تعداد میں تھے لیکن ٹھیک دو سال بعد

---

۱ امام شاطبی نے اس موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی ہے تفصیل کے لیے دیکھیے: الشاطبی، الاعتصام: ۲/۸

۲ سنن ابو داود، حدیث نمبر: ۴۳۵۔

Marfat.com

فتح مکہ کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کی تعداد دس ہزار ہو چکی تھی۔[1]

کفار سے اہل اسلام کے نکاح کی حرمت

اسی سال اللہ تعالی نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ کوئی مسلمان کسی مشرکہ سے شادی نہ کرے اور نہ اپنی بیٹیوں کی مشرکین سے شادی کرائیں۔ قرآن کریم میں صریحاً اس کا حکم دیا گیا ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ[2]

"تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن غلام مشرک شریف سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تم کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ سبق لیں گے اور نصیحت قبول کریں گے۔"

---

1. الدکتور مہدی رزق اللہ احمد، السیرۃ النبویۃ فی المصادر الأصلیۃ، ص: ۴۹۵، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیۃ، الریاض، ۱۹۹۲م وسیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۴۴۷۔

2. سورہ بقرۃ: ۲۲۱۔

Marfat.com

صلاۃ الخوف

اسی طرح صلاۃ الخوف ادا کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خوف ادا کر کے امت کو سکھا دی، صلاۃ الخوف ادا کرنے کے مختلف طریقے بیان کیے گئے اور علما نے سب ہی طریقوں پر عمل کو صحیح قرار دیا ہے، یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اسلام ہر زمان و مکان کے لیے قابل عمل دین ہے اور موقع کی مناسبت سے جہاں جو کام کرنا ممکن ہو اس کو انجام دینے کی اجازت میں توسیع اور اختیار دے دیا گیا ہے۔ نماز خوف کب سے پڑھی جا رہی ہے اس بارے میں امام بخاری کہتے ہیں خیبر کے بعد سات ہجری میں شروع ہوئی جب کہ سیرت نگاروں کے نزدیک خیبر سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، اور اس کی مشروعیت کا زمانہ چار، پانچ اور چھ ہجری بیان کیا گیا ہے

حضرت اُمّ حبیبہؓ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح نبوی

عمر مبارک ۵۸ سال اور ۹ ماہ تھی جب ام المؤمنین ام حبیبہ سے نکاح نبوی ہوا۔ سیدہ ام حبیبہ، ابو سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ کی بیٹی تھیں یعنی وہی ابو سفیان جس نے ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگیں جاری رکھیں۔ جنگ احد و خندق میں وہی کافر فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ قریش کے بڑے سرداروں میں سے ایک تھا، بلکہ قریش کا سب سے بڑا نشان عقاب بھی اسی کے پاس تھا۔ البتہ ابو سفیان نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا اور ساری زندگی اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں گزارنے کے بعد صحابی کے درجہ پر فائز ہو کر خود آپ ﷺ کے ساتھ جنگ حنین اور طائف میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرت ام حبیبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زوجہ محترمہ تھیں جو خاندانی طور پر قریبی ترین رشتہ دار تھیں۔ بڑی آزمائش کی زندگی گزار رہی تھیں۔ آپ کے میکے کے سارے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ آپ کا شوہر عبید اللہ بن جحش الأسدی عادی شرابی تھا، ہجرت کر کے حبشہ آپ کے ساتھ گیا لیکن شراب کے نشے میں مرتد ہو گیا۔ اس طرح پردیس میں آپ سے ظاہری دنیوی سہارا بھی چھن گیا تھا۔ اس شوہر سے ایک بیٹی تھی جس کا نام حبیبہ تھا اس کی وجہ سے ان کی کنیت بھی ام حبیبہ تھی۔ ان پر

Marfat.com

انتہائی سخت حالات گزر رہے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے خواب دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ کوئی شخص مجھے یا ام المؤمنین کہہ کے پکار رہا ہے، مجھے اس کی تعبیر یہی سمجھ آ رہی تھی کہ آپ مجھ سے نکاح کریں گے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ نجاشی کی طرف سے ایک پیغام آیا۔ پیغام دینے والے نے اجازت مانگی تو میں نے دیکھا کہ وہ بادشاہ کی خاص باندی تھی جو اس کے ملبوسات اور عطریات کی نگران تھی۔ اس کا نام ابرہہ تھا۔ اس نے کہا: کہ بادشاہ سلامت کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے مدینہ سے پیغام بھیجا ہے کہ میرا ام حبیبہ سے نکاح کرادو۔ مجھے یہ سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ اس کی انتہا نہیں۔ اس باندی نے کہا کہ بادشاہ کہہ رہا ہے کہ اپنی طرف سے وکیل مقرر کرلو، میں نے خالد بن سعید کو وکیل بنایا اور خوشی میں میں نے اس پیغام لانے والی لونڈی کو اپنے سارے زیور اور جواہرات اتار کر دے دیے۔ دوسرے روز نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمانوں کو بھی بلالیا اور خود نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھا اس کے بعد دونوں طرف سے خطبے اور ایجاب قبول ہوا اور نجاشی نے اہل محفل کو اٹھنے نہ دیا کہ جب بھی انبیا شادی کرتے ہیں تو دعوتِ ولیمہ بھی کرتے ہیں، اس لیے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ولیمہ کا اہتمام کرتا ہوں۔ چنانچہ سب نے کھانا کھایا اور یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔ اس نکاح کے وقت ام المؤمنین کی عمر چھتیس برس تھی مدینہ منورہ میں اس شادی کو بہت مبارک کہا جانے لگا۔ اللہ تعالی نے بھی اس موقع پر مؤمنوں کو خوشخبری دی اس لیے کہ اسلام کا سب سے بڑا اور طاقت ور دشمن خود حضور کا سسر بن چکا تھا، معاویہ مؤمنین کے ماموں بن چکے تھے، اللہ تعالی نے اس طرح خوشخبری سنائی: عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيرٌ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ [1] "بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے آج تم نے دشمنی مول لی ہے۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور رحیم ہے۔" یہی ام حبیبہ تھیں کہ جب ان کا والد سربراہ قریش، صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے مدینہ آیا تو اپنی بیٹی

---

۱ سورۃ الممتحنۃ: ۷۔

Marfat.com

ام حبیبہ کو ملنے گیا۔ ابو سفیان بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے بستر لپیٹ دیا۔ ابو سفیان نے پوچھا بیٹی میں نہیں سمجھا کہ کیا بستر میرے قابل نہیں، یا میں بستر کے قابل نہیں؟ ام المؤمنین نے جواب دیا اے میرے ابا جان! یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک ہو اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ابو سفیان نے کھسیانا سا ہو کر کہا بیٹی تو ہم سے جدا ہو کر کچھ بگڑ سی گئی ہے۔

جب آپ کا وقت قریب آ لگا تو آپ نے حضرت عائشہ کو بلوایا اور کہا ہم سب سوتن بن کے رہی ہیں، ہمارے درمیان اختلاف بھی ہوتا رہا ہے تو اگر کوئی دل آزاری والی بات ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دو۔ عائشہ نے معاف کر دیا اور دعا دی تو ام حبیبہ نے کہا: اللہ تجھے ہمیشہ شادمان رکھے تو نے مجھے شادمان کیا۔ ام سلمہ کو بھی ایسا ہی پیغام بھیجا ان کی جانب سے بھی ایسا ہی جواب آیا۔ آپ نے مدینہ منورہ میں سن ۴۴ ہجری میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر بہتر برس تھی۔ [1]

---

1 سیرۃ بن ہشام: ۱/ ۲۳۴، رحمۃ للعالمین: ۲/ ۱۷۵۔۱۷۶۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ششم

شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام، فتح مکہ،

اسلام کا مکمل غلبہ، حجۃ الوداع، الوداع

Marfat.com

بادشاہان عالم کے نام خطوط اور دعوتِ اسلام

آپ کی عمر مبارک ۵۸ سال تھی جب آپ حدیبیہ کے مقام سے فتح عظیم کی بشارت لے کر مدینہ منورہ لوٹے تو نزدیک ترین دشمن سے ایک طرح کا سکون حاصل ہوا۔ اسلام کا پیغام ساری دنیا کے لیے ہے۔ اللہ نے اسلام کو دنیا میں غالب ہونے کے لیے نازل کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام انسانوں کے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اب دعوتِ اسلام کا رخ بیرونی دنیا کی طرف تھا۔ چنانچہ علاقے کے بڑے بڑے حکمرانوں کے نام خطوط لکھوائے۔ ان کو سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مکاتیب، مراسیل اور مراسلات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان خطوط کا مضمون ملتا جلتا تھا۔

اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مہر نہیں بنوائی تھی۔ جب خطوط لکھے گئے تو ان پر مہر لگانے کے لیے چاندی کی مہر تیار کی گئی اور خط کو سیل مہر کر کے سفیر کے ہاتھ روانہ کر دیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کو بطور سفیر ان بادشاہوں کے پاس بھیجا گیا وہ ان کی زبانوں سے بھی واقف تھے تاکہ دعوت دینے اور بات سمجھانے میں دقت نہ ہو۔ جن بادشاہوں کے نا خطوط ارسال کیے:

Marfat.com

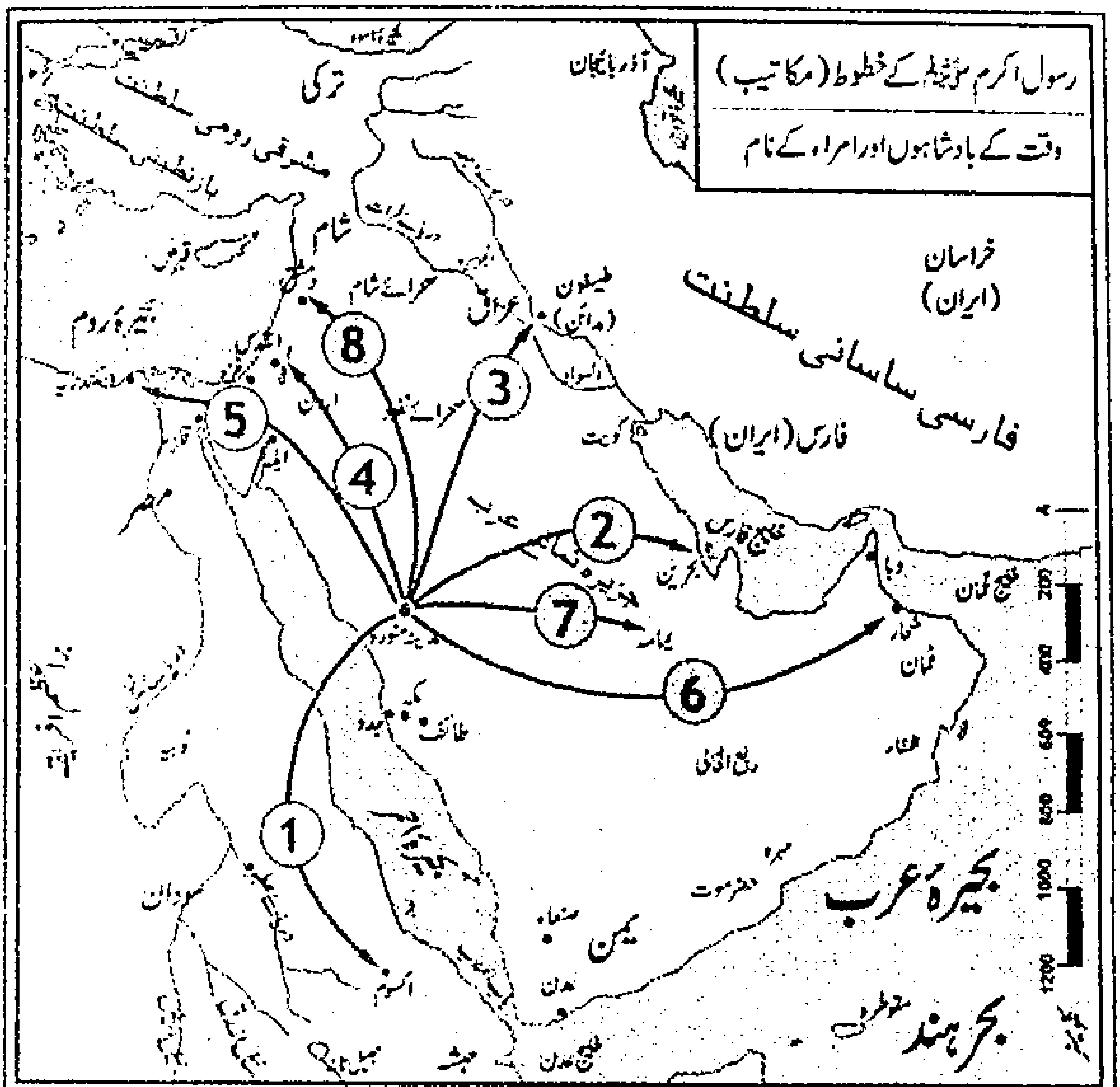

نمبر شمار	حامل مکتوب	ملک رشہر	مکتوب الیہ
①	عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	اکسوم (حبشہ)	نجاشی
②	علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین	منذر بن ساوی
③	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	طیسفون (مدائن)	کسرائے فارس خسرو پرویز
④	دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	القدس (یروشلم)	قیصر روم ہرقل
⑤	حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اسکندریہ (مصر)	مقوقس
⑥	عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	عُمان	جیفر و عبد پسران جلندی
⑦	سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ	یمامہ	ہوذہ بن علی
⑧	شجاع بن وہب اسدی	غوطہ (نواح دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی

نبی کریم ﷺ کا مکتوب

منذر بن ساوی کے نام

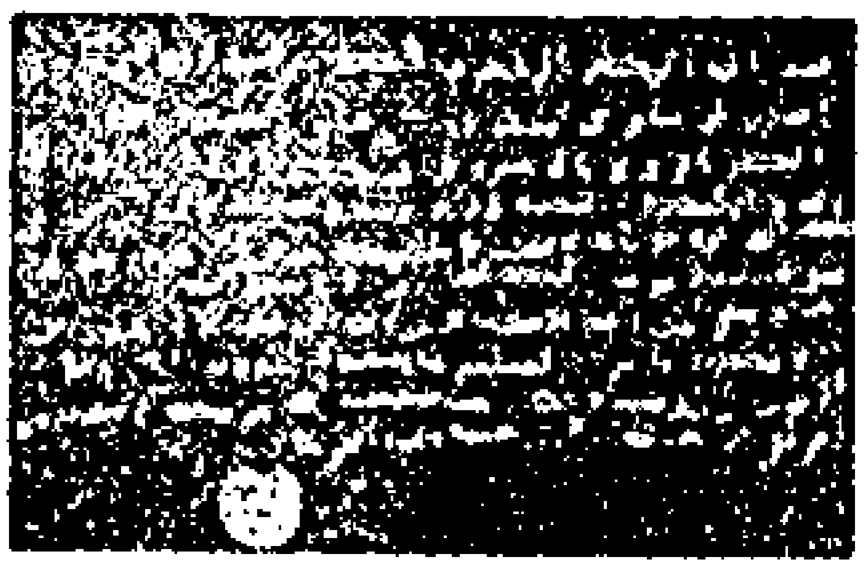

نجاشی کے نام

عمرو بن امیہ الضمری کو بھیجا اور اس نے دعوتِ اسلام کو دل وجان سے قبول کر لیا۔

شاہ بحرین

علاء بن الحضرمی منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے، اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

شاہ عمان جیفر و اور اور عبد بن جلندی

حضرت عمرو بن العاص نامہ مبارک لے کر عمان کے بادشاہ جیفر و اور عبد بن جلندی کے پاس گئے۔ انہوں نے خوب بحث مباحثہ کیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔

حاکم دمشق منذر بن حارث بن ابو شمر

حاکم شام و دمشق کے پاس شجاع بن وہب الأسدی خط مبارک لے کر گئے، اس نے بہت غصہ کیا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا عندیہ بھی دیا تاہم بعد میں سفیر رسول کو باعزت رخصت کر دیا اور مسلمان نہیں ہوا۔

یمامہ کا حاکم ہوذہ بن علی

یہ عیسائی تھا اور اس کے پاس نامہ مبارک لے کر جانے والے سفیر صحابی کا نام سلیط بن عمرو تھا۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا لیکن چند دنوں کے بعد ہی ہوذہ مر گیا۔

سکندریہ اور مصر کا بادشاہ جریج بن متی (مقوقس)

یہ عیسائی المذہب تھا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو اس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے معاملے پر غور کے لیے بار بار وقت مانگا اور سفیر رسول کو قیمتی تحائف دے کر

Marfat.com

واپس بھیج دیا۔ آپؐ کا مشہور خچر دُلدُل اسی نے تحفے میں بھیجا تھا۔[1]

ہرقل، حاکمِ قسطنطنیہ

ہرقل قسطنطنیہ یا روم کی مشرقی شاخ کا فرمانروا تھا۔ یہ عیسائی تھا۔ دحیہ کلبی کو نامہ مبارک دے کر بھیجا گیا۔ ان کی ملاقات بیت المقدس میں ہوئی، اس نے سفیرِ رسول کا شایان شان استقبال کیا اور خوب عزت و تکریم دی، کئی سوالات کیے اور مزید تحقیق کے لیے اعلان کرادیا کہ اگر کوئی مکہ سے یہاں آیا ہوا شخص ہے تو کل دربار میں حاضر ہو۔ اتفاق سے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ابو سفیان تجارتی قافلے کے ساتھ شام میں موجود تھا، اس سارے قافلے کو حاضر کیا گیا اور ابو سفیان سے سوالات شروع ہوئے۔ اس وقت یہ بھی حکم جاری ہوا کہ قافلے والے ابو سفیان کے جوابات سنتے رہیں۔ اگر یہ غلط جواب دے تو مجھے بتایا جائے۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں نے کسی سوال کا غلط جواب نہ دیا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ میرے ساتھی مجھے ٹوک دیں گے۔ اس کے بعد آپ کا خط پڑھ کر سنایا گیا، ہرقل نے کہا کہ نبی موعود کی یہی علامتیں ہمیں بتائی گئی ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ نہ سمجھا تھا کہ وہ عرب میں ہوگا۔ ہم تو شام میں اس کے منتظر تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں میں بیٹھا ہوں، کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور ان کے پاؤں دھویا کرتا۔

---

1 رحمۃ للعالمین: ۱/ ۱۴۴۔۱۴۶۔

Marfat.com

مہر نبوی (انگوٹھی)

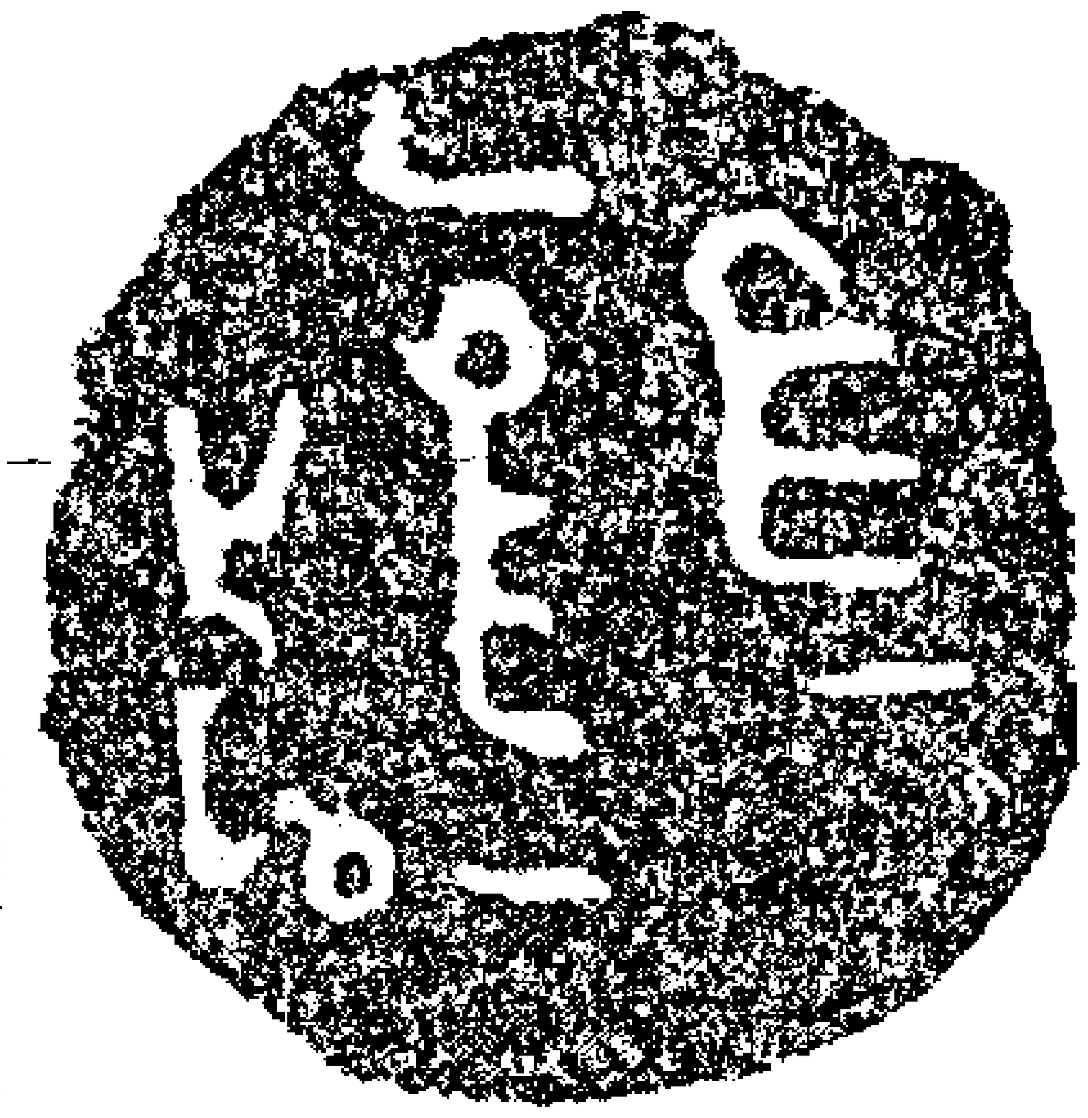

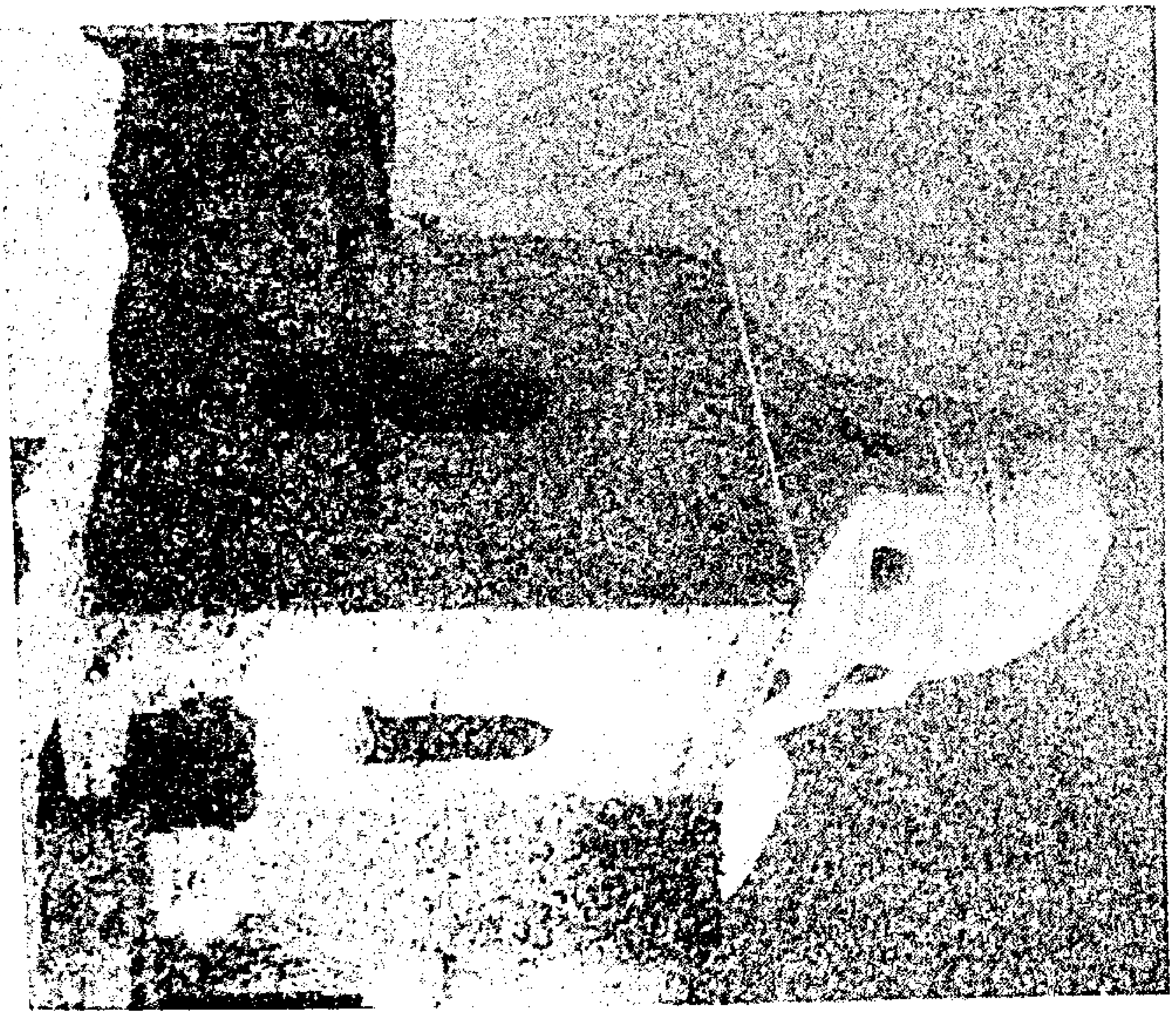

Marfat.com

کسریٰ فارس خسرو پرویز

یہ مشرق کی سپر پاور سلطنت (فارس) کا خدا بنا بیٹھا تھا اسی کا لقب کسریٰ تھا۔ اس کا مذہب زردشت تھا، اس کے پاس جن صحابی کو سفیر بنا کر بھیجا گیا ان کا نام عبد اللہ بن خدامہ تھا۔ خسرو پرویز نے نامہ مبارک پڑھتے ہی اسے پھاڑ ڈالا کہ میری رعایا کا ایک ادنی آدمی مجھے خط لکھتا ہے اور میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھتا ہے۔ پھر اس نے عرب میں اپنے وائسرائے باذان کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو، باذان نے گرفتاری کے لیے ایک دستہ روانہ کیا جس کا سربراہ خسرو تھا اور کہا کہ اس کو کسری تک پہنچا دے اور اگر وہ ساتھ جانے سے انکاری ہو تو مجھے رپورٹ کرو۔ جب یہ دستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کل پھر ملاقات ہو گی دوسرے روز جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: آج رات تمہارے بادشاہ کو اللہ نے مار ڈالا ہے، جاؤ معلوم کرو، ان کو معلوم ہوا کہ خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر ڈالا ہے اور خود بادشاہ بن گیا ہے۔ ادھر باذان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوب تحقیق کرالی تھی اور مسلمان ہو گیا اس طرح ملک کا اکثر حصہ مسلمان ہو گیا۔[1]

جن حکمرانوں نے اسلام قبول کیا تھا ان میں ثمامہ بن اثال بھی تھے جن کا واقعہ انتہائی معروف ہے اور انہوں نے قحط کے ایام میں نجد سے آنے والے غلے کو بند کر کے اہل مکہ کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے بھی انہوں نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔

گورنر شام فروہ بن عمرو الخزاعی

یہ شام میں قیصر کا گورنر تھا۔ اس نے جب اسلام قبول کر لیا تو قیصر نے اسے اپنے ہاں بلا کر حکم دیا کہ اسلام چھوڑ دو، فروہ نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی تھی اب واپس پلٹنے والا نہ تھا چنانچہ انکار کر دیا تو اسے قید کر دیا گیا۔ فروہ کی قوتِ ایمانی کی انتہا تھی کہ اپنی حکومت، جاہ، طاقت دولت، دنیا کی ہر نعمت کو اسلام پر قربان کر دیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

---

۱ سیرۃ ابن ہشام: ۲۳۴/۱۔

Marfat.com

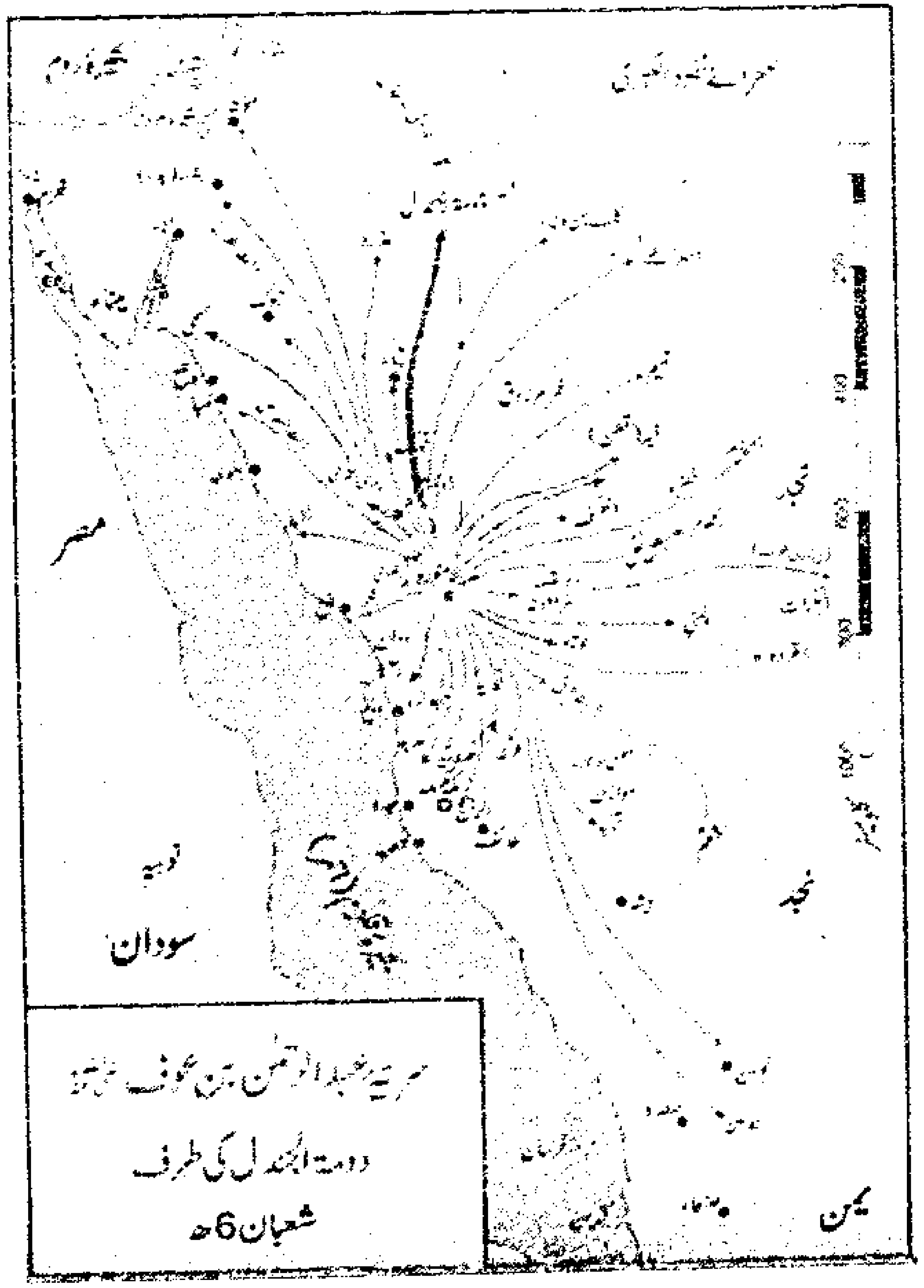

جوف شہر اور اس کا قلعہ (شمالی سعودی عرب)

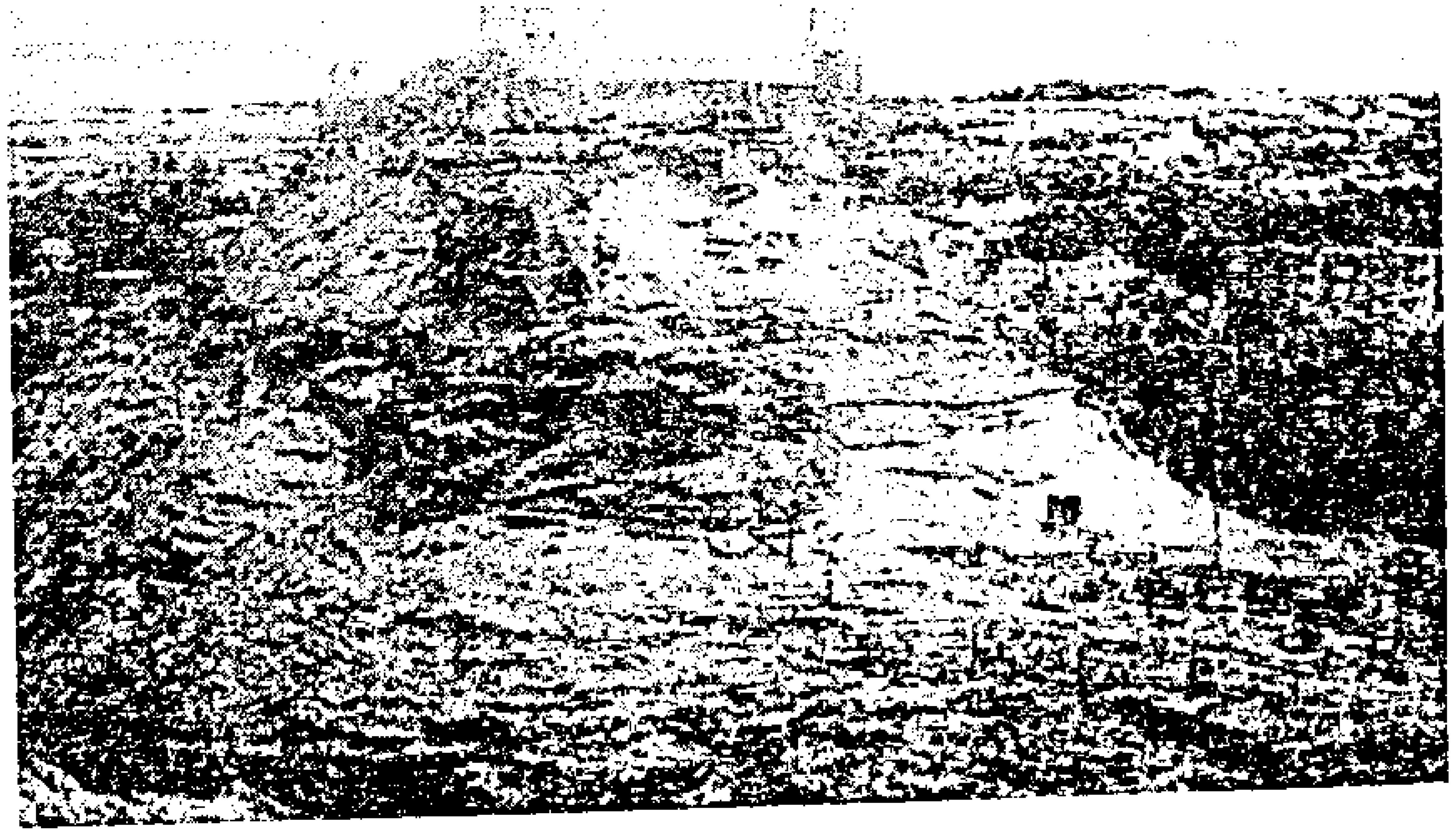

Marfat.com

سردار دومۃ الجندل اکیدر

اسلام قبول کرنے والے حکمرانوں میں اکیدر بھی شامل تھا جس نے نو ہجری میں اسلام قبول کیا۔ یہ دومۃ الجندل کا حکمران تھا، حمیر جیسے طاقت ور ترین قبیلے کا سردار تھا، یمن اور طائف کے بعض علاقوں کا حکمران تھا اور بلکہ وہ خود الہ بن بیٹھا تھا اور لوگوں سے اپنے آپ کو سجدے کراتا تھا اور جب مسلمان ہوا تو ایک دن میں اس نے اٹھارہ ہزار غلام آزاد کیے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حکومت سے الگ ہو گیا اور زہد و تقوی کی زندگی گزارنے کے لیے مدینہ حاضر ہو گیا اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔[1]

عورتوں سے ظہار کے احکام

سن چھ ہجری کے اواخر میں جب کہ آپ کی عمر مبارک ۵۸ سال برس اور نو ماہ ہو چکی تھی قرآن کریم میں ظہار کا حکم نازل ہوا، ظہار یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے تم میرے لیے میری ماں کی طرح ہو، یا یہ کہ تم اور تمہارے جسم کا کوئی بھی عضو میرے لیے اسی طرح ہے جیسے محرم رشتہ ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے لیے ظہار کا لفظ بولا جاتا تھا (انتِ عليّ كظهر امي۔ تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو) اسی سے اس کا نام ظہار پڑ گیا۔ اپنی ماں سے تشبیہ دے کر بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لینا غلط ہے اور جو شخص یہ بات کہتا ہے تو اس پر بیوی حرام ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کفارہ نہ ادا کرلے۔ قرآن کریم میں سورۃ مجادلہ میں اس کا صریح حکم بیان کر دیا گیا ہے، فرمایا: الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ[2] "تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت، ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے

---

۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رحمۃ للعالمین: ۱/ ۱۵۶-۱۵۰

۲ سورۃ المجادلہ: ۲۔

Marfat.com

والا اور در گزر فرمانے والا ہے۔"

وفد جذام کی آمد اور قبول اسلام

جذامی وفد قبیلے کے سردار فاعہ بن زید جذامی کی قیادت میں خیبر میں حاضر خدمت ہوا، سردار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بھی ہدیہ کیا اور اسلام بھی قبول کر لیا۔ آپؐ نے رفاعہ کو اپنی طرف سے نامہ مبارک عنایت فرمایا جس میں لکھا تھا "یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے رفاعہ کو اس کی قوم کے لیے دیا گیا ہے اور جو ان کے ساتھ شامل ہونا چاہیں، ان کو اللہ کی طرف دعوت ہے جو اس دعوت کو قبول کر لے وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہے، اور جو دعوت قبول نہ کرے اس کے لیے دو ماہ کی مہلت ہے۔" اس طرح ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ (۱)

ذات قَرَد میں ڈاکوؤں کی سرکوبی

مدینہ منورہ سے تقریباً ایک دن کے فاصلے پر قَرَد نامی چشمہ ہے۔ عبد الرحمن فرازی نے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرنے والے اونٹوں کو بھگانے کے لیے حملہ کیا تھا۔

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے اونٹ احد کے قریب جنگل میں چرنے کے لئے بھیج رکھے تھے۔ آپ کا غلام رباح، اونٹوں کا چرواہا اور سلمہ بن اکوع اور ابو طلحہؓ بھی تھے۔ اچانک عبد الرحمان بن عیینہ فزاری نے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور تمام اونٹ ہانک کر بھاگ گیا۔ سلمہؓ نے اپنا گھوڑا رباح کو دیا کہ وہ جلدی جا کر مدینہ میں آپؐ کو آگاہ کرے، اور سلمہؓ خود ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے، اور تین بار بلند آواز سے پکارا: یاصباحاہ (ہائے صبح کا حملہ)، پھر سلمہؓ حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلے، وہ تیر برساتے رہے یہاں تک کے پیچھے مدینے سے بھی کمک پہنچ گئی اور سارے اونٹ اور سامان واپس مل گیا۔ ڈاکوؤں کا سرغنہ قتل ہو گیا اور دیگر کئی ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد پہلا واقعہ تھا

---

۱ طبقات ابن سعد: ۱/۳۵۴۔

Marfat.com

جو محرم سات ہجری میں رونما ہوا۔

خیبر میں یہودیوں کی ایک اور سازش، اور مدینہ پر بڑا حملہ کرنے کی تیاری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس پہنچے ہی تھے کہ مخبر نے اطلاع کی کہ یہودی ایک بار پھر مسلمانوں پر ایسے بھرپور حملے کی تیاری کر رہے ہیں تاکہ سابقہ تمام شکستوں کا بدلہ لے سکیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی جڑ کاٹ کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیں۔ اس سے قبل یہودیوں نے بارہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ خلافی کی تھی، عین جنگ کے موقع پر کافروں کا ساتھ دیا تھا۔ جنگ احد اور خندق میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کے باوجود کفار کا ساتھ دیا تھا۔ ان کی شدید ترین غلطیوں کی بنا پر انہیں مدینہ سے بے دخل کر کے خیبر کی طرف نکال دیا گیا تھا لیکن یہودی ذہنیت باز آنے والی نہ تھی۔ وہ قرآن کی زبان میں ہمیشہ سے انبیا اور صلحا کے قاتل رہے ہیں، اس لیے اس مرتبہ بھی انہوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے قبیلہ غطفان کو ساتھ ملا کر ایک بڑا حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت معلوم ہو گیا تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ ان کو مدینہ داخل ہونے سے پہلے وہیں جا کر مقابلہ کیا جائے، آپ نے صرف انہی صحابہ کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا جو حدیبیہ کی صلح میں ساتھ تھے اور ان کی تعداد صرف ۱۴۰۰ تھی جب کہ یہودیوں کے جنگ جوؤں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی اور وہ اپنے قلعوں میں بند ہر قسم کے اسلحے سے لیس تھے۔

Marfat.com

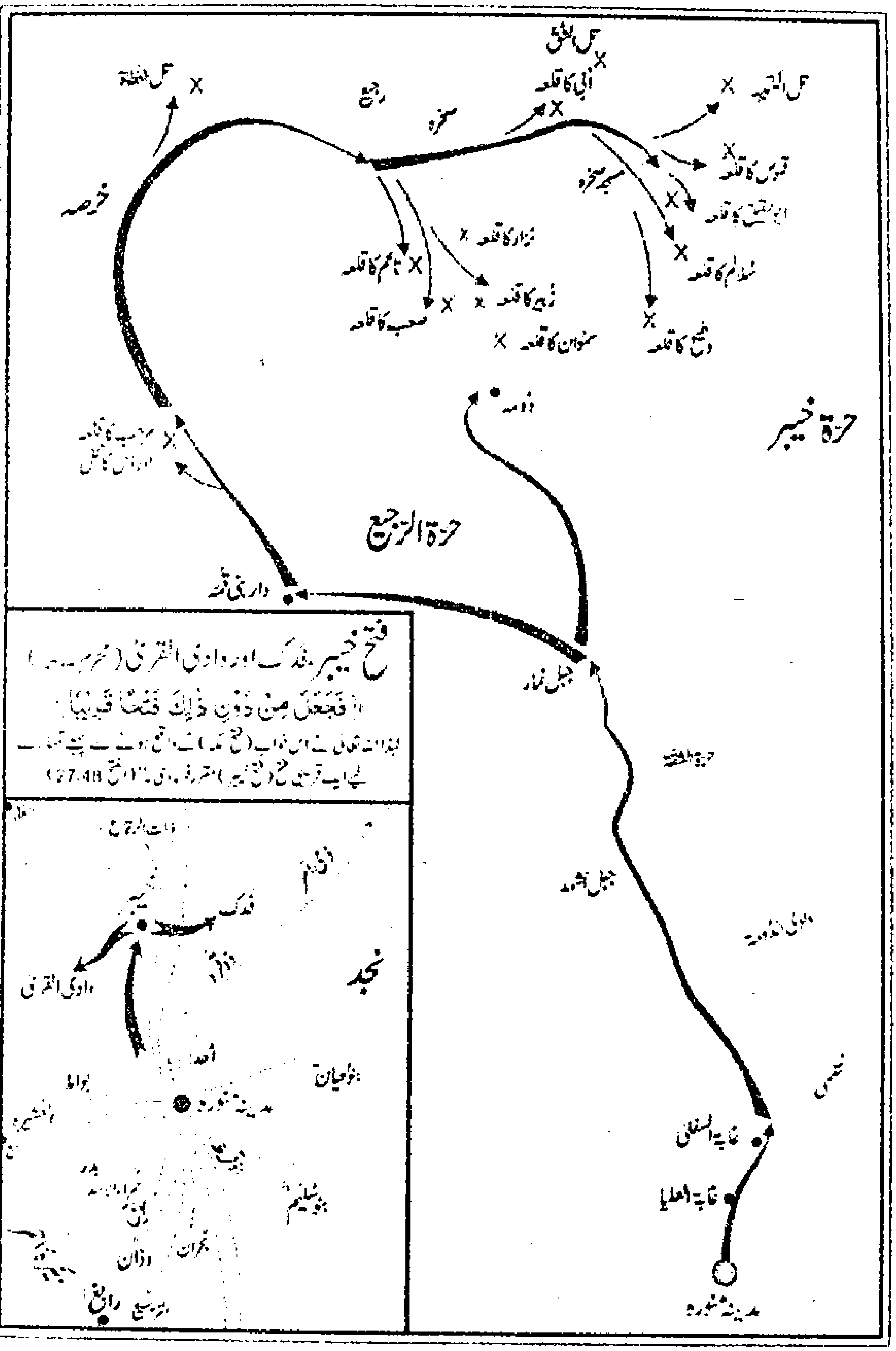
فتح خیبر، فدک اور وادی القریٰ
فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا
حرۃ خیبر
حرۃ الرجیع
خرصہ
رجیع
ناعم کا قلعہ
صعب کا قلعہ
زبیر کا قلعہ
نزار کا قلعہ
ابی کا قلعہ
قموص کا قلعہ
سلالم کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
مدینہ منورہ
فدک
وادی القریٰ
نجد

Marfat.com

یہودیوں نے خیبر میں قریب قریب دس قلعے بنا رکھے تھے جو اس وقت کی دفاعی حکمت عملی کے لحاظ سے شاہکار کی حیثیت رکھتے تھے۔ قلعوں کے چاروں اطراف میں گھنے باغات تھے، جو اب بھی موجود ہیں۔ آج بھی جو سیاح اس طرف جاتا ہے یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ انہوں نے دفاعی لحاظ سے اس قدر بہترین جگہ کا انتخاب کیسے کر لیا تھا۔

خیبر کا مشہور قلعہ ناعم جسے حضرت علی کی سربراہی میں فتح کیا گیا تھا، آج بھی اس کے آثار موجود ہیں۔ وہ دروازہ بھی اسی طرح گرا پڑا ہے، جیسے اس وقت گرا تھا۔ کھنڈرات موجود ہیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قلعوں سے متصل ان کی آبادیاں تھیں جو چھوٹے چھوٹے گھروندوں کی شکل میں تھیں۔ یہ لوگ وہیں قلعوں کے قریب آباد تھے، کھجور کے باغات آج بھی اس قدر کثرت سے ہیں کہ ان کی سبزی سیاہی مائل لگتی ہے۔ چشمے بھی بہت میٹھے اور ٹھنڈے ہیں۔ یہ علاقہ مدینہ منورہ سے زیادہ دور نہیں۔ دور جدید کی سڑکوں اور ٹریفک کی استعمال سے سیاح بہت جلد وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس قلعہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے اندر سے باہر سب کچھ نظر آتا ہے اور اس کے بالکل نیچے پہنچ کر بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ قلعہ کہاں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ الفتح نازل فرمائی جس میں خوشخبری دی گئی تھی کہ اللہ نے مؤمنوں سے بہت زیادہ مال غنیمت اور فتوحات کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے بیعت رضوان والے ۱۴۰۰ صحابہ اور بیس صحابیات جو مرہم پٹی کے لیے ساتھ تھیں، کے ہمراہ دس ہزار کا مقابلہ کیا۔ یہ جنگ مہینہ بھر جاری رہی۔ تمام قلعے فتح ہوئے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح مبین سے نوازا۔ یہودیوں نے اس قدر مال و متاع چھوڑا کہ مسلمان اس مال غنیمت سے غنی ہو گئے۔ انواع و اقسام کے اسلحہ کے ساتھ ساتھ منجنیقیں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اس غزوے میں ۱۸ مسلمان شہید ہوئے جب کہ ۹۳ یہودی ہلاک ہوئے۔

نتیجہ کے لحاظ سے یہ غزوہ مسلمانوں کے لیے فراخیِ غنا اور شمال و جنوب کی طرف سے بڑے دشمنوں کے خطرے کا سدباب تھا۔ اب مسلمان چین و اطمینان سے دعوت کے کام میں مشغول رہ سکتے تھے اور مدینہ منوہ کی ریاست کو ہر دو بڑے دشمنوں سے امن

Marfat.com

نصیب ہو چکا تھا۔

یہودی عورت کی دعوت اور زہر آلود گوشت

خیبر سے واپسی پر ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی جسے آپ نے قبول کر لیا، اس عورت نے بکری بھون کر بنائی اور اس میں زہر ملا دیا خاص طور پر اس کی ایک دستی میں اس قدر زہر ملایا کہ لقمہ منہ میں جاتے ہی زہر اپنا اثر دکھا دے، جب آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو اس موقع پر بشر بن براء بھی موجود تھے آپ کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی دستی سے گوشت لے کر منہ میں ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں گوشت ڈالتے ہی اگل دیا اور فرمایا ہاتھ کھینچ لو اسے مت کھاؤ اس میں زہر ہے، مجھے اس دستی نے خود بتایا ہے کہ اس یہودیہ نے اس میں زہر ملا دیا ہے، اور حضرت بشر بن براء بن معرور اس کے کھانے سے فوت ہو گئے۔ (۱)

اس یہودیہ کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے اس لیے زہر ملایا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں تو آپ کو علم ہو جائے گا اور بصورت دیگر لوگوں کی جان آپ سے چھوٹ جائے گی۔ (۲)

حضرت صفیہ بنت حُیَی سے شادی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۸ سال ۱۱ ماہ ۲۰ دن تھی صفر ۷ ہجری، جولائی ۶۲۸ء خیبر سے واپسی پر آپ نے یہ نکاح کیا، خود حضرت صفیہ اس کے بارے میں بتاتی ہیں کہ:

انہوں نے خواب دیکھا، ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے کہ جب آپؐ نے ان کے چہرے پر نیل پڑا ہوا دیکھا تو دریافت کیا یہ نشان کیسا ہے؟ حضرت صفیہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کی فوج کی آمد سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ ایک چاند یثرب کی

---

۱ البیہقي، دلائل النبوۃ: ۶/ ۳۴- ۳۵۔

۲ سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۴۵۱۲۔

Marfat.com

طرف سے آتا ہے اور میری گود میں گر پڑتا ہے اور اللہ کی قسم اس وقت تک مجھے آپ کی شان کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی، چنانچہ یہ خواب میں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے میرے چہرے پر زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا: تم اس بادشاہ کو چاہتی ہو جو مدینہ میں آیا ہے، یہ نشان اسی تھپڑ کا ہے۔ (۱)

حضرت صفیہ بنت حیی کا سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے یعنی آپ بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت صفیہ کی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی اور طلاق ہو گئی۔ یہ وہی سلام بن مشکم ہے جس کی بیوی زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کھانے کو دیا تھا۔ اس کے بعد آپ کی شادی کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوئی۔ خیبر میں صفیہ کا باپ بھائی اور شوہر قتل ہو چکے تھے، اور وہ غم والم کی تصویر بنی ہوئی تھیں تاہم باقی عورتوں کی طرح جزع فزع نہیں کر رہی تھیں۔ مال غنیمت میں صفیہ حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں، حالانکہ یہ بنی قریظہ کی شہزادی تھیں اور ایک بڑے قبیلے سے تعلق تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ خیبر کے سردار کی بیٹی ہے، اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ہونا چاہیے۔ آپ نے انہیں بلوایا اور فرمایا کہ تم ایک سردار کی بیٹی ہو میں تمہیں دو باتوں کا اختیار دیتا ہوں ایک یہ کہ میں تم کو آزاد کر دیتا ہوں، چاہو تو میرے ساتھ شادی کر لو اور چاہو تو واپس اپنے قبیلے میں چلی جاؤ۔ حضرت صفیہ نے اسلام قبول کر کے زوجیت قبول کر لی اور ام المؤمنین کے دائمی منصب پر سرفراز ہو گئیں۔

وہ بہت بڑی زیرک دانش مند اور حلیم طبیعت کی مالک تھیں۔ ایک روز آپؐ تشریف لائے تو رو رہی تھیں۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا، عرض کیا: مجھے خبر ملی ہے کہ عائشہ اور حفصہ مجھے یہ کہہ کر چھیڑتی ہیں کہ ہم رسول اللہ کے خاندان سے ہیں اور بیویاں بھی ہیں اور یہ یہودی کی بیٹی ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں جواب کیوں نہیں دیا کہ تم مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو، میں تو ہارون نبی کی بیٹی ہوں اور موسیٰ میرے تایا ہیں، اور

---

۱ ابن قیم، زاد المعاد: ۲۹۰/۳۔

Marfat.com

محمد میرے شوہر ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو تمام ازواج مطہرات جمع تھیں اس موقع پر حضرت صفیہ نے کہا اے اللہ کے نبی میں چاہتی ہوں کہ آپ کی ساری تکلیف مجھے ہو جائے اور آپ کو نہ ہو، باقی بیبیوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا یعنی اشارے کیے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا: یہ کیا اشارے کر رہی ہو، یہ جو بات کہہ رہی ہیں اللہ کی قسم اس میں سچی ہیں۔ اور جب شدت پسندوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محاصرے میں لیا ہوا تھا تو یہی ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو ان حالات میں اپنے گھر سے امیر المؤمنین کے گھر تک ایک خفیہ راستہ بنا کر کھانا پانی پہنچاتی رہیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی رحلت کے بعد بیالیس سال تک حیات رہیں اور حضرت معاویہ کے زمانے میں ۵۲ ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ سے سات ہجری میں منع فرما دیا۔ نکاح متعہ سے مراد عورت اور مرد کے ایسا تعلق ہے جو بحیثیت میاں بیوی مخصوص مدت کے لیے نکاح کر کے زندگی گزارنے کا معاہدہ کریں جیسے ایک سال کے لیے ایک گھنٹے کے لیے ایک ماہ کے لیے وغیرہ۔ دور جاہلیت میں ایسے نکاح ہوتے تھے اور اسلام کی آمد کے بعد بھی شروع شروع میں یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ اسے حرام قرار دیا گیا، اس لیے واضح رہے کہ اسلام نے اسے کبھی حلال نہیں کیا تھا بلکہ بتدریج اس سے منع کرتے ہوئے بالآخر شراب کی طرح حرام قرار دے دیا۔

شروع اسلام میں اس پر سختی نہیں کی گئی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر اس سے روکا گیا لیکن بہت شدت سے نہیں۔ غزوہ حنین کے موقع پر اس کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔ حدثنا مالك بن إسماعيل: حدثنا عن علي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: «إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ المُتْعَةِ، وَعَنْ لُحُومِ الحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ، زَمَنَ

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۶/۶۰۔

Marfat.com

خَیْبَر (۱)

"حضرت علی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے زمانے میں متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔"

حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُتْعَةِ، وَقَالَ: أَلَا إِنَّهَا حَرَامٌ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَانَ أَعْطَى شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ (۲)

ربیع بن سبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا اور کہا: "خبردار رہو! یقیناً یہ آج کے دن سے قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ جس نے (نکاح متعہ میں موجود خاتون کو) کوئی چیز دی ہو، تو وہ اس سے واپس نہ لے۔"

ام المؤمنین ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین کی حبشہ سے واپسی

صفر سات ہجری میں حبشہ سے وہ مہاجرین واپس آگئے جو عرصہ دس سال سے امن وسکون کے ساتھ نجاشی کے ملک میں رہ رہے تھے ان واپس آنے والے مہاجرین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی جعفر بن ابی طالب اور ام المؤمنین ام حبیبہ بھی تھیں جن کی شادی حبشہ ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئی تھی اور خود نجاشی نے حضور کی شادی کرائی اور ولیمہ بھی کرایا، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ مہاجرین کی واپسی پر آپ بے حد خوش ہوئے۔ ان میں اشعری قبیلہ کے بہت سے لوگ تھے۔

محرم ۷ ہجری تا شوال مختلف مہمات

اس عرصے میں جو دستے اور تبلیغی وفود روانہ ہوئے ان میں زیادہ مشہور غزوہ وادی

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۱۱۵۔

۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۔

Marfat.com

القریٰ زیر قیادت نبی کریم علیہ السلام، سریہ ابان بن سعید زیر قیادت حضرت ابان بن سعیدؓ، سریہ کدید زیر قیادت حضرت غالب بن عبد اللہ لیثیؓ، سریہ فدک زیر قیادت حضرت غالب بن عبد اللہ لیثی، سریہ حسمی زیر قیادت حضرت زید بن حارثہؓ، سریہ تربہ زیر قیادت حضرت عمر بن خطابؓ، سریہ بنو کلاب زیر قیادت حضرت ابو بکر صدیقؓ، سریہ میفعہ زیر قیادت حضرت غالب بن عبد اللہ لیثی، سریہ خربہ زیر قیادت حضرت اسامہ بن زیدؓ، سریہ بنی مرہ زیر قیادت بشیر بن سعدؓ، سریہ بشیر بن سعد، زیر قیادت بشیر بن سعد بن ثعلبہ انصاری۔

حضرت میمونہؓ سے نکاح

حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا نبوت سے چھ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں اور آپ آخری زوجہ مطہرہ ہیں جن کے ساتھ نکاح کیا۔ حضرت میمونہ کا نام برہ تھا۔ اس سے قبل ان کا نکاح رہم بن عبد العزیٰ سے ہوا تھا۔ مؤرخین نے اور نام بھی ذکر کیے ہیں جن سے ان کی نکاح ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی منگنی میں جن شخصیات نے کردار ادا کیا ان میں ان کی بڑی بہن لبابہ کبریٰ کا نام سرفہرست ہے۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اسی طرح ان کی ایک بہن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بیوی تھیں، اور حضرت خالد بن ولید (جو کچھ عرصہ پہلے ہی ایمان لائے تھے اور ان کے قبیلہ کے باقی افراد زیادہ تر حالتِ کفر ہی میں تھے)۔ ان کی والدہ حضرت میمونہ کی بہن تھیں یعنی حضرت خالد بن ولید کی یہ خالہ تھیں نیز حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی بھی ان کی بہن تھیں، اس طرح حضرت میمونہ کی تین سگی بہنیں اور چار ماں جائی بہنیں تھیں، جن میں سے زیادہ تر قبیلہ بنی ہاشم میں بیاہی گئی تھیں اور سب بہنوں کی یہ خواہش تھی کہ ہماری یہ بہن حضور کے عقد میں جائے کیونکہ ہماری باقی رشتہ داریاں بھی اعلیٰ اور ارفع لوگوں سے ہیں۔ اس رشتے کے لیے خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا، اور پھر اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضرت خالد کے اسلام میں داخل ہوتے ہی فتوحات کا عظیم سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن ان کے خاندان سے رشتہ داری کی یہ صورت بنتی تھی کہ میمونہ سے شادی کر لی جائے اور وہ لوگ حضور کے سسرالی بن جائیں تاکہ قرابت داری مزید بڑھ

Marfat.com

جائے، اس شادی سے دعوتی فائدہ یہ ہوا کہ قبیلہ ہلال کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید بھی مزید قریب ہو گئے جس کا اسلام کو بہت فائدہ ہوا۔

چنانچہ حضرت عباس کی مرضی کے مطابق یہ منگنی ہوئی اور سَرف کے مقام پر آپ نے حضرت میمونہ سے شادی کر لی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ صلح حدیبیہ کو ایک سال گزرنے کے بعد عمرہ قضا کی نیت سے مکہ مکرمہ جارہے تھے کہ سَرف کے مقام پر شادی ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے صرف دس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس شادی کا مہر چار سو درہم تھا جو آپ کے چچا عباس نے ادا کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیش کر دیا تھا۔ اس وقت جب منگنی ہوئی تھی وہ اونٹ پر تھیں اور یہ بات سنتے ہی انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اونٹ کو نبی کریم کے سپرد کرنے کا اعلان کر دیا، یہ تاریخی بات کتب سیرت و تاریخ کی زینت ہے کہ: **البعیر وما علیه لله ولرسوله**[1] (اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے سب اللہ اور اس کے رسول کا ہے)۔ اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں آیات نازل فرما دیں: "وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ[2] "اور وہ مؤمن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مؤمنوں کے لیے نہیں ہے۔"

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رفاقتِ نبوی کا عرصہ بہت کم ہے، جب آپ کی عمر مبارک ۵۹ سال تھی تو یہ نکاح ہوا تھا اور یہ آخری نکاح تھا جو آپ نے کیا۔ اس طرح آپ کی دس زوجات میں سے حضرت میمونہ کا آخری نمبر تھا، عورتوں کے مسائل امت کی خواتین تک پہنچانے میں آپ نے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ مل کر اپنا کردار ادا کیا، اور کئی احادیث آپ سے مروی ہیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حضور سے مفارقت کے بعد اکتالیس

---

۱ سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۶۴۶۔

۲ سورۃ الاحزاب: ۵۰

Marfat.com

سال تک حیات رہیں اور ۵۱ھ میں بالکل اسی جگہ یعنی سَرِف کے مقام پر جہاں آپ کا نکاح ہوا تھا، آپ کی رحلت ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک اسّی سال تھی۔[1]

تعددِ ازواج اور حضور کی دس زوجات کی خصوصیت

اسی موقع پر قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور امت کے بارے میں نکاح کے بعض احکام بھی نازل ہوئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا[2]

"اے نبیؐ، ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں، اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں، اور تمہاری وہ چچازاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے، اور وہ مؤمن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مؤمنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مؤمنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود

---

1 طبقات ابن سعد ۸/۱۴۰۔

2 سورۃ الاحزاب: ۵۰

Marfat.com

عائد کیے ہیں۔ (تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ غفور و رحیم ہے۔"

وضاحت

یہ دراصل جواب ہے اُن لوگوں کے اعتراض کا جو کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) دوسرے لوگوں کے لیے تو بیک وقت چار بیویاں رکھنا ممنوع قرار دیتے ہیں، مگر خود انہوں نے یہ پانچویں بیوی کیسے کرلی۔ اس اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیویاں موجود تھیں۔ ایک حضرت سودہؓ جن سے ۳ قبل ہجرت میں آپ نے نکاح کیا تھا۔ دوسری، حضرت عائشہؓ جن سے نکاح تو ۳ قبل ہجرت میں ہوچکا تھا مگر ان کی رخصتی شوال ۱ ہجری میں ہوئی تھی، تیسری، حضرت حفصہؓ جن سے شعبان ۳ ھجری میں آپ کا نکاح ہوا۔ اور چوتھی، حضرت اُم سَلمہؓ جنہیں حضورؐ نے شوال ۴ ہجری میں زوجیت کا شرف عطا فرمایا۔ اس طرح حضرت زینبؓ آپؐ کی پانچویں بیوی تھیں۔ اس پر کفار و منافقین جو اعتراض کر رہے تھے اُس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دے رہا ہے کہ اے نبیؐ، تمہاری یہ پانچوں بیویاں جنہیں مہر دے کر تم اپنے نکاح میں لائے ہو، ہم نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے چار کی قید لگانے والے بھی ہم ہی ہیں اور اپنے نبی کو اس قید سے مستثنیٰ کرنے والے بھی ہم خود ہیں۔ اگر وہ قید لگانے کے ہم مجاز تھے تو آخر اس استثنا کے مجاز ہم کیوں نہیں ہیں۔

اس جواب کے بارے میں یہ بات پھر ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ اس سے مقصود کفار و منافقین کو مطمئن کرنا نہیں تھا بلکہ اُن مسلمانوں کو مطمئن کرنا تھا جن کے دِلوں میں مخالفینِ اسلام وسوسے ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں چونکہ یقین تھا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے الفاظ میں نازل ہوا ہے، اس لیے قرآن کی ایک محکم آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ نبی نے چار بیویوں کے عام قانون سے اپنے آپ کو خود مستثنیٰ نہیں کرلیا ہے بلکہ یہ استثناء کا فیصلہ ہمارا کیا ہوا ہے۔

پانچویں بیوی کو حضورؐ کے لیے حلال کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں

Marfat.com

حضورؐ کو چند مزید اقسام کی عورتوں سے بھی نکاح کی اجازت عطا فرمائی:

۱۔ وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے آپؐ کی ملکیت میں آئیں۔ اس اجازت کے مطابق حضورؐ نے غزوۂ بنی قُریظہ کے قیدیوں میں سے حضرت رَیحانہؓ، غزوۂ بنی المُصطلِق کے قیدیوں میں سے حضرت جُوَیرِیہؓ، غزوۂ خیبر کے قیدیوں میں سے حضرت صفیہؓ اور مُقوقسِ مصر کی بھیجی ہوئی حضرت ماریہ قبطیہؓ کو اپنے لیے مخصوص فرمایا۔ ان میں سے پہلی تینوں کو آپؐ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا، لیکن حضرت ماریہؓ سے مِلکِ یمین (مالک ہونے کے ناطے) تمتّع فرمایا۔ ان کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا ہو۔

۲۔ آپؐ کی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بہنوں میں سے وہ خواتین جنہوں نے ہجرت میں آپؐ کا ساتھ دیا ہو۔ آیت میں آپؐ کے ساتھ "ہجرت کرنے" کا جو ذکر آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سفر میں آپؐ کے ساتھ رہی ہوں، بلکہ یہ تھا کہ وہ بھی اسلام کی خاطر راہِ خدا میں ہجرت کر چکی ہوں۔ حضورؐ کو اختیار دیا گیا کہ اِن رشتہ دار مہاجر خواتین میں سے بھی آپؐ جس سے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس اجازت کے مطابق آپؐ نے ۷ھ میں حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نکاح فرمایا۔ (ضمناً اس آیت میں یہ صراحت بھی ہے کہ چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کی بیٹیاں ایک مسلمان کے لیے حلال ہیں۔ اس معاملہ میں اسلامی شریعت عیسائی اور یہودی، دونوں مذاہب سے مختلف ہے۔ عیسائیوں کے ہاں کسی ایسی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا جس سے سات پشت تک مرد کا نسب ملتا ہو، اور اس کے برعکس یہودیوں کے ہاں سگی بھانجی اور بھتیجی تک سے نکاح جائز ہے)۔

۳۔ وہ مؤمن عورت جو اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کرے، یعنی بلا مہر آپ کو حضورؐ کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہو اور حضورؐ اسے قبول کرنا پسند فرمائیں۔ اس اجازت کی بنا پر آپؐ نے شوال ۷ھ میں حضرت میمونہؓ کو اپنی زوجیت میں لیا۔ لیکن آپؐ نے یہ پسند نہ کیا کہ مہر کے بغیر اُن کے ہبہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ اس لیے آپؐ نے ان کی کسی خواہش اور مطالبہ کے بغیر ان کو مہر عطا فرمایا۔ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ

Marfat.com

حضورؐ کے نکاح میں کوئی موہوبہ بیوی نہ تھیں، مگر اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ آپؐ نے ہبہ کرنے والی بیوی کو بھی مہر دیے بغیر نہ رکھا۔

اسی آیت میں آگے چل کر فرمایا: خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ "یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔"

اس فقرے کا تعلق اگر صرف قریب کے فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ دوسرے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو اس کے لیے ہبہ کرے اور وہ بلا مہر اس سے نکاح کر لے۔ اور اگر اس کا تعلق اوپر کی پوری آیت سے مانا جائے تو اس سے مُراد یہ ہو گی کہ چار سے زیادہ نکاح کرنے کی رعایت بھی صرف حضورؐ کے لیے ہے، عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کچھ احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں جن میں اُمت کے دوسرے لوگ آپؐ کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ قرآن و سُنت میں ایسے متعدد احکام ہیں مثلاً حضورؐ کے لیے نمازِ تہجد فرض تھی اور باقی تمام اُمت کے لیے وہ نفل ہے۔ آپؐ کے لیے اور آپؐ کے خاندان والوں کے لیے صدقہ لینا حرام ہے اور کسی دوسرے کے لیے وہ حرام نہیں ہے۔ آپؐ کی میراث تقسیم نہ ہو سکتی تھی، باقی سب کی میراث کے لیے وہ احکام ہیں جو سورۂ نساء میں بیان ہوئے ہیں۔ آپؐ کے لیے چار سے زائد بیویاں حلال کی گئیں، بیویوں کے درمیان عدل آپ پر واجب نہیں کیا گیا، اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت سے بلا مہر نکاح کرنے کی آپؐ کو اجازت دی گئی، اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیویاں تمام اُمت پر حرام کر دی گئیں۔ ان میں سے کوئی خصوصیت بھی ایسی نہیں ہے جو حضورؐ کے علاوہ کسی مسلمان کو حاصل ہو۔ مفسرین نے آپؐ کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی ہے کہ آپؐ کے لیے کتابیہ عورت سے نکاح ممنوع تھا، حالانکہ باقی اُمت کے لیے وہ حلال ہے۔

فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ "ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں۔ (تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا

Marfat.com

ہے) تا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے۔"

یہ وہ مصلحت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قاعدے سے مستثنیٰ فرمایا۔ "لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ تنگی نہ رہے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپؐ کی خواہشاتِ نفسانی بہت بڑھی ہوئی تھیں اس لیے آپ کو بہت بیویاں کرنے کی اجازت دے دی گئی تا کہ آپؐ صرف چار بیویوں تک محدود رہنے میں تنگی محسوس نہ فرمائیں۔ اس فقرے کا یہ مطلب صرف وہی شخص لے سکتا ہے جو تعصّب میں اندھا ہو کر اس بات کو بھول جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک ایسی خاتون سے شادی کی تھی جن کی عمر اُس وقت ۴۰ سال تھی، اور اگلے ۲۵ برس تک آپ اُن کے ساتھ نہایت خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو آپ نے ایک اور سن رسیدہ خاتون حضرت سودہؓ سے نکاح کیا اور پورے چار سال تک تنہا وہی آپ کی بیوی رہیں۔ اب آخر کون صاحبِ عقل اور ایمان دار آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ۵۳ سال کی عمر سے گزر جانے کے بعد یکایک حضورؐ کی خواہشات نفسانی بڑھتی چلی گئیں اور آپ کو زیادہ سے زیادہ بیویوں کی ضرورت پیش آنے لگی۔ دراصل "تنگی نہ رہنے" کا مطلب سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایک طرف تو اُس کارِ عظیم کو نگاہ میں رکھے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اوپر ڈالی تھی اور دوسری طرف اُن حالات کو سمجھے جن میں یہ کارِ عظیم انجام دینے کے لیے آپ کو مامور کیا گیا تھا۔ تعصب سے ذہن کو پاک کر کے جو شخص بھی ان دونوں حقیقتوں کو سمجھ لے گا وہ بخوبی جان لے گا کہ بیویوں کے معاملے میں آپؐ کو کھُلی اجازت دینا کیوں ضروری تھا، اور چار کی قید میں آپ کے لیے کیا "تنگی" تھی۔

حضورؐ کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آپؐ ایک اَن گھڑ قوم کو جو اسلامی نقطۂ نظر ہی سے نہیں بلکہ عام تہذیب و تمدّن کے نقطۂ نظر سے بھی ناتراشیدہ تھی، ہر شعبۂ زندگی میں تعلیم و تربیت دے کر ایک اعلیٰ درجہ کی مہذّب و شائستہ اور پاکیزہ قوم بنائیں۔ اس غرض کے لیے صرف مردوں کو تربیت دینا کافی نہ تھا، بلکہ عورتوں کی تربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی۔ مگر جو اُصولِ تمدّن و تہذیب سکھانے کے لیے آپؐ مامور کیے گئے تھے اُن کی رُو سے

Marfat.com

مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ممنوع تھا اور اس قاعدے کو توڑے بغیر آپؐ کے لیے عورتوں کو براہِ راست خود تربیت دینا ممکن نہ تھا۔ اس بنا پر عورتوں میں کام کرنے کی صرف یہی ایک صورت آپؐ کے لیے ممکن تھی کہ مختلف عمروں اور ذہنی صلاحیتوں کی متعدّد خواتین سے آپؐ نکاح کریں، ان کو براہِ راست خود تعلیم و تربیت دے کر اپنی مدد کے لیے تیار کریں، اور پھر اُن سے شہری اور بدوی اور جوان اور بوڑھی، ہر قسم کی عورتوں کو دین سکھانے اور اخلاق و تہذیب کے نئے اصول سمجھانے کا کام لیں۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سُپرد یہ خدمت بھی کی گئی تھی کہ پرانے جاہلی نظامِ زندگی کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم کر دیں۔ اس خدمت کی انجام دہی میں جاہلی نظام کے علم برداروں سے جنگ ناگزیر تھی۔ اور یہ کشمکش ایک ایسے ملک میں پیش آرہی تھی جہاں قبائلی طرزِ زندگی اپنی مخصوص روایات کے ساتھ رائج تھا۔ اِن حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ آپؐ کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ آپؐ مختلف خاندانوں میں نکاح کر کے بہت سی دوستیوں کو پختہ اور بہت سی عداوتوں کو ختم کر دیں۔ چنانچہ جن خواتین سے آپؐ نے شادیاں کیں ان کے ذاتی اوصاف کے علاوہ ان کے انتخاب میں یہ مصلحت بھی کم و بیش شامل تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح کر کے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ گہرا اور مستحکم کر لیا۔ حضرت امّ سلمہؓ اُس خاندان کی بیٹی تھیں جس سے ابو جہل اور خالد بن ولیدؓ کا تعلق تھا۔ اور حضرت اُم حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ان شادیوں نے بہت بڑی حد تک ان خاندانوں کی دشمنی کا زور توڑ دیا، بلکہ اُم حبیبہؓ کے ساتھ حضورؐ کا نکاح ہونے کے بعد تو ابو سفیان پھر کبھی حضورؐ کے مقابلے پر نہ آیا۔ حضرت صفیہؓ، جُویریہؓ، اور ریحانہؓ یہودی خاندانوں سے تھیں۔ انہیں آزاد کر کے جب حضورؐ نے ان سے نکاح کیے تو آپؐ کے خلاف یہودیوں کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ کیونکہ اُس زمانے کی عربی روایات کے مطابق جس شخص سے کسی قبیلے کی بیٹی بیاہی جاتی وہ صرف لڑکی کے خاندان ہی کا نہیں بلکہ پُورے قبیلے کا داماد سمجھا جاتا تھا اور داماد سے لڑنا بڑے عار کی بات تھی۔

Marfat.com

معاشرے کی عملی اصلاح اور اس کی جاہلانہ رسوم کو توڑنا آپؐ کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ ایک نکاح آپؐ کو اس مقصد کے لیے حضرت زینب سے کرنا پڑا جن کا نکاح پہلے حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا، جیسا کہ اسی سورۂ احزاب میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔

ان تمام مصلحتوں کا تقاضا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح کے معاملے میں کوئی تنگی باقی نہ رکھی جائے تاکہ جو کارِ عظیم آپؐ کے سپرد کیا گیا تھا اس کی ضروریات کے لحاظ سے آپؐ جتنے نکاح کرنا چاہیں کر لیں۔

تعدّدِ ازواج

اس بیان سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ تعدّدِ ازواج صرف چند شخصی ضرورتوں کی خاطر ہی جائز ہے اور ان کے ماسوا کوئی غرض ایسی نہیں ہو سکتی جس کے لیے یہ جائز ہو۔ ظاہر بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک سے زائد نکاح کیے، ان کی وجہ یہ نہ تھی کہ بیوی بیمار تھی، یا بانجھ تھی، یا اولادِ نرینہ نہ تھی، یا کچھ یتیموں کی پرورش کا مسئلہ درپیش تھا۔ ان محدود شخصی ضروریات کے بغیر آپؐ نے تمام نکاح یا تو تبلیغی و تعلیمی ضروریات کے لیے کیے، یا سیاسی و اجتماعی مقاصد کے لیے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ نے خود تعدّدِ ازواج کو ان چند گنی چنی مخصوص اغراض تک، جن کا آج نام لیا جا رہا ہے، محدود نہیں رکھا اور اللہ کے رسول نے ان کے سوا بہت سے دوسرے مقاصد کے لیے متعدّد نکاح کیے تو کوئی دوسرا شخص کیا حق رکھتا ہے کہ قانون میں اپنی طرف سے چند قیود تجویز کرے اور اوپر سے دعویٰ یہ کرے کہ یہ حد بندیاں وہ شریعت کے مطابق کر رہا ہے۔ در اصل ان ساری حد بندیوں کی جڑ یہ مغربی تخیّل ہے کہ تعدّدِ ازواج بجائے خود ایک برائی ہے۔ اسی تخیّل کی بنا پر یہ نظریہ پیدا ہوا ہے کہ یہ فعلِ حرام اگر کبھی حلال ہو بھی سکتا ہے تو صرف شدید ناگزیر ضروریات کے لیے ہو سکتا ہے، اب اس درآمد شدہ تخیّل پر اسلام کا جعلی ٹھپہ لگانے کی چاہے کتنی ہی کوشش کی جائے، قرآن و سنت اور پوری امتِ مسلمہ کا لٹریچر

Marfat.com

اس سے قطعاً نا آشنا ہے۔[1]

عمرۂ قضا

صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کی روشنی میں واپس تشریف لے آئے تھے اور عمرہ اگلے سال کرنا تھا۔ سال مکمل ہونے کے بعد آپ نے صحابہ میں منادی کرادی کہ جو لوگ حدیبیہ میں میرے ساتھ تھے وہ تیاری کریں ہم عمرے کے لیے جارہے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ: اپنے عمرہ کی قضا کے طور پر عمرہ کریں اور کوئی بھی آدمی جو حدیبیہ میں حاضر تھا پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ اہلِ حدیبیہ کے علاوہ اور لوگ بھی عمرہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور تعداد دو ہزار ہوگئی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں اس پہاڑی گھاٹی کے راستے سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ اس وقت آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ مشرکین نے آپؐ کو دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ مسلسل لبیک کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ (حرم پہنچ کر) اپنی چھڑی سے حجر اسود کا استلام کیا، پھر طواف کیا۔ مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ تلوار حمائل کیے رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے[3] مسلمانوں نے تلواریں حمائل کر رکھی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے ہوئے لبیک پکار رہے تھے۔

---

1 سورۃ الأحزاب کی اس آیت کی وضاحت میں مفسرین نے سیرت طیبہ کی روشنی میں وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور مؤمنوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض احکام کی خصوصیات بیان کی ہیں مثال کے طور پر دیکھیے: تفہیم القرآن تفسیر سورۃ الاحزاب آیت: ۵۰

2 المقریزی، امتاع الأسماع: ۱/ ۳۳۰

3 سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۷۱

Marfat.com

مشرکین مسلمانوں کا تماشا دیکھنے کے لیے (گھروں سے) نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقعان پر جا بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آرہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ کُل (ساتوں) چکر دوڑ کر لگانے کا حکم محض اس لیے نہیں دیا کہ رحمت وشفقت مقصود تھی۔ بلکہ اس حکم کا منشا یہ تھا کہ مشرکین آپ کی قوت کا مشاہدہ کرلیں۔ [1]

طواف سے فارغ ہو کر آپ نے صَفا و مَروہ کی سعی کی۔ اس وقت آپ کی ہدی یعنی قربانی کے جانور مَروہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا: یہ قربان گاہ ہے اور مکے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں۔ اس کے بعد مَروہ ہی کے پاس جانوروں کو قربان کر دیا، پھر وہیں سر منڈایا۔ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو یا جج بھیج دیا گیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، وہ آکر اپنا عمرہ ادا کرلیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تین روز قیام فرمایا تھا۔ چوتھے دن صبح ہوئی تو مشرکین نے حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا: اپنے صاحب سے کہو کہ ہمارے یہاں سے روانہ ہو جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل آئے اور مقام سرف میں قیام فرمایا۔

اس عمرہ کا نام عمرۂ قضا یا تو اس لیے پڑا کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا یا اس لیے کہ یہ حدیبیہ میں طے کردہ صلح کے مطابق کیا گیا تھا۔ اس دوسری وجہ کو محققین نے راجح قرار دیا ہے۔ نیز اس عمرہ کو چار نام سے یاد کیا جاتا ہے! عمرۂ قضا، عمرۂ قضیہ، عمرۂ قصاص اور

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۱

Marfat.com

عمرۂ صلح۔ (۱)

اللہ کے دو شیروں کا قبولِ اسلام

خیبر میں مسلمانوں کو اللہ تعالی نے عظیم فتوحات سے نوازا اور کئی بڑے بڑے قلعے جنگ کے بغیر فتح ہوئے اور اللہ تعالی نے اس قدر مال غنیمت اور مال فئے عطا فرمایا کہ مسلمان خوش حال ہوگئے، دوسری طرف ایک بڑی فتح یہ تھی کہ کفار فوج کے دو بڑے مدبر اور ماہر سپہ سالار جو کبھی جنگ ہارتے نہیں تھے اور ان کی کمال جنگی حکمت عملی سے کفار کا پلڑہ بھاری رہتا تھا، وہ دونوں بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

یہ دو شیر خالد بن ولید اور عمرو بن عاص تھے یہ وہی خالد بن ولید ہیں جو غزوہ احد میں مسلمانوں کے لیے سب سے خطرناک دشمن ثابت ہوئے تھے اور یہ وہی عمرو بن عاص تھے جو کفار کے مدبر ترین ترجمان اور سفیر مانے جاتے تھے۔ ان دونوں کے قبول اسلام سے اسلامی عسکری قوت میں نمایاں اضافہ ہوا، اسی طرح ایک اور قائد حضرت طلحہ عبدری بھی ایمان لے آئے جن کی وجہ سے اسلام کو بھرپور تقویت ملی۔ (۲)

عمرۂ قضا کے بعد کی فوجی اور تبلیغی مہمات

عمر مبارک ۶۰ سال پورے ہونے کو تھی کہ آپ عمرہ کی ادائیگی کی بعد مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے اور یہاں بعض قائدین کو مختلف مہمات کے لیے روانہ کیا جن کی تفصیل یہ ہے:

سریہ ذاتِ اطلح زیر قیادت کعب بن عمیرؓ، ربیع الاول/۸ ہجری، سریہ ذات عرق

---

۱ المقریزی، امتاع الأسماع: ۱/ ۳۴۰

۲ تفصیل کے لیے دیکھیے ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، حضرت خالد بن ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ میں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور تکلیف دی، دعا کریں کہ اللہ تعالی مجھے معاف کر دے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد نے حدیث نمبر ۱۷۸۱۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

Marfat.com

زیر قیادت شجاع بن وہب اسدیؓ ربیع الاول، ۸ ہجری، سریہ موتہ زیر قیادت حضرت زید بن حارثہ جمادی الاولیٰ / ۸ ہجری، سریہ ذات السلاسل زیر قیادت عمرو بن العاص قرشیؓ جمادی الآخرۃ / ۸ ہجری، سریہ سیف البحر زیر قیادت عبید اللہ بن الجراحؓ رجب / ۸ ہجری، سریہ محارب زیر قیادت ابو قتادہ انصاریؓ شعبان / ۸ ہجری، سریہ ابو حدرد، زیر قیادت حضرت ابو حدردؓ رمضان / ۸ ہجری، سریہ ابو قتادہ ربعی زیر قیادت حضرت ابو قتادہ ربعیؓ رمضان ۸ ہجری۔

شام کے رومی عامل کی طرف سے سفیر نبوی کا قتل

قوموں کے بین الاقوامی معاملات میں سفیر کی بڑی حیثیت ہوتی ہے۔ کسی قوم کے سفیر کو سزا دینے یا مارنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے خلاف اعلان جنگ ہو گیا ہے۔ چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے صحابہ سے موت پر بیعت لی تھی اور اعلان جنگ کر دیا تھا کہ جب تک عثمان کا بدلہ نہیں لیں گے ہم واپس نہیں جائیں گے، بالکل ایسے ہی آپ نے حارث بن عُمیر اَزدِی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامہ مبارک دے کر حاکم بُصریٰ کے پاس بھیجا تو قیصر روم کے بلقاء پر مامور عامل شرحبیل بن عمرو نے انہیں انتہائی بے دردی سے باندھ کر شہید کر دیا۔[1]

جب آپ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے سفیر کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا جو مدنی ریاست کے لحاظ سے ایک بڑا لشکر تھا، اور مدینہ منورہ سے اردن اور موتہ کا سفر بھی ہزار میل سے زیادہ تھا جو دور دراز کا علاقہ اور طویل ترین سفر شمار ہوتا تھا اور یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے پہلے جنگ احزاب کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔

---

(۱) امتاع الأسماع: ۱ / ۳۴۷۔

Marfat.com

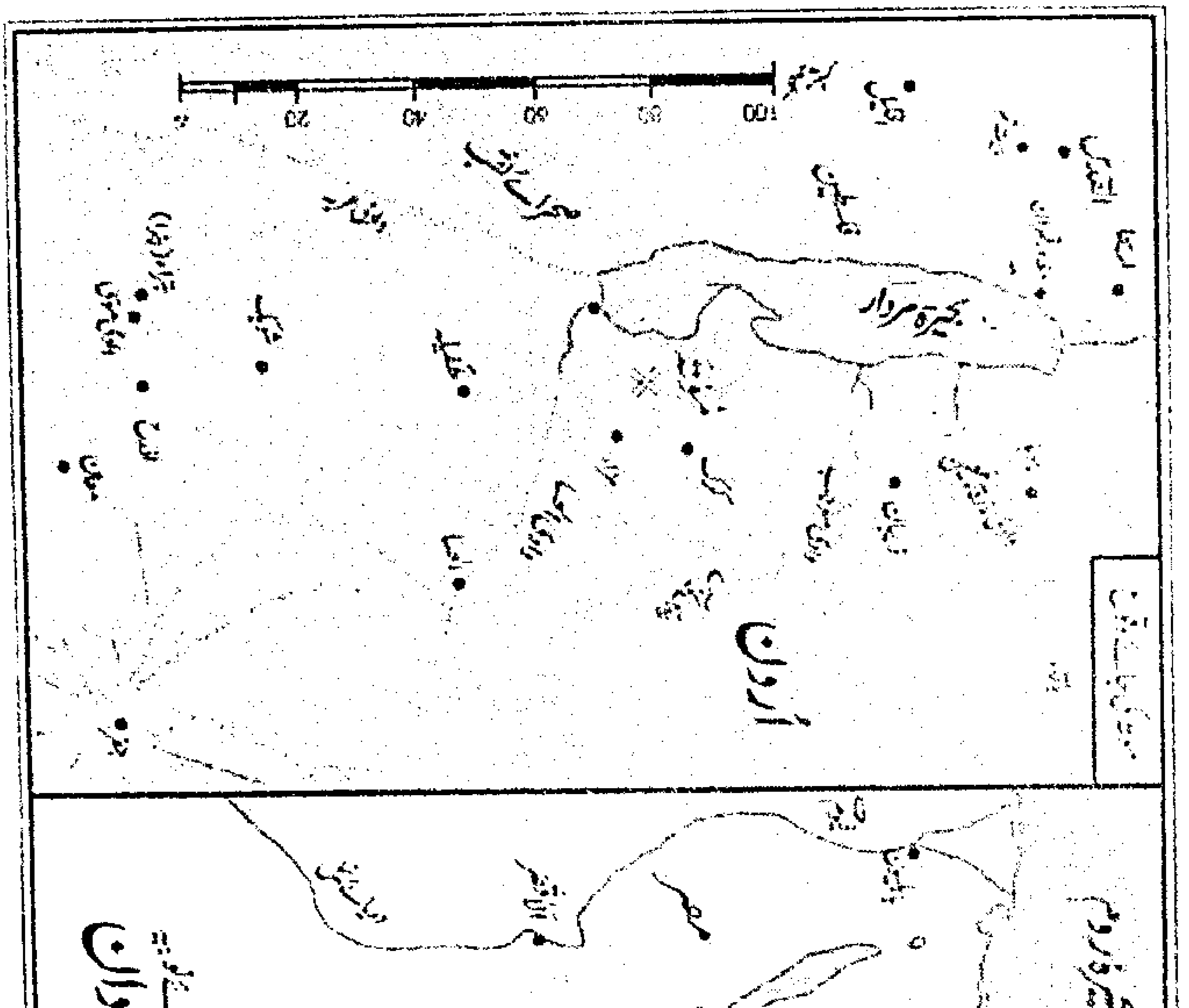

Marfat.com

معرکہ موتہ کا میدان اس کے پس منظر میں وہ ٹیلہ بھی نظر آرہا ہے جدھر سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کو بحفاظت نکال لے گئے

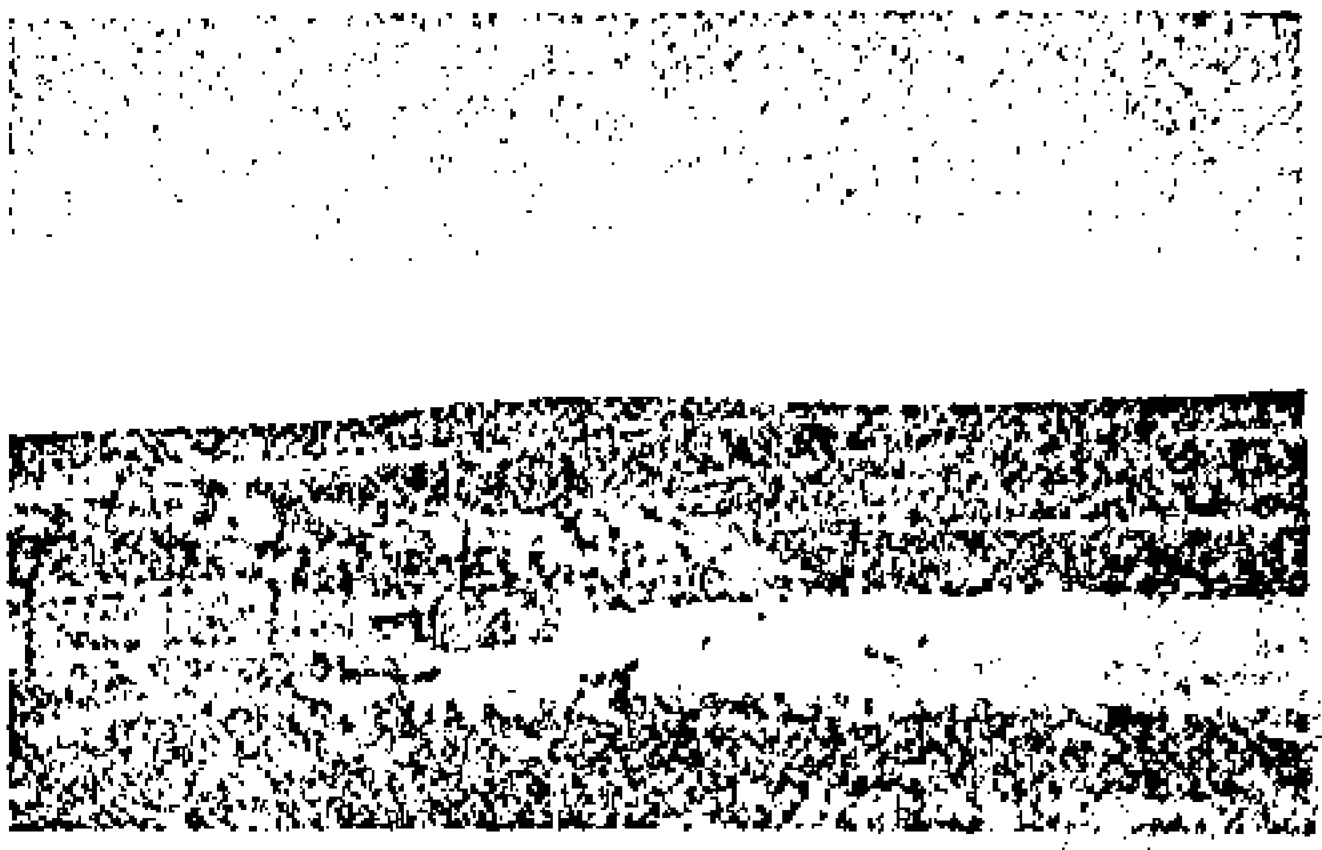

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مدفن

غازیان موتہ کا مقام شہادت

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا مدفن

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مدفن

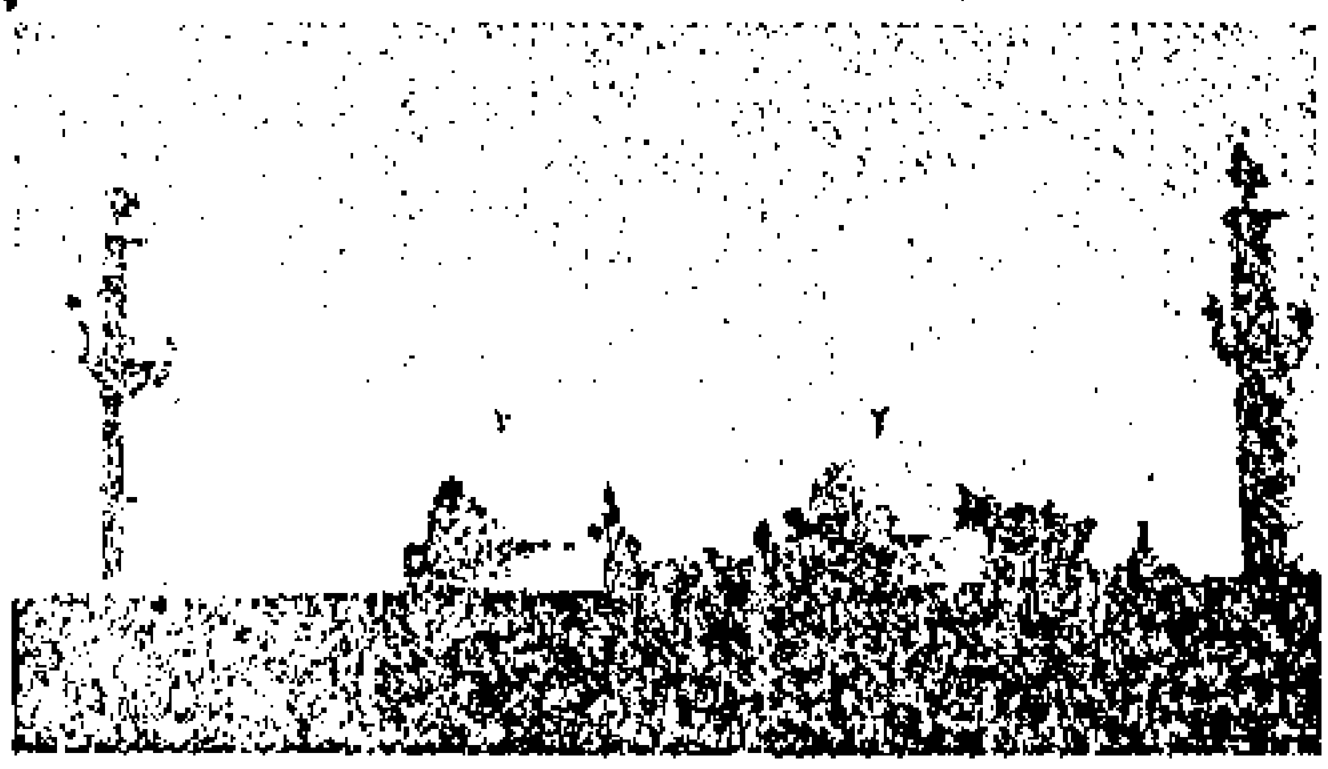

Marfat.com

موتہ اردن میں ایک مقام ہے جہاں آج بھی اسلام لشکر کے تینوں شہید قائدین یعنی حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی قبریں بالکل انہی جگہوں پر موجود ہیں جہاں وہ شہید ہوئے تھے اور وہ جگہ بھی اسی طرح موجود ہے جہاں سے اس جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ یہاں سے فلسطین اس قدر قریب ہے کہ وہاں کی عمارتیں نظر آتی ہیں۔ موتہ کے مقام پر اردن کی ایک یونیورسٹی بھی قائم ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ وطالبات پڑھتے ہیں اور اس علاقے کو بَلقاء بھی کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۶۰ سال ۲ ماہ ۲۲ دن اور جمادی الاولیٰ ۸/ ہجری اگست ۶۲۹ء کا زمانہ تھا جب عیسائیوں کے ساتھ یہ خون ریز اور بڑا معرکہ پیش آیا۔ روم اس وقت کی سپر پاور تھی اور رومیوں کا قبضہ اردن اور شام تک پھیلا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ اس لشکر کے تین سپہ سالار بنائے۔ تینوں شہید ہو جانے کی صورت میں چوتھے کا بھی انتظام فرمایا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید کر دیے جائیں تو جعفر، اور جعفر بھی شہید کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید کر دیے جائیں تو لوگ سپہ سالار کا انتخاب خود کر لیں، آپ نے لشکر کے لیے سفید پرچم حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے کیا اور لشکر کو الوداع کہنے کے لیے مدینہ منورہ میں ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اور لشکر کو ایک طویل وصیت فرمائی، نیز فرمایا کہ جس مقام پر حضرت حارث بن عمیرؓ قتل کیے گئے تھے وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ اللہ سے مدد مانگیں، اور جنگ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے غزوہ کرو۔ اور دیکھو بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور فنا کے قریب بڈھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور کوئی درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو

Marfat.com

منہدم نہ کرنا۔[1]

مؤتہ کے مقام پر ایسا معرکہ ہوا کہ چشم فلک نے اس سے قبل نہ دیکھا تھا، مسلمان جو ہزار میل دور سے آئے تھے اور تعداد تین ہزار تھے، ان کے مقابلے میں اس وقت کی سپر پاور روم کی دو لاکھ فوج تھی۔ اس صورت حال پر علامہ اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

اس معرکے کے لیے آپؐ نے بیک وقت تین سپہ سالار بنائے تھے تاکہ ایک کی شہادت کے بعد دوسرا قیادت کرے۔ اس فیصلے ہی سے معرکے میں بپا ہونے والی شدت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر دونوں لشکروں کی عددی نسبت بھی ایسی ہے کہ انسانی عقل سے ماوراء ہے۔ اس کے باوجود معرکہ شروع ہوا، مسلمان سپہ سالار یکے بعد دیگرے شجاعت وبسالت کے انمٹ نقوش چھوڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے اور بعد میں مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار بنایا جو چوتھے سپہ سالار تھے، انہوں نے اس انداز سے جنگ کی کہ دشمن پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اللہ کی نصرت شامل حال تھی۔ دشمن نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور حضرت خالد بن ولید نے اس روز اس قدر شجاعت و بہادری کے کارنامے سرانجام دیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے مدینہ طیبہ ہی میں بتا دیا کہ آج قیادت جس شخص کے ہاتھ میں ہے اللہ اس کو فتح ونصرت سے نوازے گا۔ آپ نے مدینہ ہی میں صحابہ کرام کو سارے حالات بتا دیے اور فرمایا کہ آج جس کے ہاتھ میں علم ہے وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ یہ لقب حضرت خالد بن ولید کو اسی جنگ میں ملا تھا۔ اس روز حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔[2] اس سے قبل تینوں سپہ سالاروں نے بہادری کے ایسے جوہر دکھائے تھے کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۲۶۶۔

2 امتاع الأسماع: ۱/ ۳۴۷۔

Marfat.com

ملتی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے تو دونوں بازو کٹنے کے بعد بھی علم نیچے نہیں گرنے دیا اور کٹے بازوؤں کے ساتھ علم کو تھامے رکھا یہاں تک کہ آپ کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اسی بنا پر آپ کو شہادت کے بعد طیار اور ذوالجناحین کے لقب عطا ہوئے، اور حدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں پر دیے ہیں۔ آپ جہاں چاہتے ہیں تیرتے اور اڑتے پھرتے ہیں۔ [1]

تین ہزار کے مقابلے میں دولاکھ کا تناسب اہل دنیا کے نزدیک آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں لیکن یہ معرکہ ہوا اور اس میں صرف ۱۲ مسلمان مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔ کفار کی جانب سے ہلاکتوں کی مستند تعداد معلوم نہیں، البتہ حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹی ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے ہاتھوں کفار بڑی تعداد میں مارے گئے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ [2]

”لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے، انھوں نے کہا: ”بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔“

یہ جنگ ایک سفیر کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے لڑی گئی تھی، بدلہ کے بجائے یہ مستقبل میں روم کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں تین ہزار اور دو لاکھ کے مقابلے نے مسلمانوں کے بارے میں اردگرد کے کفار اور عرب قبائل میں رعب و دبدبہ بٹھا دیا، دور دراز تک یہ خبریں پہنچ گئیں کہ مسلمانوں نے سپر طاقت کو اس کے اپنے علاقے میں

---

1 متعدد محدثین نے بیان کیا ہے کہ آپ جب بھی کسی لشکر کو بھیجتے تو اس کا امیر مقرر کر کے یہ وصیت کرتے۔ دیکھیے: سنن ترمذی: ۱۶۱۷، مسند احمد: ۲۳۰۲۸۔

2 سورۃ البقرۃ: ۲۴۹

پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بڑی پختگی کے ساتھ ثابت ہوتی تھی کہ عرب اب تک جس قسم کے لوگوں سے واقف تھے، وہ تو موت سے ڈرتے تھے لیکن یہ لوگ موت کو سینے سے لگانے ہی کو کامیابی سمجھتے ہیں اس لیے ان کو ہرانا ناممکن ہے۔ اس طرح کئی قبائل مسلمانوں سے قریب ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور مسلمانوں کی قوت و شوکت میں خوب اضافہ ہوا۔

قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ پر مسلمانوں نے بہت زیادہ تحفظات کا اظہار کیا تھا کہ ہم اس طرح کی شرطیں کیوں مانیں جن میں ہمیں نیچا دکھایا جا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتا دیا تھا کہ یہ دراصل آپ کی فتح ہے جس پر حضرت عمر جیسے صحابی نے بھی تعجب کا اظہار کیا تھا۔

کچھ ہی عرصے بعد کفار نے صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدہ توڑ دیا اور قبیلہ بنی خزاعہ کو جو مسلمانوں کے حلیف تھے، مارنے کے لیے قبیلہ بنی بکر کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ ہتھیاروں اور جوانوں سے بھی ان کی مدد کی اور جب مرتے ہوئے بنو خزاعہ حرم پاک میں داخل ہوئے تو وہاں بھی ان ظالموں نے انہیں معاف نہ کیا۔ انھوں نے اللہ کا واسطہ دیا اور کہا کہ حرم میں تو لڑائی آپ سب کے مذاہب میں حرام ہے اس کے باوجود بنی بکر نے قریش سے مل کر بنو خزاعہ کو تہ و تیغ کر دیا۔ باقی بچنے والے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ہمارے حلیف ہیں، ہمیں بری طرح مارا گیا ہے حالانکہ آپ کے معاہدہ کی روشنی میں یہ لڑائی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

اس سے قبل ابو جندلؓ نے مدینہ اور مکہ کے راستے میں مورچہ بنا رکھا تھا اور وہ بھی آنے جانے والے مکی قافلوں کے لیے ایک آزمائش بن چکے تھے۔ اس پر مکہ والے بڑے پشیمان تھے کہ ہم صلح کی کیسی شرط عائد کر چکے ہیں جو ہمارے لیے عذاب بن چکی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سننے کے بعد اپنے قاصد کو مکہ بھیجا اور اس جنگ کے بعد کی صورت حال کے تناظر میں شرطیں پیش کیں کہ: أما بعد، فإنكم إن

Marfat.com

تبرؤوا من حلف بني بكر، أتُدوا خزاعة، وإلا أوذنكم بحرب [1]

۱ ہمارے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے

۲ قریش بنو بکر سے الگ ہو جائیں

۳ حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ سمجھا جائے

تیسری شرط کو قریش کے نمائندے قَرَظہ بن عبد عمرو نے قبول کر لی مگر اس سے پہلے ہی قریش کو عہد شکنی کا احساس ہو چکا تھا اور انہوں نے اپنے قائد ابو سفیان کو تجدید عہد کے لیے مدینہ روانہ کر دیا تھا۔ ابو سفیان مدینہ پہنچا اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابو سفیان نے کہا: بیٹی! کیا یہ بستر میرے معیار کا نہیں ہے یا مجھے تو نے اس قابل نہ سمجھا کہ میں اس پر بیٹھوں؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ نجس مشرک ہیں۔ ابو سفیان کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔ [2] ابو سفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے تجدید معاہدہ کی بات کی۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ محمد ﷺ سے اس معاملے پر بات کریں۔ انہوں نے کہا: ”میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ اس کے بعد سیدنا عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا: ”بھلا میں تم لوگوں کے لیے آپؐ سے سفارش کروں گا! اللہ کی قسم! اگر مجھے چھوٹی سی لکڑی کے سوا کچھ نہ ملے تو بھی میں اسی کے ساتھ تمہارے خلاف جہاد کروں گا۔“ اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے پاس گیا اور حضرت سے سے

---

[1] ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي (المتوفى: ۸۵۲ھ) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية: ۱۷/ ۴۵۸، دار العاصمة، دار الغيث–السعودية، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ۔

[2] طبقات ابن سعد: ۸/ ۷۹۔

Marfat.com

نسب کا واسطہ دے کر کہا۔ وہاں حضرت فاطمہؓ بھی موجود تھیں اور حضرت حسنؓ بھی تھے، جو ابھی چھوٹے سے بچے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: ایسا نہ ہو کہ جس طرح میں نامراد آیا، اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرو۔ حضرت علیؓ نے کہا: "افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کرلیا ہے، اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔"[1]

ساری کوششوں سے ناامید ہونے کے بعد حضرت علی سے کہنے لگا: "معاملات سنگین ہوگئے ہیں، لہٰذا مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "واللہ مجھے کوئی امید نہیں، بس تم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر امان کا اعلان کردو۔ اس کے بعد واپس چلے جاؤ۔" ابوسفیان نے کہا: "کیا تم سمجھتے ہو یہ میرے لیے فائدہ مند ہوگا؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "نہیں اللہ کی قسم! میں اسے ایسا تو نہیں سمجھتا، لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت بھی تو نہیں۔" مشورے کے مطابق ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں امان کا اعلان کر رہا ہوں، اس اعلان کے بعد مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوگیا۔[2]

مکہ پہنچنے پر قریشی سردار اس کے پاس جمع ہوگئے اور ماجرا پوچھا، ابوسفیان نے سارے واقعے کی تفصیلی رپورٹ پیش کردی، اس پر قریش نے کہا: تم کون سی امان دے کر آئے ہو کیا محمد ﷺ نے اس امان کو تسلیم کیا اس نے کہا وہ خاموش رہے، قریش نے کہا: یہ عجیب ملاقات ہے کہ نہ تو ہم اطمینان سے بیٹھ سکتے ہیں کہ امان مل گئی اور نہ جنگ کی تیاری کر سکتے ہیں کہ شاید امان مل ہی گئی ہو، اب تو ہم درمیان میں پھنس گئے ہیں۔[3]

مکہ کی طرف پیش قدمی

عہد شکنی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تیار ہونے کا حکم دیا کہ

---

1 المواہب اللدنیۃ: ۳/ ۳۸۵۔

2 نفس المصدر۔

3 البدایۃ والنھایۃ: ۴/ ۳۲۳۔

Marfat.com

سب لوگ تیار ہو جاؤ ہم نے ایک بڑی مہم پر جانا ہے۔ دیگر اتحادی قبائل کو بھی تیاری کا پیغام بھیجا۔

حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی تھے اور اہل بدر کے بارے میں یہ حکم نازل ہو چکا تھا کہ ان کے گناہ معاف ہیں اور ان کے دل میں کبھی نفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اہل بدر کو یہ اعزاز قرآن اور صاحب قرآن پہلے ہی دے چکے تھے، اب اگر بدری صحابی غلطی بھی کر جائے تو اس پر سرزنش نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی شان و شوکت کو اس قدر بڑھا دیا تھا کہ کوئی ان جیسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے خاندان کے لوگ مکہ میں رہتے تھے، انہوں نے اہل مکہ کی ہمدردی لینے کے لیے انہیں حضور کی تیاری کے بارے میں خط لکھ کر قبیلہ مُزَینہ کی ایک خاتون کے ہاتھ بھیج دیا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتا دیا۔ آپ نے فوراً حضرت علی حضرت زبیر کو روانہ کیا، انہوں نے حلیفہ کے مقام پر اس خاتون کو جا لیا، اس کے سامان کی تلاشی لی تو کچھ بھی نہ ملا، حضرت علی نے کہ: ہم مدینہ سے تیرے پیچھے آئے ہیں، رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تیرے پاس قریش کے لیے ایک خط ہے، اللہ کی قسم نہ تو رسول اللہ ﷺ جھوٹ بول سکتے ہیں اور نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔ جلدی خط نکالو ورنہ ہمیں تمہارے جسم کی تلاشی لینی ہو گی۔ جب خاتون نے دیکھا کہ یہ لوگ ٹلنے والے نہیں تو اس نے اپنے بالوں کی جوڑی کے نیچے سے وہ خط نکالا جو بڑی مہارت سے چھپایا ہوا تھا۔[1]

اس واقعے پر تمام صحابہ حیران و پریشان ہو گئے کہ حاطب بھی ایسا کر سکتا ہے۔ حضرت عمر کے عدل کی بات کی جائے تو ضرب المثل ہے۔ آپ کے مشوروں پر قرآن نازل ہوتا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیجیے، بظاہر عدل بھی یہی لگ رہا تھا کہ ایک آدمی اپنے چند افراد یا قبیلے کی خاطر پوری فوج کو اور پورے ملک کو داؤ پر لگانا چاہتا ہے اور یہ جرم کر چکا ہے، جب آپؐ نے حاطب سے پوچھا

---

1 نفس المصدر۔

Marfat.com

کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ واللہ، اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں۔ ان کے قریب رہتا تھا اور میرے بچے وہیں ہیں۔ قریش سے میری کوئی رشتہ داری نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ جب کہ باقی مہاجرین جو آپ کے ساتھ ہیں وہاں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کا احساس کریں گے۔ میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کردوں جس کے عوض وہ میرے رشتہ داروں کا خیال کریں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: ''یارسول اللہ! مجھے چھوڑیے کہ میں اس کی گردن ماردوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے اور یہ منافق ہوگیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں میں سے ہیں۔ اور اے عمر! ہوسکتا ہے اللہ نے اہلِ بدر پر نمودار ہو کر کہا ہو تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا''۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور انہوں نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔[1] حضور نے حاطب کا عذر قبول کر لیا اور جبین مبارک پر شکن تک نہ آئی۔

اس سارے معاملے کو خفیہ رکھتے ہوئے آپؐ نے ماہ رمضان ۸ ھ کے آغاز میں حضرت ابو قتادہ کی سربراہی میں آٹھ افراد کا ایک گروہ بطن اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مدینہ منورہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کی تشہیر بھی ہوئی تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ کہ آپ کا ارادہ اسی طرف ہے اور یہی خبریں اِدھر اُدھر پھیلیں۔ لیکن یہ مجاہدین جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے لیے روانہ ہوچکے ہیں۔ اس طرح یہ مجاہدین مکہ پہنچ کر فوج میں شامل ہوگئے۔

اس غزوہ کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اس وقت کی تاریخ کا سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جس کی تعداد دس ہزار تھی اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مر

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۰۰۷۔

Marfat.com

الظہران جو مکہ سے قریب ترین جگہ ہے وہاں پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ کیا تو فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔

ابوسفیان دربارِ نبوّت میں

ابوسفیان بن حرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی رشتہ دار اور بدترین دشمن تھا۔ اس نے کم وبیش بیس سال تک نبی کریم اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ابوسفیان ابوجہل کے بعد مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوا تھا۔ اس شخص میں کمال تدبر دلیری اور قیادت کے اوصاف بھی تھے، معاملہ فہمی میں بھی نمایاں تھا۔ اسی ابوسفیان نے بدر کے موقع پر جان بچا کر تدبر کا ثبوت دیا تھا اور اہل مکہ کو وصیت کی تھی کہ تمہارا قافلہ میں بچا لایا ہوں اب جنگ کی کیا ضرورت ہے، لیکن بدر تمام بڑے مجرموں کے لیے جہنم کا گڑھا ثابت ہوا تھا۔

ابوسفیان قریشی سردار تھا، اور ہمیشہ سردار ہی رہا، اس نے کسی بھی موقع پر سیادت وقیادت سے کم پر رہنا پسند نہ کیا تھا، اسی لیے تمام غزوات اور جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف سپہ سالار یہی ہوتا تھا۔

جب لشکر اسلامی مکہ کی طرف روانہ ہوا تو ابوسفیان تجدیدِ معاہدہ کی ناکامی کے بعد سخت پریشانی کے عالم میں ہر روز دن رات مکہ سے باہر چکر لگاتا رہتا تھا کہ پتہ نہیں کس طرف سے اسلامی لشکر نمودار ہوگا اور ہمارے شہر کو تہس نہس کر دے گا۔ چنانچہ وہ، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء لشکر اسلامی کا پتہ لگانے نکلے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! "میں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار جا رہا تھا کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی۔ بحث مباحثہ کر رہے تھے، ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم! میں نے آج رات جیسی آگ اور ایسا لشکر تو کبھی نہیں دیکھا، اور جواب میں بدیل کہہ رہا تھا یہ بنو خزاعہ ہیں۔ جنگ نے انہیں نوچ کر رکھ دیا ہے، اور اس پر ابوسفیان کہہ رہا تھا: کہاں خزاعہ اور کہاں یہ عظیم لشکر۔"

حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی اور کہا: حنظلہ کے ابا؟ اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بولا: فضل کے ابا؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کیا بات ہے؟

Marfat.com

میرے ماں باپ تجھ پر قربان، میں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں لوگوں سمیت۔ قریش کی تباہی! اس نے کہا: اب کیا کیا جائے؟ فداک امی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری گردن ماردیں گے، لہٰذا اس خچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں، اور تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد ابو سفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔[1]

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ابو سفیان کو لے کر چلا۔ جب کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے: کون ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپ کے خچر پر ہیں۔ جب ہمارا خچر عمرؓ کے چولہے کے پاس سے گزرا تو عمر نے کہا: کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب میرے پیچھے ابو سفیان کو دیکھا تو کہا: ابو سفیان ہے؟ دشمن خدا؟ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کسی امان کے بغیر تجھے ہمارے قابو میں کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے اور میں نے بھی خچر کو تیز کر دیا۔ میں آگے بڑھ گیا اور خچر سے کود کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا، اتنے میں عمر بھی آ گئے اور کہا یا رسول اللہ! یہ ابو سفیان ہے، اللہ کا دشمن! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن مار ڈالوں۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عباس! اسے (یعنی ابو سفیان کو) اپنے خیمے میں لے جاؤ۔ صبح میرے پاس لے آنا۔ اس حکم کے مطابق میں اسے ڈیرے میں لے گیا اور صبح خدمتِ نبوی میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ابو سفیان کو دیکھ کر فرمایا! ابو سفیان تجھ پر افسوس ہے، کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ابو سفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کس قدر حلیم و کریم ہیں، کوئی اور الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا، آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، کہا: بے شک آپ بردبار، شریف النفس اور صلۂ

---

1 سیرۃ ابن ھشام: ۲۸۷/۴ والبدایۃ والنھایۃ: ۴۰۱/۲۔

Marfat.com

رحمی کرنے والے ہیں، رہ گئی نبوت تو ابھی اس میں ذرا تردّد ہے، حضرت عباسؓ بولے ابو سفیان کیا غضب کر رہے ہو، اس سے پہلے کہ عمرؓ تیری گردن مارنے آئیں، شہادت حق اور رسالت کی گواہی دے دے۔ یہ گھڑی سعادت کی تھی؛ چنانچہ ابوسفیان نے کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ (۱)

حضرت عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے، لہٰذا اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے، اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ (۲)

ابوسفیان کے قبولِ اسلام سے دروس واسباق

۱۔ ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن سے محبوب ترین ساتھی بن گئے، یعنی ایک شخص ایک وقت میں بدترین دشمن ہوتا ہے اور اس کا اہم ترین مقصد دوسرے کی جان ومال کو ہڑپ کرنا ہوتا ہے لیکن اچانک وہی شخص اپنے پرانے دشمن پر قربان ہونے کو ہی اپنی سعادت سمجھتا ہے، ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ کسی بھی وقت دل کو پھیر سکتا ہے، اس لیے برے سے برے آدمی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کسی بھی وقت زندگی میں ہدایت مل سکتی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں ہے۔ عدل تو یہ ہے کہ بدترین دشمن کو قتل کر دیا جائے یا جو شخص دشمن سے مل جائے اور سرعام اس کی سازش پکڑی جائے اسے سزا ملنی چاہیے لیکن عدل سے بڑھ کر رحمت ہے جو شر کو خیر میں بدل دیتی ہے۔

۳۔ جو شخص قبیلے کا بڑا ہو، سردار ہو، صاحب حیثیت ہو، اس کو عزت حیثیت اور تکریم دینے سے فائدہ ہوتا ہے کہ اس کے سارے ماتحت بھی ہمنوا بن جاتے ہیں۔ آپؐ نے

---

۱ سیرۃ ابن ھشام: ۴/ ۲۸۷۔

۲ نفس المصدر۔

Marfat.com

بیس سال کے جانی دشمن کو مقام دیا اور اس نے بھی وفا کا حق ادا کر دیا۔

۴۔ دشمن پر رعب طاری کرنے کے لیے اور اس کو نفسیاتی طور پر جنگ میں ہرانے کے لیے کارروائی کرنا بھی ایک حکمت ہے جس سے کم از کم جانی نقصان ہو اور زیادہ سے زیادہ دشمن پر رعب طاری ہو۔ آپؐ نے حضرت عباس سے کہا کہ ابوسفیان کو وادی کے اوپر لے جاؤ اور اپنی فوج کا نظارہ کراؤ اور ہر فوجی سے کہا کہ ہر آدمی آج رات الگ سے آگ کا الاؤ روشن کرے گا۔ اس طرح دس ہزار الاؤ یا چولہے جب مکہ کے چاروں طرف روشن ہوئے تو رات بھی دن کا منظر پیش کرنے لگی، اس سے ابوسفیان کے ذہن میں اسلامی لشکر کی قوت اور ہیبت بٹھانا مقصود تھا۔

۵۔ ابوسفیان جو قریشی فوج کا سپہ سالار تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر واپس آیا تو کایہ ہی پلٹ چکی تھی، اور انہوں نے رتبہ صحابیت حاصل کرنے کے بعد خود جا کر مکہ میں اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ کہہ رہے ہیں جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا، اس میں ایک طرف ابوسفیان کا اعزاز ہے تو دوسری طرف اس بات کا اعلان ہے کہ قریشی فوج کا سربراہ ہار مان چکا ہے، اب کسی قسم کی مزاحمت کی گنجائش نہیں ہے۔

مکہ میں داخلہ

بیس رمضان بروز جمعۃ المبارک ۸ ہجری دسمبر ۶۲۹ء عمر مبارک ۶۰ سال ۶ ماہ چند دن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانب سے لشکر کو روانہ کیا اور اعلان کروا دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا، اور جو شخص اپنے گھر میں رہے گا اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا، جو شخص مسجد میں رہے گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس موقع پر آپؐ اوپر کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور اس وقت سورۃ الفتح تلاوت فرما رہے تھے۔ سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ٹھوڑی اونٹنی کی کوہان کو لگ رہی تھی۔ ادھر حضرت خالد بن ولید کو نچلی طرف سے بھیجا۔ ان پر راستے میں مشرک فوج نے حملہ کر دیا۔ تیروں کی بارش ہوئی۔ اس طرح یہاں پر دو مسلمان مجاہد شہید اور کئی کافر مارے گئے۔ بعض روایات

Marfat.com

میں ان کی تعداد ۱۲ ہے بعض میں ۱۳، اور بعض روایات میں تیئیس اور چوبیس اور ستر تک بھی ہے، یہ خون خرابہ بھی خود کفار کی طرف سے ہوا ورنہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بھی ہتھیار پہلے نہیں اٹھا۔ (۱)

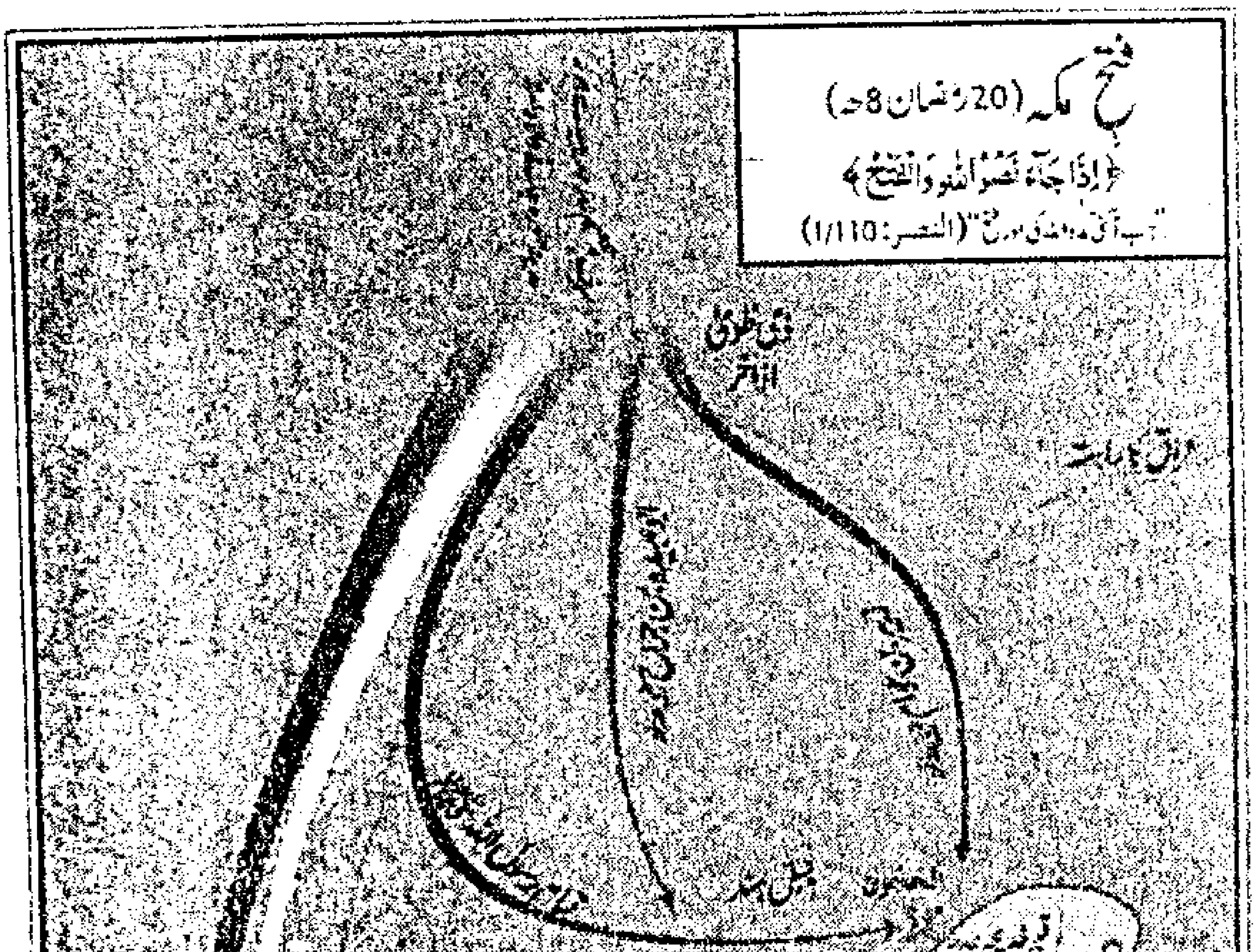

---

(۱) الواقدی، المغازی: ۲/ ۸۲۸ طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۳۶۔

Marfat.com

عاجزی وانکساری اور دنیا کی سب سے بڑی فتح

جن مکہ والوں نے آپ کو بے سروسامانی کے عالم میں مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اور آٹھ سال تک پیہم وار پروار کیے جارہے تھے، ظلم وجبر کی کوئی ریت چھوڑی نہ تھی آج وہ سارے ظالم منہ کھولے آنکھیں پھاڑے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا، ایک مجبور اور بے کس بیس سال سے ظلم کی چکی میں پسنے والا، گھر سے بے سروسامانی کے عالم میں جانے والا آج ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے واپس وطن لوٹ رہا ہے، لیکن یہ کوئی دنیادار بادشاہ نہیں، امام الانبیاء سید المرسلین ہیں۔ خشوع وخضوع کی عظیم ترین مثال بنے، قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنے خون کے پیاسوں کو اس وقت بھی معاف کردیتے ہیں جب وہ خون بہانے کی مکمل تیاری میں ہیں۔ تمام اہل مکہ کو عام معافی مل جاتی ہے آپ نے فرمایا: قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟ قَالُوا خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ، قَالَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

> ”اے قریش تمہارا کیا خیال ہے آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب نے کہا: اچھی امید ہے، آپ اچھے بھائی ہیں، اچھے بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ آج تم میری طرف سے آزاد ہو۔“ لیکن اس موقع پر بھی چار آدمیوں کو معاف نہیں کیا گیا۔[1]

گستاخِ رسول اور شدید ایذا دینے والے کو معافی نہیں

فتح مکہ کے موقع پر پورے مکہ کو معاف کردیا گیا لیکن چار مردوں اور دو عورتوں کو نام لے کر آپ نے فرمایا ان کو معافی نہیں ملے گی یہ لوگ چاہے کعبے کے پردوں سے بھی لپٹے ہوں انہیں معاف نہیں کرنا، یہ چار لوگ کون ہیں

۱۔ عکرمہ بن ابوجہل ۲۔ عبد اللہ بن خطل ۳۔ مقیس بن صبابہ ۴۔ عبد اللہ بن ابو

---

1 البدایۃ والنھایۃ: ۴/ ۳۰۱۔

Marfat.com

سَرح۔ ان چاروں میں سے عکرمہ چھپ گیا اور بعد میں مسلمان ہو گیا آپ نے اسے معاف کر دیا جب کہ عبد اللہ بن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا تھا کہ قتل کر دیا گیا، اور تیسرا مقیس مکہ کے بازار میں قتل کر دیا گیا، چوتھا ابن ابی سرح، اس کو بھی معاف کر دیا گیا کیونکہ یہ اور عکرمہ دونوں سر تسلیم خم کرتے، ہاتھ اٹھائے، معافی مانگتے حاضرِ خدمت ہوئے اور مسلمان بھی ہو گئے۔ (1)

ابن خطل کی دو لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھیں اور توہینِ رسالت کے اشعار لوگوں کو گا کر سنایا کرتی تھیں، ان لونڈیوں میں سے دونوں ہی فتح مکہ کے موقع پر بھاگ گئی تھیں، اور ایک قتل کر دی گئی جب کہ دوسری چھپتے چھپاتے بارگاہ رسالت میں پہنچ کر معافی کی طلب گار ہوئی اور رحمتِ عالم نے اسے معاف کر دیا اور وہ مسلمان ہو گئی۔

مذکورہ بالا قتل کے مجرمین کے علاوہ جن لوگوں پر قتل کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا ان میں سے ۱- حُوَیرَث بن نُقَیذ ان مجرمین میں شامل تھا جنھوں نے آپؐ کی صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم کی ہجرت کے وقت ان کو اونٹنی سے گرا دیا تھا۔ اس کو حضرت علی نے قتل کر دیا تھا، ۲- ہبّار بن اسود نے حضرت زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنی سے اس بے دردی سے گرایا تھا کہ آپ ایک چٹان سے جا کر ٹکرائیں اور آپ حاملہ تھیں، اس طرح آپ کا حمل ضائع ہو گیا تھا، اور اسی درد اور تکلیف میں مبتلا رہ کر سیدہ کی وفات ہو گئی تھی۔ لیکن یہ شخص قتل کے فیصلے کے بعد بھاگ گیا اور بعد میں مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ ۳- حارث بن طلاطل خزاعی کو حضرت علی نے قتل کر دیا۔ ۴- کعب بن زہیر عرب کے مشہور ترین شعراء میں سے تھا۔ قتل ہونے سے پہلے ہی بارگاہ رسالت پہنچ کر مسلمان ہو گیا، اور مسلمانوں کا عظیم شاعر بن گیا، ۵- وحشی بن حرب نے حضرت حمزہ کو

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۲۸۶ سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۲۶۸۵، المطالب العالیة: ۱۲/۲۰۰۔

Marfat.com

قتل کیا تھا، فرار ہو گیا۔ ثقیف کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ ۶۔ ہند بن عتبہ۔ یہ مشہور خاتون تھی اسی نے وحشی سے حضرت حمزہ کو شہید کروایا تھا اس شرط پر کہ اگر تو حمزہ کو شہید کر کے ان کا کلیجہ نکال کے میرے پاس لائے گا تو تجھے آزاد کر دوں گی، چنانچہ وحشی نے ایسے ہی کیا تھا اور آزاد ہو گیا تھا۔ یہ ابو سفیان کی بیوی تھی۔ اس کے قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا لیکن خود ابو سفیان کے گھر میں تھی اور اس کے گھر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن قرار دیا تھا اس لیے بچ گئی اور بعد میں مسلمان ہو گئی۔ اور اللہ نے دل کو پھیرا۔ یہ بدترین دشمن اسلام اسلام کے رکھوالوں میں سے بن گئی اور خود یرموک میں اپنے شوہر کے ساتھ شامل ہوئی۔[1]

مختلف سیرت نگاروں نے ان لوگوں کے جرائم اور نام ذکر کیے ہیں جن کو فتح مکہ کے موقع پر معافی نہیں دی گئی تھی۔ ان ماخذ کو دیکھا جائے تو ان کی تعداد ۱۵ بنتی ہے، لیکن آپؐ کی رحمت للعالمینی یہ ہے کہ حکم صادر کرنے کے بعد بھی صرف چار انجام تک پہنچے، باقی سب نے معافی مانگی تو آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اسی طرح ابو لہب کے بیٹے عتبہ اور معتّب بھی فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئے تھے جو اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ تیسرا بیٹا عتیبہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور آپ نے اسے بددعا دی تھی کہ اے اللہ اس پر اپنے جنگلی کتوں میں سے کتا مسلط فرما، نبوت کے ابتدائی ایام ہی میں شیر کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔[2]

نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے تقدس کے پیش نظر اس شہر کو باقی مفتوحہ شہروں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک سے مستثنیٰ قرار دیا۔ یہاں چونکہ حرم مبارک ہے اس لیے یہاں قیدیوں کو قید نہیں کیا گیا بلکہ چھوڑ دیا گیا۔ مال غنیمت نہیں لیا گیا بلکہ تمام اموال ان کے سابق مالکان کے پاس ہی رہے۔ ان پر خراج بھی نافذ نہ کیا، اسی سے جمہور علماء

---

1. ابن حجر، فتح الباری: ۸/ ۱۱۔
2. ابن حجر، فتح الباری: ۴/ ۳۹۔

Marfat.com

کرام نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ مکہ کی ساری زمین کی خرید و فروخت یا کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے اور وہاں کے باشندے جتنی جگہ میں رہتے ہیں رہیں، باقی ماندہ زمین ان حجاج کی ہے جو ہر سال حج، عمرے اور زیارت کے لیے آتے ہیں۔ جب کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ مکہ کی زمین کی خرید و فروخت اور کرایہ داری جائز ہے۔[1]

حرم پاک کو شرک اور بتوں سے پاک کرنے کا عمل

حجون میں آپ نے ایک قبہ میں پڑاؤ کیا۔ یہ وہی شعب ابی طالب ہے جہاں آپؐ کو خاندان اور مسلمانوں سمیت سخت ترین بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ کعبہ شریف کو بتوں سے پاک کیا جائے اور بت توڑنے میں خود بھی شریک ہو گئے، اس وقت زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا "حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔"[2]

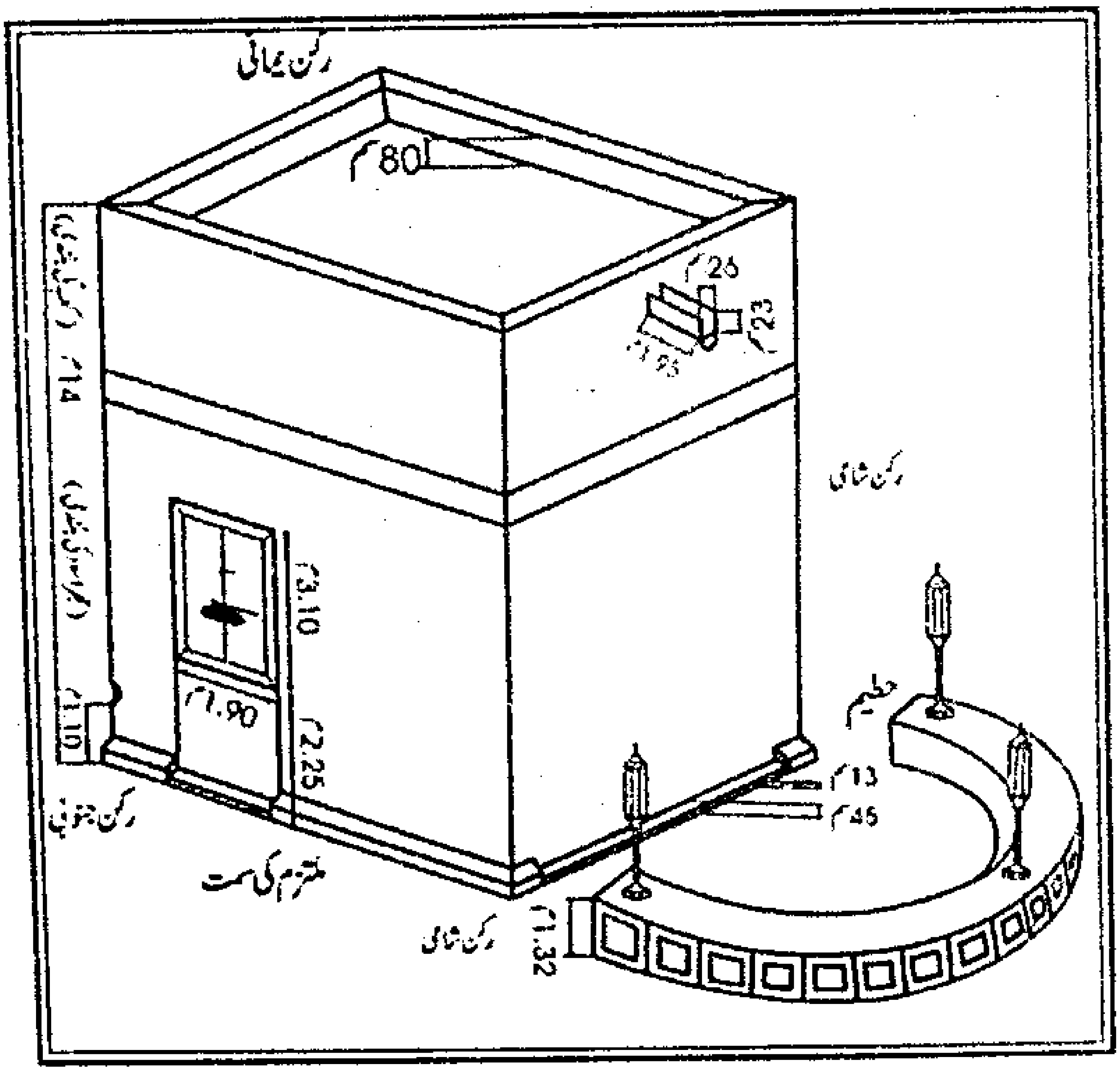

---

1. ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد: ۳/ ۴۴۱۔
2. سورۃ الإسراء: ۸۱۔

Marfat.com

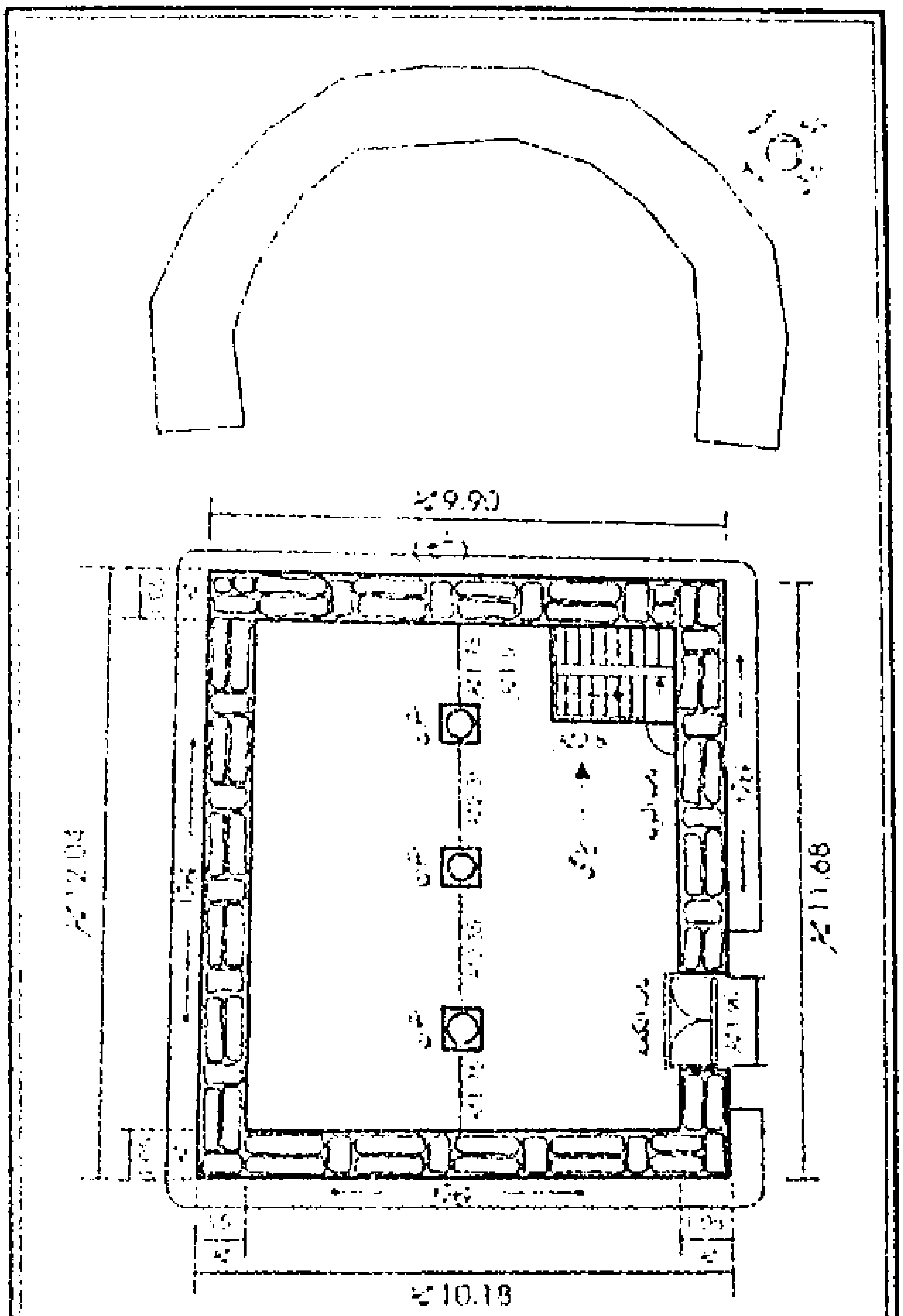

کعبہ شریف کی دیواروں کی موٹائی اور درمیانی فاصلے

Marfat.com

کعبہ کے اندر بھی بت تھے، دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں، ان کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے تیر تھے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کفار کو غارت کرے، انہیں بھی معلوم ہے کہ ان دونوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی،(۱) حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو انہیں دھونے کا حکم دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسامہؓ سے چاہ زمزم سے پانی منگوا کر خود اپنے دست مبارک سے انہیں دھویا۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کعبہ میں حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ داخل ہوئے، دروازہ بند کر دیا گیا، حضرت عثمانؓ بن طلحہ اور حضرت عبد اللہؓ بن عباس باہر دربانی کرنے لگے، کعبہ کے اندر لکڑی کا کبوتر تھا، حضور اکرم ﷺ نے اسے توڑ دیا، پھر کعبہ کے کونوں میں تکبیر کہی، دعا مانگی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ بوقت نماز آپؐ کی داہنی جانب دو ستون، بائیں جانب ایک اور پیچھے تین ستون تھے، دروازہ پشت مبارک پر تھا، سامنے کی دیوار اور آپؐ کے درمیان تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ تھا، کافی دیر آپؐ اندر رہے اور پھر باہر تشریف لائے، یہاں بھی نماز پڑھی اور فرمایا: ''یہ قبلہ ہے۔'' کعبہ سے باہر آنے کے بعد آپؐ حجر اسود کے پاس گئے اور اسے بوسہ دیا، بڑی دیر تک بیت اللہ کی چوکھٹ پکڑے رہے۔ پھر خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ کو عنایت فرمائی، اور حجابہ کا عہدہ اسی طرح بنو شیبہ کے پاس رکھا جیسے دورِ جاہلیت میں تھا، اس موقع پر حضرت عباسؓ نے عرض کیا! حجاج کو زمزم سے پانی پلانے کی خدمت میرے پاس ہے اس لیے کلیدِ کعبہ مجھے عطا فرمایئے، ارشاد فرمایا! آج ایفائے عہد کا دن ہے، اے عثمان یہ چابی قیامت تک تم سے کوئی نہ لے سکے گا سوائے ظالم کے، اور یہ ہمیشہ تمہارے خاندان میں رہے گی، تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا، عرض کیا! یارسول اللہ! بے شک مجھے وہ دن یاد ہے چنانچہ یہ چابی تاعمر ان کے پاس رہی، وہ لاولد تھے اس لئے بوقت وفات اپنے بھائی کے سپرد کی جن کا نام شیبہ تھا، اور یہ خاندان بنو شیبہ کہلاتا تھا، آج تک یہ چابی ان کی اولاد کے پاس ہے۔ پھر آپ

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۳۵۲۔

Marfat.com

نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور بیت اللہ کا طواف کیا حالانکہ اس وقت آپؐ احرام میں نہیں تھے، عمرہ کی نیت نہیں تھی، جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھی اس کے بعد آپ نے سیاہ عمامہ شریف باندھا۔[1]

رکن یمانی کو آپ اپنی لاٹھی کے کونے سے چھو کر گزر جاتے رہے تاکہ بھیڑ کی وجہ سے لوگ تنگ نہ ہوں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ اسے بوسہ دینا یا چھونا لازمی نہ سمجھ لیں۔[2]

اس کے بعد آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان دیں، اس پر بنو سعید بن عاص کے بعض لوگوں نے کہا: اللہ نے اس برے وقت سے سعید کو بچا لیا کہ اس نے اس کالے حبشی کو کعبہ کی چھت پر چڑھتے دیکھنے سے پہلے ہی موت دے دی۔[3] بعض دیگر قریشیوں نے بھی ایسا ہی تبصرہ کیا۔

جب خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا تو آپ نے صحابہ کی جماعتوں کو ارد گرد کے علاقوں میں یہ حکم دے کر بھیجا کہ جہاں بڑے بڑے بت معروف جگہوں پر نصب ہیں، ان کو گرا دیا جائے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قریش کے مشہور بت عزیٰ کو مٹانے، سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو منات کو مٹانے جو اوس و خزرج کا بت تھا، اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سواع کو ڈھانے کے لیے بھیجا جو ہذیل کا بت تھا۔ یہ وہی بت ہیں جن کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى، وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى[4]

مکہ ۲۰ رمضان المبارک کو فتح ہوا، اس کے بعد آپؐ پندرہ دن مزید مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے۔

---

1 الطبراني، المعجم الصغير، حديث نمبر: ۳۹۔

2 ايضاً: حديث نمبر: ۱۰۸۰۰۔

3 البيهقي، دلائل النبوة: ۵/۷۸۔

4 سورة النجم: ۲۰-۱۹۔

Marfat.com

انصار کی پریشانی

جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اصلی تھا یقیناً آٹھ سال وطن سے دوری میں گزر چکے تھے اور پھر مکہ بھی کس شان سے فتح ہوا تھا، سارے ہی لوگ جان نثار بن چکے تھے۔ ایسے میں آبائی وطن میں رہنا معمول کی بات ہو سکتی تھی اور پھر رب تعالی کا وہ گھر بھی یہیں تھا جس سے بہتر دنیا میں کوئی جگہ نہ تھی اس لیے انصار جنہوں نے آٹھ سال تک مدینہ میں مہاجرین کی مہمان داری کے علاوہ رسول اللہ کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ان کے ذہن میں آیا کہ شاید اب یہ رحمت یہیں رہ جائے گی جس کی وجہ سے مدینہ کو فضیلت ملی تھی، جب اس گفتگو اور چہ مہ گوئی کی خبر آپؐ کو پہنچی تو آپ نے انصار صحابہ سے خود پوچھا۔ انہوں نے پہلے تو شرمندگی محسوس کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی لیکن بعد میں اقرار کیا کہ ہمارے دلوں میں یہ بات ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، جینا مرنا تمہارے ہی ساتھ ہے۔[1]

حرم پاک اور مکہ مکرمہ سے بتوں کا صفایا

نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کرایا، تمام بت پاش پاش کرا دیے، قرآن کریم میں جن بتوں کا نام لیا گیا ہے لات عزیٰ اور منات، ان کو مٹا دیا گیا۔ آپ نے اعلان کرایا: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يدع في بيته صنما إلّا كسره[2]

"جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں موجود ہر بت کو توڑ دے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ احمس (قریش کی شاخ) کے ایک

---

1 سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۱۶

2 الحلبي أبو الفرج، علي بن إبراهيم، (المتوفى: ۱۰۴۴ھ) السيرة الحلبية: ۳/۵۷، دار الكتب العلمية- بيروت، ط:۲، ۱۴۲۷ھ-

Marfat.com

سو پچاس سواروں کے ساتھ مکہ سے نکلا اور جہاں بت ملے توڑ دیے، اور جس نے مزاحمت کی اسے مار دیا۔ جب ہم بت شکنی کے بعد آپؐ کے پاس واپس حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائی۔[1]

یہاں آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں کعبہ شریف کی حرمت اور احترام کا باضابطہ اعلان کیا گیا کہ "کسی بھی اس شخص کے لیے حرم شریف میں کسی کا خون بہانا یا سبزہ کاٹنا جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔"[2]

والیٔ مکہ کی تعیناتی

چنانچہ بیس روز میں تمام بنیادی معاملات کی انجام دہی کے بعد آپ نے ایک کم سن نوجوان عتّاب بن اُسَید کو مکہ کا عامل بنایا حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں بڑے فاضل اور عمر رسیدہ لوگ بھی موجود تھے۔ عتاب کی ذمہ داری تھی کہ مکہ میں قانون کی بالادستی قائم کرے، حج کے امور کا انتظام کرے اور اسلامی حکومت کی نمائندگی کرے جس کا دار الخلافہ مدینہ منورہ تھا۔[3]

ہوازن اور ثقیف کی طرف سے اسلامی حکومت کو للکار

فتح مکہ کے بعد مسلمان آزادی سے حرم پاک میں اپنی عبادات کرنے لگے۔ حج اور عمرے کی پابندیاں ختم ہوئیں۔ مکہ کے گلی بازاروں کی رونقیں بحال ہوئیں۔ آٹھ سال سے بچھڑے ہوئے مہاجرین اپنے پیاروں سے ملنے لگے۔ خانہ کعبہ سے پانچ وقت بلال کی آواز بلند ہونے لگی، اردگرد کے قبائل جو قریش کے ڈر اور ہیبت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آتے تھے، جوق در جوق قریب آنے لگے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۳۵۵۔

2 مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۴۹۱۔

3 سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۴۴۰

Marfat.com

لیکن دوسری طرف بعض قبائل پر اس فتح کا الٹا اثر ہوا، جن میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ یہ دونوں قبائل انتہائی طاقت ور، جوشیلے، مال واسباب اور تیغ وتفنگ والے گنے جاتے تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو ان دونوں قبائل نے اور ان کے ساتھ مُضَر، جُشَم اور سعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی شامل ہو گئے تھے، فیصلہ کیا کہ ہم کبھی کسی سے ہارنے والے نہیں اور نہ مسلمانوں کو کوئی وزن دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ مسلمان ہمارے ساتھ الجھیں ہم انہیں ایسا سبق سکھائیں گے کہ یہ مکہ سے بھی واپس بھاگیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بھرپور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

دراصل انہیں یہ بات اپنی خودی اور عزّتِ نفس کے خلاف معلوم ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کے زیر نگین ہو جائیں۔ ابھی فتح مکہ کو دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ ہوازن و ثقیف کے جنگجو قبیلوں کے سرداروں نے مالک بن عوف نضری کے پاس جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے، انھوں نے باہم مشورہ کر کے مالک بن عوف نضری کو سپہ سالار تجویز کیا جس کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔

حنین کے میدان میں متکبر فوجوں کا پڑاؤ

حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان عرفات کی جانب ایک مقام تھا جہاں طائف کی طرف سے آئی ہوئی یہ طاقت ور اور متکبر فوج مسلمانوں کے خلاف مورچہ بند ہوگئی۔ اسی غزوہ کو غزوہ ہوازن اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ تعداد قبیلہ ہوازن کے لوگوں کی تھی جو اس دور کے بڑے اور طاقت ور قبائل میں سے تھے۔ جس مقام پر یہ جنگ لڑی گئی اس سے قریب تر ایک جگہ ہے جسے اوطاس کہتے ہیں یہاں عرب کا مشہور بازار یا میلہ ذوالمجاز بھی لگتا تھا۔[1]

دشمن کی فوج پہلے ہی موقع پر پہنچ کر اپنی صفوں کی ترتیب دے چکی تھی، آپؐ نے ابن ابی حدرد کو ان کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ وہ ایک دن یا دو دن وہاں رہے اور آپ کو آکر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۳۲۲۔

Marfat.com

خبر دی کہ ان کی فوج کی تعداد بیس ہزار ہے[1] وہ عورتیں، بچے، مال مویشی، گائے اور اونٹ بھی ساتھ لائے ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف بڑی جنگ کے لیے تیار ہیں۔

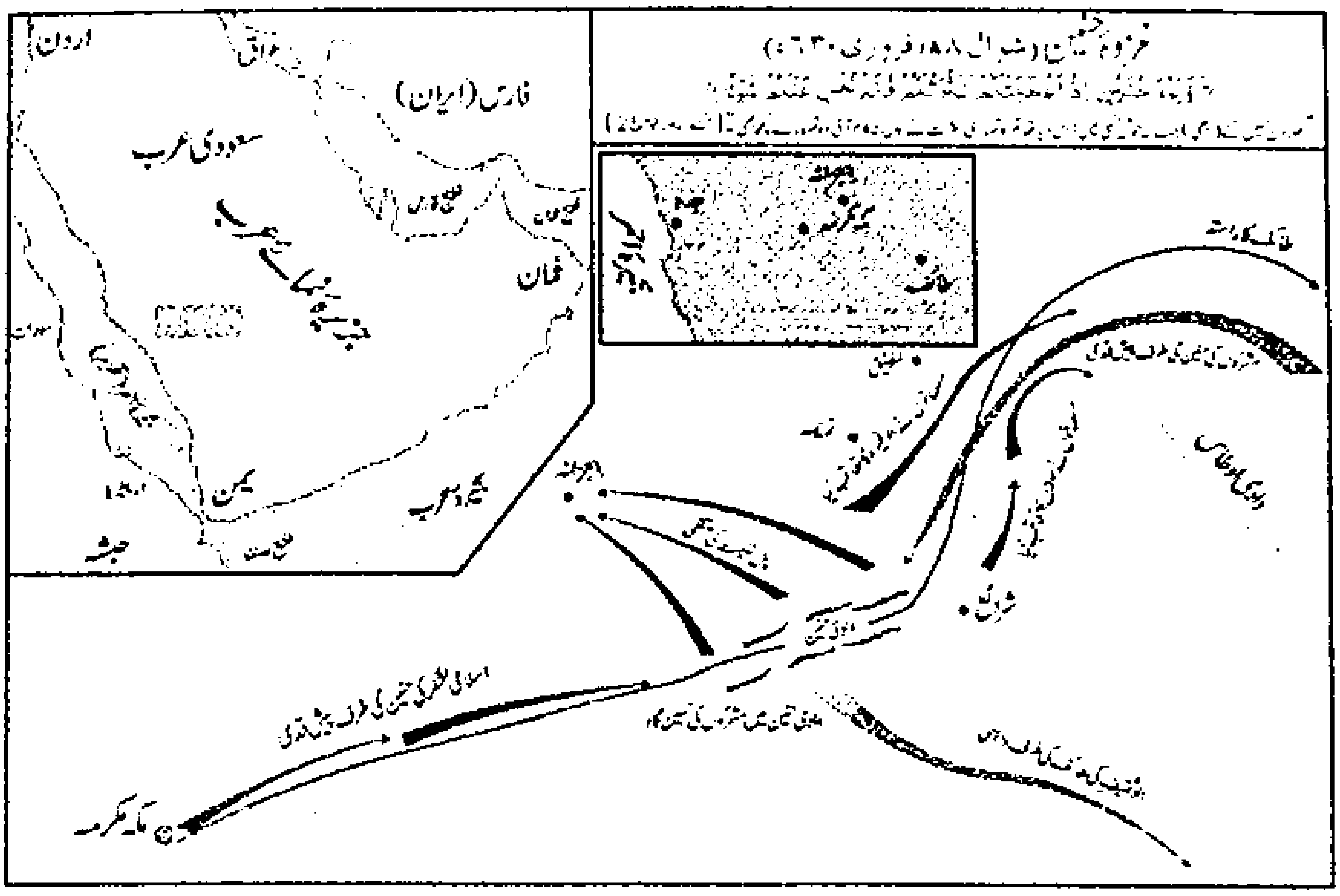

مکہ سے حنین روانگی اور کثرتِ تعداد پر فخر

آپ مکہ میں معاملات درست اور مکمل کرنے کے بعد چھ شوال کو حنین کے لیے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کی فوج میں دس ہزار وہ مجاہدین تھے جو مدینہ منورہ سے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ سے شامل ہوئے اس طرح مسلمان فوج کی تعداد ۱۲ ہزار ہو گئی۔ اس فوج

---

1 مختلف سیرت نگاروں نے مختلف تعداد بیان کی ہے۔ علامہ زرقانی نے بیس ہزار، واقدی نے بیس ہزار اور بعض سیرت نگاروں نے تیس ہزار تعدد بیان کی ہے۔ مصطفی السباعی اور مہدی رزق اللہ نے بھی بیس کی تعداد بیان کی ہے۔ دراصل ہوازن کے ساتھ ساتھ دیگر قبائل کے ملنے کی وجہ سے تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا جس کے باعث سیرت نگاروں نے مختلف تعداد بیان کی ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مصطفى بن حسني السباعي (المتوفى: ۱۳۸۴ھ) السيرة النبوية - دروس وعبر: ۱۰۲/۱، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۵ ھ - ۱۹۸۵ م، مهدي رزق الله احمد، السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية: ۸۲۵/۱، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية الرياض، ۱۹۹۲۔

Marfat.com

کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں اکیس سال تک بدترین دشمنی کرنے والا جابر اور مدبر سپہ سالار ابو سفیان مسلمان فوج کا سپاہی بن کر نبی کریم ﷺ کی قیادت میں جنگ میں شامل تھا۔ پوری نبوی تاریخ کی سب سے بڑی فوج یہی تھی۔ اس سے پہلے مسلمان اس قدر بھاری تعداد میں کبھی نہ نکلے تھے۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کو اپنی اس تعداد پر فخر محسوس ہو رہا تھا کہ ہم تو کبھی کم ہو کر بھی نہ ہارے تھے آج تو ہماری تعداد اس قدر زیادہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور عرش سے قلبِ نبی پر اس جنگ پر یوں تبصرہ ہوا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ [1]

”اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوۂ حُنین کے روز (اُس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرتِ تعداد کا غرّہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اُتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرینِ حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔ پھر (تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ) اس طرح سزا دینے کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق بھی بخش دیتا ہے، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اس طرح پہلے پہر تو مسلمانوں کو شکست ہوئی اور مسلمان بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھاگنے یا ماحول کو کمزور کرنے میں ان لوگوں کا ہاتھ تھا جو مکہ سے دو ہزار کی تعداد میں ساتھ آئے تھے۔ سب سے پہلے وہی بھاگے، اور صورت حال اس قدر خراب ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند افراد ہی بچ گئے تھے۔ آپ نے اونچی آواز سے لوگوں کو بلایا، حضرت عباس سے فرمایا کہ لوگوں کو واپس بلاؤ، اس طرح سب لوگ واپس آنا شروع ہو گئے اور ایک بار پھر جنگ کا پانسا پلٹا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی مدد اور فوج

---

1 سورۃ التوبۃ:۲۶-۲۵۔

Marfat.com

بھیجی جسے وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی مدد سے مسلمانوں نے فتح حاصل کی اور یہ ثابت ہوا کہ کثرت تعداد ہی فتح کا سبب نہیں ہوتی، در اصل فتح کے لیے قوت کے ساتھ ساتھ اخلاص اور اللہ پر بھروسا سب سے بڑی چیز ہے۔

اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال واسباب بطور مال غنیمت عطا فرمایا۔ آپ نے یہ سارا مال مجاہدین میں تقسیم کیا جن میں نوزائیدہ مسلمان بھی تھے، بدوی بھی تھے، مہاجرین اور انصار بھی تھے۔

غزوہ حنین میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد چھ ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں[1] اور دیگر مال واسباب میں چار ہزار اوقیہ چاندی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بھیڑ بکریاں بھی شامل تھیں۔[2]

نبی کریم کا بچپن کا دانتوں سے کاٹنا بہن کے لیے رحمتِ عظیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں دودھ پلانے کے لیے دائی حلیمہ کے پاس رکھا گیا تھا، وہاں آپ کی رضاعی بہن شَیماء بنت حارث جو آپ سے عمر میں تقریباً آٹھ سال بڑی تھیں، آپ کو کھلاتی تھیں، آپ کو گود اٹھاتی تھیں، آپ کو جھولے دیتی تھیں، آپ کو ادھر ادھر لے کر جاتی تھیں، اور دونوں بہن بھائی میں بہت پیار تھا۔ ایک روز محمد (بچے) کو

---

[1] طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵۵۔

[2] اوقیہ قدیم عربوں کا مشہور وزن ہے جس کی جمع اواق ہے جو خرید وفروخت کے مسائل میں اب بھی فقہ کی کتابوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے، جو ۷ مثقال کے برابر ہے جب کہ ایک درہم 3.71 گرام کے برابر ہے۔ اس حساب سے جدید وزن میں ۳.۱۷×۴۰=۱۲۶.۸ گرام بنتے ہیں .ایک اوقیہ رطل کا ۱/ ۱۲ حصہ بنتا ہے جب کہ اس حساب سے جدید اوزان میں ۲۰۰ گرام کے برابر ہے۔ ہمارے ہاں رائج حنفی فقہ میں اوقیہ ۲۰۰ گرام کے برابر ہے۔ کچھ فقہاء کے نزدیک اس کا وزن ۲۰۱ گرام ہے۔ اختلاف کی وجہ ہر فقہی مکتب فکر کے نزدیک درہم کی مقدار ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دورِ حاضر کے اوزان اور ناپنے کے قوانین پر مشتمل کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

Marfat.com

بہن شیما کندھے سے لگائے جارہی تھیں کہ آپ نے اس زور سے کندھے کو اپنے ننھے دانتوں سے کاٹا کہ بہت بڑا زخم بن گیا، جس کا نشان ساٹھ سال کے بعد بھی شیماء کے کندھے پر موجود رہا۔ اور ایک دن یہ نشان سارے قبیلے کے لیے رحمت عظیم بن گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ دودھ پلانے کے بعد حضرت حلیمہ محمد (بچے) کو واپس مکہ چھوڑ آئیں اور حلیمہ کا خاندان تاریخ کے اوراق سے اوجھل ہو گیا۔ ادھر وہ بچہ جسے حلیمہ نے دودھ پلایا تھا قریشی سردار کا بیٹا تھا، ماں باپ کے سہارے کے بغیر ہی پلتا بڑھتا رہا یہاں تک کہ دوعالم کا سردار بن گیا، دوسری طرف حلیمہ کے خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ فتح مکہ کے بعد جب غزوہ ہوازن یا حنین میں دشمن کو بدترین شکست ہوئی تو شیما بھی قیدیوں میں شامل تھیں۔ جب ان کو پتہ چلا کہ ہماری جس شخص سے جنگ ہوئی ہے وہ مکی سردار عبدالمطلب کا بیٹا ہے تو اسے وہ زمانہ یاد آگیا جب بہن بھائی بنی سعد میں اکٹھے کھیلتے تھے۔ شیماء نے لوگوں سے کہا مجھے اس سردار سے ملاؤ جس نے ہمیں شکست دی ہے۔ جب وہ حاضر ہوئیں تو کہنے لگیں تم وہی ہو جس نے حلیمہ کا دودھ پیا ہے، تو تم میرے بھائی ہو، آپ نے فرمایا اس کی کوئی علامت یا دلیل ہے آپ کے پاس؟ حلیمہ نے کندھے کا زخم بتاتے ہوئے فرمایا: فَأَرَتْهُ عَضَّةً وَقَالَتْ: عَضَضْتَنِيهَا وَأَنَا مُتَوَرِّكَتُكَ جو آپ نے مجھے کندھے پر کاٹا تھا یاد ہے؟ جب میں آپ کو اٹھائے ہوئے تھی؟ اور ہم وادی سرر میں رہتے تھے، آپ کا باپ میرا باپ آپ کی ماں میری ماں۔ آپ کو سارا واقعہ اور حالات یاد آگئے آپ فوری طور پر کھڑے ہو گئے، اپنی چادر مبارک بچھائی اور فرمایا: بہن یہاں بیٹھو! آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ نے پوچھا امی ابو کا کیا حال ہے شیماء نے کہا: وہ تو فوت ہو گئے۔ آپ نے اپنی بہن کی خوب قدر کی، عزت دی، ساتھ رکھنے کی پیش کش کی، فرمایا میرے ساتھ رہنا چاہو تو رہو اور اگر واپس قبیلے والوں کے پاس جانا چاہتی ہو تو تم کو باعزت بھیجا جائے گا۔ شیماء نے کہا: میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ شیماء نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے ان کو تین غلام اور ایک باندی بطور ہدیہ دی، فرمایا: تم جعرانہ چلی جاؤ، میں طائف کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ طائف سے فارغ ہو کر آپ جعرانہ تشریف لائے۔ وہاں پھر ملاقات ہوئی۔ آپ نے بہت زیادہ مال و متاع سے نوازا اور

Marfat.com

ان کے دیگر گھر والوں کو بھی عطا فرمایا۔ ان کے کہنے پر بدترین ظالم شخص بجاد کو معاف بھی کر دیا جس نے ایک صحابی رسول کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ لگا دی تھی۔[1]

بچپن کے دانتوں کا کاٹنا ہزاروں بدترین دشمنانِ اسلام کے لیے رحمت

نبی کریم ﷺ کی رحمت للعالمینی کا انوکھا واقعہ بہن کی بازیابی یا آزادی پر ہی ختم نہ ہوا، بلکہ اس قبیلے کے کم و بیش چھ ہزار لوگ گرفتار ہو کر آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت عطا فرمایا تھا کہ جس کی مثال یا مقدار عہد رسالت میں کہیں نہیں ملتی۔ ہزاروں کی تعداد میں چوپائے، اونٹ، سونا، چاندی، عورتیں، مرد، بچے الغرض اس جنگ نے غریب سے غریب مجاہد کو بھی امیر سے امیر تر کر دیا تھا۔ کئی روز تک آپ وہیں تشریف فرما رہے کہ کسی طرح یہ لوگ مال کے معاملے میں میرے ساتھ بات کر لیں، جس معافی یا تعلق کی بنیاد دانت مبارک بنے تھے وہ آگے بڑھا اور ان لوگوں کو مال و اسباب اور قیدیوں میں سے ایک چیز لینے کا اختیار مل گیا۔ انہوں نے قیدیوں کی رہائی کو ترجیح دی۔ اس طرح ایک شیماء نہیں بلکہ ان کے خاندان کے چھ ہزار لوگ آزاد ہوئے۔ اسلام کا بول بالا ہوا، لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مکہ کے قریب میں بدترین اور طاقت ور ترین قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

طائف کی طرف روانگی

طائف مکہ مکرمہ سے مشرق کی طرف ایک پر فضا گرمائی مقام ہے جہاں آج بھی لوگ موسم گرما میں بالکل اسی طرح جاتے ہیں جیسے پاکستان میں لوگ مری چلے جاتے ہیں۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ خاصی سردی ہوتی ہے۔ یہ مکہ سے قریب ترین بڑا شہر ہے۔ پرانے زمانے میں عرفات کی طرف سے حنین سے ہوتے ہوئے ایک فلک پوش پہاڑ سے گزر کر طائف کو راستہ جاتا تھا۔ آج کل جو راستہ بنا ہے وہ بالکل دوسری طرف شاہراہ ریاض کی طرف سے جاتا ہے۔ پرانا راستہ بھی موجود ہے جو نسبتاً مشکل ہے۔ اُس زمانے میں یہی راستہ تھا۔

---

1 الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۵/ ۳۳۳۔

Marfat.com

اب سے صرف گیارہ سال پہلے آپؐ کو مجبوراً مکہ سے نکل کر طائف جانا پڑا تھا، اور طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ تاریخ کے اوراق کا حصّہ بن چکا ہے۔ اُس بے سروسامانی اور ضعف کے عالم میں آپ نے طائف سے لہولہان ہو کر واپسی پر اللہ سے ایک دعا کی تھی جسے سیرت میں دعائے مستضعفین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ زخموں سے چور مطعم بن عدی کی پناہ میں واپس مکہ پہنچے تھے، اور آج دس سال بعد آپ فاتح عالم کی صورت میں اسی طائف میں داخل ہو رہے تھے، اور شان یہ تھی کہ ہر جانی دشمن کو معاف کیا جا رہا تھا، اس کا مال تک واپس کیا جا رہا تھا۔ یہ عفو و کرم عربوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ اسی لیے جب ہوازن کی درخواست پر آپؐ نے ان کا مال واپس کیا تو صحبت شریفہ میں رہنے والے مہاجرین و انصار نے تو واپس کر دیا کیونکہ ان کی تربیت ہی ایسی ہوئی تھی کہ وہ دنیوی مال و متاع کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے لڑتے تھے، جب کہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے نو مسلموں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ دشمن کو مال یا قیدی واپس کر دیں۔ اسی لیے کئی لوگوں نے ہوازن سے وصول شدہ مال واپس نہ کیا۔

ہوازن اور ثقیف کے لوگ شکست کے بعد ادھر بکھر گئے۔ ثقیف واپس طائف کی طرف بھاگے جو ان کا وطن اصلی تھا، اور وہاں مالک بن عوف کی قیادت میں قلعہ بند ہو گئے اور دیگر لوگ اوطاس چلے گئے جو حنین کے قریب ایک وادی تھی۔

طائف کا محاصرہ

حنین سے بھاگنے والا بڑا گروہ، ثقیف کے افراد طائف پہنچ کر ایک سال کا راشن اور اس وقت کے جدید ترین ہتھیار سے لیس ہو کر طائف میں قلعہ بند ہو گئے۔ طائف انتہائی ترقی یافتہ علاقہ تھا۔ وہاں کے لوگ اپنے آپ کو نہایت طاقت ور سمجھتے تھے، قریش مکہ کے ہم پلہ تھے بلکہ اپنے آپ کو ان سے بہتر خیال کرتے تھے۔ شکست ان کی سرشت ہی میں نہیں لکھی تھی۔ آپؐ ان کی ہدایت کے متمنی تھے۔ محاصرہ طویل ہونے پر ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ ان ظالموں کے لیے بددعا کریں تو آپ نے فرمایا: اللھم اھد ثقیفاً (اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے)، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بددعا سے منع کر

Marfat.com

دیا۔[1]

جب طائف والے قلعہ بند ہو گئے تو مسلمان کئی روز تک قلعے کے باہر موجود رہے۔ ایک روایت میں تعداد پندرہ روز ہے، ایک روایت ایک مہینے کی ہے۔ ابن ہشام نے یہ مدت سترہ روز بیان کی ہے اور مسلم اور احمد نے اس کو چالیس روز بیان کیا ہے۔[2]

جب محاصرہ طویل تر ہو گیا تو ایک روز آپؐ نے فرمایا:

نَّا قَافِلُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ. قَالَ أَصْحَابُهُ: نَرْجِعُ وَلَمْ نَفْتَتِحْهُ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ. فَغَدَوْا عَلَيْهِ. فَأَصَابَهُمْ جِرَاحٌ. فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا. قَالَ: فَأَعْجَبَهُمْ ذَلِكَ. فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[3]

ہم ان شاء اللہ کل واپس چلے جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم فتح کیے بغیر واپس جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: اچھا جنگ جاری رکھو۔ دوسرے دن جنگ جاری رہی تو بہت سے زخمی ہوئے۔ آپ نے پھر فرمایا: کل ہم واپس جائیں گے، اس بات پر لوگ بہت خوش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے ا

مالِ غنیمت کی تقسیم اور انصار کا رویہ

غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بیش بہا مال و دولت سے نوازا تھا۔ آپ مال کی تقسیم سے پہلے ہی ثقیف کو طائف میں جا کر مزید سازشوں سے بروقت روکنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مالِ غنیمت کو جعرانہ میں رکھ دیا۔ کئی دن کے محاصرے کے بعد بھی طائف فتح نہ

---

۱ جامع الترمذی: ۳۹۴۲۔

۲ سیرۃ ابن ہشام: ۴/۱۷۶، و صحیح مسلم: ۱۰۵۹۔

۳ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۷۸۔

Marfat.com

ہو سکا۔ خود نبی کریم ﷺ طائف والوں کے جانی نقصان کو کم از کم دیکھنا چاہتے تھے۔

طائف سے واپس ہوئے تو جعرانہ میں پڑاؤ کیا۔ اس وقت ذی القعدہ شروع ہو چکا تھا اور یہ حرام مہینہ ہے اس میں جنگ نہیں کی جاتی تھی۔ آپؐ نے مال غنیمت اس طرح تقسیم کیا کہ غطفان، تمیم اور قریش کے بڑوں کو بہت زیادہ عطا کیا، بارہ آدمی ایسے ہیں جن کو سو سو اونٹ دیے اور پانچ ایسے ہیں جنھیں سو سے کچھ کم دیے۔ بعض سیرت نگاروں نے ایسے لوگوں کی تعداد اٹھاون تک بیان کی ہے۔[۱] اس طرح قریش اور نو مسلموں کو آپ نے وافر حصہ عطا فرمایا، جب کہ وہیں پر موجود انصار کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کے بعض نوجوانوں کی زبان سے نکل گیا کہ آپؐ اپنی قوم سے مل گئے ہیں، جب مشکل پڑے تو ہم اور جب مال تقسیم کرنا ہو تو غیروں میں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، آپ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے حالانکہ ابھی تک ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔[۲]

حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری نے کہا: آپ کی تقسیم سے انصار خوش نہیں ہیں کہ آپ نے مالِ غنیمت کو صرف اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور دوسرے قبائل عرب میں بھی بڑے بڑے عطیے سو سو اونٹ تک تقسیم کیے مگر انصار کو محروم رکھا۔ آپ نے پوچھا... تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟ سعدؓ نے عرض... یا رسول اللہ! میں بھی اپنی قوم کا ساتھی ہوں، آپ نے فرمایا! اپنی قوم کو اس جگہ بلا لاؤ، حضرت سعدؓ نے سب کو ایک جگہ پر جمع کر دیا، نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور انصار سے پوچھا... کیا تم نے ایسا کہا؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے قائدین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، چند لڑکوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو فن خطابت، فصاحت بلاغت اور مقصدیت کا بھی شاہکار ہے۔ فرمایا:

دکھ کیوں کرتے ہو کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم گمراہ تھے، جب میں تم سے ملا ہوں

---

۱ طوالت سے بچنے کے لیے ان کے نام ذکر نہیں کیے جاتے۔ دیکھیے سیرۃ ابن ہشام: ۱۹۰/۴۔

۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۵۹۔

Marfat.com

اللہ نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ تم غریب تھے اللہ نے تمہیں مال دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہیں جوڑ دیا۔ انصار نے عرض کیا بے شک اللہ کے رسول درست فرماتے ہیں، یہ اللہ کا اور اس کے رسول کا فضل واحسان ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: کیوں جواب نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا: کیا جواب دیں، اللہ اور اس کے رسول کا فضل واحسان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو جواب دو میں تمہارے جواب کی تصدیق کروں گا، تم مجھے یہ جواب دے سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس آئے جب کہ لوگوں نے آپ کو قبول نہ کیا بلکہ جھٹلایا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو دنیا نے چھوڑ دیا تھا، ہم نے مدد کی تھی، آپ کو اپنے بھائیوں نے گھر سے نکال دیا تھا، ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ ضرورت مند تھے، ہم نے مدد کی۔ اے انصار: کیا تم دنیا کی خاطر مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟ میں نے اس مال سے بعض لوگوں کی تالیف قلب کرنا ہے تاکہ اسلام کی طرف ان کے دل مائل ہوں اور کوئی کھوٹ باقی نہ رہے، میرے نزدیک تمہارا اسلام قابل اعتماد ہے، اے میرے انصار! کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اور لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ کو اپنے گھر لے جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر تمام دنیا ایک راستہ اختیار کرے اور انصار دوسرا، تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا، اے اللہ! تو انصار پر رحم فرما اور ان کی اولاد پر اپنی رحمت نازل کر اور ان کی اولاد کی اولاد پر اپنی رحمت فرما۔

آپ کا خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، کہنے لگے: ہم راضی ہیں کہ ہمارے نصیب میں رسول اللہ ہیں۔ (1)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے کر جاؤ؟ انصار میرے کپڑوں کا اندر کا حصہ ہیں، اور لوگ باہر کا (یعنی انصار میرے قریب ترین ہیں اور لوگ مجھ سے دور ہیں) اگر

---

۱ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۳/۶۷۹۔

Marfat.com

ہجرت نہ ہوتی میں انصار کا ایک آدمی ہوتا۔ میں نو مسلموں کی تالیف قلب کے لیے دے رہا ہوں۔۔۔ اے اللہ انصار انصار پر رحم فرما، اے اللہ انصار کی اولاد پر رحم فرما، ان کی اگلی نسلوں پر رحم فرما۔[1]

ایسے حکیمانہ فیصلوں کو عوام الناس نہیں سمجھا کرتے۔ بالکل ایسا ہی اس وقت ہوا جب آپ لوگوں کو مختلف انداز سے عطا فرما رہے تھے تو جو لوگ اس جنگ میں محض دنیوی مفاد کی خاطر جمع ہوئے تھے یا مال غنیمت دیکھ کر ان کی رال ٹپکنا شروع ہو گئی تھی۔ ان سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تک کہہ دیا کہ

فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، اعْدِلْ، قَالَ: وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ؟ لَقَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ» فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: دَعْنِي، يَا رَسُولَ اللهِ فَأَقْتُلَ هَذَا الْمُنَافِقَ، فَقَالَ: مَعَاذَ اللهِ، أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنِّي أَقْتُلُ أَصْحَابِي، إِنَّ هَذَا وَأَصْحَابَهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ[2]

"اے محمد عدل کریں، آپ نے فرمایا: تیری بربادی ہو میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں نے عدل نہ کیا تو تم ذلیل وخوار ہوگے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کے رسول مجھے اجازت دیں اس منافق کا سر تن سے جدا کر دوں، آپ نے فرمایا: معاذ اللہ، لوگ کہیں گے یہ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہے، یہ اور اس طرح کے دیگر لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن یہ قرآن ان

---

۱ مختلف روایات میں مختلف الفاظ ہیں اور مفہوم ایک ہی ہے دیکھیے صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۳۳۴ وابن ہشام: ۱۹۹/ ۴۔

۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۶۳۔

Marfat.com

کے حلق سے نیچے نہیں جاتا، ان سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے کمان سے تیر۔"

مدینہ منورہ روانگی سے قبل عمرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمبی مہم کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہونے سے پہلے ادائیگی عمرہ کے لیے ذی القعدہ کے اواخر میں جعرانہ سے احرام باندھ کر رات کے وقت بیت اللہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کیا، اور اللہ کی حمد و ثنا اور اس عظیم فتح پر شکر کے جذبات کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ اس سے قبل فتح مکہ کے بعد حنین روانگی کے وقت آپ نے عتّاب بن اُسید کو مکہ کا گورنر مقرر کرتے ہوئے ان کی تنخواہ ایک درہم یومیہ مقرر کی تھی اور اس گورنر کی عمر اس وقت تیس سال سے کم تھی، یہ نوجوان فتح مکہ کے موقع پر ایمان لایا تھا، اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے تک مسلسل مکہ کا گورنر رہا اور ۲۲ ہجری میں فوت ہوا۔[1]

۸ ہجری کی مختلف تبلیغی و دعوتی مہمات

مدینہ منورہ واپسی کے بعد ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ جو لوگ اس لیے پس و پیش کر رہے تھے کہ اگر محمد حق پر ہوئے تو بیت اللہ پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہی سچے نبی ہیں تو ایمان لائیں گے، دوسری بات یہ تھی کہ بعض لوگ قریش کے حلیف تھے جو ان کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتے تھے، تیسرا یہ کہ قریش ایک بڑی طاقت تھی لوگ ان کے ڈر کی وجہ سے بھی آگے نہیں بڑھ رہے تھے اور پانچواں یہ کہ مسلمان دعوتی سرگرمیوں اور لوگوں سے ملنے جلنے میں نہ تو آزاد تھے اور نہ اس قدر فرصت تھی۔ فتح مکہ کے بعد تقریباً سارا عرب مسخر ہو چکا تھا اس لیے کھل کر عبادات کے علاوہ میل جول کی بھی آزادی ہوئی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے مختلف مہمات کے لیے وفود ارسال کیے اور مختلف لوگ

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴۵۱/ ۲ والسیرۃ النبویہ فی ضوء القرآن والسنۃ: ۴۸۵/ ۲۔

Marfat.com

وفود کی صورت میں خود مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

وفد صداء کا قبول اسلام ذوالحجہ ۸-۹/ ہجری، زکوٰۃ کا انتظام، عاملین کا تقرر، محرم ۹/ہجری، سریہ عیینہ بن حصن زیر قیادت حضرت عیینہ بن حصنؓ محرم ۹ ہجری، سریہ قطبہ بن عامر زیر قیادت حضرت قطبہ بن عامرؓ، صفر ۹ ہجری، وفد عذرہ کا قبول اسلام، صفر ۹ ہجری، وفد بلی کا قبول اسلام ربیع الاول، ۹ ہجری، سریہ ضحاک بن سفیان زیر قیادت ضحاکؓ بن سفیان کلابی ہجری، سریہ علقمہ زیر قیادت حضرت علقمہؓ بن مجزز مدلجی، سریہ عبداللہ بن حذافہ زیر قیادت عبداللہ بن حذافہؓ ۹ ہجری، سریہ بنوطے (طی) زیر قیادت حضرت علی ربیع الثانی، ۹ ہجری حضرت عدی بن حاتمؓ کا قبول اسلام ربیع الثانی، ۹ ہجری، یہ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے تھے۔

سید زینب بنت النبی ﷺ کی وفات

حضرت زینب بنت محمد ﷺ کے بارے میں مکی دور میں تفصیل گزر چکی ہے، آپ سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی شادی ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی، اور جب ابو جہل اور ابو لہب نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس شخص کو گھر کے معاملات میں اس قدر الجھا دو کہ باہر کی خبر ہی نہ لے سکے تو دشمنی چکانے کے لیے انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ محمد کی بیٹیوں کو طلاق دلوا دو، اس طرح ابو لہب کے دو بیٹوں کی منگنی حضرت رقیہ اور ام کلثوم سے ہو چکی تھی، دونوں نے انہیں چھوڑ دیا تھا، جب کہ ابو العاص نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم لوگ میرا گھر کیوں اجاڑ رہے ہو؟ حضرت زینب کے خاوند نے اسلام قبول نہیں کیا تو آپ اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے اپنے والد مکرم کے ساتھ ہجرت کر گئی تھیں۔ راستے میں ان کو زخمی بھی کر دیا گیا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری پیاری بیٹی ہے جس نے میری خاطر اپنی جان کی قربانی دی ہے۔ ان کا بیٹا علی تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا، جب کہ امامہ آپؐ کی پیاری نواسی تھیں جو نماز کے دوران میں آپ کے کندھوں پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ کو ان سے بہت پیار تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ تھیں، حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا تھا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کی ولادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکسٹھ سال اور دو ماہ تھی جب آپ کے ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم عطا فرمایا۔ یہ ذی الحجہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ ماریہ قبطیہ مصری خاتون تھیں، قبطی نسل سے تعلق رکھتی تھیں اور مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپؐ کو ہدیہ کے طور پر دی تھیں۔ بچے کی ولادت کے بعد ان کو حضور کے بچے کی ماں ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا تھا۔ آپؐ کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں فوت ہو گئی تھی، اور بدر کے موقع پر حضرت رقیہ جو حضرت عثمان کی زوجہ تھیں وہ بھی داغ مفارقت دے گئی تھیں، جب کہ سیدہ زینب بھی ایک سال پہلے دنیا سے تشریف لے گئی تھیں، اس لیے آپ کو اس بچے کی ولادت پر بہت خوشی ہوئی۔ آپ خوشی سے گھر سے نکلے اور اپنے صحابہ کو بشارت دی کہ آج رات اللہ نے مجھے نور چشم عطا فرمایا ہے میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔ ساتویں دن آپ نے ان کا عقیقہ کیا اور ان کے بال ابو ہند نے مونڈھے اور ان بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی گئی۔ قبیلہ قین کی ایک خاتون کو دودھ پلانے کے لیے رکھا گیا۔ آپ ہر روز ماریہ کے پاس جاتے اور بچے سے خوب پیار کرتے، آپ کی عمر مبارک ۶۰ سال سے متجاوز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم جیسا تحفہ دیا تو آپ اس سے بے حد پیار کرنے لگے اور اس بچے کی خاطر زیادہ وقت ماریہ کے پاس گزرتا، باقی ازواج اس سے کافی رنجیدہ ہونے لگیں۔[1]

قبیلہ بنی مصطلق کے بارے میں شک اور اس کا علاج

قبیلہ بنی المصطلق جب مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بھیجا تاکہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ قبیلہ کے بیس مسلح لوگ سامنے سے آرہے ہیں، جب ولید نے ان کو دیکھا تو سمجھے کہ یہ لوگ ہمیں مارنے آرہے ہیں، انھوں نے فوراً مدینہ کی راہ لی اور آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ

---

1 ابو شُهبة، السيرة النبوية على ضوء القرآن والسنة: ۴۹۱/ ۲، دار القلم ۔ دمشق، ط۸، ۱۴۲۷ھ

Marfat.com

انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضور یہ خبر سن کر سخت ناراض ہوئے اور آپ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ روانہ کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو ایک دستے کے ساتھ حالات کا پتہ لگانے کے لیے روانہ کر دیا اور بعض میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ روانہ کرنے والے تھے۔ بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ بنی المصطلق کے سردار حارث بن ضرار (ام المومنین حضرت جویریہ کے والد) اس دوران میں خود ایک وفد لے کر حضور کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہوں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم ہم نے تو ولید کو دیکھا تک نہیں کجا کہ زکوٰۃ دینے سے انکار اور ان کے قتل کے ارادے کا کوئی سوال پیدا ہو، ہم ایمان پر قائم ہیں اور ادائے زکوٰۃ سے ہمیں ہرگز انکار نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ [1]

اس نازک موقع پر جب کہ ایک بے بنیاد خبر پر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک عظیم غلطی ہوتے ہوتے رہ گئی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر، جس پر کوئی بڑا نتیجہ مترتب ہوتا ہو، تمہیں ملے تو اس کو قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے۔ اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو، یعنی جس کا ظاہر حال بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے، تو اس کی دی ہوئی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے۔ اس حکم ربانی سے ایک اہم شرعی قاعدہ نکلتا ہے جس کا دائرہ اطلاق بہت وسیع ہے۔ اس کی رو سے مسلمانوں کی حکومت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی کارروائی ایسے مخبروں کی دی ہوئی خبروں کی بنا پر کر ڈالے

---

1 دیکھیے، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۴۵۹۔

Marfat.com

جن کی سیرت بھروسے کے لائق نہ ہو۔ اسی قاعدے کی بنا پر محدثین نے علم حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد کیا تا کہ ان لوگوں کے حالات کی تحقیق کریں جن کے ذریعہ سے بعد کی نسلوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پہنچی تھیں۔ [1]

رومی سپر طاقت بمقابلہ نوزائیدہ اسلامی ریاست

فتح مکہ کے بعد عرب قریب قریب زیر نگین ہو چکا تھا، تمام قبائل یا تو مسلمان ہو رہے تھے یا باجگزار بن چکے تھے، عرب کے باہر روم ایسی طاقت تھی جو اس وقت کے لحاظ سے دو سپر طاقتوں روم اور فارس میں سے پہلے نمبر پر تھی۔ اس سپر طاقت نے پہلے ہی سفیر رسول کو قتل کر کے دشمنی کا اظہار کر دیا تھا اور مؤتہ کے مقام پر صرف تین ہزار کے مقابلے میں ایک لاکھ کا لشکر جرار چڑھا لائے تھے، اس کے باوجود کمال حکمت سے مسلمانوں نے اس موقع پر اپنا لوہا منوا لیا تھا اور فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی اس ابھرتی ہوئی طاقت کو روم برداشت نہ کر رہا تھا، اس لیے روم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ کیوں نہ مسلمانوں کو ابھرنے سے پہلے ہی غروب کر دیا جائے، اس مقصد کے لیے روم نے تین لاکھ کے عظیم ترین لشکر کی تیاری کے بعد مسلمانوں پر حملے کا پروگرام بنا لیا۔ اس موقع پر سید ابو الاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں سورۃ التوبہ کے مقدمے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہاں جس جرأت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ ہزار کا زبردست لشکر لے کر گئے اور رومیوں نے آپ کے مقابلہ پر آنے سے پہلو تہی کر کے جو کمزوری دکھائی اس نے تمام عرب پر آپ کی اور آپ کے دین کی دھاک بٹھا دی اور اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ تبوک سے واپس آتے ہی حضور کے پاس عرب کے گوشے گوشے سے وفد پر وفد آنا شروع ہو گئے اور وہ اسلام و اطاعت کا اقرار کرنے لگے۔ چنانچہ اسی کیفیت کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (جب اللہ کی مدد آ گئی، اور فتح نصیب ہوئی اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اسلام

---

1 مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الحجرات، آیت:۶۔

Marfat.com

میں داخل ہو رہے ہیں)۔ [1]

غزوۂ تبوک

رومی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتدا فتح مکہ سے پہلے ہو چکی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے بعد اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے جو وفود عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے ان میں سے ایک شمال کی طرف سرحدِ شام سے متصل قبائل میں بھی روانہ کیا گیا تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیرِ اثر تھے۔ ان لوگوں نے ذات الطلح (یا ذات اطلاح) کے مقام پر اس وفد کے ۱۵ آدمیوں کو قتل کر دیا اور صرف رئیس وفد کعب بن عُمیر غِفارِی بچ کر واپس آئے۔ اسی زمانہ میں حضور نے بُصریٰ کے رئیس شُرحبیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا، مگر اس نے آپ کے ایلچی حارث بن عُمیر کو قتل کر ڈالا۔ یہ رئیس بھی عیسائی تھا اور براہِ راست قیصر روم کے احکام کے تابع تھا۔ ان وجوہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاولیٰ سن ۸ ھجری میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف بھیجی تا کہ آئندہ کے لیے یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے پر امن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو بے زور سمجھ کر ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ کریں۔ یہ فوج جب مَعان کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ شُرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ پر آرہا ہے، خود قیصر روم حِمص کے مقام پر موجود ہے اور اس نے اپنے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں ایک لاکھ کی مزید فوج روانہ کی ہے۔ لیکن ان خوفناک اطلاعات کے باوجود ۳ ہزار سرفروشوں کا یہ مختصر دستہ آگے بڑھتا چلا گیا اور مُوتہ کے مقام پر شرحبیل کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا۔ اس تہوّر کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجاہدینِ اسلام بالکل پس جاتے، لیکن سارا عرب اور تمام شَرقِ اَوسط یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اِس مقابلہ میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل کو، بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، تفہیم القرآن، دیباچہ سورۃ التوبہ۔

Marfat.com

قبائل کو بھی، جو کسریٰ کے زیرِ اثر تھے، اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بنی سُلَیم (جن کے سردار عباس بن مِرداس سُلَمی تھے) اور اَشجع اور غَطفان اور ذُبیان اور فزارہ کے لوگ اسی زمانہ میں داخل اسلام ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں سلطنت روم کی عربی فوجوں کا ایک کمانڈر فَرْوَہ بن عَمرو الجُذامی مسلمان ہوا جس نے اپنے ایمان کا ایسا زبردست ثبوت دیا کہ گردوپیش کے سارے علاقے اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ قیصر کو جب فَرْوَہ کے قبول اسلام کی اطلاع ملی تو اس نے انہیں گرفتار کرا کے اپنے دربار میں بلوایا اور ان سے کہا کہ دو چیزوں میں سے ایک کو منتخب کر لو۔ یا ترکِ اسلام جس کے نتیجے میں تم کو نہ صرف رہا کیا جائے گا بلکہ تمہیں اپنے عہدے پر بھی بحال کر دیا جائے گا، یا اسلام جس کے نتیجے میں تمہیں سزائے موت دی جائے گی۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے اسلام کو چن لیا اور راہِ حق میں جان دے دی۔ یہی واقعات تھے جنہوں نے قیصر کو اُس خطرے کی حقیقی اہمیت محسوس کرائی جو عرب سے اُٹھ کر اس کی سلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

دوسرے ہی سال قیصر نے مسلمانوں کو غزوۂ مُوتہ کی سزا دینے کے لیے سرحدِ شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اس کے ماتحت غسّانی اور دوسرے عرب سردار فوجیں اکٹھی کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر نہ تھے۔ آپ ہر وقت ہر اُس چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی خبردار رہتے تھے جس کا اسلامی تحریک پر کچھ بھی موافق یا مخالف اثر پڑ سکتا ہو۔ آپ نے ان تیاریوں کے معنی فوراً سمجھ لیے اور بغیر کسی تأمل کے قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس موقع پر ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی جاتی تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا۔ ایک طرف عرب کی دم توڑتی ہوئی جاہلیت، جس پر حُنَین میں آخری ضرب لگائی جا چکی تھی، پھر جی اُٹھتی۔ دوسری طرف مدینہ کے منافقین، جو ابو عامر راہب کے واسطے سے غسان کے عیسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے، اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر دین داری کا پردہ ڈالنے کے لیے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی، بغل میں چھرا گھونپ دیتے۔ سامنے سے قیصر، جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد تمام دور و نزدیک کے علاقوں پر چھا گیا تھا، حملہ آور ہوتا، اور ان تین زبردست خطروں کی متحدہ یورش میں اسلام کی جیتی ہوئی بازی یکایک مات کھا جاتی۔

Marfat.com

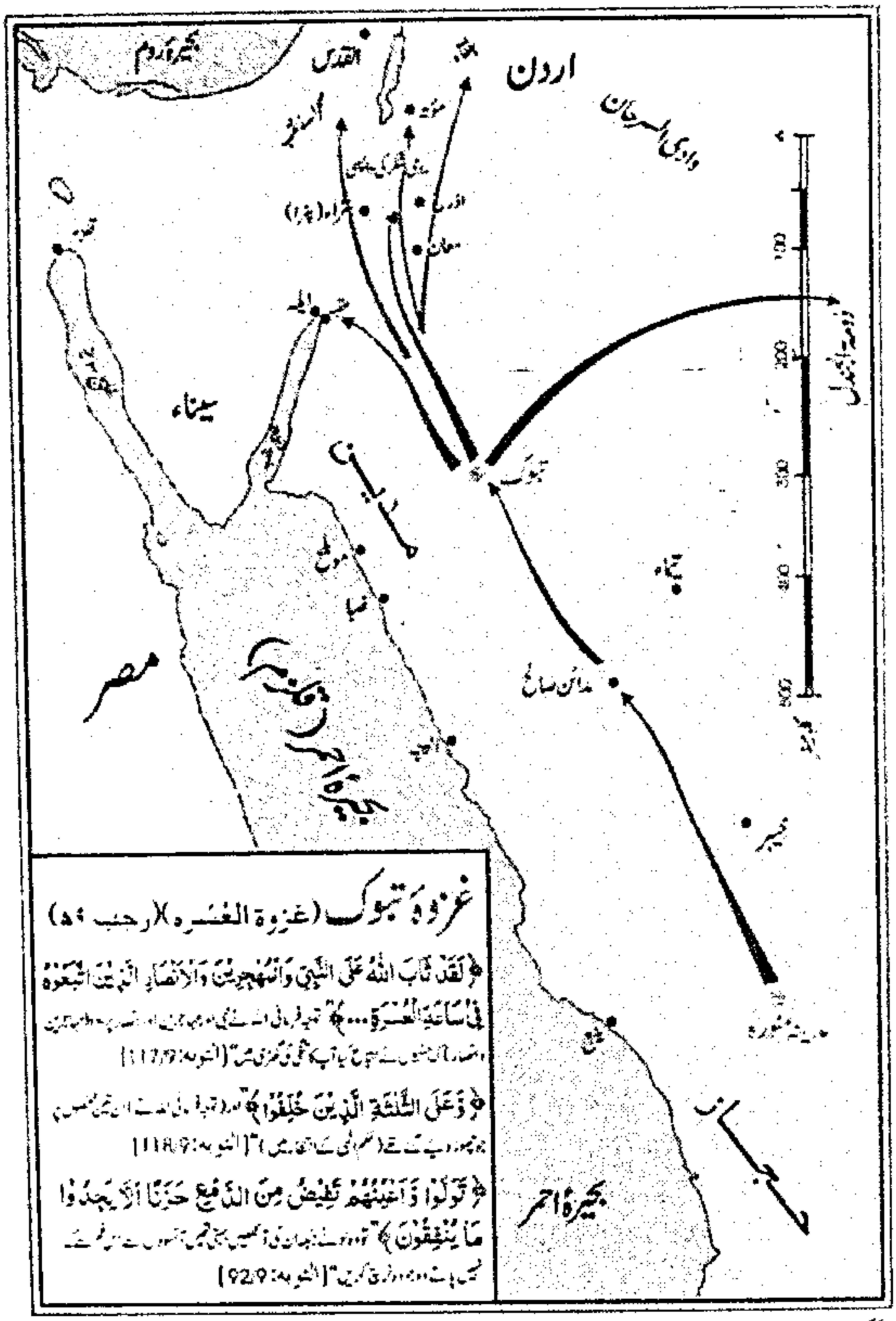

بوک روانگی کے لیے تیاری

اس لیے باوجود اس کے کہ ملک میں قحط سالی تھی، گرمی کا موسم پورے شباب پر تھا، فصلیں پکنے کے قریب تھیں، سواریوں اور سروسامان کا انتظام سخت مشکل تھا، سرمایہ کی بہت کمی تھی اور دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک کا مقابلہ درپیش تھا، خدا کے نبی نے یہ دیکھ کر کہ یہ دعوتِ حق کے لیے زندگی یا موت کے فیصلہ کی گھڑی ہے، اسی حال میں تیاریِ جنگ کا اعلانِ عام کر دیا۔ پہلے تمام غزوات میں تو حضور کا قاعدہ تھا کہ آخر وقت تک کسی

Marfat.com

کو نہ بتاتے تھے کہ کدھر جانا ہے اور کس سے مقابلہ در پیش ہے، بلکہ مدینے سے نکلنے کے بعد بھی منزلِ مقصود کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے پھیر کی راہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس موقع پر آپ نے یہ پردہ بھی نہ رکھا اور صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے۔

اس موقع کی نزاکت کو عرب میں سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ جاہلیتِ قدیمہ کے بچے کھچے عاشقوں کے لیے یہ ایک آخری شعاعِ اُمید تھی اور رُوم و اسلام کی اس ٹکر کے نتیجے پر وہ بے چینی کے ساتھ نگاہیں لگائے ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اس کے بعد پھر کہیں سے اُمید کی جھلک نہیں دکھائی دیتی ہے۔ منافقین نے بھی اپنی آخری بازی اسی پر لگا دی تھی اور وہ اپنی مسجدِ ضرار بنا کر اس انتظار میں تھے کہ شام کی جنگ میں اسلام کی قسمت کا پانسہ پلٹے تو اِدھر اندرونِ ملک میں وہ اپنے فتنہ کا عَلم بلند کریں۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اس مہم کو ناکام کرنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں بھی استعمال کر ڈالیں۔ ادھر مومنین صادقین کو بھی پورا احساس تھا کہ جس تحریک کے لیے ۲۲ سال سے وہ سر بکف رہے ہیں، اس وقت اس کی قسمت ترازو میں ہے، اس موقع پر جرأت دکھانے کے معنی یہ ہیں کہ اس تحریک کے لیے ساری دنیا پر چھا جانے کا دروازہ کھل جائے، اور کمزوری دکھانے کے معنی یہ ہیں کہ عرب میں بھی اس کی بساط اُلٹ جائے۔ چنانچہ اسی احساس کے ساتھ ان فدائیانِ حق نے انتہائی جوش و خروش سے جنگ کی تیاری کی۔ ساز و سامان کی فراہمی میں ہر ایک نے اپنی بساط سے بڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی عمر بھر کی کمائی کا آدھا حصہ لا کر رکھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی ساری پونجی نذر کر دی۔ غریب صحابیوں نے محنت مزدوری کر کر کے جو کچھ کمایا لا کر حاضر کر دیا۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار اُتار کر دے دیے۔ سر فروش والنٹیروں کے لشکر کے لشکر ہر طرف سے اُمنڈ اُمنڈ کر آنے شروع ہوئے اور انہوں نے تقاضا کیا کہ اسلحہ اور سواریوں کا انتظام ہو تو ہماری جانیں قربان ہونے کو حاضر ہیں۔ جن کو سواریاں نہ مل سکیں وہ روتے تھے اور اپنے اخلاص کی بے تابیوں کا اظہار اس طرح کرتے تھے کہ رسول

Marfat.com

پاک کا دل بھر آتا تھا۔ یہ موقع عملاً ایمان اور نفاق کے امتیاز کی کسوٹی بن گیا تھا، حتیٰ کہ اس وقت پیچھے رہ جانے کے معنی یہ تھے کہ اسلام کے ساتھ آدمی کے تعلق کی صداقت ہی مشتبہ ہو جائے۔ چنانچہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے دورانِ سفر میں جو جو شخص پیچھے رہ جاتا تھا، صحابہؓ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیتے تھے اور جواب میں حضور برجستہ فرماتے تھے کہ دعوہ فان یک فیہ خیر فسیلحقہ اللہ بکم وان یک غیر ذٰلک فقد اراحکم اللہ منہ (جانے دو، اگر اس میں کچھ بھلائی ہے تو اللہ اسے پھر تمہارے ساتھ لا ملائے گا اور اگر کچھ دوسری حالت ہے تو شکر کرو کہ اللہ نے اس کی جھوٹی رفاقت سے تمہیں خلاصی بخشی)۔ [1]

رجب سن ۹ ھجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جن میں دس ہزار سوار تھے۔ اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس پر گرمی کی شدت اور پانی کی قلت مستزاد۔ مگر جس عزم صادق کا ثبوت اس نازک موقع پر مسلمانوں نے دیا اس کا ثمرہ تبوک پہنچ کر انہیں نقد مل گیا۔ وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے تابعین نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے کہ اس سے جنگ کی جائے۔ سیرت نگار بالعموم اس واقعہ کو اس انداز سے لکھ جاتے ہیں کہ گویا وہ خبر ہی سرے سے غلط نکلی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی افواج کے اجتماع کے متعلق ملی تھی، حالانکہ دراصل واقعہ یہ تھا کہ قیصر نے اجتماعِ افواج شروع کیا تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی مقابلہ پر پہنچ گئے تو اس نے سرحد سے فوجیں ہٹالینے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ غزوۂ مُوتہ میں ۳ ہزار اور ایک لاکھ کے مقابلہ کی جو شان وہ دیکھ چکا تھا اُس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود نبیؐ کریم کی قیادت میں جہاں ۳۰ ہزار فوج آرہی ہو وہاں وہ لاکھ دو لاکھ آدمی لے کر میدان میں آجاتا۔

---

1 زاد المعاد: ۵۳۳ / ۳ وامتاع الأسماع: ۵۳ / ۲۔

Marfat.com

قیصر کے یوں طرح دے جانے سے جو اخلاقی فتح حاصل ہوئی اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرحلے پر کافی سمجھا اور بجائے اس کے تبوک سے آگے بڑھ کر سرحد شام میں داخل ہوتے، آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فتح سے انتہائی ممکن سیاسی و حربی فوائد حاصل کر لیں۔ چنانچہ آپ نے تبوک میں ۲۰ دن ٹھیر کر اُن بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور دارالاسلام کے درمیان واقع تھیں اور اب تک رومیوں کے زیر اثر رہی تھیں، فوجی دباؤ سے سلطنت اسلامی کا باجگذار اور تابع امر بنالیا۔ اس سلسلہ میں دُومَۃُ الجَندَل کے عیسائی رئیس اُکَیدِر بن عبد المالک کندی، اَیلہ کے عیسائی رئیس یوحنّا بن رُوبہ، اور اسی طرح مقنا، جَرباء اور اَذرُح کے نصرانی رؤساء نے بھی جزیہ ادا کر کے مدینہ کی تابعیت قبول کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود اقتدار براہِ راست رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گئے اور جن عرب قبائل کو قیصر روم اب تک عرب کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے، اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا معاون بن گیا۔ پھر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سلطنت روم کے ساتھ ایک طویل کشمکش میں اُلجھ جانے سے پہلے اسلام کو عرب پر اپنی گرفت مضبوط کر لینے کا پورا موقع مل گیا۔ تبوک کی اس فتح بلاجنگ نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو اب تک جاہلیتِ قدیمہ کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے، خواہ وہ علانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردہ میں منافق بنے ہوئے ہوں۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر و بیشتر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر خود نعمتِ ایمانی سے بہرہ ور نہ بھی ہوں تو کم از کم ان کی آئندہ نسلیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بعد جو ایک برائے نام اقلیت شرک و جاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی، وہ اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ اُس اصلاحی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہو سکتی تھی جس کے لیے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا تھا۔

دروس و اسباق

اس پس منظر کو نگاہ میں رکھنے کے بعد ہم بآسانی اُن بڑے بڑے مسائل کا احصاء کر سکتے ہیں جو اس وقت درپیش تھے اور جن سے سورۂ توبہ میں تعرّض کیا گیا ہے:

Marfat.com

۱۔اب چونکہ عرب کا نظم و نسق بالکلیہ اہلِ ایمان کے ہاتھ میں آگیا تھا اور تمام مزاحم طاقتیں بے بس ہو چکی تھیں، اس لیے وہ پالیسی واضح طور پر سامنے آجانی چاہیے تھی جو عرب کو مکمل دارالاسلام بنانے کے لیے اختیار کرنی ضروری تھی، چنانچہ وہ حسبِ ذیل صورت میں پیش کی گئی:

الف۔ عرب سے شرک کو قطعاً مٹا دیا جائے اور قدیم مشرکانہ نظام کا کلی استیصال کر ڈالا جائے تاکہ مرکزِ اسلام ہمیشہ کے لیے خالص اسلامی مرکز ہو جائے اور کوئی دوسرا عنصر اس کے اسلامی مزاج میں نہ تو خلل انداز ہو سکے اور نہ کسی خطرے کے موقع پر اندرونی فتنہ کا موجب بن سکے۔ اسی غرض کے لیے مشرکین سے براءت اور ان کے ساتھ معاہدوں کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

ب۔ کعبہ کا انتظام اہلِ ایمان کے ہاتھ میں آجانے کے بعد یہ بالکل نامناسب تھا کہ جو گھر خالص خدا کی پرستش کے لیے وقف کیا گیا تھا اس میں بدستور شرک ہوتا رہے اور س کی تولیت بھی مشرکین کے قبضہ میں رہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ آئندہ کعبہ کی تولیت بھی اہلِ توحید کے قبضہ میں رہنی چاہیے اور بیت اللہ کے حدود میں شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں بھی بزور بند کر دینی چاہییں، بلکہ اب مشرکین اس گھر کے قریب پھٹکنے بھی نہ پائیں تاکہ اس بنائے ابراہیمی کے آلودۂ شرک ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ج۔ عرب کی تمدنی زندگی میں رسوم جاہلیت کے جو آثار ابھی تک باقی تھے ان کا جدید اسلامی دور میں جاری رہنا کسی طرح درست نہ تھا اس لیے ان کے استیصال کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نَسی کا قاعدہ ان رسوم میں سب سے زیادہ بدنما تھا اس لیے اس پر براہِ راست ضرب لگائی گئی اور اسی ضرب سے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ بقیہ آثار جاہلیت کے ساتھ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

۲۔ عرب میں اسلام کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد دوسرا اہم مرحلہ جو سامنے تھا وہ یہ تھا کہ عرب کے باہر دینِ حق کا دائرۂ اثر پھیلا دیا جائے۔ اس معاملہ میں روم و ایران کی سیاسی قوت سب سے بڑی سدِّ راہ تھی اور ناگزیر تھا کہ عرب کے کام سے فارغ

Marfat.com

ہوتے ہی اس سے تصادم ہو۔ نیز آگے چل کر دوسرے غیر مسلم سیاسی و تمدّنی نظاموں سے بھی اِسی طرح سابقہ پیش آنا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ عرب کے باہر جو لوگ دینِ حق کے پیرو نہیں ہیں ان کی خود مختارانہ فرماں روائی کو بزورِ شمشیر ختم کردو تا آنکہ وہ اسلامی اقتدار کے تابع ہو کر رہنا قبول کرلیں۔ جہاں تک دینِ حق پر ایمان لانے کا تعلق ہے ان کو اختیار ہے کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر اپنا حکم جاری کریں اور انسانی سوسائٹیوں کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں رکھ کر اپنی گمراہیوں کو خلقِ خدا پر اور ان کی آنے والی نسلوں پر زبردستی مسلّط کرتے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ جس آزادی کے استعمال کا انہیں اختیار دیا جاسکتا ہے وہ بس اسی حد تک ہے کہ خود اگر گمراہ رہنا چاہتے ہیں تو رہیں، بشرطیکہ جزیہ دے کر اسلامی اقتدار کے مطیع بنے رہیں۔

۳۔ تیسرا اہم مسئلہ منافقین کا تھا جن کا ساتھ اب تک وقتی مصالح کے لحاظ سے چشم پوشی و درگذر کا معاملہ کیا جارہا تھا۔ اب چونکہ بیرونی خطرات کا دباؤ کم ہو گیا تھا بلکہ گویا نہیں رہا تھا اس لیے حکم دیا گیا کہ آئندہ ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے اور وہی سخت برتاؤ اِن چھپے ہوئے منکرینِ حق کے ساتھ بھی ہو جو کھلے منکرینِ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی پالیسی تھی جس کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں سُوَیلِم کے گھر میں آگ لگوادی جہاں منافقین کا ایک گروہ اس غرض سے جمع ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو شرکتِ جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کرے، اور اسی پالیسی کے تحت تبوک سے واپس تشریف لاتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد ضرار کو ڈھانے اور جلا دینے کا حکم دے دیا۔

۴۔ مومنین صادقین میں اب تک جو تھوڑا بہت ضعفِ عزم باقی تھا اس کا علاج بھی ضروری تھا، کیونکہ اسلام عالمگیر جدوجہد کے مرحلے میں داخل ہونے والا تھا اور اس مرحلہ میں، جب کہ اکیلے مسلم عرب کو پوری غیر مسلم دنیا سے ٹکرانا تھا، ضعفِ ایمان سے بڑھ کر کوئی اندرونی خطرہ اسلامی جماعت کے لیے نہ ہو سکتا تھا، اس لیے جن لوگوں نے تبوک کے موقع پر سستی اور کمزوری دکھائی تھی ان کو نہایت شدت کے ساتھ ملامت کی گئی،

Marfat.com

پیچھے رہ جانے والوں کے اِس فعل کو کہ وہ بلا عذرِ معقول پیچھے رہ گئے بجائے خود ایک منافقانہ طرزِ عمل، اور ایمان میں ان کے ناراست ہونے کا ایک بیّن ثبوت قرار دیا گیا، اور آئندہ کے لیے پوری صفائی کے ساتھ یہ بات واضح کر دی گئی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور کفر و اسلام کی کشمکش ہی وہ اصلی کسوٹی ہے جس پر مومن کا دعوائے ایمان پرکھا جائے گا۔ جو اِس آویزش میں اسلام کے لیے جان و مال اور وقت و محنت صرف کرنے سے جی چرائے گا اس کا ایمان معتبر ہی نہ ہو گا اور اس پہلے کی کسر کسی دوسرے مذہبی عمل سے پوری نہ ہو سکے گی۔ (۱)

مسجد ضرار کی تعمیر اور اس میں نماز کی ممانعت

قبیلہ خزرج میں ایک مشہور راہب اور عابد شخص تھا جو عیسائی علما میں شامل تھا۔ یہ شخص نہ صرف اہل کتاب کے علماء میں معروف تھا بلکہ راہب ہونے کی وجہ سے علاقے میں درویش اور زاہد بھی مشہور ہو گیا تھا، اس لیے لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے مگر اس کا علم و عمل اس کے لیے الٹا حق دشمن ثابت ہوا، چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو بجائے حق کا ساتھ دینے کے الٹا آپ کا دشمن بن گیا۔ پہلے دو سال تک تو اسے یہ امید رہی کہ کفارِ قریش کی طاقت ہی اسلام کو مٹانے کے لئے کافی ہو گی لیکن جنگ بدر میں جب قریش نے شکست فاش کھائی تو سخت پریشان ہوا۔ اسی سال اس نے قریش اور دوسرے عرب قبائل میں اسلام کے خلاف تبلیغ شروع کر دی۔ جنگ احد جن لوگوں کی مذموم کوششوں سے ہوئی ان میں یہ بدبخت شامل تھا اور کہا جاتا ہے کہ احد کے میدان جنگ میں اسی نے وہ گڑھے کھدوائے تھے جن میں سے ایک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گر کر زخمی ہوئے۔ پھر جنگ احزاب میں جو لشکر ہر طرف سے مدینہ پر چڑھ آئے تھے، ان کو چڑھا لانے میں بھی اس کا حصہ نمایاں تھا۔ اس کے بعد جنگ حنین تک جتنی لڑائیاں مشرکین عرب اور مسلمانوں کے درمیان ہوئیں ان سب میں یہ عیسائی درویش اسلام کے خلاف شرک کا سرگرم حامی رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ عرب اسلام کے زیر نگین آ گیا ہے تو اس نے روم کا سفر کیا اور وہاں جا

---

۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، تفہیم القرآن، تعارف سورۃ التوبہ۔

Marfat.com

کر ایک سپر طاقت کو اسلام کے خلاف اکسانا شروع کیا اور اسی کی روک تھام کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک کی مہم پر جانا پڑا۔

ابو عامر مدینہ منورہ میں ہونے والی تمام سازشوں کا سرغنہ تھا اور یہاں کے تمام منافقین اسی کو بڑا مانتے تھے وہ اپنے مذہبی اثر کو استعمال کر کے اسلام کے خلاف قیصر روم اور شمالی عرب کے عیسائی ریاستوں سے فوجی امداد حاصل کرتا تھا۔ جب وہ روم کی طرف روانہ ہونے لگا تو اس کے اور ان منافقوں کے درمیان یہ قرارداد منظور ہوئی کہ مدینہ میں یہ لوگ اپنی ایک الگ مسجد بنالیں گے تاکہ عام مسلمانوں سے بچ کر منافقین کی علیحدہ جتھہ بندی اس طرح کی جا سکے کہ اس پر مذہب کا پردہ پڑا رہے اور آسانی سے اس پر کوئی شبہ نہ کیا جا سکے، اور وہاں نہ صرف یہ کہ منافقین منظم ہو سکیں اور آئندہ کارروائیوں کے لئے مشورے کر سکیں، بلکہ ابو عامر کے پاس سے جو ایجنٹ خبریں اور ہدایات لے کر آئیں وہ بھی غیر مشتبہ فقیروں اور مسافروں کی حیثیت سے اس مسجد میں ٹھہر سکیں۔ یہ تھی وہ ناپاک سازش جس کے تحت وہ مسجد تیار کی گئی تھی جس کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ[1]

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوتِ حق کو) نقصان پہنچائیں، اور (خدا کی بندگی کرنے کے بجائے) کفر کریں، اور اہلِ ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اُس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا

---

[1] سورۃ التوبہ: ۱۰۷ ۱۰۸۔

Marfat.com

اور اُس کے رسولؐ کے خلاف بر سرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہر گز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اوّل روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔"

مدینہ میں اس وقت دو مسجدیں تھیں (بنو سلمی کی مسجد جو اب قبلتین ہے اور اسی طرح ایک دو مساجد بھی تھیں)۔ ایک مسجدِ قبا جو شہر کے مضافات میں تھی، دوسری مسجدِ نبوی جو شہر کے اندر تھی۔ ان دو مسجدوں کی موجودگی میں ایک تیسری مسجد بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اور وہ زمانہ ایسی احمقانہ مذہبیت کا نہ تھا کہ مسجد کے نام سے ایک عمارت بنا دینا بجائے خود کارِ ثواب ہو قطع نظر اس سے کہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو بلکہ اس کے برعکس ایک نئی مسجد بننے کے معنی یہ تھے کہ مسلمانوں کی جماعت میں خواہ مخواہ تفریق رونما ہو جسے ایک صالح اسلامی نظام کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ مجبور ہوئے کہ اپنی علیٰحدہ مسجد بنانے سے پہلے اس کی ضرورت ثابت کریں۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس تعمیر نو کے لیے یہ ضرورت پیش کی کہ بارش میں اور جاڑے کی راتوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً ضعیفوں اور معذوروں کو، جو اِن دونوں مسجدوں سے دور رہتے ہیں، پانچوں وقت حاضری دینی مشکل ہوتی ہے، لہٰذا ہم محض نمازیوں کی آسانی کے لئے یہ ایک نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

ان پاکیزہ ارادوں کی نمائش کے ساتھ جب یہ مسجد ضرار بن کر تیار ہوئی تو یہ اشرار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرمادیں۔ مگر آپؐ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس وقت میں جنگ کی تیاری میں مصروف ہوں اور ایک بڑی مہم در پیش ہے، اس مہم سے واپس آکر دیکھوں گا۔ اس کے بعد آپ تبوک کی طرف روانہ ہوگئے اور آپ کے پیچھے یہ لوگ اس مسجد میں اپنی جتھہ بندی اور سازش کرتے رہے، حتٰی کے انہوں نے یہاں تک طے کر لیا کہ ادھر رومیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قلع قمع ہو اور ادھر یہ فوراً ہی عبداللہ ابن ابیّ کے سر پر تاج رکھ دیں۔ لیکن تبوک میں جو معاملہ پیش آیا اس نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ واپسی پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب ذِی اَوان کے مقام پر پہنچے تو یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیج دیا تاکہ آپؐ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے وہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں۔

یعنی ان لوگوں کو منافقانہ مکر و دغا کے اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر کے اپنے دلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایمان کی صلاحیت سے محروم کر لیا ہے اور بے ایمانی کا روگ اس طرح ان کے دلوں کے ریشے ریشے میں پیوست ہو گیا ہے کہ جب تک ان کے دل باقی ہیں، یہ روگ بھی ان میں موجود رہے گا۔ خدا سے کفر کرنے کے لیے جو شخص علانیہ بت خانہ بنائے، یا اس کے دین سے لڑنے کے لیے کھلم کھلا مورچے اور دمدمے تیار کرے، اس کی ہدایت تو کسی نہ کسی وقت ممکن ہے، کیونکہ اس کے اندر راستبازی، اخلاص اور اخلاقی جرأت کا وہ جوہر تو بنیادی طور پر محفوظ رہتا ہے جو حق پرستی کے لیے بھی اسی طرح کام آسکتا ہے جس طرح باطل پرستی کے کام آتا ہے۔ لیکن جو بزدل جھوٹا اور مکار انسان کفر کے لیے مسجد بنائے

Marfat.com

اور خدا کے دین سے لڑنے کے لیے خدا پرستی کا پر فریب لبادہ اوڑھے، اس کی سیرت کو تو نفاق کی دیمک کھا چکی ہوتی ہے۔ اس میں یہ طاقت ہی کہاں باقی رہ سکتی ہے کہ مخلصانہ ایمان کا بوجھ سہار سکے۔[1]

تبوک سے کامران وشادمان واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے جاہ وجلال اور جذبے سے جب مدینہ میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ نے پرتپاک استقبال کیا، لوگ باہر نکل کر ثنیہ الوداع پر پہنچ گئے۔ بالکل وہی منظر تھا جو آپ کی مکہ سے ہجرت کے وقت تھا اور بچیاں وہی نغمے گا رہی تھیں جو اس وقت زبان زد عام تھے: طلع البدر علینا من ثنیات الوداع، دراصل یہ کفر کی باقیات پر آخری کیل تھا جو لگا دیا گیا تھا، اب جزیرۃ العرب کے مضافات میں کوئی بھی ایسی بڑی طاقت نہ تھی جو ریاست اسلامی کے مقابلے میں کھڑی ہو سکتی۔ اس کے بعد جو بھی جنگیں ہوئی وہ باہر ہی ہوئیں دشمن کو اس طرف دیکھنے تک کی جرأت نہ رہی، اس طرح داخلی دشمن بالکل دم توڑ گئے، یا تو مسلمان ہو گئے یا خاموش ہو گئے اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم تو نہ سہی آئندہ نسلیں مسلمان ہی رہیں گی۔

تبوک کی مہم سے پیچھے رہ جانے والوں کا انجام

تبوک میں جانا ایمان کا امتحان اور معیار قرار پایا، جو نہیں گئے ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جن لوگوں کو حکم دیا گیا کہ آپ نے مدینہ میں رہنا ہے جیسے حضرت علی اور حضرت محمد بن مسلمہ۔

۲۔ معذور: یعنی مریض، کمزور، غریب ترین جن کے پاس سامان اور سواری ہی نہ تھی، اور روتے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ اس قدر عظیم کام سے محرورم ہو رہے ہیں۔

---

۱ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، ابو شہبۃ، السیرۃ النبویۃ، ۲/۵۰۷ و تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ التوبہ، تفسیر آیات: ۱۰۸-۱۰۷۔

Marfat.com

۳۔ منافق جھوٹے: ان میں ۸۰ سے کچھ زیادہ منافق تھے اور تین سچے مومن بھی تھے۔ منافقین جھوٹے عذرات پیش کرتے گئے اور حضور ان کی معذرت قبول کرتے چلے گئے۔ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا، اسی پر سورۃ التوبہ: آیات: ۹۴- ۹۸ میں تبصرہ ہوا ہے:

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ....... القوم الفاسقین تم جب پلٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو یہ طرح طرح کے عذرات پیش کریں گے، مگر تم صرف کہہ دینا کہ "بہانے نہ کرو، ہم تمہاری کسی بات کا اعتبار نہ کریں گے۔ اللہ نے ہم کو تمہارے حالات بتا دیے ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرزِ عمل کو دیکھے گا۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب کا جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔" تمہاری واپسی پر یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے صَرفِ نظر کرو۔ تو بے شک تم اِن سے صَرفِ نظر ہی کر لو، کیونکہ یہ گندگی ہیں اور ان کا اصلی مقام جہنّم ہے جو ان کی کمائی کے بدلے میں انہیں نصیب ہوگی۔ یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

۴۔ سست اور ڈھیلے پن والے: ان میں تین افراد نمایاں ہیں یعنی کعب بن مالک و مرارۃ بن ربیع و ھلال ابن اَبی اُمیۃ۔ انہوں نے نبی کریم سے جھوٹ بول کر جان نہیں چھڑائی تھی بلکہ صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور کہہ دیا کہ سستی ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے ان تینوں کے معاملہ میں فیصلہ کو ملتوی کر دیا، آپ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا اور عام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ جب تک خدا کا حکم نہ آئے، ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے۔ پھر ان کے معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى

Marfat.com

إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ [1]

"اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور اُن مہاجرین وانصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ اُن میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے، (مگر جب اُنہوں نے اُس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبیؐ کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے اُنہیں معاف کر دیا، بے شک اُس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔ اور اُن تینوں کو بھی اُس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کی اپنی جانیں بھی اُن پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے اُن کی طرف پلٹا تاکہ وہ اُس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔)

سستی سے پیچھے رہ جانے والے اور اپنے آپ کو سزا دینے والے

تبوک سے واپسی پر آپؐ نے کھرے اور کھوٹے کو نہ صرف الگ کر کے رکھ دیا بلکہ پہلے جب منافقین ذلت آمیز حرکات کرتے تھے تو ان کو باز پرس نہ کی جاتی تھی، ان کی دشمنی کے اظہار کے باوجود ان کو اپنا قرار دیا جاتا تھا لیکن غزوہ تبوک کے بعد ان کو قرار واقعی سزائیں دی گئیں، ان کو معاشرے سے باہر نکالا گیا، ان کو غیر مسلم قرار دیا گیا، جب کہ ایسے کمزور دل یا کمزور ایمان والے لوگ جو دل سے اور اخلاص سے ایمان تو لاتے تھے لیکن سستی کرتے تھے، ان کو بھی آڑے ہاتھوں لیا، ان کی کمزوری کی سزا دی گئی۔

---

1 سورۃ التوبہ: ۱۱۷، ۱۱۸۔

Marfat.com

جن تین حضرات کی قرآن کریم نے براءت نازل کی ان کے علاوہ سات لوگ مزید تھے جو تبوک میں سستی کی وجہ سے نہیں گئے تھے، تاریخ اور سیرت میں ان کو ابولبابہ اور ساتھی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ دس تھے۔ ان لوگوں نے نبی کریم کی واپسی پر سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا، آپ کا گزر ہوا تو دریافت فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا گیا ابولبابہ اور ان کے ساتھی، یہ لوگ تبوک نہیں جا سکے اور اب سزا کے طور پر انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو اس وقت تک آزاد نہ کریں گے جب تک کہ آپؐ ان سے راضی نہ ہو جائیں یا آپ خود ان کو کھول نہ دیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں انہیں نہیں کھولوں گا اور ان کا عذر قبول نہ کروں گا یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے معافی آ جائے، یہ مجھ سے دور ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ جہاد پر نہیں گئے۔ جب ان تک یہ بات پہنچی تو کہنے لگے ٹھیک ہے اس وقت تک یہیں رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں سے آزاد نہ کر دے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ [1]

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے، کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبیؐ، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ، اور ان کے حق میں دعائے

---

۱ سورۃ التوبہ، آیات: ۱۰۳-۱۰۲۔

Marfat.com

رحمت کرو کیونکہ تمہاری دُعا ان کے لیے وجہ تسکین ہو گی، اللہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے۔"

عام الوفود

سال ۹ ہجری کو سیرت نگاروں نے عام الوفود قرار دیا ہے۔ اس سال جزیرۃ العرب میں مکمل امن قائم ہو چکا تھا اور دور دراز تک اسلام کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ مسلم افواج نے نہ صرف یہ کہ جزیرۃ العرب کو مسخر کر لیا تھا بلکہ جزیرہ سے باہر وقت کی سپر طاقت بھی تین لاکھ فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے نہ ٹھیر سکی تھی، اس صورتِ حال میں دور ونزدیک سے تمام چھوٹی بڑی طاقتیں خود اور اپنے نمائندے مدینہ منورہ بھیج رہے تھے تاکہ آپؐ کی قیادت میں قائم ہونے والے اس بڑے ملک کے ساتھ معاملات طے کر سکیں شاید اسی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرض ہونے کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کے لیے نائب بنا کر بھیجا تھا اور خود مدینہ میں اِن بین الاقوامی مسائل کے حل کے لیے تشریف فرما رہے۔ اس عرصے میں جن بڑے بڑے قبائل نے نمائندے بھیجے اور ملاقاتیں کیں ان میں درج ذیل اہم ترین ہیں: وفد بنی اسد، قبیلہ عذرہ، وفد مزینہ، وفد بنو عبس، وفد جرش اور وفد بنی طے، وفد بنو سعد بن بکر، عامل روم فردہ بن عمرو جذامی کا وفد اور قبیلہ ذی مرہ، وفد بنی منتفق، وفد بنو عامر اور وفد بنوازدان۔ تمام وفود نے ذی الحجہ ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا۔

نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ

نجاشی حبشہ کا بادشاہ اصحمہ بن ابجر ہجرت حبشہ کے وقت ایمان لے آیا تھا اور اس نے مسلمانوں کی بہت خدمت وقدر کی تھی، وہ رجب ۹ ہجری کو فوت ہو گیا تو آپؐ نے اس کا غائبانہ نماز جنازہ ادا کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نجاشی فوت ہوا تو آپ نے فرمایا: "آج ایک نیک آدمی فوت ہوا ہے اٹھو اور اپنے بھائی اصحمہ کی نماز جنازہ ادا

Marfat.com

کرو۔"(۱)

سیدہ ام کلثومؓ کی وفات

سیدہ ام کلثوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ حضرت رقیہ کے بعد حضرت عثمان کے عقد میں آئی تھیں۔ یہ وہی خوش قسمت بی بی تھیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا تھا: "حفصہ سے وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بہتر ہو گا اور عثمان اس سے نکاح کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہو گی"، یہ بات سن کر حضرت عمر حیرت زدہ ہو کر سوچنے لگے، اور چند دنوں کے بعد حضرت حفصہ سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور حضرت عثمان کو اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم بیاہ دی۔ اس سے پہلے حضرت رقیہ ان کے عقد میں تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان کا لقب ذی النورین پڑ گیا تھا۔

سیدہ ام کلثوم ۹ ہجری کے شعبان یا رمضان میں انتقال کر گئیں جب کہ ۳ ہجری میں ان کی شادی حضرت عثمان سے ہوئی تھی، خود نبی کریم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دفن کے وقت آپؐ کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

عبداللہ بن اُبَی کی موت

عبداللہ بن اُبَی یثرب کے سرداروں میں سے بہت با اثر سردار تھا، آپؐ کی ہجرت سے پہلے وہاں کے مشرک قبائل نے اس کو اپنا سردار چن لیا تھا اور آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کے سر پر تاج نہ سج سکا تھا، یہ ایسا صدمہ تھا جو اس کے حق میں نفاق کا مرض بن گیا۔ بظاہر وہ مسلمان ہو گیا؛ لیکن درپردہ سازشوں سے آپؐ اور مسلمانوں کا بدترین دشمن رہا، اسی لیے اسے رئیس المنافقین کہا جاتا ہے، شوال ۹ ہجری کو وہ سخت بیماری میں مبتلا ہوا اور بیس روز تک تڑپتا رہا۔ اسی دوران میں آپؐ اپنی عادت شریفہ کے مطابق اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۸۷۷۔

Marfat.com

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی بن سلول فوت ہوا تو آپؐ کو نمازِ جنازہ کے لیے بلایا گیا، جب آپ کھڑے ہوئے میں چھلانگ لگا کر آپ کے پاس پہنچا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ اس کی جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ اس کے تو یہ اور یہ کرتوت رہے ہیں، آپ مسکرائے اور فرمایا: پیچھے ہٹو۔ جب میں نے زیادہ زور لگایا تو فرمانے لگے اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں اور اگر مجھے ستر بار سے زیادہ بھی اس کی مغفرت مانگنا پڑی تو مانگوں گا:

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔[1]

(اے پیغمبر) چاہے تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو (دونوں برابر ہیں) اگر ستر بار بھی ان کے لیے استغفار کروگے تب بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نماز پڑھ کر واپس تشریف لے گئے تو تھوڑی ہی دیر میں یہ آیت نازل ہوگئی: وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ[2]

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی اس جرأت پر تعجب ہو رہا تھا کہ میں آپؐ کو

---

1 سورۃ التوبہ: ۸۰۔

2 سورۃ التوبہ: ۸۴۔

Marfat.com

منع کر رہا تھا (اور قرآن بھی ان کی رائے کے مطابق نازل ہوا)۔[1]

عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ بہت جلیل القدر صحابی تھے، کئی مواقع پر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حمایت میں اپنے باپ سے لڑائی کی تھی، اس موقع پر انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ اپنی وہ قمیض جو آپ نے اندر پہنی ہے، میرے باپ کو پہنا دیں شاید اس کو معافی مل جائے آپ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے قمیص بھی عطا فرمادی۔[2]

اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ کو منافقین کی جنازہ کی نماز پڑھنے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے سے صاف طور پر منع فرمادیا گیا، اس کے علاوہ بذریعہ وحی یہ بھی حکم دیا گیا کہ اب ان کے ساتھ کافروں سے بدتر معاملہ کیا جائے۔ اگر یہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو ان کو ساتھ نہ لیا جائے اور ان کی مالی امداد بھی قبول نہ کی جائے۔

آپؐ کی عمر مبارک ۶۲ سال ۲ ماہ تھی جب ربیع الاول/۱۰ ہجری کو وفد نجران برائے مباہلہ آیا۔ اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

شعبان ۱۰ ہجری میں وفد خولان مدینہ آیا اور اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح غسان نے اسی سال رمضان میں اسلام قبول کیا اور یہ مضافات کی بڑی طاقتیں تھیں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے یمن بھیجا اور ایک ہی دن میں ہمدان پورے کا پورا اسلام میں داخل ہوگیا، اور وفد سلامان نے ۱۰ ہجری شوال میں آکر اسلام قبول کرلیا۔ اور وفد محارب نے بھی شوال کے اواخر میں اسلام قبول کرلیا اس طرح تقریباً سو فی صد جزیرۃ العرب اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگیا۔

بیس روز کا اعتکاف

رمضان ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے پورے بیس روز کا اعتکاف کیا حالانکہ

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۶۷۱۔

2 متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۳۵۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۷۳۔

Marfat.com

عادت مبارکہ یہ تھی کہ ہر سال آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے، اور اس اعتکاف میں خود جبریل علیہ السلام سے مل کر دو مرتبہ قرآن کریم کا دور مکمل کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ ہر سال دس روز کا اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال رخصت ہونے کا وقت قریب ہوا تو آپ نے بیس روز اعتکاف فرمایا۔[1]

فرضیتِ حج

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ فرضیت حج ۹ ہجری میں ہوئی، اس سے پہلے حج کرنا فرض نہ تھا، فتح مکہ آٹھ ہجری میں ہوا، اور آپ نے عتاب بن اسید کو امیر مکہ بنایا تو انہوں نے اسی سال حج کیا تھا، لیکن وہ فرض نہ تھا، اس لیے کہ اس سے پہلے حج کا فرض ہونا حکمت کے خلاف تھا، کیونکہ مکہ پر قریش کا قبضہ تھا اور مسلمانوں کا وہاں پہنچنا محال تھا، اور اس سے پہلے مکہ کفرستان تھا، اور پھر حج کی فرضیت کے لیے جو آیت مبارکہ نازل ہوئی وہ بھی ۹ ہجری ہی میں نازل ہوئی تھی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا[2]

چنانچہ فرضیت حج کے فوراً بعد آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کو حج کے لیے روانہ فرمایا اور خود بوجوہ اس حج کو اگلے سال تک مؤخر کیا۔ اس وقت تک مشرکین کثیر تعداد میں مکہ میں موجود تھے۔ اس حج میں اعلان کیا جاتا رہا کہ اس سال کے بعد مشرکین کو حج کی اجازت نہ ہوگی اور نہ کسی کو ننگا ہو کر حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ اس سے پہلے لوگ برہنہ خانہ کعبہ کا حج اور طواف کیا کرتے تھے۔ آپ نے بطور خاص حج کے قافلوں کی روانگی کے بعد حضرت علی کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جا کر حج میں اعلان کرا دو کہ اس سال کے بعد مکہ مکرمہ میں مشرکین کا داخلہ بند ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی یوم النحر کو منیٰ میں کھڑے ہو گئے اور حکومتی پالیسی کا اعلان کرتے رہے کہ ۱۔اس سال کے بعد مشرک حج نہیں کریں گے ۲- ننگے بدن حرم میں داخلے کی اجازت نہ

---

[1] صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۴۴۔

[2] سورۃ آل عمران: ۹۷۔

Marfat.com

ہو گی ۳- جس شخص کے اور نبی کریم کے درمیان کوئی معاہدہ ہے، وہ معاہدے کی مدت پوری کرے گا اور جس کے ساتھ معاہدہ نہیں ہے اس کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر ہے، اس میں وہ چلا جائے ۴- جنت میں مؤمن ہی داخل ہو گا، اور اس سال کے بعد یہاں مسلمان اور کافر اکٹھے حج نہیں کریں گے۔[1]

سرکاری سطح پر محصولات کی وصولی

اسلامی ریاست کے معاشی اور اقتصادی معاملات کی انجام دہی کے لیے اسی سال یعنی ۹ ہجری میں تمام ریاست میں آپؐ نے اپنے عمال اور امراء روانہ کیے تاکہ وہاں کے لوگوں سے زکوٰۃ، صدقات اور محصولات وصول کریں۔ جن علاقوں یا قبائل کی طرف عمال کو بھیجا ان میں سے قابل ذکر صنعاء، حضرت موت، بحرین، نجران اور قبیلہ طی بنی اسد بنی حنظلہ شامل تھے۔[2]

نبی کریم ﷺ کی ازواج سے ایک ماہ کی علیحدگی

رسول اللہ ﷺ کے گھریلو حالات اور مسائل بھی امت کے لے سبق اور نصیحت لیے تھے اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے بارے میں جو کچھ تم رات کی تاریکی میں دیکھو یا سنو اس کو دن کے اجالے میں بیان کر دیا کرو، یہی وجہ ہے کہ آپ کے عائلی معاملات پر بھی قرآن کریم میں تبصرے موجود ہیں بطور خاص آپ کی اپنی ازواج سے ناراضی اور ازواج کی طرف سے چند ایسے مطالبات جن کو آپ پسند نہ کرتے تھے، ان کو خود قرآن کریم نے سورۃ الاحزاب اور سورۃ التحریم میں بیان کر دیا تاکہ امت کو اس میں سبق اور درس ملے اور تاقیامت مسلمان ان آیات کو پڑھیں اور آنے والی نسلوں کو آگاہ کریں۔

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے آپس کے رشک و رقابت میں مل جل کر حضورؐ کو تنگ کر دیا تھا۔ (اجتمع نساء النبی ﷺ فی

---

1 مسند احمد، حدیث نمبر: ۵۹۴۔

2 سیرۃ ابن ہشام: ۴/ ۱۴۴۔

Marfat.com

الغیرۃ علیہ)۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ بعید نہیں اگر نبی کریم تم کو طلاق دے دیں تو اللہ تم سے بہتر ازواج آپؐ کو عطا فرما دے۔ حضرت عمر نے کہا: مجھے خبر پہنچی کہ امہات المؤمنین اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی ہے۔ اس پر میں ان میں سے ایک ایک کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ کو تنگ کرنے سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کو عطا فرما دے گا۔ یہاں تک کہ جب میں امہات المومنین میں سے آخری کے پاس گیا (اور یہ بخاری کی ایک روایت کے بموجب حضرت ام سلمہؓ تھیں) تو انہوں نے مجھے جواب دیا اے عمر، کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کی نصیحت کے لیے کافی نہیں ہیں کہ تم انہیں نصیحت کرنے چلے ہو؟ اس پر میں خاموش ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:[1]

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا[2]

حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجات سے علیحدگی اختیار فرمائی تو میں مسجد نبوی میں پہنچا۔ دیکھا لوگ متفکر بیٹھے ہوئے کنکریاں اٹھا اٹھا کر گرا رہے ہیں اور آپس میں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عائشہ اور حفصہ کے ہاں اپنے جانے اور ان کو نصیحت کرنے کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ " میں رسول اللہ ﷺ کی

---

1 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب حاشیہ ۴۱، اور دیباچہ سورہ احزاب صفحہ ۸۴۔

2 سورۃ التحریم: ۴-۵۔

Marfat.com

خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا "بیویوں کے معاملہ میں آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اگر آپ ان کو طلاق دے دیں تو اللہ آپ کے ساتھ ہے، سارے ملائکہ اور جبریل و میکائیل آپ کے ساتھ ہیں اور میں اور ابو بکر اور سب اہل ایمان آپ کے ساتھ ہیں۔ میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ کم ہی ایسا ہوا ہے میں نے کوئی بات کہی ہو اور اللہ سے یہ امید نہ رکھی ہو کہ وہ میرے قول کی تصدیق فرما دے گا چنانچہ اس کے بعد سورۃ تحریم کی یہ آیات نازل ہو گئیں۔ پھر میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ اس پر میں نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر باآواز بلند اعلان کیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔"

نبی کریمؐ نے ایک مہینہ تک کے لیے اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا عہد فرمالیا تھا اور اپنے بالاخانے میں بیٹھ گئے تھے۔ ۲۹ دن گزر جانے پر جبریل علیہ السلام نے آکر کہا آپ کی قسم پوری ہو گئی ہیں، مہینہ مکمل ہو گیا۔[1]

سید ابو الاعلی مودودی ازواج مطہرات کے ان مسائل کے بارے میں سورۃ الاحزاب اور سورۃ التحریم کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ ازواج اگرچہ معاشرے کی بہترین خواتین تھیں مگر بہر حال تھیں انسان ہی، اور بشریت کے تقاضوں سے مبرا نہ تھیں۔ کبھی ان کے لیے مسلسل عسرت کی زندگی بسر کرنا دشوار ہو جاتا تھا اور وہ بے صبر ہو کر حضورؐ سے نفقہ کا مطالبہ کرنے لگتیں۔ اس پر اللہ تعالی نے سورہ احزاب کی آیات ۲۸۔ ۲۹ نازل فرما کر

---

1 اس واقعے کو قریب قریب تمام مفسرین نے سورۃ التحریم کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور حدیث کی اہم ترین کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ مسند احمد وغیرہ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں، مثال کے طور پر دیکھیے صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۲۰۳۔

Marfat.com

ان کو تلقین کی اگر تمہیں دنیا کی خوشحالی مطلوب ہے تو ہمارا رسول تم کو بخیر و خوبی رخصت کر دے گا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو پھر صبر و شکر کے ساتھ ان تکلیفوں کو برداشت کرو جو رسول کی رفاقت میں پیش آئیں[1] مزید لکھتے ہیں: پھر کبھی نسائی فطرت کی بنا پر ان سے ایسی باتوں کا ظہور ہو جاتا تھا جو عام انسانی زندگی میں معمول کے خلاف نہ تھیں، مگر جس گھر میں ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، اس کی شان اور اس کی عظیم ذمہ داریوں سے وہ مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ ان باتوں سے جب یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کہیں تلخ نہ ہو جائے اور اس کا اثر اس کارِ عظیم پر مترتب نہ ہو جو اللہ تعالیٰ حضورؐ سے لے رہا تھا، قرآن مجید میں سورۃ التحریم کی مذکورہ بالا آیات نازل کر کے ان کی صلاح فرمائی گئی تا کہ ازواج مطہرات کے اندر اپنے اس مقام اور مرتبے کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو جو اللہ کے آخری رسولؐ کی رفیق زندگی ہونے کی حیثیت سے ان کو نصیب ہوا تھا، اور وہ اپنے آپ کو عام عورتوں کی طرح اور اپنے گھر کو عام گھروں طرح نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس آیت (إن طلقكن) کا پہلا ہی فقرہ ایسا تھا کہ اس کو سن کر ازواج مطہرات کے دل لرز اٹھے ہوں گے۔ اس ارشاد سے بڑھ کر ان کے لیے تنبیہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ "اگر نبی تم کو طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اللہ اس کو تمہاری جگہ تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے۔" اوّل تو نبی کریم ﷺ سے طلاق مل جانے کا تصور ہی ان کے لیے ناقابل برداشت تھا، اس پر یہ بات مزید کہ تم سے امہات المؤمنین ہونے کا شرف چھن جائے گا اور دوسری عورتیں جو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں لائے گا وہ تم سے بہتر ہوں گی۔ اس کے بعد تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ازواج مطہرات سے پھر کبھی کسی ایسی بات کا صدور ہوتا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کی نوبت آتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بس دو ہی مقامات ہم کو ایسے ملتے ہیں جہاں ان برگزیدہ خواتین کو تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ ایک سورۃ احزاب،

---

1 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب حاشیہ ۴۱، اور دیباچہ سورہ احزاب صفحہ ۸۴۔

Marfat.com

دوسرے یہ سورہ تحریم۔ (۱)

وفات ابراہیم بن رسول اللہ

سیدنا ابراہیم بن محمد رسول اللہ، آپؐ کی پہلی اور آخری اولاد تھے جو حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ آپؐ کی ساری اولاد یعنی چار بیٹیاں اور دو بیٹے سیدہ خدیجہ سے تھے اور ساتواں بیٹا حضرت ماریہ قبطیہ سے تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ، نبی کریم ﷺ کو مصر کے بادشاہ مقوقس مصر کی طرف سے تحفہ میں ملی تھیں، اس لحاظ سے اہل مصر صاحبزادۂ رسول کے ننہال بنتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور اسلام کا علم چاروں تک لہرا رہا تھا، یہ کامیابیوں ترقیوں اور اسلام کے تیزی سے پھیلنے کا سال تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر مبارک اس وقت ۱۸ ماہ تھی جب ان کا انتقال ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کھیلتے، ہنستے اور اپنے بڑوں کی محبت کا مرکز بنے ہوئے تھے، آپؐ ان سے بے حد پیار کرتے تھے اور ان کی وفات پر بے حد غمگین ہوئے۔ (۲)

صاحبزادے کی وفات پر آپ نے اسے بقیع میں دفن کرایا اور فرمایا کہ اللہ نے اس بچے کے لیے جنت میں دائی اماں کا اہتمام کیا ہے۔ امام احمد نے روایت بیان کی ہے کہ یہ اپنا بقیہ دودھ جنت میں پیئے گا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ابراہیم بن رسول اللہ بروز منگل ۲۰ ربیع الاوّل سن ۱۰ ہجری کو فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ۱۸ ماہ تھی۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کا کسی کے مرنے اور جینے سے کوئی تعلق نہیں

انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتْ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ

---

۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، حوالہ بالا، جلد ششم سورۃ التحریم حاشیہ ۳، ۴، ۶۔

۲ السہیلی، الروض الأنف: ۱ / ۲۰۰۰۔

Marfat.com

آيَاتِ اللهِ، لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ، فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتَّى تَنْكَشِفَ[1]

جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی روح پرواز کر گئی اسی روز سورج کو گرہن ہوا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم کی غمی میں سورج کو بھی گرہن لگ گیا ہے، اس موقع پر آپ نے فرمایا: بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گرہن نہیں ہوتا، اس لیے جب تم ایسی حالت دیکھو تو اللہ سے دعا کیا کرو اور نماز کسوف ادا کیا کرو یہاں تک کہ مطلع صاف ہو جائے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ (ابراہیم) آپ کے ہاتھوں میں تھا اور اس کی سانس اکھڑ رہی تھی، اس موقع پر آپ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں اور فرماتے تھے: انکھیں روتی ہیں دل غمگین ہے مگر ہم وہی کہیں گے جس سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔ اللہ کی قسم اے ابراہیم تم ہمیں غمگین کر کے جا رہے ہو۔[2]

حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں نو سال تک رہے اور آپ نے حج نہیں کیا اور جب دسواں سال ہوا تو آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال میں حج کروں گا، اس اعلان کے مطابق لوگ جوق در جوق مدینہ میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر وہ شخص آ گیا جو کسی بھی طرح سواری پر یا پیدل آ سکتا تھا، پہنچ گیا، سب کی کوشش تھی کہ آپ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرے اور اسی طرح حج

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۰۶۰، ۱۶۹۹ و مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۱۱۷۷۔

2 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۳۰۳۔

Marfat.com

کرے جیسے آپ کریں گے۔[1]

اسے حجۃ الوداع کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے صاف صاف فرمادیا تھا: خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّي لَا أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا[2] "مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، میں آئندہ سال شاید آپ کو نہ مل سکوں۔" حجۃ البلاغ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس خطاب میں آپ نے فرمایا تھا فلیبلغ الشاھد الغائب ألا ھل بلغت۔ اور انھوں نے بہ یک زبان اس کی شہادت دی۔

اس سفر میں تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ظہر کے بعد کوچ فرمایا اور عصر سے پہلے ذوالحلیفہ (ابیارِ علی، میقاتِ مدینہ) پہنچ گئے۔ وہاں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی اور رات بھر وہیں رہے۔ پھر ظہر کی نماز سے پہلے آپؐ نے اِحرام کے لیے غسل فرمایا، نماز ظہر ادا کی، قَصْوَاء اُونٹنی پر سوار ہوئے اور صدائے تکبیر بلند کی۔ ازواج مطہرات میں نو (۹) بیویاں اور صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہؓ ساتھ تھیں۔[3] اس موقع پر چاروں طرف آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ جس شخص نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی (قربانی کا جانور) نہ لایا ہو اسے چاہیے کہ عمرہ کرکے احرام کھول دے اور جس کے ساتھ ھدی ہو وہ جانور کے ذبح ہونے تک احرام نہ کھولے، جس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو وہ اس کو عمرہ میں تبدیل کرے۔ قربانی کے سلسلہ میں حکم ہوا کہ اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔

---

۱ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۴۴۴۰۔

۲ البیہقی، السنن الکبریٰ، حدیث نمبر: ۹۵۳۴۔

۳ فتح مکہ کے سفر میں آپؐ نے جن جن مقامات پر نمازیں ادا فرمائی تھیں، وہاں مساجد تعمیر کرلی گئی تھیں۔

Marfat.com

استقبال کعبہ اور طواف

آنحضرت ﷺ نے وضو فرما کر احرام کی چادر کو بغل سے نکالا، حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف شروع کیا تو تین ہلکی دوڑ کے ساتھ اور چار چکر معمولی رفتار کے ساتھ مکمل فرمائے، ہر چکر میں حجر اسود کا استلام (بوسہ دینا) کیا اور رکن یمانی کو چھوا، حجر اسود کے استلام کے سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ جب آپؐ حجر اسود کے سامنے آئے تو محجن (ایک عصا جس کا سر ٹیڑھا تھا) سے اشارہ فرمایا اور محجن کے سر کو بوسہ دیا، کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیا، کبھی براہِ راست حجر اسود کو چوما۔

مقام ابراہیم پر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز نفل طواف ادا فرمائی، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرمائی۔ نماز کے بعد آب زم زم نوش فرمایا اور اپنے سر پر بھی بہایا، اس کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیا، کوہ صفا کی جانب باہر تشریف لے گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

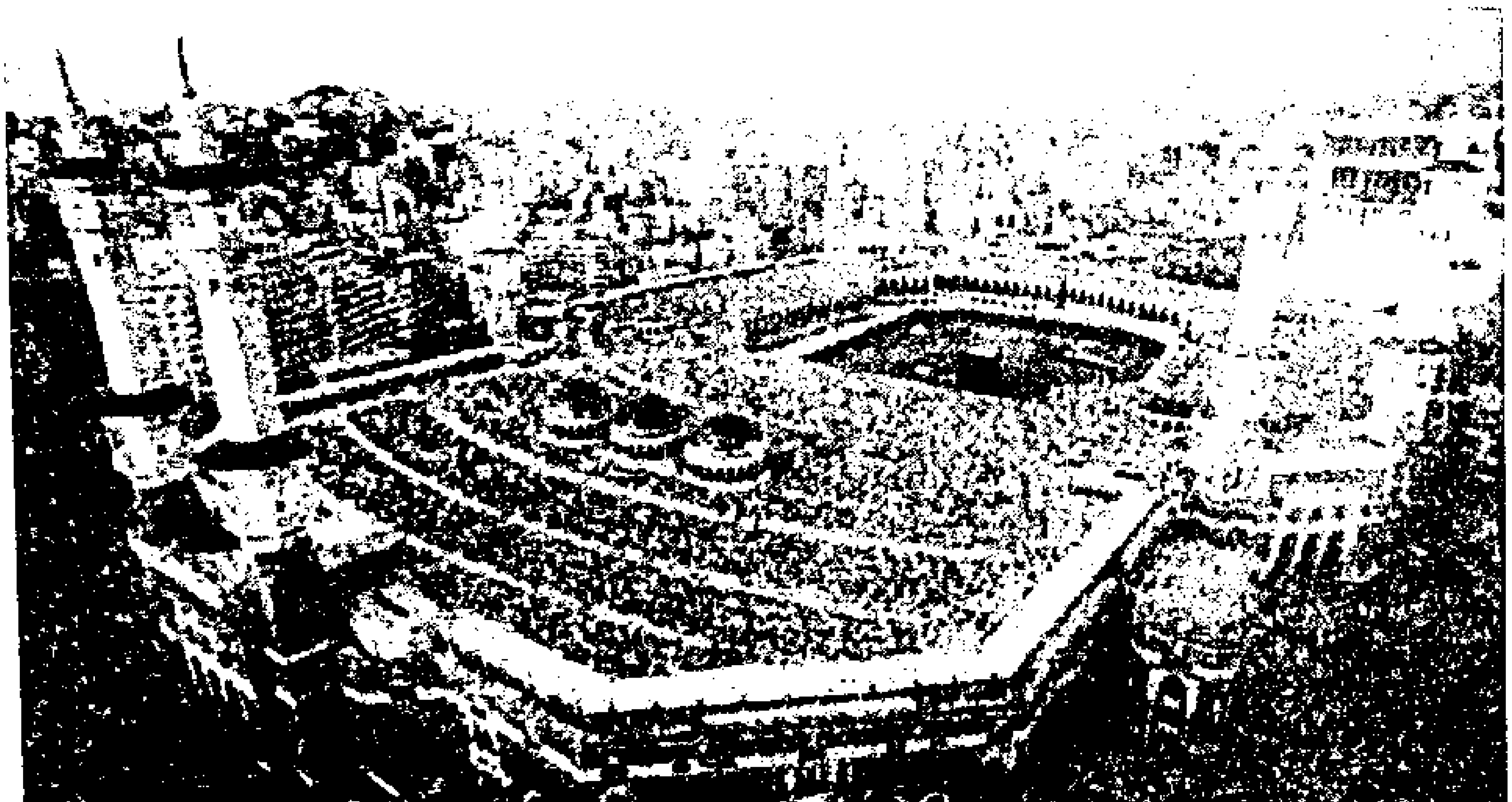

Marfat.com

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (۱)

صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی بیان فرمائی، پھر دعا مانگی اور یہ عمل تین بار دُھرایا۔ صفا سے مروہ کی طرف سعی شروع کی، ساتویں چکر پر مروہ پر پہنچ کر آپؐ نے فرمایا : جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو، وہ اب احرام کھول دے۔ سعی ختم ہونے کے بعد مروہ سے اتر کر آپؐ نے مکہ کے باہر چار دن یعنی اتوار، پیر، منگل اور بدھ قیام فرمایا۔ اس دوران میں نمازیں قصر کر کے ادا فرمائیں۔ ۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو سب نے مقام ابطح میں احرام باندھا اور تلبیہ کہتے ہوئے مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کیں، ۹ ذی الحجہ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی رات نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں گزاری، نماز فجر وہیں ادا کی، سورج نکلا تو عرفات روانہ ہوئے۔

۱ سورۃ البقرۃ: ۱۵۸۔

Marfat.com

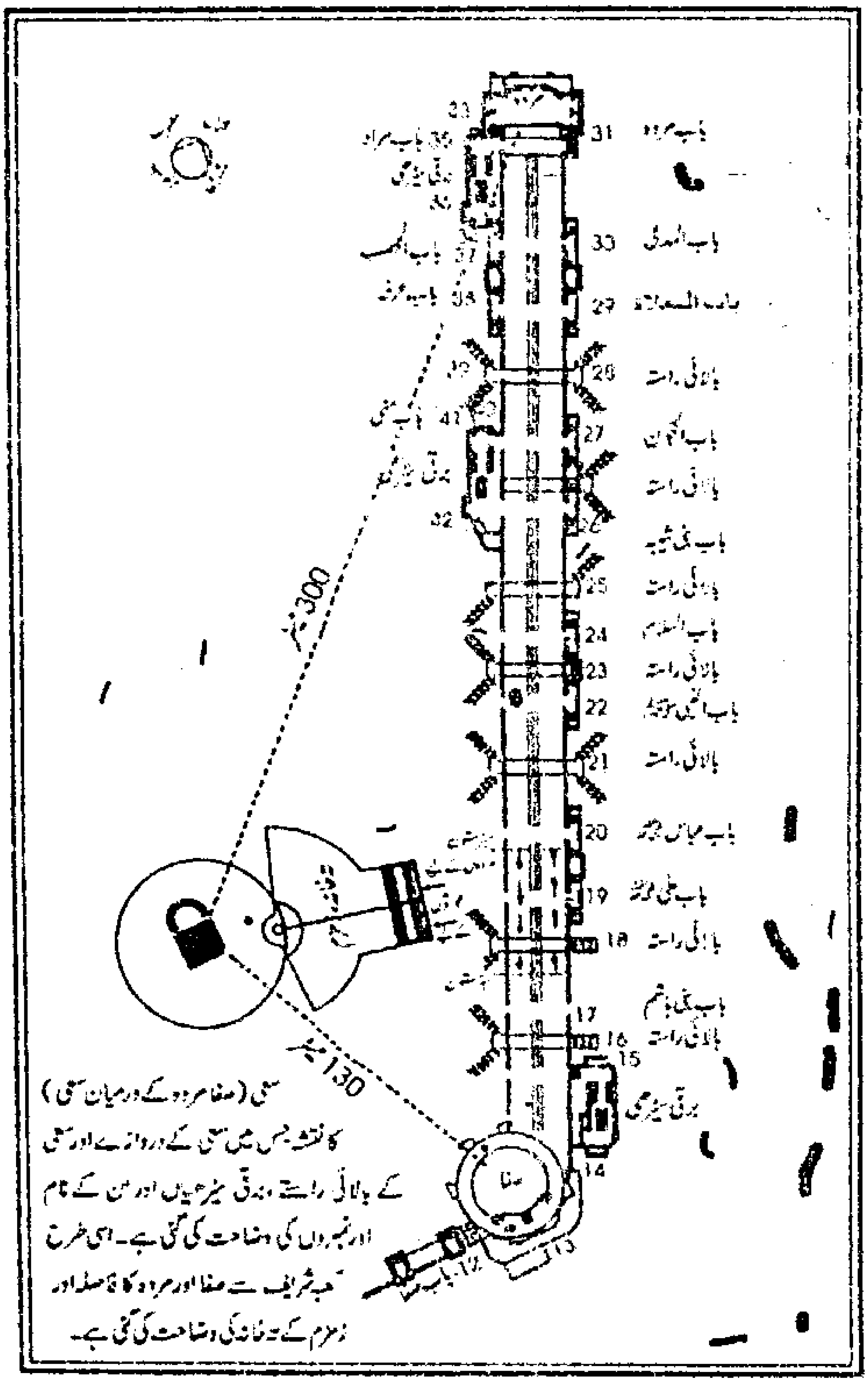

سعی (صفا اور مروہ)

سعی کی لمبائی	394.5 میٹر	چوڑائی	20 میٹر
پہلی منزل کی بلندی	11.75 میٹر	دوسری منزل کی بلندی	8.5 میٹر

Marfat.com

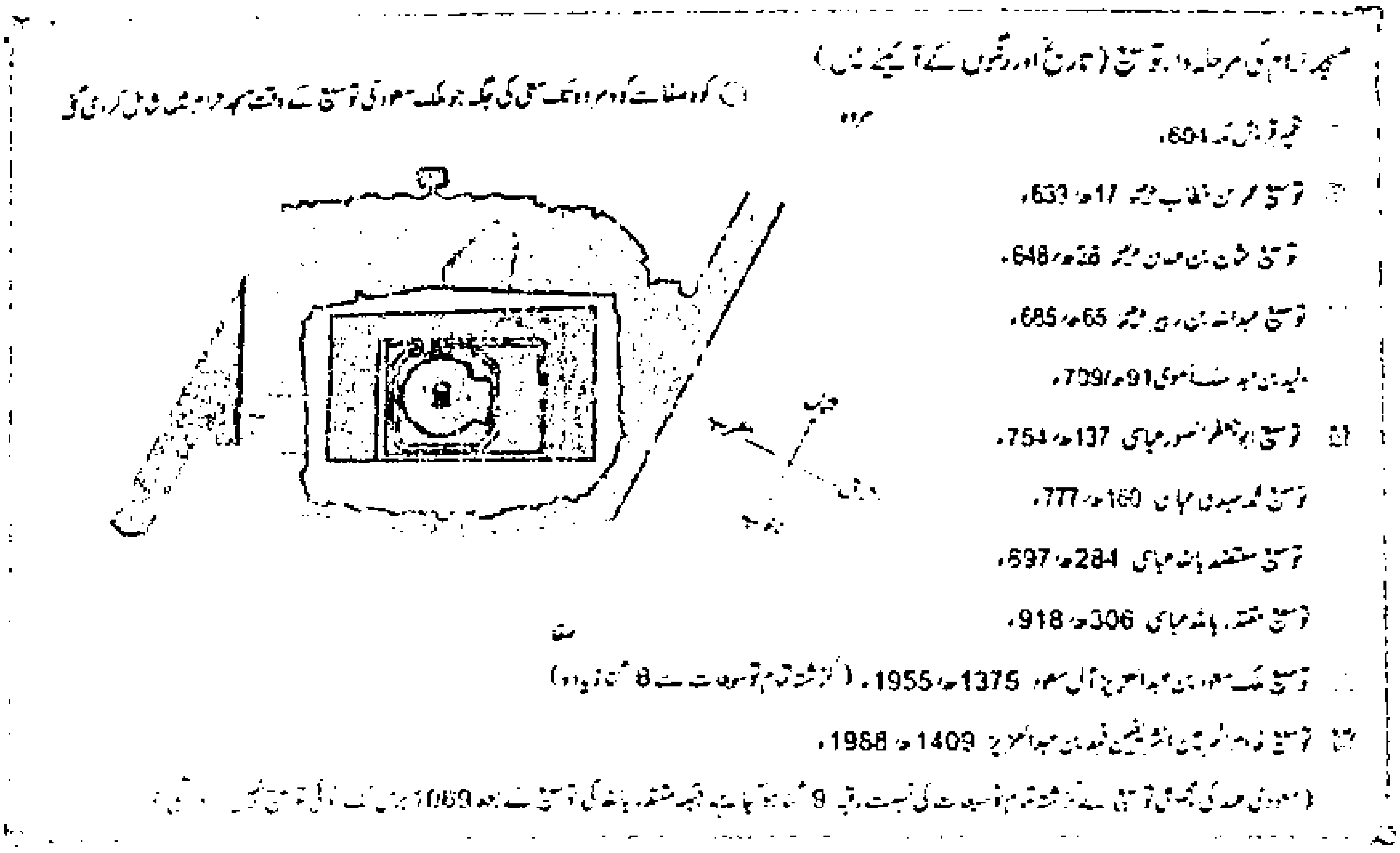

میدانِ عرفات میں نمرہ کے مقام پر اپنے خیمے میں قیام فرمایا اور زوال کے بعد اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

حمد و ثنا کے بعد

"إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بن الْحَارِثِ بن عبد المطلب، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بني سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا: رِبَا عَبَّاسِ بن عبد الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ. فَاتَّقُوا الله فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ الله، وَاسْتَحْلَلْتُم فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ الله، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُم أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ: كِتَابُ الله، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ وفي رواية: مسؤولون

Marfat.com

عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ " قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ رسالات ربك، وَأَدَّيْتَ، وَنَصَحْتَ لأمتك، وقضيت الذي عليك. فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرفَعُهَا إلى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إلى النَّاسِ: "اللهُمَّ اشْهَدْ اللهمَّ اشْهَدْ"[1]

بلا شبہ تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اُسی طرح حرام ہیں، جیسے تمہارے لیے اس دن کی حُرمت ہے، اس مہینے کی حرمت ہے اور اس شہر کی حرمت۔ زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، زمانۂ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں، میں اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا ہے، معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا ہر سود معاف ہے اور اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔ لوگو: تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم اللہ کی ضمانت میں انہیں لیتے ہو، اللہ کے کلمہ پر تم ان کو اپنے اوپر حلال کرتے ہو۔ اُن پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو اُس صورت میں اللہ نے تمہیں اِذن دیا ہے کہ تم انہیں (تادیباً) صرف اس حد تک بدنی سزا دو کہ بدن پر نشان ڈالنے والی ضرب نہ لگے۔ انہیں معروف طریقے کے مطابق (اچھے) کھانے

---

1 سیرت واحادیث کی کتابوں میں یہ طویل واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے مدینہ منورہ سے نکلنے سے لے کر حج کے اختتام تک کا سارا واقعہ بیان کیا ہے، دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۲۲۔

Marfat.com

اور پہناوے کا حق حاصل ہے۔

میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یہ اللہ کی کتاب ہے۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا کہو گے۔ سب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا، حق ادا کر دیا، اپنی امت کی اصلاح کی، جو آپ کے ذمے تھا آپ نے پورا کیا، اس پر آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ تو بھی گواہ رہنا، اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔)

خطبہ عرفات کے الفاظ اور تعبیرات، روایات میں مختلف وارد ہوئے ہیں، کمی اور اضافے بھی ہیں۔ بعض محققین اور سیرت نگاروں نے مختلف روایات کو جمع کر کے خطبے کو ترتیب دیا ہے جس میں عورتوں کی میراث، غلاموں اور کمزوروں کے حقوق پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

خطبہ ختم ہوا، آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں، اقامت کے بعد دو رکعت نماز ظہر ادا فرمائی، قراءت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا، جمعہ نہیں پڑھا، دوسری اقامت پر عصر بھی قصر کر کے پڑھی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرو۔ کسی نے پوچھا، کیا ہر سال حج کریں؟ آپؐ نے خاموشی اختیار کی، اس شخص نے تین بار یہی سوال دُہرایا، کچھ دیر توقف کر کے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر پاتے، میں جب تمہیں چھوڑے رکھوں تو تم بھی مجھے چھوڑ دیا کرو، تم سے پہلے والے اسی لیے ہلاک ہو گئے کہ انھوں نے انبیا سے بہ کثرت سوال کیے اور پھر ان سے اختلاف کیا۔[1] ایک شخص نے پوچھا... محرم کون سے کپڑے پہنے، فرمایا: لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ، فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۲۳۶۔

Marfat.com

أَسْفَلَ مِنَ الكَعْبَيْنِ، وَلاَ تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ أَوْ وَرْسٌ» محرم قمیص پہنے نہ عمامہ باندھے، نہ شلوار پہنے، نہ ٹوپی پہنے نہ موزے، جوتیاں میسر نہ ہوں تو موزے کاٹ کر ٹخنوں کے نیچے کر لے، زعفران یا ورس سے رنگا کر کپڑا نہ پہنے، [1] حضرت میمونہؓ اور اُم الفضلؓ نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، آپ ﷺ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے پی لیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ روزے سے نہیں ہیں، فرمایا: ''میں نے یہاں وقوف کیا ہے لیکن عرفات سارا جائے وقوف ہے سوائے بطنِ عرفہ کے۔'' عرفات میں ایک شخص اونٹ سے گرا اور اونٹ نے کچل کر ہلاک کر دیا، آپؐ نے فرمایا: اسے بیری کے پتوں میں ابلے پانی سے غسل دو، احرام ہی کا کفن دو، نہ خوشبو لگاؤ نہ سر ڈھانپو، بے شک اللہ اس کو قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھائے گا۔''

نبی کریم ﷺ قصویٰ پر سوار ہو کر عرفات تشریف لے گئے، اونٹنی کا پیٹ صخرات (چٹانوں) کی طرف کیا، پیدل چلنے والوں کا راستہ اپنے سامنے رکھا، جبل المشاۃ کے سامنے قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے۔ عرفہ کے دن زیادہ سے زیادہ دعائیں مانگیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، حضرت اسامہؓ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور مزدلفہ کی طرف چل پڑے، راستے میں ایک جگہ اتر کر طہارت سے فارغ ہوئے، پھر وضو کیا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ نماز کا وقت جا رہا ہے، فرمایا: آگے جا کر پڑھیں گے، مزدلفہ پہنچ کر پھر وضو کیا اور ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز جمع کر کے عشا کے وقت ادا فرمائی، یہ ''جمع تاخیر'' کہلاتی ہے، دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی گئی البتہ برابر لبیک کہتے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا، سویرے اٹھ کر باجماعت نماز فجر ادا کی اور یہ وہ واحد رات ہے جب آپ نے نمازِ تہجد ادا نہیں کی۔ ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر یعنی عید کے دن سے پچھلی رات مزدلفہ میں گزاری، وادیٔ محسّر سے (مزدلفہ میں وہ جگہ جہاں ہاتھی والوں پر عذاب نازل ہوا تھا) اونٹنی کو تیزی سے دوڑایا۔ حضرت

---

[1] متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۴۳ و صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۷۷۔

Marfat.com

عبد اللہؓ بن عباس نے آپؐ کے لیے بھی کنکریاں چنیں، پھر آپ اونٹنی کو دوڑاتے درمیانی راستہ سے جمرۂ عقبہ لے گئے۔ آپ نے قصویٰ ہی پر سے ہر بار اللہ اکبر کہہ کر کنکریاں جمرۂ کبریٰ پر ماریں، یہ رمی جمار آپ نے سورج نکلنے کے بعد فرمایا اور اس کے بعد تلبیہ کہنا بند کر دیا۔

یہاں سے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت اسامہؓ ساتھ بیٹھے دھوپ سے بچنے کے لئے چادر تانے ہوئے تھے۔ حضرت بلالؓ قصویٰ کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ داہنے، بائیں، آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔

نبی کریم ﷺ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے لوگوں سے پوچھا:

أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا يَوْمٌ حَرَامٌ قَالَ فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا قَالُوا بَلَدٌ حَرَامٌ قَالَ فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا قَالُوا شَهْرٌ حَرَامٌ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فَأَعَادَهَا مِرَارًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلَى أُمَّتِهِ فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ[1]

آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: حرمت والا دن۔ فرمایا: کون سا شہر ہے یہ؟ عرض کیا: حرمت والا شہر۔ فرمایا: بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۷۳۹۔

Marfat.com

ہیں، جیسے تمہارے لیے اس دن کی حرمت ہے، اس مہینے کی حرمت ہے اور اس شہر کی حرمت۔ آپ نے بار بار یہ بات کہی پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ حضرت ابن عباس راوی کہتے ہیں جس ذات کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ امت کے لیے وصیت تھی پس جو حاضر ہے وہ اس تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے، میرے بعد واپس کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔)

بخاری شریف میں اسی روز کے خطبے کی ایک روایت حضرت ابو بکرہ سے بیان ہوئی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

قَالَ أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ شَهْرٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ فَلَا (وَلَا) تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (1)

کیا تم جانتے ہو آج کون سا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ دیر تک خاموش رہے، ہم سمجھے کہ

1 ایضاً، حدیث نمبر: ۱۷۴۱۔

Marfat.com

شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، دیر تک سکوت اختیار فرمایا اور پھر کہا! کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں بے شک ہے، پھر ارشاد ہوا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپؐ نے دیر تک سکوت اختیار کیا اور پھر فرمایا: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا: ہاں بے شک ہے، پھر پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے وہی جواب دیا، آپ نے دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: کیا یہ حرمت والا شہر نہیں ہے؟ ہم نے کہا ہاں بے شک ہے۔ فرمایا: تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اس طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور شہر میں محترم ہے، ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

یہ کہہ کر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''کیا میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟'' سب بول اٹھے، بے شک بے شک، آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکا کر تین بار فرمایا: ''اے اللہ تو بھی گواہ رہنا، گواہ رہنا، گواہ رہنا۔''

خطبہ سے فارغ ہو کر حضور اکرم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں دو دو رکعت یکے بعد دیگرے ادا فرمائیں،

نبی کریم ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع سے ارشاد فرمایا: ''حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے اس لیے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پہنچانے والا کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہوتا ہے۔''

آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، ان میں سے ۶۳ اونٹ آپ نے خود نحر کیے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی نے نحر کیے، اور حکم دیا کہ ہر اونٹ سے گوشت کا پارچہ لے کر

Marfat.com

شوربا پکایا جائے، پکنے کے بعد اسے حضرت علیؓ کے ساتھ تناول فرمایا۔ حکم دیا کہ کھالیں اور گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اِس سے ادا نہ کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ نے چتکبرے اور سینگ والے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور کچھ بکریاں قربانی کے لیے صحابہ میں تقسیم فرمائیں۔[1]

سال گزشتہ یعنی ۹ ہجری میں قحط سالی کی وجہ سے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی تا کہ محتاجوں کو ملے، لیکن اس سال آپؐ نے فرمایا: ”کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔“

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے عمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی اُم سُلیم اور بعض لوگوں کو جو پاس بیٹھے ہوئے تھے، عنایت فرمائے اور باقی ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام لوگوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے۔

زوال آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ کے لیے راونہ ہوئے، قصویٰ ہی پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ حضرت اُسامہؓ آپؐ کے پیچھے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے آپؐ زم زم پر تشریف لائے۔ چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی۔ حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپؐ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ یہاں سے آپ منیٰ تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر کنکریاں ماریں، جمرۂ اولیٰ پر کنکریاں مارتے ہوئے اللہ اکبر کہا، آگے بڑھ کر قبلہ رو ہو کر بڑی دیر تک دعا مانگی، اتنی دیر کہ ایک آدمی اس میں سورۂ

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق ۶۳ اونٹ خود ذبح کیے تھے، دیکھیے: رحمۃ للعالمین: ۲۲۷/۱۔

Marfat.com

بقرہ پڑھ لے، جمرۂ وسطیٰ پر بھی ایسا ہی کیا، جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں لیکن ٹھہرے نہیں واپس چلے آئے۔ ان ایام تشریق کے وسط میں (یعنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ) سورۃ النصر نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان شاء اللہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں منزل کریں گے۔" محصب اور ابطح بھی اس کے نام ہیں، یہ وہی گھاٹی تھی جو شعب بنی ہاشم یا شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی اور جہاں تین سال تک نبی اکرم ﷺ پورے خاندان خاندان کے ہمراہ محصور رہے تھے۔ یہاں آپ ﷺ کے غلام ابو رافع نے پہلے ہی سے خیمے نصب کر دیے تھے، آپ نے رات کو کچھ دیر آرام فرمایا۔

سحری کے وقت سواری پر طوافِ وداع کے لئے مسجد حرام میں تشریف لے گئے، طواف کے بعد ملتزم پر وقوف فرمایا (ملتزم' حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے)، یہاں سے زم زم کے کنویں پر جا کر خود اپنے دستِ مبارک سے ڈول کھینچا اور قبلہ رو ہو کر پانی نوش فرمایا اور بچا ہوا پانی کنویں میں ڈال دیا۔ آپ ﷺ کے اسی عمل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے زم زم کو چشمہ ابدی بنا دیا۔

Marfat.com

مسجد حرام کی پیمائش اور گنجائش

کل گنجائش	گنجائش	کل رقبہ	رقبہ	توسیع
72,000 نمازی (مطاف میں موجود عمارات ہٹا دینے کے بعد)	50,000 نمازی (مطاف میں موجود عمارات کی موجودگی میں)	29,000 مربع میٹر	29,000 مربع میٹر	پہلی سعودی توسیع سے قبل مسجد (مطاف اور عثمانی عمارت) کی پیمائش
3,99,000 نمازی	3,27,000 نمازی	60,000 مربع میٹر	31,000 مربع میٹر	پہلی سعودی توسیع (تہہ خانہ + نچلی منزل + اوپر والی منزل)
5,04,000 نمازی	1,05,000 نمازی	2,02000 مربع میٹر	42,000 مربع میٹر	1406 ہجری میں پہلی توسیع کی چھت کو نماز کے قابل بنانے کے بعد
6,94,000 نمازی	1,90,000 نمازی	2,78,000 مربع میٹر	76,000 مربع میٹر	دوسری توسیع (تہہ خانہ + نچلی منزل + اوپر والی منزل + چھت)
9,14,000 نمازی بھیڑ کے اوقات میں 10 لاکھ نمازیوں سے بھی زائد	2,20,000 نمازی	3,66,000 مربع میٹر	88,000 مربع میٹر	مسجد کے ارد گرد کے صحنوں کو نماز کے قابل بنانے کے بعد

ضروری نوٹ: (۱) گنجائش معلوم کرنے کا طریقہ: فی میٹر میں 2.5 نمازی آتے ہیں (۲) سعودی توسیع سے پہلے مطاف میں کئی چیزیں بنی ہوئی تھیں۔ مثلاً: چار مصلے، زمزم کی عمارت، مقام ابراہیم، منبر اور باب بنی شیبہ ان عمارات کی وجہ سے صفوں میں رکاوٹ پڑتی تھی اور گنجائش کم ہو جاتی تھی۔ جب یہ عمارات ہٹا دی گئیں تو مطاف اور عثمانی عمارت کی گنجائش 50 ہزار سے بڑھ کر 72 ہزار نمازی ہو گئی۔

Marfat.com

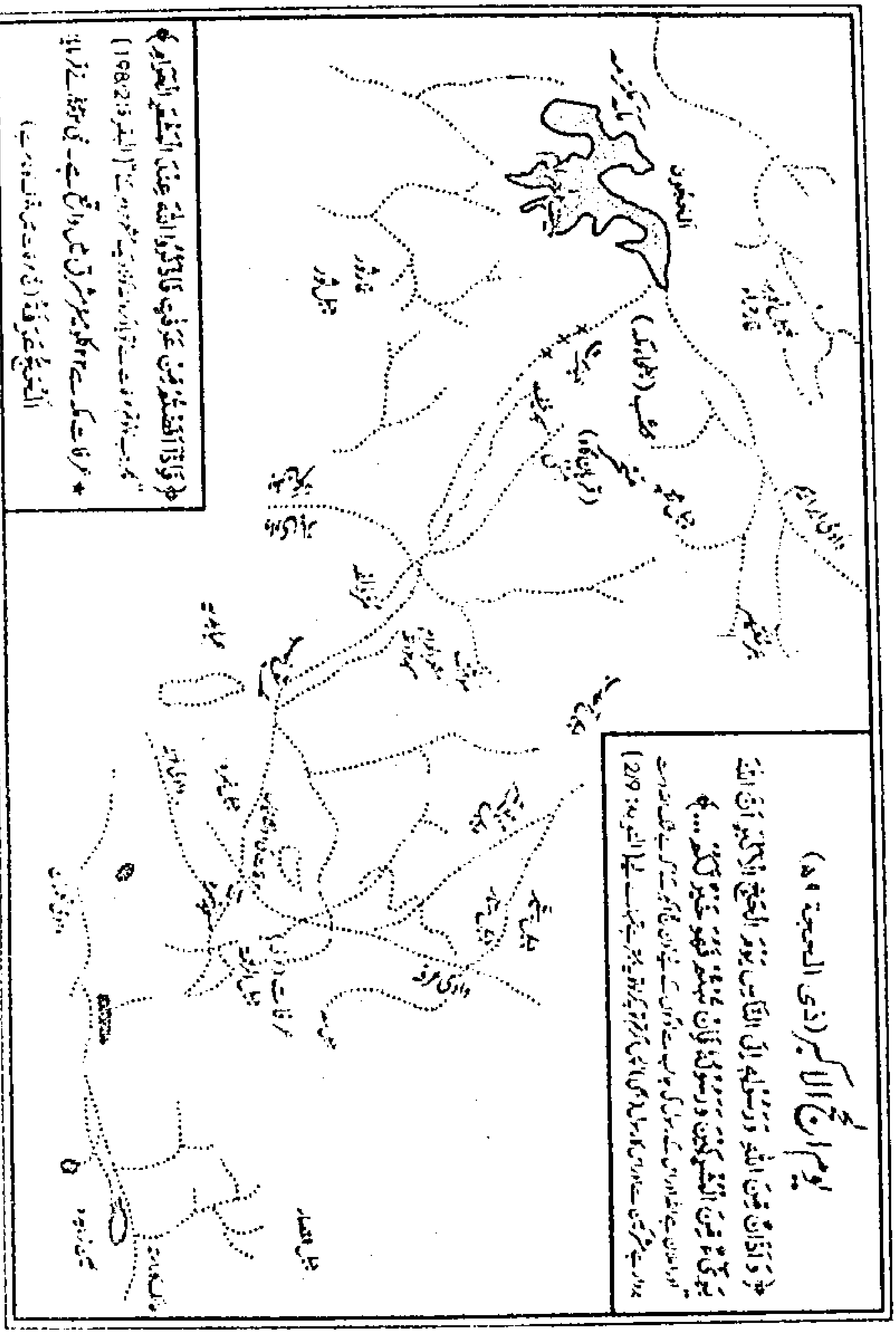

Marfat.com

غدیر خُم

طواف وداع کے بعد آپؐ صحابہؓ کے ساتھ ۱۴ ذی الحجہ بروز بدھ سورج نکلنے سے پہلے مکہ سے روانہ ہوگئے۔ مقام ذی طویٰ میں پڑاؤ کیا اور وہیں رات گزاری اور صبح کو مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔

راستہ میں ایک مقام خم آیا جو جحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں، اور اس لیے اس کا نام عام روایتوں میں غدیر خُم آتا ہے، یہاں آپ نے نماز ظہر کے بعد صحابہؓ سے فرمایا: "جس کو میں محبوب ہوں، علیؓ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے"، احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے تھے، جہاں سے واپس آکر حج میں شامل ہوئے تھے۔ قیام یمن کے زمانہ میں حضرت بریدہؓ اسلمی کو حضرت علیؓ سے کچھ شکایت ہوگئی تھی، جو حضرت بریدہؓ کا قصورِ فہم تھا، چونکہ یہ بات لوگوں میں پھیل گئی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے بطور خاص حضرت علیؓ کا ذکر کر کے فرمایا: "علیؓ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔"[1]

مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، معرس جو مدینہ سے چھ میل دور ہے اس راستہ کو اختیار فرمایا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ثنیہ یا مقام فدفد پر پہنچے تو زبان مبارک پر یہ دعا تھی:

اللہ أکبر اللہ أکبر اللہ أکبر. لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ[2]

---

۱ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۹۲۷۹۔

۲ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۷۹۷۔

Marfat.com

خدا بزرگ و برتر ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اس کے لیے مدح و ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی ثنا کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور اس نے تمام لشکروں کو تنہا شکست دی۔

تکمیل دین کی آیت کا نزول اس بات کا اشارہ تھا کہ کارِ نبوت اختتام کو پہنچ چکا ہے، چنانچہ مزاج دانِ رسول حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مضطرب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، حضرت عبد اللہؓ بن عمر کی روایت ہے کہ سورۂ نصر مکمل نازل ہونے والی آخری سورت ہے جس طرح سورۂ فاتحہ مکمل نازل ہونے والی پہلی سورت تھی، حالانکہ اس سے پہلے سورۂ اقراء اور سورۂ مدثر کی چند آیات نازل ہو چکی تھیں، تکمیل دین کی آیت الیوم اکملتُ لکُم دینکُم وَ اتممتُ علیکُم نعمتی وَ رَضِیتُ لکُم الاسلامَ دِیناً [1]
(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کیا۔) کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس دنیا میں کل (۸۰) دن رہے، حضرت عبد اللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سورۂ نصر نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے، اس سورۃ کے نزول کے بعد آپؐ ہر نماز کے بعد دعا فرماتے۔ ''سبحنک اللھم و بحمدک اللھم اغفر لی'' حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آخری زمانہ میں آپ اُٹھتے بیٹھتے ''سبحان اللہ و بحمدہ'' پڑھا کرتے تھے۔ [2] حضرت عبد اللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ سورۂ نصر کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ آخرت کے لیے ریاضت میں حد درجہ مشغول ہو گئے، حضرت ابو

---

1. سورۃ المائدۃ: ۳۔
2. مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۵۰۸۔

Marfat.com

ہریرہؓ کی روایت ہے کہ عبادت میں اتنا مجاہدہ فرمایا کہ پاؤں متورم ہو گئے تھے۔

سن ۱۱ ہجری کے واقعات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج سے واپس تشریف لائے تو ہر طرف امن و سکون تھا۔ فتوحات کا سلسلہ مکمل ہو چکا تھا۔ جزیرۃ العرب میں اسلامی پرچم لہلہا رہا تھا۔ اس دوران میں دو اہم واقعات رونما ہوئے جنھوں نے اسلامی ریاست کو ہلا کر رکھ دیا، یہ دونوں واقعات جھوٹے نبیوں کا ظہور تھا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مکہ سے اٹھنے والے ایک قریشی سردار نے کم ترین عرصے میں اس قدر بڑی حکومت قائم کر لی ہے تو یہ لالچ کئی لوگوں میں پڑ گیا کہ ہم بھی نبی بنیں اور اسی طرح کی کامیابیاں حاصل کریں۔

اسود العنسی کذّاب

محرم ۱۱ ہجری میں یمن سے یہ شخص اٹھا حالانکہ یمن مکمل طور پر مسلمانوں کے زیر نگین تھا۔ لوگ جوق در جوق اس کے ساتھ شامل ہونا شروع ہو گئے۔ نجران اور صنعاء کو اس نے فتح بھی کر لیا۔

اس کا پورا نام عبہلہ بن کعب بن غوث تھا۔ اس کا تعلق کہف حبان سے تھا۔ یہ سات سو جنگجوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا اور یمن میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھیجے گئے والی سے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ اور جو کچھ یہاں سے جمع کیا ہے، ہمیں واپس کرو، یہ سب ہمارا ہے۔ پھر وہ نجران کی طرف روانہ ہوا۔ یہ شخص بڑا چرب زبان اور شعبدہ باز تھا۔ لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے۔ صنعاء میں مسلم سپہ سالار شَہر بن باذان کو قتل کر کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ صرف پچیس دنوں میں اس نے بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا۔ ادھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس طوفان کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے رابطہ کیا اور دونوں حضر موت چلے گئے، عمر بن حزم اور خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ یمن سارے کا سارا اسود العنسی کے ہاتھوں فتح ہو گیا تھا۔ اس کی طاقت میں بیش بہا اضافہ ہوتا گیا، یمنیوں کی کثیر تعداد مرتد ہو گئی۔ دراصل یہ شخص بھی پہلے مسلمان ہو گیا تھا، بعد میں مرتد ہو کر خود نبوت کا مدعی بن گیا

Marfat.com

تھا۔ اس نے شہر بن باذان کی بیوہ سے شادی کر لی۔ یہ فیروز الدیلمی کی چچازاد تھی، اور مکمل مسلمان خاتون تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے وبر بن یحنس الدیلمی کے نام ایک خط بھیجا، اس میں لکھا کہ مسلمان اسود العنسی کے خلاف قتال کریں اور اس فتنہ کو مٹا دیں۔ حضرت معاذ بن جبل کو جب یہ خط ملا تو آپ نے اس کا حق ادا کر دیا، علاقے کے تمام عمال سے مشاورت ہوئی اور رات کے وقت گھر والوں سے مل کر فیروز الدیلمی نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۱)

جیشِ اسامہ

تبوک کے موقع پر رومی گیدڑ کی طرح دم دبا کر بھاگ گئے تھے لیکن اس وقت کی سپر پاور ہونے کے ناطے وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جزیرۃ العرب میں ہونے والے انقلاب سے ہماری سرحدوں پر کوئی فرق پڑے اس لیے انہوں نے اسلامی ریاست کی قریبی سرحدوں پر اپنی فوجی دھاک بٹھانے کے لیے لوگوں میں دہشت پھیلانے والی کارروائیاں جاری رکھی تھیں، چنانچہ روم اس وقت کے شام کو کنٹرول کر رہا تھا جب کہ شام کے علاقے اردن میں ایک علاقہ معان تھا، معان میں فروہ بن عمرو جذامی کی فرمانروائی تھی جو رومیوں کا باجگزار تھا۔ فروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے مشرف باسلام ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر تحفہ میں بھی بھیجا۔ رومیوں کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے فروہ کو گرفتار کر لیا اور مطالبہ کیا کہ یا تو واپس اپنے مذہب میں آجاؤ یا تمہیں سولی چڑھا دیں گے، انہوں نے سولی کو قبول کر لیا اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔ اس غرور بے جا بد معاشی کو آڑے ہاتھوں لینے کا وقت تھا کیونکہ اس موقع پر خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ رومی مزید پیش قدمی کریں۔ آپؐ نے صفر ۱۱ھ میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا جو عمر میں بھی سب سے چھوٹے تھے اور قبیلے کے لحاظ سے بھی، آپ نے حکم دیا کہ بلقاء یعنی اردون کے علاقے کو اپنی فوجوں اور گھوڑوں سے روند کر

---

۱ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۹۴۔

Marfat.com

آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے ان کی حدود پر واقع عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور دشمن کو بتایا جائے کہ ہم ہر وقت اپنے ساتھیوں کا دفاع کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اس موقع پر کچھ حضرات نے سپہ سالار کی نوعمری پر حیرت کا اظہار بھی کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس کی سپہ سالاری پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے اس کے والد کی سپہ سالاری پر اعتراض کر چکے ہو۔ حالانکہ وہ اللہ کی قسم! سپہ سالاری کے اہل تھے۔ اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے۔ اور یہ بھی ان کے بعد میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔[1] بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت اسامہؓ کے گرد جمع ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اور لشکر روانہ ہونے کے بعد قریب ہی خیمہ زن ہو گیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ناسازئ طبع کی وجہ سے آگے نہ بڑھا، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے انتظار میں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا، اور بعد میں یہ لشکر حضرت اسامہ ہی کی قیادت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روانہ ہوا تھا۔

رخصت کے آثار

سورۃ النصر کے نزول کے بعد آپ کے معمولات زندگی میں خاصی تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی، ذکر واذکار میں پہلے ہی کثرت تھی، مزید بڑھ گئی۔ حج کے بعد آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں محنت کا پھل آنکھوں کے سامنے دکھا دیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا: شاید آئندہ برس میں یہاں تم سے نہ مل سکوں۔ اور فرمایا تھا: مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو، کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کر سکوں گا۔ آپ پر ایامِ تشریق کے وسط میں سورۂ نصر نازل ہوئی تھی اور اس سے آپ نے سمجھ لیا کہ تھا کہ اب دنیا سے روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔

ایک روز رات کو آپ قبرستانِ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے

---

1 متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۷۳۰ و صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۲۶۔

Marfat.com

مغفرت فرمائی: اے قبر والو! تم پر سلام! لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آرہے ہیں۔ اور بعد والا پہلے سے زیادہ برا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہل قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آملنے والے ہیں۔

دردِ سر (۲۹ صفر ۱۱ ہجری)

۲۹ صفر ۱۱ھ روزِ دوشنبہ کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔[1]

شدتِ مرض

ربیع الاوّل کا مہینہ شروع ہوا تو آپ سر درد میں شدت محسوس کرنے لگے۔ اس وقت آپ سیدہ میمونہ کے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو بلوایا اور کہا کہ میری طبیعت خراب ہے اور میں بیماری کے دوران میں عائشہ کے گھر رہنا چاہتا

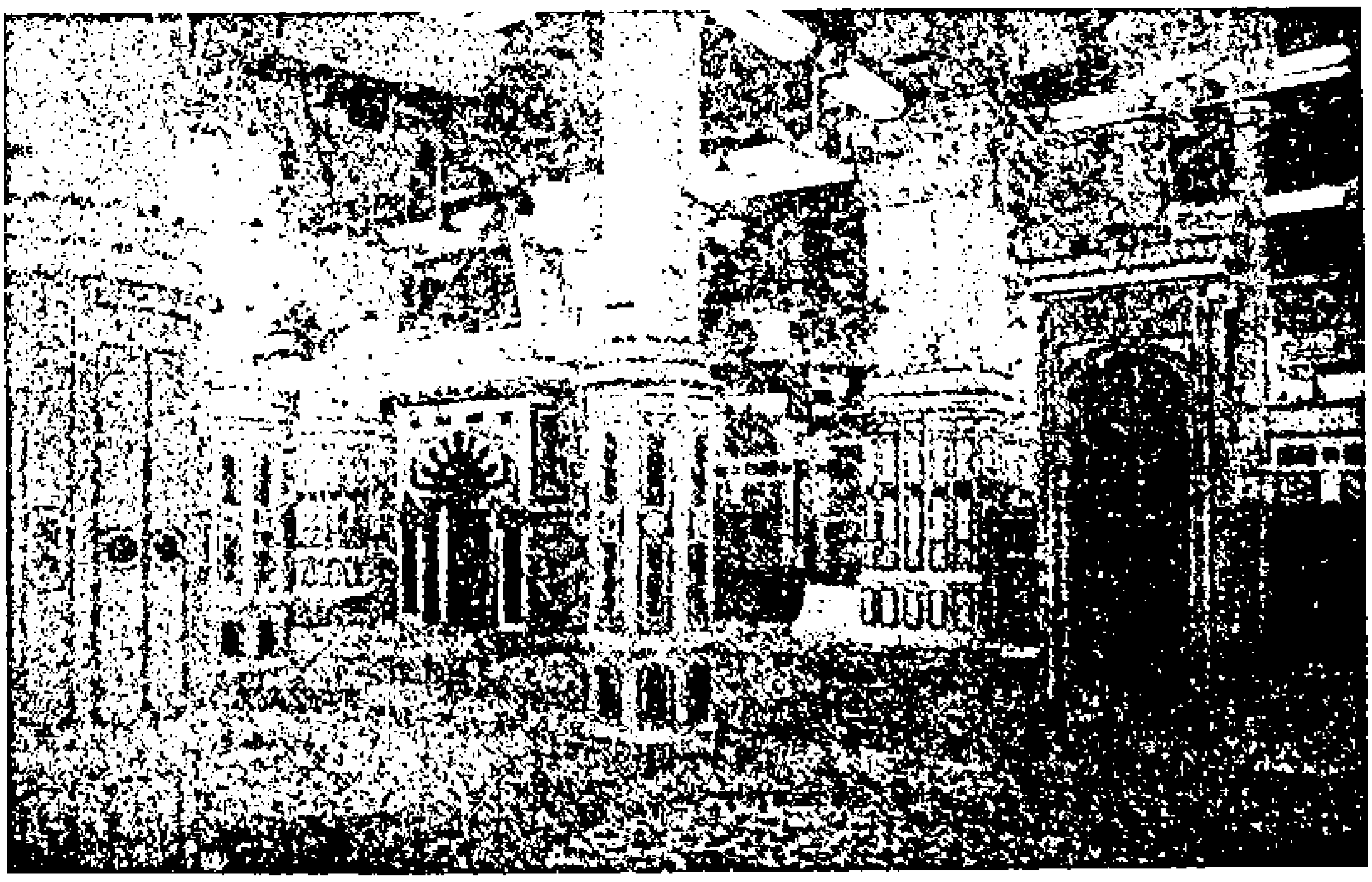

---

1 تاریخ طبری: ۲/ ۲۲۴۔

Marfat.com

ہوں۔ جس وقت آپ سیدہ عائشہ کے گھر منتقل ہو رہے تھے تو طبیعت اس قدر بوجھل تھی کہ آپ چل نہیں سکتے تھے اور حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس کے کندھوں کا سہارا لے کر گھسٹتے پاؤں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ [1]

حضرت ابو بکر صدیق کا اعزاز

جب آپ کی صحت زیادہ خراب ہو گئی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے حکم دیا، اور آپ حضور کی موجودگی میں امامت کراتے رہے۔ اس سے پہلے آپ نے سیدنا صدیق اکبر کے بے شمار مناقب بیان فرمائے تھے جن کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس موقع پر آپؐ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کو وصیت فرمائی: حضرت جندب سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو وفات سے پانچ دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھے منع کیا گیا ہے کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو [2] بلکہ اللہ تعالی نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم کو خلیل بنایا ہے، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔ خبر دار تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، خبر دار قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس بات سے روکتا ہوں۔ [3]

حضرت ابو بکر صدیق نبی کریم کی موجودگی میں نماز کی امامت کرتے ہیں

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے ممتاز ترین منقب یہ ہے کہ

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۴۲۔

2 علامہ ابن حجر اور علامہ زرقانی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت بیان کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: ہر نبی امت میں سے کسی ایک کو خلیل بناتا ہے اور میرا خلیل ابو بکر ہے، اور اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم کو خلیل بنایا ہے، دیکھیے: فتح الباری: ۲۳/۷ و شرح الزرقاني علی المواهب اللدنية بالمنح المحمدية: ۱۲/ ۷۸۔

3 صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۳۲۔

Marfat.com

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نماز میں امامت کرائی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، اس واقعے کو تمام محدثین نے بیان کیا ہے بطور خاص بخاری اور مسلم نے متفق علیہ حدیث بیان کی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَحَضَرَتْ الصَّلَاةُ، فَأُذِّنَ، فَقَالَ: ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ))، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِما قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ، فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: ((إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ))، فَخَرَجَ أَبو بَكْرٍ فَصَلَّى، فَوَجَدَ النَّبِي صلى الله عليه وسلم مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِي أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِيَ بِهِ حتَّى جَلَسَ إلى جَنْبِهِ، وَكَانَ النَّبِي صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي وَأَبو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی جس کے بعد میں آپ کا انتقال ہوا تو فرض نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے فرمایا: ابو بکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں، آپ سے کہا گیا کہ ابو بکر کمزور دل آدمی ہیں اگر آپ کی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا تو وہ رقیق القلب ہونے کی وجہ سے نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے پھر فرمایا: ان سے کہو نماز پڑھائیں، پھر کہا گیا وہ رقیق القلب ہیں، آپ نے تیسری بار، پھر یہی حکم دیا اور مزید فرمایا: تم عورتیں تو وہی یوسف والی ہو، ابو بکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ ابو بکر نماز پڑھانے کے لیے نکلے، اسی دوران میں آپ نے شدتِ بیماری میں

Marfat.com

کی محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے مصلیٰ کی طرف چلے، گویا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے پاؤں درد اور کمزوری سے گھسٹ رہے ہیں، (حضرت ابو بکر نے محسوس کیا کہ) آپ تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ دورانِ نماز ہی میں پیچھے ہٹ جائیں، آپ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر ہی رہیں۔ آپ کو لایا گیا اور آپ ابو بکر صدیق کے بائیں طرف بیٹھ گئے اور آپ نماز پڑھ رہے تھے اور ابو بکر صدیق آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے اور لوگ ابو بکر کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ (۱)

آپ ﷺ کا آخری خطبہ

بیماری ہی کے عالم میں آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

ایک بندے کو اللہ نے اپنے پاس جانے یا دنیا میں رہنے کا اختیار دیا ہے تو اس نے اللہ کے پاس جانے کو اختیار کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس بات کا سننا تھا کہ ابو بکر نے رونا شروع کر دیا، لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا، جن کو اختیار دیا گیا تھا وہ نبی کریم ﷺ تھے، جن کو بات سمجھ آئی تھی وہ ابو بکر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ابو بکر رو نہیں لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں تو اس میں ابو بکر کی صحابیت اور مال بھی شامل ہے، اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابو بکر ہی ہوتا لیکن اسلامی اخوت ومحبت قائم ہے، مسجد کے تمام دروازے بند کر دیں سوائے ابو بکر والے دروازے کے۔ (۲)

آپ نے مزید فرمایا: ”یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی

---

۱ متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۶۴ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۱۸۔

۲ متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۳۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۳۷۔

Marfat.com

قبروں کو مساجد بنایا۔" ایک روایت میں ہے کہ "یہود ونصاریٰ پر اللہ کی مار کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔" پھر آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: "میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔ اور کسی کی آبرو پر بٹہ لگایا ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔"(۱)

اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی، اور پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ اور عداوت وغیرہ سے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا: آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباس سے فرمایا: انہیں ادا کر دو۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔

وفات سے چار روز پہلے

جمعرات کے روز آپ کو شدید تکلیف ہوئی۔ لوگ گھر میں ہجوم کیے ہوئے تھے ان میں سیدنا عمر بن خطاب بھی موجود تھے، آپ نے فرمایا: آؤ میں آپ کو ایک وصیت لکھوا دوں تاکہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو، حضرت عمر نے کہا: آپ پر اس وقت تکلیف کا شدید حملہ ہے (آپ آرام فرمائیں) تمہارے پاس قرآن کریم ہے، اللہ کی کتاب کافی ہے، اس بات پر صحابہ میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے کہا لکھوا لیں اور کچھ کہنے لگے عمر کی بات ٹھیک ہے۔ جب چہ میگویاں زیادہ ہوئیں تو آپ نے فرمایا یہاں سے جاؤ مجھے آرام کرنے دو۔ اس روز آپ نے جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو) وفود کی رہنمائی کرو اور انہیں زادِ راہ دو، تیسری بات راوی بھول گے لیکن صحیح بخاری کی کتاب الوصایا میں حضرت عبد اللہؓ بن ابی اوفی نے کہا کہ قرآن مجید کے متعلق وصیت فرمائی، آپ نے یہ بھی وصیت فرمائی کہ "میرے وارث نہ دینار تقسیم کریں اور نہ درہم، ہم (انبیاء) اپنی

---

۱ متفق علیہ، صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۴۱ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۲۔

Marfat.com

بیویوں کے اخراجات اور اپنے عامل کی اجرت کے علاوہ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کو انتقال فرمایا، یعنی کہ اس واقعہ کے بعد آپؐ چار روز تک حیات رہے، اگر چاہتے تو دوبارہ اس بات کا حکم دے سکتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حاضرین نے وصیت کا لکھوانا یاد دلایا، آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، میں اس وقت جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔(۱)

کچھ دینار کہیں سے آئے تھے، صدقہ کے بعد سات یا آٹھ دینار حضرت عائشہؓ کے پاس تھے، بے ہوشی کے بعد جب آپؐ کو ہوش آیا تو پوچھا... ان دیناروں کا کیا ہوا؟ عرض کیا گیا: رکھے ہیں، فرمایا: صدقہ کر دو، کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ محمد اللہ کے پاس اس حالت میں جائے کہ یہ سب کچھ اس کے پاس ہو۔ اس روز تک کی تمام نمازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائیں۔ نماز مغرب میں سورۃ المرسلات کی تلاوت فرمائی، یہ آخری نماز تھی جو صحابہؓ نے آپ کی امامت میں ادا کی۔

وفات سے ایک روز پہلے

آخری روز یعنی اتوار ۱۱ ربیع الاوّل کو آپ نے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو دینار تھے وہ صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: ہم اپنا ترکہ وراثت میں نہیں دیتے۔ یہ صدقہ ہے۔(۲)

چنانچہ آپ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، کوئی دینار اور درہم، کوئی غلام کوئی لونڈی نہیں تھی۔ ایک سفید خچر جو آپ کی سواری تھی اور اپنا اسلحہ تلواریں وغیرہ، اور زمین تھی وہ بھی مسافروں کے لیے صدقہ دے دی تھی۔(۳)

---

۱ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۳۱۔

۲ ایضاً، حدیث نمبر: ۲۱۲۷۔

۳ ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۶۱۔

Marfat.com

آپ کے ترکے میں موجود اشیا جیسے خچر، نیزا، کپڑے اور اسلحہ، چارپائی وغیرہ یہ تمام اشیا بعد تک آنے والے خلفاء کے پاس بطور تبرک پڑی رہیں۔ یہ خلفاء ان اشیا کو تبرک اور اعزاز کے طور پر رکھتے آئے ہیں اور آج بھی ان میں سے بہت سی اشیاء استنبول کے توپ کپی میوزیم میں موجود ہیں اور دنیا کے کونے کونے سے لوگ ان اشیاء کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ جہاں یہ متبرک اشیا رکھی گئی ہیں اس جگہ چوبیس گھنٹے خوشبو دار بتیاں جلائی جاتی ہیں اور ہر وقت قرآن کریم کی تلاوت یا درود شریف لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جاتا ہے۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بروز پیر آپ نے فجر کی نماز کے وقت حجرہ شریف کا پردہ پیچھے کر کے باہر مسجد میں نمازیوں کو حالتِ نماز میں دیکھا اور مسکرائے، ادھر ابو بکر نماز پڑھا رہے تھے کہ انہوں نے حجرے کی طرف سے آہٹ سنی تو الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تاکہ آپ صف میں شامل ہو جائیں اور نبی کریم خود امامت کرائیں کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ حضور تشریف لا رہے ہیں، صحابہ کرام کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ نبی کریم کی صحت بہتر ہو گئی ہے اور آپ تشریف لے آئے ہیں، لیکن آپ نے اشارہ فرمایا کہ نماز مکمل کرو، آپ حجرے میں چلے گئے اور پردہ لٹکا دیا۔ (۱)

صاحبزادی فاطمہ سے سرگوشی

نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں انتقال کر گئی تھی، صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں۔ زندگی کی آخری گھڑیوں میں تقریباً فجر کے بعد سورج خوب گرم ہو چکا تو آپ نے ان کو بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی تو انہوں نے رونا شروع کر دیا، آپؐ نے دوبارہ بلایا اور سرگوشی کی تو انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ وفات کے بعد فاطمہ سے پوچھا گیا یہ کیا ماجرا تھا، تو انہوں نے بتایا کہ آج مجھے جو تکلیف ہے اسی میں میری جان قبض ہو جائے گی، تو میں نے رونا شروع کر دیا، دوبارہ جو سرگوشی تھی اس میں بتایا کہ میرے

---

۱ ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۴۸۔

Marfat.com

اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھے ملو گی تو اس پر میں خوش ہو گئی۔ [۱]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اے فاطمہ کیا تو اس پر خوش نہیں کہ تو مؤمن عورتوں کی سردار بنے یا اس امت کی خواتین کی سردار بنے۔ [۲]

اور پھر آپ کی وفات کے بعد خاندان میں سے سب سے پہلے حضرت فاطمہ ہی کی وفات ہوئی۔ سیدہ فاطمہ نے جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اس تکلیف کو دیکھا تو کہنے لگیں: واکرب أباہ (ابا جی کو کتنی تکلیف ہے) آپ نے فرمایا: آج کے بعد تیرے ابا کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ [۳]

آپ کے پاس ہی ایک برتن میں پانی رکھا گیا تھا، آپ اس میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرۂ انور پر پھیرتے اور کہتے لا إله الا الله إن للموت سکرات۔ [۴]

اسی دوران مرض میں مزید شدت آگئی اور آپ کے لیے بولنا بھی مشکل ہو گیا اسی لیے جب اسامہ بن زید آپ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے تو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ شاید یہ وقت تھا جب آپ کے فم مبارک میں دوائی ڈالی گئی تو آپ اشارے سے فرما رہے تھے کہ مجھے دوائی نہ دو اور دوائی دینے والے یہ سمجھتے رہے کہ بیمار آدمی دوائی سے انکار کرتا ہی رہتا ہے۔

آپ کا سر مبارک حضرت عائشہ کی گود میں تھا جب حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر حاضر ہوئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھا، آپ نے مسواک کو دیکھا تو حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، حضرت عائشہ نے مسواک لیا اور چبا کر اسے نرم کیا اور اس کو آپ کے منہ مبارک میں پھیرا، اس کے بعد آپؐ نے ہاتھ اٹھایا، انگلی سیدھی کی، چھت

---

۱ ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۳۳۔

۲ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۴۵۰۔

۳ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۲۴۴۔

۴ ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۴۹۔

Marfat.com

کی طرف دیکھا اور ہونٹوں میں حرکت ہوئی، حضرت عائشہ نے غور کیا تو فرمارہے تھے مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى [1]

(ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ کا فضل وانعام ہوا، نبیوں میں سے صدیقین میں سے، شہداء میں سے اور صالحین میں سے، اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما، مجھے رفیق اعلیٰ سے ملادے)

آپ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے اور یہی آپ کا آخری کلام تھا، اس کے بعد آپ کا ہاتھ مبارک نیچے ہو گیا اور رفیق اعلیٰ سے ملاقات کو جا پہنچے۔ [2]

یہ تقریباً دوپہر سے پہلے کا وقت تھا جب آپ کی روح مبارک پرواز کر گئی۔ اس موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے پیارے ابا! رب نے بلایا، آپ نے لبیک کہا، جنت فردوس آپ کا ٹھکانا بنایا، اے پیارے ابا جبریل نے آپ کو اٹھایا۔ [3]

وفات کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قیادت

جب آپؐ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تو صحابہ کرام کے اوسان خطا ہو گئے۔ کوئی تو خاموش ہی ہو گیا جو بیٹھا تو اس کے اندر اٹھنے کی سکت نہ رہی اور جو بول رہا تھا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ میں اس بات کو مانتا ہی نہیں کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔

حضرت عمر کے اوسان اس قدر خطا ہوئے کہ کہنے لگے رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے، اور اپنی قوم سے چالیس رات غائب رہ کر ان کے پاس پھر واپس آگئے تھے، حالانکہ واپسی سے پہلے کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر گئے ہیں۔ واللہ آپ بھی ضرور

---

1. ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۴۰۔
2. ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۶۳۔
3. ایضاً، حدیث نمبر: ۴۴۶۲۔

Marfat.com

واپس آئیں گے۔ [1]

ادھر حضرت ابو بکرؓ سُنح [2] سے تشریف لائے اور کسی سے بات کیے بغیر مسجد میں اور پھر حضرت عائشہ کے حجرے داخل ہوگئے، آپ کے چہرۂ انور سے چادر مبارک اتاری جو دھاری دار یمنی چادر میں ڈھکا ہوا تھا، اور جبین مبارک پر بوسہ دیا، رونا شروع کر دیا اور فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ اس وقت بھی حضرت عمرؓ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا: عمر! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

"تم میں سے جو کوئی محمد کی عبادت کرتا تھا تو محمد فوت ہوگئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے موت نہیں آنی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ [3] (اے نبی! تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے) وَقَالَ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ [4] (محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دے

---

١ طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۶۶۔

٢ سُنح (س کے پیش کے ساتھ) مدینہ منورہ کے مضافات میں ایک جگہ تھی جہاں حضرت ابو بکر صدیق کے کھیت اور مال وغیرہ ہوتا تھا، سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۶۵۳۔

٣ سورۃ الزمر: ۳۰۔

٤ سورۃ آل عمران: ۱۴۴۔

Marfat.com

گا۔)

حضرت ابو بکر صدیق نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایسے لگتا تھا کہ گویا لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ ابو بکر کے پڑھنے سے پہلے اس طرح کی آیت نازل بھی ہوئی ہے یا نہیں، اب سب نے یہ آیت دہرانا شروع کر دی۔ [1]

تجہیز و تکفین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بروز پیر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری بوقت قبل دوپہر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال اور چار دن تھی۔ ایک روز کے بعد یعنی منگل ۱۳ ربیع الاوّل کو آپ کو، آپ کے پہنے گئے کپڑوں ہی میں غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادگان فضل اور قثم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت عباس، فضل اور قثم آپ کی کروٹ بدل رہے تھے، حضرت اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہما پانی بہا رہے تھے۔ حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوسؓ نے آپ کو اپنے سینے سے ٹیک رکھا تھا۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جسد اطہر کو دیکھا، اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ زندگی میں بھی طیب اور پاک تھے اور وفات کے بعد بھی طیب و پاک تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ لوگ جو تجہیز و تکفین کے لیے آئے تھے، کہنے لگے: پتہ نہیں آپ کے لباس مبارک کو الگ کیا جائے یا نہ کیا جائے، جیسا کہ بالعموم غسل کے وقت کیا جاتا ہے یا پھر انہی کپڑوں میں غسل دے دیں۔ جب اس موضوع پر بحث ہونے لگی تو ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند کا غلبہ کر دیا یہاں تک کہ ان سب کی ٹھوڑیاں سینے

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۵۴۔

2 سنن ابو داؤد، حدیث نمبر: ۳۱۴۱۔

Marfat.com

سے لگ گئیں، پھر گھر کے کونے سے آواز آئی، بات کرنے والے کے بارے میں معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون ہے وہ کہہ رہا تھا: نبی ﷺ کو ان کے لباس کے اندر ہی غسل دو، اس کے یہ حضرات جاگے اور انہوں نے کپڑوں کے اوپر ہی سے پانی بہایا اور کپڑوں کو اپنے ہاتھوں سے مل رہے تھے، اس وقت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا جس بات کا اب علم ہوا ہے تو میں کبھی پیچھے نہ ہٹتی، اور آپ کو آپ کی ازواج مطہرات ہی غسل دیتیں۔[1]

اس کے بعد آپ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔[2]

حضرت ابو طلحہؓ انصاری کو لحد تیار کرنے کا تجربہ تھا اور مدینہ میں اس فن کے ماہر مانے جاتے تھے۔ سرور دو عالم ﷺ کی لحد تیار کرنے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہوا، نیچے نو کچی اینٹیں بچھائی گئیں، اور کچی اینٹوں ہی سے لحد کو بند کیا گیا۔ قبر لحد والی (بغلی) کھودی گئی تھی۔ اس کے بعد صحابہ کرام حجرہ شریف میں داخل ہوتے گئے اور نماز جنازہ ادا کرتے اور دوسری طرف سے باہر نکلتے گئے۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے بنو ہاشم نے نماز جنازہ ادا کی۔ پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، اور مردوں کے بعد عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔[3] منگل کا مکمل دن اور بدھ بھی نماز جنازہ میں گزر گیا اور بدھ کی رات کو آپ کے جسد اقدس کو سپردِ خاک کیا گیا۔

إِنَّا لِلَّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ہر انسان نے موت کو چکھنا ہے چاہے جس قدر بھی عمر پالے، یہ اللہ کا ایک قانون ہے جسے قرآن کریم میں کئی مقامات پر واضح کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

1 صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۴۵۴۔

2 ایضاً، حدیث نمبر: ۱۲۷۱

3 الطبرانی، المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۶۳۶۷۔

Marfat.com

وفات پر بھی صحابہ کرام میں جب اختلاف ہوا تو صاحبِ رسول اور خلیفہ اوّل ہی کو اللہ تعالیٰ نے فراست دی کہ اس نازک موقع پر ماحول پر قابو پالیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (1)

اور اے نبیؐ، ہیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی ہے۔ اگر تم مرگئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور بُرے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے)اور فرمایا: إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (2)(اے نبیؐ! تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔

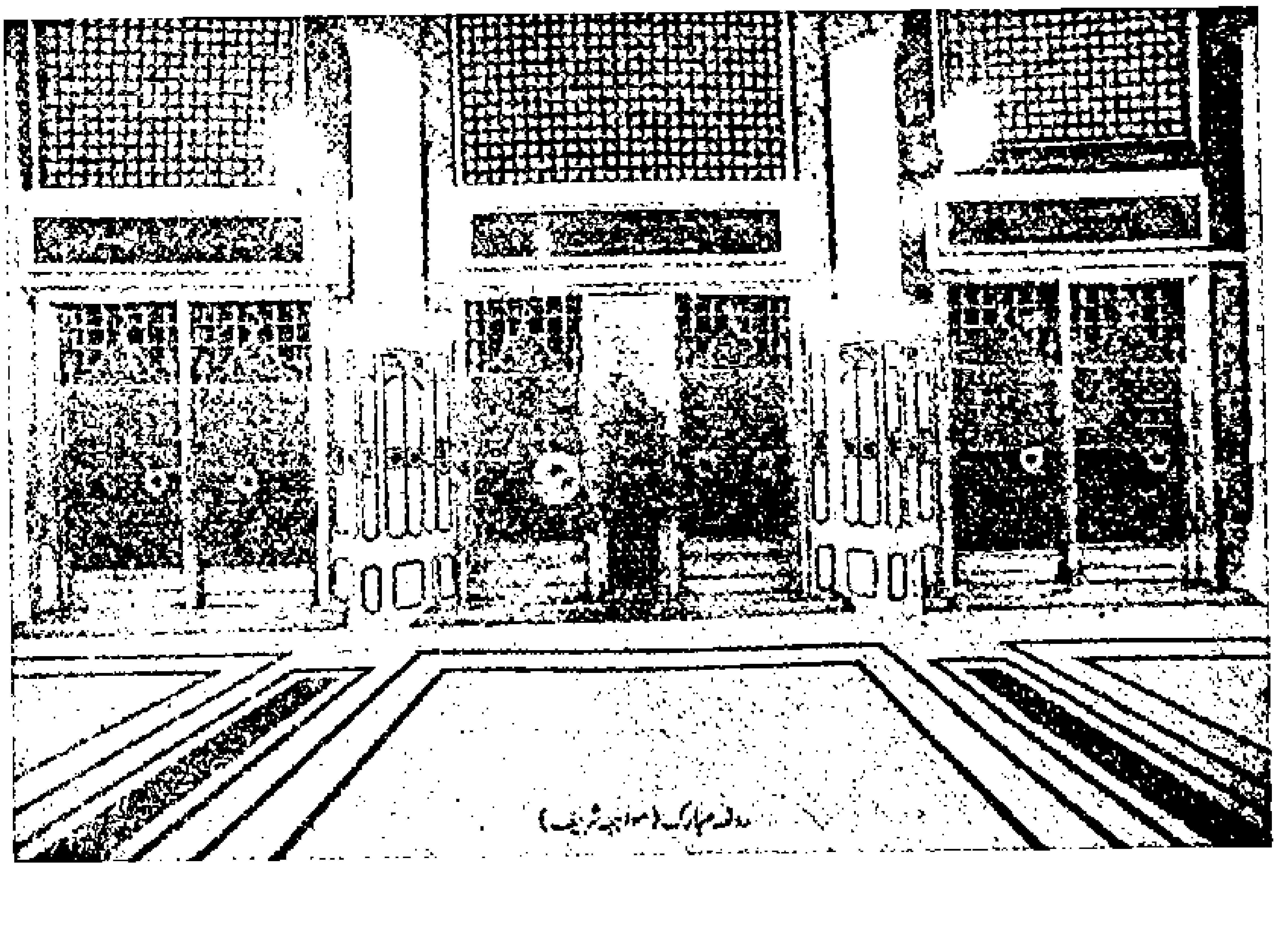

روضہ مبارک (مواجہہ شریف)

1 سورۃ الانبیاء: ۳۴۔

2 سورۃ الزمر: ۳۰۔

Marfat.com

آپؐ کی حیات طیبہ کا اختتام بھی ہوا، اور آپ نے آخری وقت میں شدید بیماری کا مقابلہ بھی کیا، آپ کو سر درد اور بخار نے آلیا، اس وقت صحابہ کرام یہ سب دیکھ رہے تھے کہ آخری وقت کس قدر سخت ہوتا ہے۔ ہر شخص نے موت کو چکھنا ہے، صحابہ کرام اور آنے والے امتیوں کو پتہ چل گیا کہ جس ذات کے لیے دنیا اور جہان بنائے، جس ذات کو یہ اختیار تک دیا کہ یہاں رہنا ہے یا رفیق اعلیٰ کے پاس جانا ہے، اس کو بھی رب تعالیٰ نے اس نازک موقع سے گزارا ہے، اس میں ہر انسان کے لیے سبق ہے کہ یہ دنیا جس قدر بھی آرام دہ ہو، یہاں جس قدر آسائشیں ہوں جب نزع کا عالم ہو گا تو اس وقت کی تکالیف کا ادراک ہونا چاہیے۔ اگر نیک ہے تو اس نزع کی تکلیف کے بعد ہمیشہ کی جنتیں ہیں، جیسا کہ بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی ہی میں جنت کے گھر دکھا دیے تھے، اور اگر بد ہیں تو پھر نزع کا کچھ بھی نہیں۔ اس کے بعد جو آنے والی منازل ہیں، انتہائی طویل اور انتہائی خطرناک ہیں۔ اس آخری حصے میں ہم دیکھتے ہیں آپ سر درد سے پریشان ہیں، حضرت عائشہ آپ کے اوپر دم کر رہی ہیں، آپ پانی اپنے سر پر ڈالتے ہیں، پانی سے ہاتھ گیلے کر کر کے سر مبارک پر رکھتے ہیں، بیماری اور تکلیف کی صورت میں یہ کام کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

اس آخری باب سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان اور قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی موجودگی میں اس بات پر اصرار کیا کہ وہی نماز پڑھائیں گے، پھر آپ کی وفات پر ساری امت آپے سے باہر ہو گئی لیکن وہ ابو بکر ہی تھے جنہوں نے مشکل ترین حالات میں نہ صرف لوگوں کو سنبھال لیا بلکہ امت کو ٹکڑے ہونے، تباہ ہونے، لڑنے اور غلط فیصلے کرنے سے باز رکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس قدر محبت آپؐ کی ذات گرامی سے ابو بکر کو تھی، اس قدر محبت کسی کو نہ تھی اور نہ کسی کا یہ دعویٰ تھا، اس کے باوجود جب بچھڑنے کا وقت آیا تو وہی ابو بکر تھے جن کے اعصاب درست اور ذہن حاضر رہا۔ اس سے لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ اب اس باغ کا باغبان یہی ہو سکتا ہے اور انہی کو باغبانی کے لیے چن لیا۔

Marfat.com

آپ نے اپنی گفتگوؤں میں جس بات پر زیادہ زور دیا وہ یہ تھیں کہ میری قبر کو مسجد یا سجدہ گاہ نہ بنانا، نماز کو کبھی نہ چھوڑنا، عورتوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرنا، غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خیال رکھنا، آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے شرک کا اس قدر ڈر نہیں جس قدر اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا کے پیچھے دوڑ پڑو گے۔ ان ساری وصیتوں کو پلے باندھنے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے ہی سے اگلی منزلیں آسان ہو سکتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ ہر حال میں پاک، طاہر، مطہر، مقدس، محترم ہیں، قیامت تک آنے والے انسانوں اور جنوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ کا اسوہ کامل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خاص مشیت کے مطابق محفوظ چلا آرہا ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں آپ کی حیاتِ طیبہ سے دروس واسباق حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہے، دنیا کی ہر زبان میں آپ کی حیات طیبہ کے بارے میں لکھا جارہا ہے اور ہر دور اور ہر علاقے کے محبانِ رسول اس کار خیر میں اپنی بساط کے مطابق حصہ ڈالتے چلے آرہے ہیں۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں نہیں لاکھوں محبانِ رسول اس کام میں لگے ہیں کہ آپ کی حیات طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے قوم اور امت کی راہنمائی کا سامان کر سکیں۔

وہ ایک زندگی تھی جو تریسٹھ سال تک قرآن کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ مدینہ میں قرآن نازل بھی ہو رہا تھا اور مدینہ کی گلیوں میں قرآن چلتا پھرتا بھی نظر آتا تھا۔ صحابہ کرام نے اس قرآن کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ دنیا کا کوئی کیمرہ اس طرح کی تصویر کشی نہیں کر سکتا، انہوں نے محبت کی وہ تاریخ رقم کی ہے کہ دنیا اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

آپ کا کلام، آپ کی خاموشی، آپ کا انداز، آپ کا جلال، آپ کا جمال، یہاں تک کے آپ کی بات کا انداز دیکھ کر اصحاب یہ اندازہ لگاتے تھے کہ اس وقت طبیعت کیسی ہے۔

آپ کے تمام معمولات، آپ کا کاروبار، آپ کے دوستوں سے تعلقات، دشمنوں سے انداز، حتیٰ کہ آپ کے گھریلو اور ازواج مطہرات کے ساتھ جو معاملات ہوتے تھے وہ بھی بیان ہو جاتے تھے، اور اس کا مقصد ایک ہی ہوتا تھا کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے اس میں ہدایت ورہنمائی رہے اور زندگی کے تمام معاملات میں امت آپ کے اسوہ

Marfat.com

سے سبق حاصل کرے تا کہ گمراہی سے بچا جا سکے، اور پھر ہر دور میں سیرت نگاروں نے، محدثین نے، مسلم تاریخ نگاروں نے آپ کی حیات طیبہ کو اس قدر محفوظ کیا، اس قدر جاوداں کیا کہ اب کوئی ایسی بات رہ نہیں گئی ہے کہ امت کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے کسی قسم کی تشنگی محسوس ہو۔ اس کاوش کا بھی اصل مقصد یہی ہے کہ جن قراء کرام تک یہ کاوش پہنچے وہ بھی اپنی زندگی سنواریں اور نبوی تعلیمات کے مطابق اس کو گزار کر ہمیشہ کی جنتوں کے مستحق بنیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تریسٹھ سالہ زندگی کی مختصر تصویر کھینچی گئی ہے تا کہ عام پڑھے لکھے اردو دان طبقے تک یہ پیغام پہنچ سکے اور سیرت کی تعلیمات عام ہو سکیں۔

Marfat.com

فہرست

حرفِ اوّل ۳
مقدمہ ۷

باب اوّل ولادت سے قبل دنیا کے حالات

جزیرۃ العرب ۱۵
مکّہ مکرّمہ ۱۶
روم اور فارس، دو عظیم طاقتیں ۱۷
روم، ایران اور ہندوستان کی تہذیبی و اخلاقی حالت ۱۸
ایران ۱۹
ہندوستان ۱۹
جغرافیہ عالم میں جزیرۃ العرب کی حیثیت ۲۰
جزیرۃ العرب کے مذاہب ۲۲
مذہبی حالات ۲۴
بتوں کے لیے مال خرچ کرنا اور صدقہ دینا ۲۸
بڑی مذہبی بیماریاں ۲۸
مشرکین عرب کا عقیدہ ۲۹
عمرو بن لحیی اور بت پرستی کا آغاز ۳۰
حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ ۳۱

Marfat.com

مشرکین عرب کے بت ۳۳
قوم نوح کے بتوں کی پوجا ۳۴
عرب کے دیگر مذاہب ۳۷
حنفاء ۳۸
یہودی ۳۸
عیسائی ۴۱
صابی ۴۳
مجوسی ۴۵
دہریے ۴۷
جزیرۃ العرب کے معاشرتی حالات (ولادت سے پہلے) ۵۰
تعدّدِ ازواج اور عورتوں سے معاملہ ۵۱
حائضہ سے سلوک ۵۱
طلاق کی معاشرتی خرابی ۵۱
عورتوں اور بچوں کی میراث ۵۲
بچیوں کو زندہ درگور کرنے کے اسباب ۵۲
یتیم بچوں سے سلوک ۵۴
تصوّرِ لباس ۵۵
بدامنی ۵۶
جزیرۃ العرب کا عمومی تمدن وثقافت ۵۷

Marfat.com

مجموعی معاشی حالت ۵۸
عربوں کے اخلاقِ فاضلہ ۵۹
کرم وسخاوت ۵۹
وفائے عہد ۶۰
خودداری اور عزت نفس ۶۰
عزائم کی تکمیل ۶۱
سادگی ۶۱
جزیرۃ العرب کے سیاسی حالات (عرب قبائل) ۶۱
بنو قحطان ۶۲
قبائل یہود ۶۳
عرب کی قدیم سرداریاں اور حکومتیں ۶۳
شاہانِ حیرہ کی حکومتیں ۶۵
شاہانِ شام ۶۶
سردارانِ حجاز ۶۶
حجاز میں عربوں کی امارت وسرداری ۶۷
قُصَیّ بن کلاب ۶۸
قُصَی کے امتیازات ۶۹
قُصَی کی اولاد ۷۰
قریشی امارت کی انتظامیہ ۷۱

Marfat.com

ہاشم بن عبد مناف ۷۱
عبد المطلب ۷۳
عبد اللہ کی شادی ۷۴
خلاصہ ۷۵

باب دوم: ولادت باسعادت، بچپن، جوانی

طلوع خورشید عالم ۷۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ۷۸
عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ۷۹
اہل کتاب کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ (قرآنِ حکیم کی روشنی میں) ۸۰
اہل کتاب کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ (احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں). ۸۲
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی فضل و شرف ۸۳
ہاتھی والوں کا واقعہ ۸۴
ولادت باسعادت ۸۶
یہودی عالم کی گواہی ۸۶
اسم مُبارک ۸۷
رضاعت ۸۷
حلیمہ سعدیہ کا مقدّر ۸۸
پہلی رات ۸۹
اُونٹنی کی تیز رفتاری ۸۹

Marfat.com

نصیبوں کی بات ۹۰
شیما کی خوش نصیبی ۹۰
نبی کریم ﷺ کے بچپن میں ابتدائی کلمات ۹۱
انوکھا بچپن ۹۱
حلیمہ سعدیہ کے مال مویشیوں میں برکت ۹۲
واقعہ شقِّ صدر ۹۲
یہود کا قافلہ ۹۳
نبی کریم ﷺ کی مکہ واپسی اور گمشدگی ۹۳
بی بی آمنہ کا انتقال ۹۴
اُمّ ایمن ؓ کی سعادت مندی ۹۶
آشوبِ چشم ۹۶
دادا کا انتقال ۹۶
ابو طالب کی آغوش میں ۹۶
بتوں سے نفرت ۹۷
دوسرا واقعہ شقِّ صدر ۹۷
شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات ۹۸
یہود کی بحیرا سے ملاقات ۱۰۰
بارش کے لیے دُعا ۱۰۰
نبی کریم ﷺ کا بکریاں چرانا ۱۰۰

Marfat.com

سفر تجارت کا آغاز ۱۰۱
نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا سفر تجارت ۱۰۱
نبی کریم ﷺ اور حربِ فجار ۱۰۲
معاہدہ حلف الفضول ۱۰۳
اعلیٰ اقدار اور ایفائے عہد کا واقعہ ۱۰۴
حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر تجارت کے لیے جانا ۱۰۵
سفر تجارت سے واپسی ۱۰۶
پیغامِ نکاح ۱۰۷
شانِ خدیجۃ الکبریٰؓ ۱۰۸
اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکُبریٰؓ سے اولادِ رسول ﷺ ۱۱۰
کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ ۱۱۱
اسفار رسول ﷺ ۱۱۲
مراسم شرک سے اجتناب ۱۱۳
موحّدین سے ملاقات ۱۱۳
نبی کریم ﷺ کے احبابِ خاص ۱۱۴
ابتدائی چالیس سالہ حیات طیبہ پر ایک نظر ۱۱۵
خلاصہ ۱۱۷

باب سوم نبوت ورسالت کی چھاؤں میں

بعثتِ نبوی ﷺ ۱۲۰

Marfat.com

غارِ حرا میں ۱۲۰
آغازِ وحی ۱۲۵
نماز کا آغاز ۱۲۶
حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام ۱۲۷
حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کا قبول اسلام ۱۲۷
دعوت کے مراحل (خفیہ دعوت و تبلیغ کا تین سالہ دور) ۱۲۸
دارِ ارقم، دعوت و تبلیغ کا پہلا مرکز ۱۲۹
دعوت عام کی ابتداء ۱۲۹
قریب ترین رشتہ داروں کو دعوت ۱۳۰
کوہِ صفا پر اعلانِ حق ۱۳۲
دعوت و تبلیغ کا حکیمانہ انداز ۱۳۴
تبلیغِ عام ۱۳۴
آپؐ کی دعوت کی خاص خاص باتیں ۱۳۴
مجالس، میلوں اور منڈیوں میں دعوت و تبلیغ ۱۳۵
دشمنی اور ایذاء رسانی کا آغاز ۱۳۷
قریش ابو طالب کی خدمت میں ۱۳۷
اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج۔۔۔ ۱۳۸
قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم ۱۳۹
نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریش کی بدسلوکی ۱۴۱

Marfat.com

ہجرت حبشہ ۱۴۴
مہاجرین کی واپسی اور اس کا سبب ۱۴۶
دوسری ہجرت حبشہ اور قریش کا تعاقب ۱۴۷
مہاجرین کو واپس لانے کے لیے قریش کی تدابیر ۱۴۸
نجاشی کے دربار میں ۱۴۸
حضرت جعفرؓ کی تقریر ۱۴۹
قریش کے وفد کی ناکامی ۱۵۲
حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام ۱۵۶
حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ۱۵۷
قریش کی مصالحتی کوشش ۱۶۱
اذیت کی مختلف صورتیں اور نبی کریم ﷺ کا کردار ۱۶۴
بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ ۱۶۴
شعب ابی طالب میں ۱۶۵
شق القمر کا واقعہ ۱۶۶
عہد نامہ کی تنسیخ اور مقاطعہ کا خاتمہ ۱۶۷
پیارے چچا ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی جدائی کا عظیم صدمہ ۱۶۸
کفار کی اذیت رسانیاں ۱۶۹
یوسف علیہ السلام کے بارے میں سوال اور قصہ یوسف کی بشارتیں ۱۷۰
مکہ سے باہر دعوت اسلام ۱۷۴

Marfat.com

آپ ﷺ کی رقت انگیز دعا ۱۷۷

جنوں کا قرآن سننا ۱۸۰

مکہ واپسی ۱۸۰

اسراء و معراج ۱۸۲

سفر معراج کی روداد ۱۸۴

انبیاء کرامؑ کی امامت ۱۸۵

پہلے آسمان پر ۱۸۵

دوسرے آسمان پر ۱۸۷

سدرۃ المنتہیٰ ۱۸۸

نماز کی فرضیت کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ۱۸۹

نماز کے اوقات کی تعلیم ۱۹۰

قبائل عرب کو دعوت اسلام ۱۹۰

سویدؓ بن صامت کا اسلام ۱۹۱

طفیلؓ بن عمرو دوسی ۱۹۲

ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام ۱۹۳

حضرت سودہؓ سے شادی ۱۹۷

انصار کے اوّلین گروہ کا قبولِ اسلام ۱۹۷

حضرت عائشہؓ سے نکاح ۱۹۹

بیعت عقبہ اولیٰ ۱۹۹

Marfat.com

بیعتِ عقبہ ثانیہ ۲۰۵
قریش کا ردِّ عمل ۲۱۱
ہجرتِ مدینہ ۲۱۲
قریش کی پریشانی ۲۱۳
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ ۲۱۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ۲۱۷
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا گھیراؤ ۲۱۸
الوداع اے مکہ الوداع ۲۱۹
یثرب کی طرف روانگی ۲۲۰
ام معبد کے خیمے میں ۲۲۰

باب چہارم بعثت کے وقت یثرب کے حالات، مدنی ریاست کا قیام،
فرضیت صوم

یثرب (مدینہ منورہ) ۲۲۶
یثرب میں یہودیوں کی آمد کے اسباب ۲۲۶
یثرب کے مشہور بازار اور تجارت ۲۲۷
روزگار ۲۲۷
بوقتِ بعثت یثرب کے یہود کے حالات ۲۲۸
یہودِ یثرب کے معاشرتی حالات ۲۲۸
یہود کی معاشی حالت ۲۲۹

Marfat.com

یہودِ یثرب کی مذہبی حالت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۰
نسلی عصبیت اور بنی نوع انسان سے رویہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۰
آمدِ رسول ﷺ کے وقت یہودیوں کا رویہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۱
اوس و خزرج اور مشرکین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۲
اوس و خزرج کی نقل مکانی کے اسباب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۲
اوس و خزرج کے محلے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۳
اوس و خزرج اور یہود کی پیش گوئیاں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۴
یثرب کا نیا نام مدینۃ النبی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۴
مشرکین یثرب اور اسلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۵
جنگ بعاث اور عبد اللہ بن اُبی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۵
یثرب میں دعوت کی پہلی کرن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۶
مسجد قبا میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۷
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال حکمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۹
مسجد قباء کی تعمیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳۹
یثرب سے مدینہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۰
مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۲
مسجد نبوی کا نقشہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۲
حجراتِ ازواج مطہرات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۴
مسجد کا کردار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۴۴

Marfat.com

مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے پالیسی خطاب ۲۴۶
آغاز ہجرت پر بعض صحابہؓ کی مشکلات ۲۴۹
ہجرت کے بعد سرزمین مدینہ پر دوررس اثرات ۲۵۰
ہجرت کے نتائج ۲۵۲
ابتدائے اذان ۲۵۳
مؤاخاتِ مدینہ کے فوائد ۲۶۲
صفہ اور اصحابِ صفہ ۲۶۳
نبی کریم ﷺ اور اصحابِ صفہ ۲۶۴
تحویلِ قبلہ ۲۶۶
کعبے کی طرف رُخ کرنے کا مطلب ۲۶۸
مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے تین دشمن ۲۷۰
رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی ۲۷۰
یہود مدینہ ۲۷۲
قریشِ مکّہ ۲۷۴
اِذن جہاد ۲۷۷
غزوات وسرایا پر ایک نظر ۲۷۹
غزوات رسول اور دیگر جنگوں میں مقتولین کی تعداد کا جائزہ ۲۸۴
سرحدوں کی نگرانی کے لیے سب سے پہلی مہم ۲۸۶
حضرت عائشہؓ سے شادی ۲۸۶

Marfat.com

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح ۲۸۷
ولادت حسنین کریمین ۲۸۸
فرضیتِ زکوٰۃ ۲۸۹
فرضیت روزہ ۲۹۰

باب پنجم کفار کے نوزائدہ مسلم ریاست پر پے در پے حملے، اسلامی قانون سازی صلح حدیبیہ، کفار قریش کا مسلم قوت کو تسلیم کرنا

غزوہ بدر ۲۹۴
غزوہ بدر کے اسباب ۲۹۷
غزوہ بدر کی اہمیت اور ایمان کا امتحان ۳۰۰
سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول ﷺ کی وفات ۳۰۰
صدقہ فطر اور نماز عیدُالفطر ۳۰۱
حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے نکاح ۳۰۳
مسلمانوں پر قریش کا دوسرا بڑا حملہ یا غزوۂ احد اسباب ۳۰۴
غزوہ احد سے پہلے ابوسفیان کا حملہ ۳۰۵
غزوہ احد کے لیے لشکر مکہ کی روانگی ۳۰۷
میدان احد کا انتخاب ۳۰۷
محمد ﷺ کے شہید کر دیے جانے کی افواہ ۳۰۹
دفاع کا خوبصورت انداز ۳۱۱
حمراءُ الاسد تک دشمن کا تعاقب ۳۱۳

Marfat.com

غزوہ احد میں فتح کس کی ہوئی ۳۱۳
غزوہ احد سے حاصل ہونے والے فوائد ۳۱۵
سیدہ زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ۳۱۷
قانون وراثت کی تفصیل ۳۱۸
حرمت شراب کا حکم ۳۱۸
آخری حکم ۳۲۰
ثمامہ کے ساتھ حکمت عملی اور فتح نجد کی نوید ۳۲۱
تبلیغی وفود ۳۲۲
نبی کریم کی بد دعائیں ۳۲۳
بنی نضیر کی بد عہدی اور سزا ۳۲۴
بدر کے مقام پر حسب وعدہ پڑاؤ ۳۲۵
حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ۳۲۶
حضرت عائشہ کی عرش الٰہی سے براءت ۳۳۲
ام المؤمنین سیدہ جویریہؓ بنت حارث سے نکاح ۳۴۵
حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح ۳۴۸
نکاحِ زینبؓ پر پروپیگنڈے کا طوفان: ۳۴۹
متبنیٰ کی حیثیت ۳۵۰
پردے کا حکم ۳۵۹
غزوہ خندق (احزاب) ۳۶۱

Marfat.com

یہود بنی قریظہ کی بد عہدی اور سزا ۳۷۰
شراب، جوئے کی تحریم، قانونِ وراثت اور عائلی قوانین کی تکمیل ۳۷۲
ہجرت کے پانچویں اور چھٹے سال کی مختصر مہمات ۳۷۲
عبد اللہ بن عتیک اور شاتم رسول ابو رافع بن ابی الحقیق کی سر کوبی ۳۷۳
مسلمان نبی کریمؐ کی شان میں گستاخی سے مرتد ہو جاتا ہے ۳۸۰
سریہ محمد بن مسلمہ اور کعب بن اشرف کا قتل ۳۸۱
کعب بن اشرف کے قتل کے اسباب ۳۸۶
شعبان چھ ہجری سے ذی القعدہ چھ ہجری تک کی مختلف مہمات ۳۸۹
صلح حدیبیہ ذی القعدۃ ۶ھ ۳۹۰
سید دو عالم کا خواب اور اس کی تعبیر (فتح مبین) ۳۹۱
بیعتِ رضوان ۳۹۷
سیدہ ام سلمہؓ کی فضیلت اور معاملہ فہمی ۴۰۳
حدیبیہ کے موقع پر پیش آنے والے واقعات سے دروس واسباق ۴۰۴
کفار سے اہل اسلام کے نکاح کی حرمت ۴۰۸
صلاۃ الخوف ۴۰۹
حضرت اُمّ حبیبہؓ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح نبوی ۴۰۹

باب ششم شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام، فتح مکہ،
اسلام کا مکمل غلبہ، حجۃ الوداع، الوداع

بادشاہانِ عالم کے نام خطوط اور دعوتِ اسلام ۴۱۴

Marfat.com

نجاشی کے نام ۴۱۶
شاہ بحرین ۴۱۶
شاہ عمان جیفر واور اور عبد بن جلندی ۴۱۶
حاکم دمشق منذر بن حارث بن ابو شمر ۴۱۶
یمامہ کا حاکم ہوذہ بن علی ۴۱۶
سکندریہ اور مصر کا بادشاہ جریج بن متی (مقوقس) ۴۱۶
ہرقل، حاکم قسطنطنیہ ۴۱۷
کسریٰ فارس خسرو پرویز ۴۱۹
گورنر شام فروہ بن عمرو الخزاعی ۴۱۹
سردار دوۃ الجندل اکیدر ۴۲۱
عورتوں سے ظہار کے احکام ۴۲۲
وفد جذام کی آمد اور قبول اسلام ۴۲۳
ذات قَرَد میں ڈاکوؤں کی سرکوبی ۴۲۳
یہودی عورت کی دعوت اور زہر آلود گوشت ۴۲۷
حضرت صفیہ بنت حُیَی سے شادی ۴۲۷
ام المؤمنین ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین کی حبشہ سے واپسی ۴۳۰
محرم ۷ ہجری تا شوال مختلف مہمات ۴۳۰
حضرت میمونہؓ سے نکاح ۴۳۱
تعدد ازواج اور حضور کی دس زوجات کی خصوصیت ۴۳۳

Marfat.com

وضاحت ۴۳۴
تعدّد ازواج ۴۳۹
عمرۂ قضا ۴۴۰
اللہ کے دو شیروں کا قبولِ اسلام ۴۴۲
عمرۂ قضا کے بعد کی فوجی اور تبلیغی مہمات ۴۴۲
شام کے رومی عامل کی طرف سے سفیر نبوی کا قتل ۴۴۳
قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی ۴۴۹
مکہ کی طرف پیش قدمی ۴۵۱
ابوسفیان دربارِ نبوّت میں ۴۵۴
ابوسفیان کے قبولِ اسلام سے دروس واسباق ۴۵۶
مکہ میں داخلہ ۴۵۷
عاجزی وانکساری اور دنیا کی سب سے بڑی فتح ۴۵۹
گستاخِ رسول اور شدید ایذا دینے والے کو معافی نہیں ۴۵۹
حرم پاک کو شرک اور بتوں سے پاک کرنے کا عمل ۴۶۲
انصار کی پریشانی ۴۶۶
حرم پاک اور مکہ مکرمہ سے بتوں کا صفایا ۴۶۶
والی مکہ کی تعیناتی ۴۶۷
ہوازن اور ثقیف کی طرف سے اسلامی حکومت کو للکار ۴۶۷
حنین کے میدان میں متکبر فوجوں کا پڑاؤ ۴۶۸

Marfat.com

مکہ سے حنین روانگی اور کثرتِ تعداد پر فخر ۴۶۹
نبی کریم کا بچپن کا دانتوں سے کاٹنا بہن کے لیے رحمتِ عظیم ۴۷۱
بچپن کے دانتوں کا کاٹنا ہزاروں بدترین دشمنانِ اسلام کے لیے رحمت ۴۷۳
طائف کی طرف روانگی ۴۷۳
طائف کا محاصرہ ۴۷۴
مالِ غنیمت کی تقسیم اور انصار کا رویہ ۴۷۵
مدینہ منورہ روانگی سے قبل عمرہ ۴۷۹
۸ ہجری کی مختلف تبلیغی و دعوتی مہمات ۴۷۹
سید زینب بنت النبی ﷺ کی وفات ۴۸۰
حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کی ولادت ۴۸۱
قبیلہ بنی مصطلق کے بارے میں شک اور اس کا علاج ۴۸۱
رومی سپر طاقت بمقابلہ نوزائیدہ اسلامی ریاست ۴۸۳
غَزوۂ تبوک ۴۸۴
تبوک روانگی کے لیے تیاری ۴۸۶
دروس و اسباق ۴۸۹
مسجد ضرار کی تعمیر اور اس میں نماز کی ممانعت ۴۹۲
تبوک سے کامران و شادمان واپسی ۴۹۶
تبوک کی مہم سے پیچھے رہ جانے والوں کا انجام ۴۹۶
سستی سے پیچھے رہ جانے والے اور اپنے آپ کو سزا دینے والے ۴۹۸

Marfat.com

عام الوفود ۵۰۰
نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ ۵۰۰
سیدہ ام کلثومؓ کی وفات ۵۰۱
عبداللہ بن اُبی کی موت ۵۰۱
بیس روز کا اعتکاف ۵۰۳
فرضیتِ حج ۵۰۴
سرکاری سطح پر محصولات کی وصولی ۵۰۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے ایک ماہ کی علیحدگی ۵۰۵
وفات ابراہیم بن رسول اللہ ۵۰۹
حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ ۵۱۰
استقبال کعبہ اور طواف ۵۱۲
غدیر خُم ۵۲۶
سن ۱۱ ہجری کے واقعات ۵۲۸
اسود العنسی کذّاب ۵۲۸
جیشِ اسامہ ۵۲۹
رخصت کے آثار ۵۳۰
دردِ سر (۲۹ صفر ۱۱ ہجری) ۵۳۱
شدتِ مرض ۵۳۱
حضرت ابو بکر صدیق کا اعزاز ۵۳۲

Marfat.com

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا آخری خطبہ ۵۳۴
وفات سے چار روز پہلے ۵۳۵
وفات سے ایک روز پہلے ۵۳۶
صاحبزادی فاطمہ سے سرگوشی ۵۳۷
وفات کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت ۵۳۹
تجہیز و تکفین ۵۴۱
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۵۴۲
مصادر و مراجع ۵۶۷

Marfat.com

مصادر ومراجع

- القرآن الكريم۔
- ابن أبى شبية، أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي م:٢٣٥هـ المُصَنَّف دار القبلة، بدون تاريخ.
- ابن تيمية تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الصارم المسلول على شاتم الرسول الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية۔
- ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم (المتوفى: ٧٢٨هـ)، الصارم المسلول،الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية۔
- ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي (المتوفى: ٨٥٢ه) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية دار العاصمة، دار الغيث - السعودية، الطبعة: الأولى، ١٤١٩هـ۔
- ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن محمد، تهذيب التهذيب، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند،١٣٢٦ه.
- ابن حجر، الإصابة في تمييز الصحابة، تحقيق: علي محمد البجاوي، دار الجيل، بيروت- لبنان، ١٤١٢ه - ١٩٩٢ء۔
- ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد (المتوفى: ٢٣٠هـ)، الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية - بيروت،الطبعة: الأولى، ١٤١٠هـ
- ابن سعد،أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي (المتوفى: ٢٣٠هـ) الطبقات الكبرى،دار صادر - بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٦٨ ء۔
- ابن قيم الجوزية، زاد المعاد في هدي خير العباد، مكتبة المنار الإسلامية، الطبعة: السابعة والعشرون، الكويت، ١٤١٥هـ
- ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: ٧٥١هـ)، زاد المعاد في هدي خير العباد ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: السابعة والعشرون, ١٤١٥هـ

Marfat.com

❖ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم،المحقق: سامي بن محمد سلامة،دار طيبة للنشر والتوزيع،الطبعة: الثانية ١٤٢٠هـ - ١٩٩٩ ء.

❖ ابن كثير،أبو الفداء إسماعيل بن عمر القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)،البداية والنهاية، دار إحياء التراث العربي،الطبعة: الأولى ١٤٠٨هـ، هـ١٩٨٨ء.

❖ ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب (المتوفى: ٢١٣هـ)، السيرة النبوية،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة: الثانية، ١٣٧٥هـ

❖ ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، (المتوفى: ٢١٣هـ)، السيرة النبوية، تحقيق: مصطفى السقا، وإبراهيم الأبياري، وعبد الحفيظ الشلبي،دار الفكر بيروت، الطبعة: الثانية، ١٣٧٥هـ ١٩٥٥ء.

❖ أبو إسحاق إبراهيم بن موسى بن محمد الغرناطي الشاطبي، الاعتصام،دار ابن عفان

❖ أبو الفضل، عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، (المتوفى: ٥٤٤هـ)، مشارق الأنوار على صحاح الآثار، المكتبة العتيقة ودار التراث، بدون تاريخ.

❖ أبو بكر البيهقي أحمد بن الحسين بن علي دلائل النبوة، (المتوفى: ٤٥٨هـ) : دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث،

❖ أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي، السجستاني، (المتوفى: ٢٧٥هـ)، السنن، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت، بدون تاريخ.

❖ أبو شُهبة، السيرة النبوية على ضوء القرآن والسنة دار القلم - دمشق الطبعة: الثامنة - ١٤٢٧ هـ

❖ أحمد بن حنبل،أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ) المسند، المحقق: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون مؤسسة الرسالة الطبعة الأولى،٢٠٠١ ء

❖ احمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد الشيباني، (المتوف : ٢٤١هـ)،عالم الكتب - بيروت، الطبعة : الأولى، ١٤١٩هـ .

❖ الأصبهاني، أبو نعيم أحمد بن عبد الله، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء،دار الكتاب العربي،بيروت،الطبعة الرابعة، ١٤٠٥هـ.

Marfat.com

❖ البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله،الجامع المسند الصحيح، دار طوق النجاة الطبعة: الأولى، ١٤٢٢هـ

❖ البزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق (المتوفى: ٢٩٢هـ)، مسند البزار،مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة

❖ البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى (المتوفى: ٤٥٨هـ)، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الثالثة، ١٤٢٤ هـ ٢٠٠٣ ء.

❖ البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي الخراساني، (المتوفى: ٤٥٨هـ)،دار الكتب العلمية - بيروت

❖ الترمذي، أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك (المتوفى: ٢٧٩هـ)،السنن دار الغرب الإسلامي، بيروت، ١٩٩٨ ء.

❖ جان ڈیون بورڈ، ائڈیالوجی آف محمد اینڈ قرآن بحوالہ رحمۃللعالمین

❖ الجوزي، جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد (المتوفى: ٥٩٧هـ) كشف المشكل من حديث الصحيحين،المحقق: علي حسين البواب،دار الوطن – الرياض.

❖ الحلبي أبو الفرج، علي بن إبراهيم، (المتوفى: ١٠٤٤هـ) السيرة الحلبية، دار الكتب العلمية - بيروت

❖ الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي (المتوفى: ٣٨٥هـ) السنن، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان،الطبعة: الأولى، ١٤٢٤ هـ ٢٠٠٤ ء.

❖ الدكتور مہدی رزق اللہ احمد، السيرة النبوية فى المصادر الأصلية،، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، الرياض، ١٩٩٢ء

❖ الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد (المتوفى : ٧٤٨هـ) سير أعلام النبلاء،مؤسسة الرسالة،الطبعة : الثالثة، ١٤٠٥ هـ

❖ الزرقاني، أبو عبد الله، شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية: ، دار الكتب العلمية، بيروت.

❖ سنن ترمذی، تفسير سورة الاحزاب، حديث: ٣٢١٣ دار البشار بيروت۔

Marfat.com

❖ الشامي، الصالحي، محمد بن يوسف الصالحي الشامي (المتوفى: ٩٤٢هـ)، سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد،دار الكتب العلمية بيروت – لبنان،الطبعة: الأولى، ١٤١٤ هـ

❖ الشامي، محمد بن يوسف الصالح، سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاددار الكتب العلميه بيروت لبنان، ١٤١٤هـ۔

❖ شبلی نعمانی، سیرة النبی الفیصل ناشران، لاہور،١٩٩١ء۔

❖ الطبراني، سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم (المتوفى: ٣٦٠هـ)، المعجم الكبير، مكتبة ابن تيمية، القاهرة.الطبعة: الأولى - ١٤٠٥ هـ

❖ العسقلاني أحمد بن علي بن حجر فتح الباري شرح دار المعرفة - بيروت، ١٣٧٩هـ

❖ العظيم آبادي، محمد شمس الحق، المتوفى: ١٣٢٩هـ)، عون المعبود شرح سنن أبي داود، دار الكتب العلمية، لبنان، الطبعة الثانية، بدون تاريخ.

❖ العيني بدر الدين، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى (المتوفى: ٨٥٥هـ)، عمدة القاري شرح صحيح البخاري، دار إحياء التراث العربي، بدون تأريخ.

❖ قاضی محمد سليمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین پروگریسو بکس لاہور١٩٩٩ء

❖ القرطبي، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري(ت ٤٦٣هـ)، الاستيعاب في معرفة الأصحاب دار الجيل، بيروت:١٤١٢هـ.

❖ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، تحقيق، محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي - بيروت.

❖ مصطفى بن حسني السباعي (المتوفى: ١٣٨٤هـ)، السيرة النبوية - دروس وعبر،المكتب الإسلامي،الطبعة: الثالثة، ١٤٠٥هـ - ١٩٨٥ء ،

❖ المقريزي (المتوفى: ٨٤٥هـ)، إمتاع الأسماع، دار الكتب العلمية – بيروت

Marfat.com

❖ مهدي رزق الله احمد،السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية:، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية الرياض،١٩٩٢ء.

❖ مودودي، سيد ابو الاعلى،تفہیم القرآن ، إداره ترجمان القرآن لاہور باكستان

❖ النسائي، أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١١ ھ١٩٩١ء.

❖ النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف (المتوفى: ٦٧٦هـ) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي – بيروت،الطبعة: الثانية، ١٣٩٢

❖ النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ٦٧٦ھ)، تهذيب الأسماء واللغات، عنيت بنشره وتصحيحه والتعليق عليه ومقابلة أصوله: شركة العلماء بمساعدة إدارة الطباعة المنيرية، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، بدون تاريخ.

❖ الواقدي، أبو عبد الله محمد بن عمر (المتوفى: ٢٠٧هـ)، عالم الكتب، بيروت-

❖ اطلس سیرت نبوی دار السلام،

❖ rahbereislam.com/index.php/khatam-ul-ambiya

❖ islamichistory02.blogspot.com

❖ mercyprophet.org

Marfat.com

مختصر سیرتِ طیبہ

ڈاکٹر طاہر صدیق

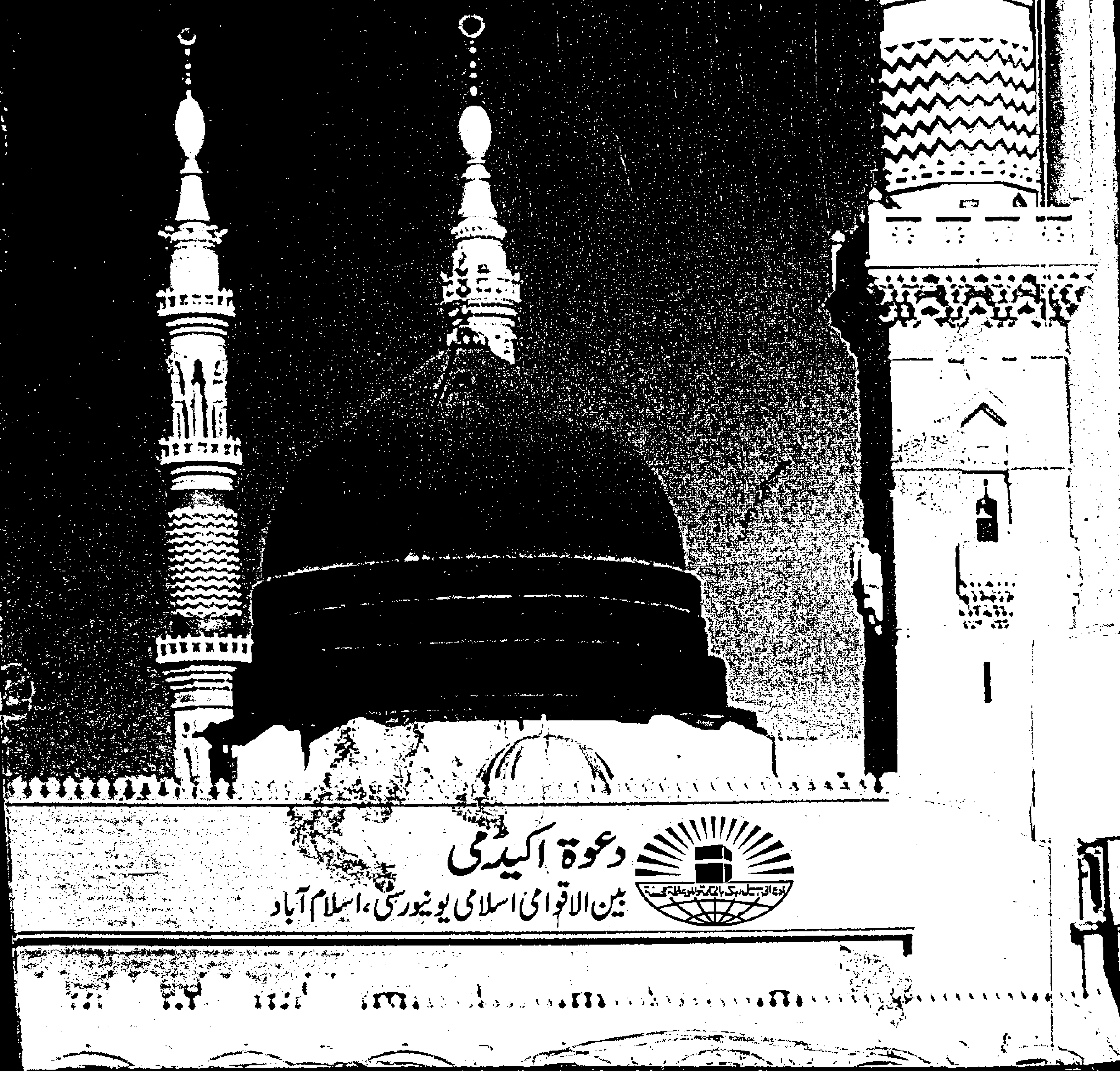

دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Marfat.com